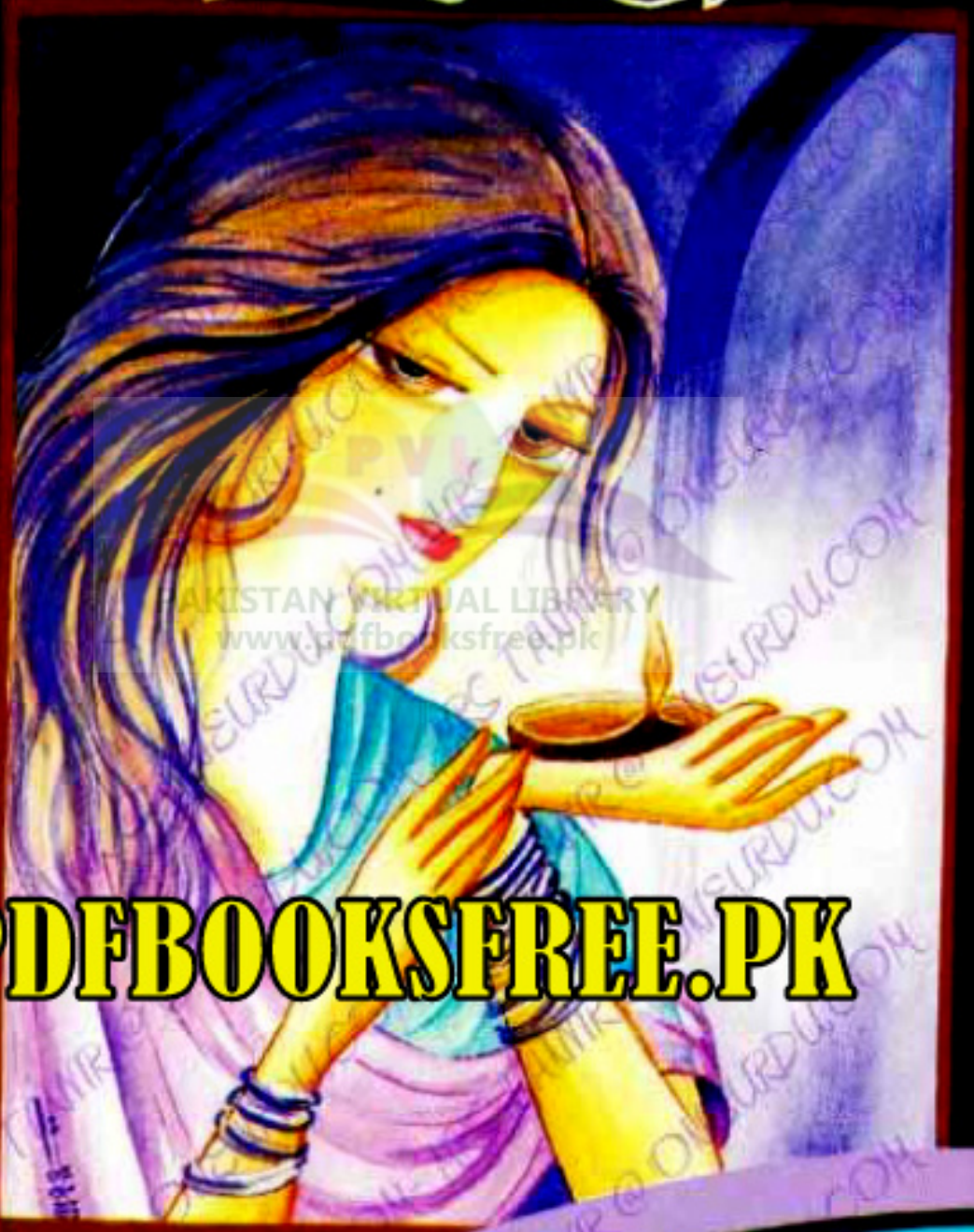


دل بے قرار



PDFBOOKSFREE.PK

نگہت عباد اللہ

دلی بے قرار



۴۰۔ بی، اردو بازار۔ لاہور

فون: 7234137 فیکس: 7312159

طاہر سنز پبلشرز

Website: www.tahirsonspublishers.com

E-mail: info@tahirsonspublishers.com

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

انتساب

بے قرار
دلوں کے نام

نام کتاب	ۛۛ	دل بے قرار
مصنفہ	ۛۛ	نگہت عبداللہ
آرٹسٹ	ۛۛ	محمد شفقت
نائل ڈیزائن	ۛۛ	محمد عامر
کمپوزنگ	ۛۛ	عاصم شہزاد (طاہر سنز آرٹ سٹیشن)
ناشر	ۛۛ	سید فرحان زیدی
مطبع	ۛۛ	محمد سید شاہ پرنٹنگ پریس
سن اشاعت	ۛۛ	جولائی 2008ء
قیمت	ۛۛ	350/- روپے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

تمام عمر میں ہر صبح کی اذان کے بعد
اک امتحان سے گزرا اک امتحان کے بعد
خدا کرے کہ کہیں اور گردشِ تقدیر
میری کا گھر نہ اُجاڑے مرے مکان کے بعد
بھرا ہی گیا ہے میرے پاس نذر کرنے کو
ترے حضور مری جان! مری جان کے بعد

○○○

دل بے قرار

میں نے بھر پر محیط شادی کی افراتفری اور رونقیں جو یہ کی رخصتی کے ساتھ ہی رخصت ہو گئیں۔ فضا نے بھی گویا دم سادھ لیا تھا۔

نوریہ نے میز حیاں اترتے ہوئے بڑے پاپا کے گھر پر نظر ڈالی۔ بتیاں بچھ چکی تھیں اور ادھر سنبھنے کی باڑھ میں قہقروں کی روشنیوں کا دم ہو کر یوں لگ رہی تھیں جیسے ننھے ننھے جگنو آنکھ پھولی کھیل رہے ہوں۔ گوکہ وہ بہت جلالت میں پایا کو دوا دے کر بھاگی تھی تاکہ ہال کمرے میں جی کزنز کی محفل میں شریک ہو سکے لیکن فضا میں ماند پڑتی روشنیوں نے اس کے قدم روک لیے تھے۔ اس منظر کا اپنا حسن تھا اور وہ سد کی حسن پرست تھی جب ہی اسے کچھ یاد نہیں رہا۔ موسم سرما کی خاموش رات میں بڑا فسوں تھا اور وہ مکمل طور پر اس کے سحر میں کھو چکی تھی۔ وہ تو جب مریم چائے کی ٹرے لیے کچن سے نکلی تو اسے دیکھ کر پکارا۔

”نوریہ.....! تم وہاں کیوں کھڑی ہو.....؟“

”ہیں.....!“ وہ چونک کر مسکرائی۔

”آؤ ناں.....! سب تمہارا پوچھ رہے ہیں۔“

”ہاں.....! میں ادھر ہی آ رہی ہوں۔“ نوریہ نے مریم کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے رنگین قہقروں کو

ہاتھ دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ”جاری ہوں۔“ پھر جب ہال کمرے میں داخل ہوئی تو اسے دیکھتے ہی نعمان نے ٹوکا۔

”اچھا..... اس بحث کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ رشتے داروں میں کیا برائی ہے.....؟“ مریم ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

”کوئی برائی نہیں..... میں بس کچھ اور سوچتی ہوں۔“ وہ ہنوز اطمینان سے بولی۔
”کیا.....؟ اور کیا سوچتی ہو.....؟“ مریم نے پوچھا۔ وہ صاف گوئی سے بتانا چاہتی تھی کہ بہن زاد چچا کی آمد نے سب کو بکھلا دیا کیونکہ وہ آتے ہی دھاڑنے لگے۔

”نعمان.....؟“

”جی پاپا.....! نعمان مودب کھڑا ہو گیا۔

”نالائق.....! نکلے.....! ناظم دیکھا ہے.....؟ رات کے تین تین بجے تک گپیں لڑاؤ گے تو دن میں خاک کچھ کرو گے اور میں جانتا ہوں تم کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے ہو۔ نہ کوئی کام کرتے ہو۔ دماغ میں آوارگی زچہ ہوئی ہے۔“ بہن زاد چچا قصے میں بولے جا رہے تھے۔ نعمان سر جھکا کر کھڑا تھا۔
تمام لڑکے لڑکیوں نے ایک ایک کر کے وہاں سے کھٹکے ہی میں عافیت جانی۔

○ ○ ○

شہباز حسن، شیراز حسن اور بہن زاد حسن تینوں بھائی شروع سے ساتھ رہے تھے۔ ان کی ایک بہن سفید تھی۔ پہلے تو ایک ہی بچہ میں قیام تھا پھر جب سفید بیاہ کر چلی گئی اور بچے بھی بڑے ہو گئے تو ساتھ والا بنگلہ جو کمرائے پر اٹھایا ہوا تھا، وہ خالی کر دیا اور سب سے بڑے شہباز حسن وہاں شفٹ ہو گئے اور درمیان کی دیوار گرا کر ان کی سی باڑھ لگا دی گئی تھی۔ یوں ان کا جانا زیادہ محسوس نہیں ہوا تھا خاص کر ان کی والدہ کو۔
بھائیوں میں شہباز حسن سب سے بڑے تھے اور ان کی تین اولادیں تھیں عباد حسن، مریم اور شعیب۔ ان کے بعد شیراز حسن تھے اور ان کی دو بیٹیاں جویریہ اور نور یہ تھیں۔ پھر بہن زاد حسن تھے ان کے بھی تین بچے تھے۔ نعمان حسن، وردا اور شعیب۔

ان تینوں گھرانوں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا نہ حیثیتوں میں نہ مزاجوں میں۔ بس ایک بہن زاد حسن تھے جن کا مزاج نئی جنریشن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ چنانچہ وہ ہر وقت واقعی غصے میں رہتے تھے یا ان کی شخصیت ہی اتنی بارعب تھی۔ حالانکہ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے پھر بھی ان کے سامنے بڑے بھی خاموش ہو جاتے تھے اور ان کے اپنے بچوں میں زیادہ تر نعمان ہی ان کے عتاب کا نشانہ بنتا تھا۔ غلطی خواہ کسی کی بھی ہوتی غصیادہ نعمان کو جھگڑنا پڑتا اور نعمان نے جانے اپنے دل میں کیا ٹھان رکھی تھی کہ ان کی ڈاٹ پر کام سر جھکا کر سنا کرنا اور ان کے جاتے ہی یوں بن جاتا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ بچپن میں بچوں کی شرارتیں اور بدتمیزیاں اسی کے کھاتے میں لکھی جاتیں اور اس وقت اپنے صاف بچ جانے پر بچے خوش ہوتے تھے لیکن بڑے ہونے پر سب ہی اس کا خیال کرنے لگے تھے جبکہ ہر قسم کے پروگرام لانے میں وہی خوش پیش ہوتا تھا۔

”تم کہاں چلی گئی تھیں.....؟“

”پاپا کو دواد دینا چاہی۔“ اس نے بتایا پھر چائے کا کپ اٹھا کر پوچھنے لگی۔

”سوٹی کہاں ہے.....؟“

”سوٹے چلا گیا۔ اصل میں صبح اسے کالج جانا ہے۔“ مریم نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”میں تو ابھی دو تین دن مزید چھٹی کروں گی۔ بہت تھکن ہو گئی ہے۔“

”ہاں.....! لیکن مزہ بھی بہت آیا۔“ زردا بھی بھی خوش تھی۔

”ہوں..... بس ایک بات مجھے یاد کرتی رہی۔“ اس نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے.....؟“ مریم نے پوچھا۔

”یہی کہ جویریہ بیاہ کر نہیں پڑوس میں گئی ہے۔“ وہ کہہ کر پھر خود ہی وضاحت کرنے لگی۔

”میرا مطلب ہے بڑے پاپا کا گھر اگر دور ہوتا تو آنے جانے میں مزہ آتا۔“

”تو تمہارے لیے کن دور کا گھر دیکھ لیں گے۔ کیوں نعمان.....؟“ مریم نے اپنی بات کی تائید

چاہی تو اس سے پہلے وہ خود بول پڑی۔

”ہاں.....! میں یہی چاہتی ہوں۔“

”کیوں.....؟ تمہیں کوئی اعتراض ہے.....؟“ وہ نعمان کو دیکھنے لگی۔

”نہیں.....! لیکن.....“ نعمان جانے کس سوچ میں پڑ گیا۔

”لیکن.....! لیکن کیا.....؟“ اس نے ٹوکا تو نعمان اس کے بجائے مریم کو دیکھتے ہوئے پوچھنے

لگا۔

”اپنے دور کے رشتے دار کہاں کہاں ہیں.....؟“

”جی نہیں.....! میں رشتے داروں میں شادی نہیں کروں گی۔“ وہ پھر بول اٹھی۔

”اس کا مطلب ہے کسی کو پسند کر چکی ہو.....؟“ مریم کے معنی خیز انداز پر وہ قدرے چڑ گئی۔

”جی نہیں.....! اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے کیونکہ میں سوچ چکی ہوں کہ شادی ای پاپا کی مرضی

سے کروں گی۔“

”وہ بڑی گڈ.....! اور اگر انہوں نے رشتے داروں ہی میں تمہاری شادی کرنا چاہی تو.....؟“ نعمان

نے سراہے ہوئے پوچھا تو وہ اطمینان سے بولی۔

”ایسا نہیں ہوگا۔“

”فرض کرو.....!“

”کیوں فرض کروں.....؟ جب امی کو میرے خیالات کا پتا ہے۔“ اس نے نعمان کو بولنے ہی نہیں

دیا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

”جلدی جاؤ.....! ٹھنڈا ہو جائے گا سب۔“ دادی نے ٹوکا تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے ردا کے ساتھ چل پڑی۔

بڑے پاپا اور بڑی امی لاؤنج ہی میں بیٹھے تھے۔ اس نے اور ردا نے ایک ساتھ سلام کیا اور ٹرے وہیں ٹیبل پر رکھ کر یوں کھڑی ہو گئیں جیسے پوچھ رہی ہوں اب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔

”جاؤ دیکھو جویریہ اور عباد تیار ہو گئے ہوں تو کہنا شتے پر آ جائیں۔“ بڑی امی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ گوکہ اس کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ بھاگ کر جویریہ کے پاس جائے لیکن خود پر بہت جبر کرتے ہوئے بولی۔

”بڑی امی ناشتہ میں لگا دیتی ہوں۔“

”مریم ہے اپنا.....! تم جویریہ کو لے کر آؤ۔“

”جی اچھا.....!“ اس نے ردا کو اشارہ کیا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر لاؤنج سے نکلتے ہی دونوں ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگیں۔ ذلی ذلی ہنسی تھی پھر بھی شاید اس طرف سی گئی جب ہی عباد نے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور ان دونوں کو دیکھ کر قدرے جھینپ سے گئے۔

”السلام علیکم عباد بھائی.....!“ اس نے فوراً ہنسی روک کر سلام کر ڈالا۔

”وعلیکم السلام.....!“ عباد جواب دے کر واپس پلٹ گئے تو وہ ردا کا ہاتھ کھینچتے ہوئے ان کے پیچھے چلی آئی۔

جویریہ ڈرائنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے گھنیرے بالوں سے الجھ رہی تھی۔

”ہائے جویریہ.....!“ اس نے عقب سے جویریہ کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے اس کے گال پر پیار کیا۔ پھر آئینے میں اسے دیکھ کر بولی۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو.....!“

”تھینک یو.....!“ جویریہ کے لبوں پر شرمیلی مسکان بکھر گئی تو اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”میں تمہارا یہی روپ دیکھنے کو بے چین تھی۔“

”دیکھ لیا.....! اب جلدی سے میرے بال سلجھا دو۔“ جویریہ نے برش اسے تھما دیا۔

”لاؤ میں سلجھا دوں.....!“ ردا نے اس کے ہاتھ سے برش لیا اور جلدی جلدی جویریہ کے بال سلجھانے لگی تو وہ پیچھے ہٹ کر کمرے کی سینک کی تعریف کے ساتھ بعض چیزوں پر تنقید بھی کرنے لگی۔ پھر اچانک کچھ خیال آنے پر پوچھ بیٹھی۔

”جویریہ.....! منی مون پر جانے کا پروگرام بھی ہے.....؟“

”ہوں.....!“ جویریہ کی خوب صورت خیال میں تھی۔

”کہاں.....! کہاں جاؤ گی.....؟“ اس نے اشتیاق سے پوچھا تو جویریہ چونک کر بولی۔

”نہیں نومی.....! پھر تمہیں ڈانٹ پڑے گی۔“ ہر ایک کا یہی جواب ہوتا تھا بہر حال جویریہ اور عباد حسن کی شادی طے ہوئی تو مہینہ بھر گھر میں خوب ہلا گلا رہا کیونکہ اس جزییشن میں یہ پہلی شادی تھی اس لیے سب ہی نے بہت انجوائے کیا لیکن بہنو دادی پچا اپنے خول سے باہر نہیں نکلے اور نہ ہی کسی موقع پر انہوں نے نعمان کو بخشا تھا۔ جب جہاں نظر پڑی مہمانوں کا خیال کیے بغیر ڈانٹنے کھڑے ہو جاتے تھے۔

○○○

اگلی صبح بڑی اجلی اجلی کھڑی کھڑی سی تھی۔ رات دیر سے سونے کے باوجود صبح سب جلدی اٹھ گئے تھے امی اور چھوٹی چچی کچن میں مصروف تھیں کیونکہ رواج کے مطابق ذلیہن بلکہ سب گھر والوں کے لیے ناشتہ بچھونا تھا گوکہ گھر کی بات تھی۔ بڑے پاپا اور بڑی امی نے منع کیا تو دادی نے بری طرح ڈانٹ دیا تھا اور دادی کے سامنے تو سب ہی خاموش ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی دادی کی ہدایات جاری تھیں اور امی اور چچی سے جانے کیا کچھ بنوا ڈالا تھا۔

نورید، ردا کے ساتھ پھیلاوا سینے میں لگی ہوئی تھی۔ ادھر سے فارغ ہو کر تیار ہونے بھاگی تھی کہ برآمدے میں نعمان نے روک لیا۔

”نور.....! کہاں جا رہی ہو.....؟“

”تیار ہونے.....!“ وہ جھٹکتی ہوئی۔

”خیریت.....! اتنی صبح کہاں جانے کی تیاری ہے.....؟“ نعمان نے تعجب کا اظہار کیا۔

”جویریہ کے سسرال.....!“ وہ ہنس کر بولی۔

نعمان نے گردن موڑ کر بڑے پاپا کے بیٹکے کی طرف دیکھا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

”کیوں انہیں ڈسٹرب کرتی ہو.....؟ میرا مطلب ہے وہ لوگ ابھی سو رہے ہیں۔“

”تمہیں کیسے پتا.....؟“ وہ بے اختیار کہہ کر فوراً بات بدل گئی۔

”تمہیں کچن سے خوشبو نہیں آ رہی.....؟ دادی ذلیہن کے لیے اسٹیش ناشتہ تیار کروا رہی ہیں۔ وہی لے کر جاتا ہے اور اب میں جا رہی ہوں تیار ہونے۔“

”ایک منٹ.....!“ نعمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

”تیار ہونے کی کیا ضرورت ہے.....؟“

”ہے ناں.....! جویریہ کے سسرال جا رہی ہوں۔“ وہ پھر نہی۔

”تم لوگوں کو بس موقع چاہیے۔“ نعمان نے سر جھٹکا تو وہ اسے جزائی ہوئی سیڑھیاں پھلانگ گئی

اور اسے کوئی اتنے اہتمام سے تو تیار نہیں ہوتا تھا بس کپڑے استری کرنے میں کچھ وقت لگا۔ اس کے بعد

دس منٹ میں نیچے آئی تو امی نے بھاری ٹرے اسے تھما دی۔

”آف.....! کیا کیا ہے اس میں.....؟“ اس نے ردا کو دیکھا وہ بھی ٹرے اٹھائے کھڑی تھی۔

ان کے قدموں پر جھک گیا۔

”میں صدقے.....! میں واری.....!“ بے بے اس لیے چوڑے جوان کو اپنی آغوش میں لے لینا چاہتی تھیں لیکن اب یہ کہاں ممکن تھا۔ ان کے بوڑھے ہاتھ اس کے توانا کندھوں پر پکپکا رہے تھے۔

”میرے آنے سے پریشان کیوں ہو جاتی ہو بے.....!“ حاکم بے بے کو بازوؤں کے حلقے میں لیے ہوئے رنگین پائے والی چارپائی پر آ بیٹھا۔

”لے.....! میں تو تیری راہ نکلتی ہوں، ساتھ رب سے دعا بھی کرتی ہوں کہ تیرا شہر سے جی اچاٹ ہو جائے۔“

”ہاہا.....! ہاہا.....!“ حاکم کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

”ہنستا کیوں ہے.....؟“ بے بے نے ٹوکا۔

”تو بڑی بھولی ہے بے بے.....!“ وہ ہنسی روکتے ہوئے بولا۔ تب ہی حیراں چائے لے کر آ گئی تو وہ اس کے ہاتھ سے کپ لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”ناشتہ نہیں کرے گا.....؟“ بے بے نے پوچھا۔

”ایک گھنٹے بعد.....!“ وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو بے بے حیراں کو ناشتے کی ہدایات دے کر پھر کمرے میں آ گئیں جہاں وہ اب بھی بے خبر سو رہی تھی۔

”چاندنی.....!“ بے بے نے دھیرے سے اس کا بازو ہلایا۔

”اول.....!“ وہ کسمسا کر کوٹ بدل گئی۔

”چاندنی.....!“ اٹھ پتر.....! حاکم آیا ہے۔“ بے بے نے اب قدرے زور سے اس کا کندھا ہلا کر کہا۔

”تو میں کیا کروں.....؟“ اس کی نیند نہیں ٹوٹ رہی تھی۔

”اس کا کمرہ دیکھ جا کے۔ پتا نہیں کل حیراں نے صفائی کی تھی کہ نہیں۔ تجھے بتا ہے وہ کتنی جلدی غصے میں آ جاتا ہے۔ اٹھ پتر.....!“

”بے بے.....! سونے دے ناں.....!“ اس کی لجاجت پر بے بے منت سے بولیں۔

”پھر سولیں.....!“

”پھر کب.....؟“ وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی۔

”جب تیرا دل چاہے۔“ بے بے نے پیار سے اس کا گال چھوا تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔

”میرا دل تو ابھی چاہ رہا ہے۔“

”تو سو جا اور جب حاکم فہم کرے تب بھی سوئی رہنا۔“ بے بے کہہ کر چلی گئیں تو اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں لیکن اب نیند اچاٹ ہو چکی تھی۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد آخراں نے بستر چھوڑ دیا

”پتا نہیں.....!“

”کیوں.....! عباد بھائی نے.....“ مریم کے آنے سے اس کی بات اُدھوری رہ گئی۔

”چلو بھئی.....! ای پانا ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔ مریم نے آتے ہی کہا تو وہ روا سے بولی۔

”چلو روا.....! ہم ناشتہ اپنے گھر میں کریں گے۔“

”کیوں.....! یہ گھر نہیں ہے کیا.....؟“ مریم نے فوراً ٹوکا۔

”بے تو..... لیکن دادی نے فوراً واپس آنے کو کہا تھا۔“ اس نے کہتے ہوئے روا کو اشارہ کیا تو وہ بھی اس کی تائید کرنے لگی۔

”ہاں بھئی.....! چلو روانہ دادی ناراض ہوں گی۔“

”اچھا جو جی.....! میں پھر آؤں گی۔“ وہ اب غلت دکھانے لگی تھی اور اس سے پہلے کہ مریم روکتی وہ روا کا ہاتھ کھینچتے ہوئے وہاں سے نکل آئی تھی۔

○○○

رات بھر بیٹہ برستار ہاتھا۔ ابھی بھی آسمان صاف نہیں ہوا تھا۔ سیاہ بادلوں کی پراسرار خاموشی نے ایک سماں باندھ دیا تھا اور وہ جو رات بھر بادلوں کی گھن گرج سے ڈرتی اور بے بے کے سینے میں چھپتی رہی تھی، اب پراسکون نیند سو رہی تھی۔

بے بے نماز کے بعد تیج پڑھنے میں مصروف تھیں گا ہے اس پر بھی نظر ڈال لیتیں۔ بدوھیانی کی نظر، کیونکہ سارا دھیان تیج کی طرف تھا۔ پھر ادھر وہ کروٹ لے کر سیدھی ہوئی ادھر بے بے کی نظریں اس کی طرف اٹھتی ہی اچانک سارا دھیان بھی اس کی طرف منتقل ہو گیا۔ گو کہ گزشتہ دس سالوں سے وہ ہر

ملن ان کی نظروں کے سامنے رہی تھی اور ابھی پرسوں ہی تو اس نے زنب کے ساتھ گڑیا گڈے کا میاہ رچایا تھا۔ پھر اچانک ان دونوں میں وہ اتنی بڑی کیسے ہو گئی۔

بے بے کی نظریں اس کے خوبصورت سراپے کے نشیب و فراز میں الجھنے لگی تھیں اور انگلیوں میں دلی تیج کے دانے اس کی عمر کے ماہ و سال شمار کرتے ہوئے پھسل رہے تھے۔

”سولہویں میں لگ گئی۔“ دھیرے سے بڑبڑاتے ہوئے بے بے کے چہرے پر مسکراہٹ چمکنے لگی اور اس پر بے اختیار پیار آیا تو جائے نماز پلیٹ کر اس کے پاس چلی آئیں۔ وہ جھک کر اس کی پیشانی چومنا چاہتی تھیں کہ حیراں نے آ کر بتایا۔

”بے بے.....! چھوٹے سردار حبیب آئے ہیں۔“

”حاکم.....! کا کہا آیا ہے.....؟“ بے بے کا سارا پیار ادھر منتقل ہو گیا۔

”جا جلدی اس کے لیے ناشتہ بنا اور چائے بھی۔ لسی تو وہ پیتا نہیں، چل جلدی کر۔“ بے بے حیراں کے کہتی ہوئی کمرے سے نکلیں تو ادھر سے آتا حاکم ایک ہی جست میں برآمدے کی میٹریاں پھلانگ کر

دل ہی نہیں لگا، بس بے بے کی خاطر چند مہینے اس نے خود پر بہت جبر کر کے حویلی میں گزارے اس کے بعد وہ باقاعدہ پلاننگ کر کے کراچی چلا گیا۔ گوکہ ہاشم علی اس کے کراچی جانے کے حق میں نہیں تھے کیونکہ وہ ان کا اکلوتا وارث تھا اور ساری خرابی اکلوتے ہونے میں تھی کہ وہ اس کی کوئی بات رد بھی نہیں کر سکتے تھے، اس کی خواہش کے مطابق انہوں نے اسے وہاں سیٹ کیا تھا۔ پھر یہ اس کی اپنی محنت تھی کہ بہت جلد کاروباری دنیا میں اپنا ایک مقام بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس مقام سے ہٹ کر وہ اپنی ذاتی زندگی میں بہت شوقین اور رنگین مزاج بلکہ خاصا جڑا ہوا نوجوان واقع تھا۔ عورت اس کی کمزوری تھی حالانکہ پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اتنی بڑی جائیداد کا وہ تھا پھر بھی اسے مزید کی ہوس تھی۔ جب ہی اس نے چاندنی سے شادی پر آمادگی ظاہر کی تھی ورنہ اسے چاندنی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی حالانکہ وہ بے انتہا خوب صورت تھی لیکن حاکم علی کا مزاج ہی الگ تھا۔ اسے باہر کی دنیا زیادہ متاثر کرتی تھی۔

لندن میں قیام کے دوران اس نے بہت سی لڑکیوں سے دوستی کی تھی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ یعنی وہ دوستی کی حد پار کر جاتا تھا اور یہی حال اس کا کراچی میں تھا جب ہی اسے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ گزشتہ چار پانچ سالوں سے بے بے اس کی شادی پر بہت زور دے رہی تھیں جبکہ ہاشم علی شاید پہلے ہی سوچ چکے تھے کہ اس کی شادی چاندنی کے ساتھ کریں گے جب ہی بے بے کے بار بار کہنے پر بھی انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی کیونکہ وہ چاندنی کے بڑے ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور اب وہ بڑی ہو گئی تھی۔

○ ○ ○

جویریہ اور عبادتی مون پر جا رہے تھے اور وہ بہت شوق اور خوشی سے ان کی پینلنگ کرنے کے ساتھ مسلسل بولے بھی جا رہی تھی۔

”جویریہ! یہ سوٹ ضرور پہنا اور دیکھو میں کیمرہ رکھ رہی ہوں یہ یونی واپس مت لے آتا۔ مجھے پتا ہے عبادتہائی بہت کنجوس ہیں۔“

”کیا! کیا! کیا! جویریہ نے فوراً احتجاج کیا۔“

”وہ تمہیں کس نے کہا کہ وہ کنجوس ہیں؟“ وہ ہلکھلا کر ہنس پڑی۔

”برا لگا تمہیں!“

”غلط بات کرو گی تو ضرور بری لگے گی۔“ جویریہ نے کہا تو وہ مسکراہٹ ہنسون میں دبا کر بولی۔

”کیوں! کنجوس نہیں ہیں؟“

”بالکل نہیں!“

”اچھا خیر! تم بہر حال دھیر ساری تصویریں کھینچو نا۔“ اس نے کہتے ہوئے سوٹ کیس بند کیا۔

”اور کچھ!“ جویریہ اس کے اشتیاق سے محفوظ ہو رہی تھی۔

”اور دھیر ساری شاپنگ کرنا۔“ پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

کے باوجود وہ مسکرا کر بولے۔

”میں اپنے بارے میں نہیں سوچتا۔“

”سوچو حاکم علی! سوچو! ہاشم علی کا انداز اسے اُس نے اور مجھ کوڑنے والا تھا۔“

”چلیں آپ کہتے ہیں تو سوچ لوں گا لیکن آپ کا وارث پیدا ہونے کے بعد۔“ حاکم علی نے اس

بحث سے بچنے کی خاطر کہا تو وہ خوش ہو کر بولے۔

”وارث ہی کے لیے تو میں دوسری۔“

”نہیں بھائی! حاکم علی نے فوراً ٹوکا پھر کہنے لگے۔“

”دوسری کے چکر میں نہ پڑیں بھرجانی کو بہت دکھ ہوگا۔ یوں بھی آپ کو تو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔“

اللہ نے آپ کو بیٹیاں دی ہیں اور انشاء اللہ بیٹا بھی ضروری ہوگا۔“

”ہاں! ہاشم علی نے گہری سانس کھینچی پھر اٹھتے ہوئے بولے۔“

”چلو! تمہاری خاطر میں ایک سال اور صبر کر لیتا ہوں۔“

اور پھر شاید یہ حاکم علی کی دعا کی تھیں کہ اگلے برس ہاشم علی کے گھر وارث پیدا ہوا تو دونوں

جاگیروں میں جہیزوں جشن منائے گئے۔ ہاشم علی نے بڑے فخر سے اس کا نام حاکم رکھا تھا، سردار حاکم علی۔

ایک تو نام کی خاصیت دوسرے غیر ضروری اہمیت نے کم سنی میں ہی اسے حاکمیت کا احساس بخش دیا تھا۔

دوسری طرف حاکم علی تھے۔ اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے۔ جب ہی اولاد نہ ہونے پر شامی

نہیں تھے۔ حاکم کی پیدائش کے بعد ہاشم علی نے انہیں دوسری شادی پر بہت اُکسایا تھا لیکن وہ بھی کہتے

رہے کہ اگر قسمت میں اولاد لکھی ہوگی تو ای بیوی سے ہو جائے گی۔

حاکم کی پیدائش کے پندرہ سال بعد ان کے ہاں چاندنی پیدا ہوئی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں

تھا۔ جتنی خوشیاں ہاشم علی نے حاکم کی پیدائش پر منائی تھیں اس سے کہیں زیادہ وہ چاندنی کو پا کر خوش تھے۔

برسوں بعد ان کی حویلی میں ننھی قلقاریاں گونگی تھیں تو دونوں میاں بیوی ہر پل اپنے رب کے شکر گزار تھے

لیکن ان کے نصیب میں شاید اولاد کی خوشیاں دیکھنا لکھا ہی نہیں گیا تھا اور یہی چاندنی کے نصیب میں

اپنے ماں باپ کی آغوش میں پروان چڑھنا لکھا تھا۔

اس وقت وہ پانچ سال کی تھی جب حاکم علی اسے ہاشم علی کے پاس چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ حج

کرنے گئے اور وہیں کارا ایکسٹنٹ میں دونوں میاں بیوی اللہ کو پیارے ہو گئے اور یوں چاندنی بے بے

کی آغوش میں پہنچ گئی۔ اس وقت ہاشم علی کی دو بیٹیاں بیابا جاپلی تھیں اور اتنی بڑی حویلی میں ہاشم علی،

بے بے اور ان کی چھوٹی بیٹی سیکند جبکہ حاکم جو شاہانہ مزاج لے کر پیدا ہوا تھا اور میٹرک کرتے ہی لندن

سردھار گیا تھا اسے باہر کی دنیا میں زیادہ کشش نظر آتی تھی۔ پورے پانچ سال اس نے لندن میں

گزارے، تعلیم بھی حاصل کی اور اپنے شوق بھی پورے کیے اور جب واپس آیا تو جاگیر داری میں اس کا

”یہ تم نہیں سمجھانا۔“
”بڑی بے شرم ہو۔۔۔!“ جویریہ کی مصنوعی خفگی پر وہ اور زور سے ہنسی۔

○ ○ ○

وہ کل تک گڑیا گڈے کا پکار رہی تھی اور سہیلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے اسے نہ اپنے دوپٹے کی پرواہ ہوتی تھی نہ قدموں کی اور شاید ابھی بھی وہ بے نیاز رہتی اگر جو بے بے کی بات نہ سن لیتی۔ وہ حاکم کے ساتھ اس کی شادی کی بات کر رہی تھیں اور اس عمر میں شادی کا تصور بڑا خوبصورت بڑا خوابناک ہوتا ہے۔ حالانکہ اس نے کبھی حاکم علی کو قریب سے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی براہ راست بات شاید ہی کبھی ہوئی ہو۔ کیونکہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا حاکم علی کو مہمانوں کی طرح ہی آتے دیکھا تھا۔ بے بے کے بہت بلائے پر وہ دوسرے اور کبھی تیسرے مہینے آتا اور آتے ہی جانے کی جلدی بھی مچا دیتا۔ اس نے بہر حال اس کے آنے اور جانے کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا اور بے بے جو اس کے جانے کے بعد صرف اسی کی باتیں کرتی تھیں تو چاندنی نے ان پر بھی کبھی توجہ نہیں دی تھی بلکہ اُسکا کران کے پاس سے ہٹ جاتی تھی یعنی وہ شخص جو صرف نام کا ہی حاکم نہیں تھا بیک وقت کئی جگہوں اور کتنے دلوں پر حکمرانی کر رہا تھا۔ وہ کل تک اس کے لیے کتنا غیر اہم تھا۔ کل جب وہ آیا تھا تو اپنی پڑ سکون خیند میں سے اٹھایا جانا اسے سخت ناگوار لگتا تھا اور آج جب وہ واپس جا رہا تھا تو وہ بڑی خوشی سے اپنی نیندیں اسے اٹان کر رہی تھیں۔

”اپنے بابا کا انتظار تو کر لے، شام تک آ جائیں گے وہ زمینوں سے۔“ بے بے اسے روکنے کی سعی کر رہی تھیں۔
”میں شام تک نہیں رک سکتا بے بے! ادھر بہت کام ہیں۔ اوائے فضل دین! اچھا ڈی نکال۔“ وہ بے بے کو جواب دیتے ہوئے فضل دین کی طرف گھوم گیا۔
”نہ تو تو اپنے بابا سے ملے بغیر چلا جائے گا۔۔۔؟“ بے بے نے اس کا بازو سمجھ کر کھینچ کر کہا۔
”اوہو بے بے! میں کوئی سمندر پار تو نہیں جا رہا۔“ وہ جھنجھلا گیا۔
”اچھا! پھر کب آئے گا۔۔۔؟“ بے بے اسے ناراض نہیں کر سکتی تھیں۔
”میں چلتا ہوں، ہارش ہو گئی تو پھر راستے میں مشکل ہوگی۔“ وہ بے بے کی بات کا جواب دیے بغیر اٹھتا ہوا چلا گیا۔

بے بے نے پہلے دامن پھیلا کر اسے دعائیں دیں پھر جانے کیا بڑا اتے ہوئے اندر آ رہی تھیں تو چاندنی جو دروازے کی جھری سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی، فوراً وہاں سے ہٹ کر مسہری پر آ بیٹھی اور اپنی گڑیا بھی اٹھالی۔ یوں جیسے بہت دیر سے وہ اسی میں لگی ہوئی ہو۔
”سننا ہی نہیں، بس اپنی کہتا، اپنی منواتا ہے۔“ بے بے اب بھی بو بڑا رہی تھیں۔

”وہیے۔۔۔ میرے لیے کیا لاؤ گی۔۔۔؟“

”کیا لاؤں۔۔۔؟“ جویریہ نے اٹلا اس سے پوچھا تو وہ اپنی ہی دھن میں روانی سے بولی۔

”لے آنا۔۔۔ دو چار اچھے اچھے سوٹ۔!“

”دو چار کیوں۔۔۔؟ پوری مارکیٹ اٹھلاؤں گی۔“ جویریہ نے کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

”وہیے تم اتنی خوش کیوں ہو رہی ہو۔۔۔؟ آئی میں میرے جانے سے۔“ جویریہ کے ٹوکنے پر وہ اس کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

”تم زخمت جو ہو رہی ہو۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ جویریہ واقعی نہیں سمجھی۔

”بھئی۔۔۔! تمہاری شادی تو پتا ہی نہیں چلا، وہاں سے اٹھ کر یہاں چلی آئیں۔ اب پتا چلے گا کہ تم زخمت ہوئی ہو۔“ اس کی وضاحت پر جویریہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر جمیدگی سے پوچھنے لگی۔

”کیا واقعی۔۔۔! تم نے طے کر لیا ہے کہ تم خاندان میں شادی نہیں کرو گی۔۔۔؟“

”تو اب تک تم مذاق سمجھتی رہی ہو۔۔۔؟“ وہ اس کے گلے سے بازو نکال کر بولی۔

”نہیں۔۔۔! لیکن تمہیں اتنا جمیدہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔ میرا مطلب ہے اگر خاندان میں اچھا رشتہ

موجود ہو تو۔۔۔“

”بس بس۔۔۔!“ اس نے جویریہ کو مزید بولنے سے روک دیا پھر فوراً اس موضوع سے ہٹ گئی۔

”اچھا دیکھو کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔۔۔؟“

”تم۔۔۔ تم بھی ساتھ چلو۔۔۔!“ جویریہ مسکرائی۔

”نہ بھئی۔۔۔! مجھے کباب میں ہڈی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے اور پھر عباد بھائی سے تو مجھے ویسے بھی

بہت ڈر لگتا ہے۔“ اس نے کہا تو جویریہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

”کیوں۔۔۔؟ اتنے خوفناک تو نہیں ہیں۔“

”روڈ تو ہیں، بہنرا دچا چو پر گئے ہیں۔“ وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔

”کوئی نہیں۔۔۔! بہنرا دچا چو تو بس ایک ہی ہیں اور پتا نہیں کس پر گئے ہیں۔“ جویریہ نے فوراً نفی کی۔

”پھر نام دیکھ کر بولی۔“

”یہ عباد پتا نہیں کہاں رہ گئے۔۔۔؟ چلو میں جب تک امی پاپا سے مل آؤں۔“

”ہاں چلو۔۔۔! دادی کو صبح سے تمہاری فکر لگی ہوئی ہے۔ پہلے انہیں تسلی دینا کہ تم اپنا اور عباد بھائی کا

بہت خیال رکھو گی۔“

”ارے۔۔۔! اب انہیں میری نہیں تمہاری فکر کرنی چاہیے۔“ جویریہ نے اس کا گال چھو کر کہا تو وہ

ہنس کر بولی۔

”بے میرا بیاہ کر رہی ہے۔“

”جی..... اس کے ساتھ.....؟“ زنب کے ساتھ ایک پل میں انتباؤں کو چھونے لگا۔
”حاکم.....!“ اس کے ہونٹوں نے ذرا جنبش کی تھی کہ یہاں وہاں ہر طرف جیسے گھنٹیاں بجے لگیں

”جیکہ زنب اچھل کر پیچھے ہٹی۔“

”ہائے ظالم.....!“

”کس..... کون ظالم.....؟“ وہ حیران ہوئی۔

”وہی حاکم.....! وہ تو بڑا ظالم ہے۔“ زنب نے کہا تو وہ ناگواری سے بولی۔

”تجھے کیسے پتا.....؟“

”ادھر رشیم کی شادی میں آپا کی ساری سہیلیاں کہہ رہی تھیں کہ حاکم بڑا ظالم ہے۔ نہ چوڑیوں کی
کھنک سنتا ہے نہ پازیب کی جھکا کر اور اگر اس کے سامنے دل نکال کر رکھ دو تو وہ بھی پیروں تلے روند کر نکل
جائے گا۔“ زنب اپنی آپا اور اس کی سہیلیوں کی باتیں یوں دہرا رہی تھی جیسے اس نے اپنی آنکھوں سے
حاکم کو کسی کا خون کرتے دیکھا ہو۔

”یہ تو کیسی باتیں کر رہی ہے زینو.....!“ وہ بھی خوفزدہ ہو گئی۔

”میں نے تو جوتنا تھا وہی تجھے بتایا ہے۔“

”اور..... اور کیا کہہ رہی تھیں تیری آپا.....؟“

”اور تو کچھ نہیں.....! خیر چھوڑ..... یہ بتا تیرا بیاہ کب ہے.....؟“ زنب نے پوچھا تو اب وہ ڈھیلے

”اچھا.....! انداز میں بولی۔“

”پتا نہیں.....!“

”میں بے بے سے پوچھوں گی۔“ زنب نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”میرا نام مت لینا۔“

”پھر کس کا نام لوں.....؟“ زنب نے اس کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

”کسی کا نہیں.....! بس ایسے ہی پوچھ لینا۔“ وہ اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولی۔

”اچھا.....! تو پھر بیاہ کر تو بھی شہر چلی جائے گی.....؟“ زنب نے پوچھا تو شہر کے نام پر وہ بھر

”پلٹ ہو گئی۔“

”ہاں.....! مجھے تو بہت شوق ہے شہر جانے کا۔“

”پھر تو مجھے بھول جائے گی.....؟“ زنب اس کی خوشی میں بھی خوش نہیں ہو سکی۔

”کیوں.....! تجھے کیوں بھولوں گی.....؟ تو تو میری کچی سہیلی ہے۔“ وہ زنب سے پلٹ گئی۔

○○○

”کیا ہوا ہے.....!“ وہ انجان بن کر انہیں دیکھنے لگی۔

”حاکم چلا گیا نا.....! پتا نہیں ادھر اس کا دل کیوں نہیں لگتا.....؟“ بے نے گہری سانس

”کھینچی پھر اس کے ہاتھ میں گڑیا دیکھ کر کہنے لگیں۔“

”بس.....! اب تو اس کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دے۔“

”ہائے! نہیں ہے.....! یہ تو میری سہیلی ہے۔“ اس نے گڑیا کو سینے سے لگا کر کہا تو بے بے پیار

”سے بولیں۔“

”اب تو بڑی ہو گئی ہے چاندنی.....!“

”تو کیا ہوا.....؟ گڑیا بھی تو بڑی ہو گئی ہے اور اس کی تو شادی بھی ہو گئی ہے۔“ وہ گڑیا کو سینے سے

”لگائے دائیں بائیں جھولنے لگی۔“

”تیری بھی شادی ہونے والی ہے.....!“ بے نے کہا تو اس کی دھڑکنیں بے قابو ہو گئیں اور

”بے بے کے سامنے بیٹھنا بھی مشکل لگنے لگا۔“

”میں..... میں زنب کے پاس جا رہی ہوں۔“ وہ اٹھ کر بھاگی۔

”لگی.....!“ بے بے ہنسنے لگیں۔

”اور ادھر کھلی چھت پر وہ زنب کے دونوں ہاتھ پکڑے بہت تیزی سے گول دائرے میں چکر دیتے

”ہوئے کھٹکھٹا کر نہیں رہی تھی۔“

”چاندنی.....! چاندنی.....! بس کر.....! مجھے چکر آرہے ہیں۔“ زنب چیخ کر کہہ رہی تھی لیکن

”اس پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔“

”چاندنی.....! پاگل ہو گئی ہے کیا.....؟“ زنب نے پورا زور لگا کر اپنے ہاتھ بھینچے تو دونوں ہی پیچھے

”جا گئیں اور وہ گر کر بھی نہیں رہی تھی۔“

”زنب کتنی دیر سر ہاتھوں میں تھا مے بیٹھی رہی۔ جب ذرا حواس ٹھکانے آئے تب اسے ہنستے دیکھ کر

”بول گئی اور اس کے قریب جا کر پوچھنے لگی۔“

”تو چیخ پاگل ہو گئی ہے.....!“

”کیوں.....! ہنسنے والے پاگل ہوتے ہیں کیا.....؟“ اس نے اُلٹا ٹک کر پوچھا۔

”جواپنے آپ ہنستے ہیں بے بات کے۔“ زنب نے کہا تو اب وہ اتر کر بولی۔

”میں بے بات کے تو نہیں ہنس رہی۔“

”اچھا.....! مجھے بھی تو بتا کیا بات ہوئی ہے.....؟“ زنب متحس ہوئی۔

”بتا دوں.....!“

”ہاں ہاں.....! بتا تمہیں.....!“ زنب اس کے مزید قریب ہو گئی تو وہ لجا کر بولی۔

”ہاں.....! اور پلیز اسپید بڑھاؤ مجھے تیاری میں بھی دت لگے گا۔“
”پھر تو تم تین بچے نہیں پہنچ سکتیں۔“ نعمان نے فوراً کہا تو وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولی۔
”کوئی بات نہیں چارنج جائیں گے۔ یوں بھی پارٹی تو شام میں ہے۔“
”پھر تم اتنی جلدی.....“

”بھئی.....! وہ میری دوست ہے، بیسٹ فرینڈ۔ اس نے تو کہا تھا میں صبح سے آجاؤں لیکن مجھے اس کے لیے گفٹ لینا تھا اس لیے میں نے تین بچے کا کہہ دیا تھا، سمجھے.....!“ وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

”سمجھ گیا.....!“ نعمان نے گیٹ پر گاڑی روک دی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

”اگر تم پانچ منٹ میں تیار ہو کر آ جاؤ تو میں یہیں رُک جاتا ہوں۔“

”پانچ منٹ میں تمہاری شادی میں تیار ہوں گی۔“ وہ کہہ کر اتر گئی تو نعمان بھی گاڑی لاک کر کے تیز قدموں سے اس کے ساتھ اندر آیا۔ کوریڈور میں بہزاد بچا جیسے اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

”تم کہاں آؤ رہے گودی کرتے پھر رہے ہو.....؟“

”چاہو.....! یہ.....“ وہ اس کا دفاع کرنا چاہتی تھی کہ بہزاد بچانے اسے ٹوک دیا۔

”تم آؤ پر جاؤ.....!“

”جی.....!“ اس نے کن اکھیوں سے نعمان اور بچا کو دیکھا پھر تیزی سے میز حیاں چڑھ گئی۔

”آگئیں.....! ابھی روٹی کا فون بھی آیا تھا۔“ امی نے اسے دیکھتے ہی بتایا۔

”کیا کہہ رہی تھی.....؟“ اس نے پوچھا۔

”یہی پوچھ رہی تھی کہ تم کب تک آؤ گی.....؟“

”ہاں.....! بس جا رہی ہوں۔“ اس کے ڈھیلے ڈھالے انداز پر امی بغور اسے دیکھنے لگیں۔

”کیا بات ہے.....؟ تھک گئی ہو.....؟“

”نہیں.....! مجھے بہزاد چاچو پر غصہ آ رہا ہے۔ ہر وقت نومی کو ڈانٹتے رہتے ہیں۔ وہ کوئی چھوٹا بچہ تو

نہیں ہے کہ ہر بات میں ٹوکیں، وہ بھی سب کے سامنے۔“ وہ ماراٹکی سے بولے چلی گئی۔

”اچھا.....! تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، تم جاؤ تیاری کرو۔“ امی نے اس کا کاندھا

ٹھپک کر کہا تو وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئی پھر جاتے جاتے رُک کر پوچھنے لگی۔

”پاپا کہاں ہیں.....؟“

”اپنے کمرے میں، ابھی سوئے ہیں۔“ امی بتا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”اب طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ان کی.....؟“

”ہاں.....! اللہ کا شکر ہے اور ہاں جو یہ کافون بھی آیا تھا سوات سے، سلام کہہ رہی تھی تمہیں۔“

ویٹران کے سامنے آئس کریم رکھ کر چلا گیا تو وہ اسے مخاطب کر کے بولی۔

”نومی.....! جلدی کھاؤ تاکہ تمہارا دماغ ٹھنڈا ہو۔“

”اتنی ہی آئس کریم سے میرا دماغ ٹھنڈا ہونے والا نہیں ہے۔“ نعمان نے روٹھے ہوئے انداز

میں کہا۔

”تو پھر یہ بھی میں ہی کھاؤں گی۔ تم گھر جا کر شاور لے لینا۔“ وہ اس کا کپ اٹھانے لگی تھی کہ نعمان

نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”خبردار.....!“

”میں کون سا لے رہی تھی.....؟“ وہ ہنسی پھر اپنا ہاتھ چھڑا کر پوچھنے لگی۔

”ویسے تمہارا موڈ کیوں آف ہے.....؟ گھر سے تو اچھے بھلے چلے تھے۔“

”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مجھے اتنا خواہ کر آؤ گی تو میں کبھی تمہارے ساتھ نہ آتا۔ مانی گاؤ.....! اتنی

سی چیز کے لیے تم نے سارا بازار چھان مارا۔“ وہ بے حد جھنجھلا ہوا تھا۔

”یہ اتنی سی چیز ہے.....؟“ نوریہ نے خوب صورت پیکٹ پر ہاتھ رکھ کر احتجاج کیا۔

”نہ صرف اتنی سی بلکہ بے حد معمولی بھی۔“ نعمان نے اسے مزید چڑایا تو وہ دانت چین کر بولی۔

”تم گھر چلو پھر تمہیں بتاؤں گی۔“

”ابھی بتاؤ.....!“

”دیکھو نومی.....! مجھے غصہ مت دلاؤ ورنہ میں سچ سچ یہ تمہارے سر پر دے ماروں گی۔“ اس نے

آئس کریم کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”کیا کر رہی ہو.....! لوگ دیکھ رہے ہیں۔“ نعمان نے ذہے لہجے میں نوکا۔

”میں لوگوں کی پرواہ نہیں کرتی۔“ وہ رُخوٹھے انداز میں کہہ کر آئس کریم کھانے لگی۔

نعمان خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ جب اس نے کپ خالی کیا تب ویٹرن کو بل پے کیا اور اسے چلنے

کا اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

”اُئی.....! اونچ گئے.....؟“ وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی ریست وینچ پر نظر ڈال کر چیخی۔

”پھر.....!“

”مجھے تین بجے روٹی کے ہاں پہنچنا تھا۔“ اس نے کہا تو نعمان گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”ڈونٹ وری.....! میں تمہیں اس سے بھی پہلے پہنچا دوں گا۔“

”جناب.....! مجھے اس طے میں اس کے گھر نہیں جانا کیونکہ آج اس کی برتھ ڈے ہے۔“ اس نے

کہا تو وہ پیکٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

”تو کی گفٹ تم نے روٹی کے لیے خریدا ہے.....؟“

”چاچو! مجھے روٹی کی برتھ ڈے میں جانا ہے۔“ اس نے پھر بھی کہہ دیا۔
”ہاں تو جاؤ۔! تمہیں کس نے روکا ہے۔؟“ بہنو اد چچا نے اپنے مخصوص اکڑ انداز میں کہا تو وہ سنٹائی۔

”نومی کے ساتھ۔!“

”نومی کا وہاں کیا کام۔؟ اور یہ تم سب اسے کیوں اپنے ساتھ لگائے رکھتے ہو۔؟ اسے اپنے بارے میں سوچنے کے قابل بھی چھوڑ دو گی کہ نہیں۔؟“ بہنو اد چچا کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پھر بھی وہ روتے ہوئے اُد پر آئی تو امی اسے دیکھ کر پریشانی ہو گئیں۔

”کیا ہوا بیٹا۔!“

”مجھے روٹی کی برتھ ڈے میں جانا ہے۔“ وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

”تو بیٹا! امی نے کب منع کیا ہے۔؟“

”چاچو نے منع کر دیا ہے نومی کو، اب میں کیسے جاسکتی ہوں۔؟“ اس کی آواز آپ ہی آپ تیز ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کراہی نوکتیں پایا اپنے کمرے سے نکل کر آ گئے اور اسے روتے دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئے۔

”کیا ہوا ہے۔؟“

”کچھ نہیں۔! بس ایسے ہی۔!“ پایا کی طبیعت کے باعث امی بتانا نہیں چاہتی تھیں۔

”ایسے ہی تو میری بیٹی نہیں روتی۔ نور۔! کیا بات ہے بیٹا۔؟“ پایا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ تسلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔

”وہ پایا! روٹی کی برتھ ڈے۔!“

”اسے برتھ ڈے میں جانا ہے اور کوئی لے جانے والا نہیں ہے۔“ امی نے بتایا تو وہ پوچھنے لگے۔

”کیوں۔! نومی کہاں ہے۔؟“

”نومی کو بہنو اد نے منع کر دیا ہے۔“ امی اس قدر کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ یوں بھی مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ بہنو اد کے مزاج سے سب ہی واقف تھے۔ پایا نے بھی کیوں کا سوال نہیں اٹھایا اور اس کے پاس بیٹھ کر کہنے لگے۔

”بیٹا! آپ ماشاء اللہ بڑی اور سمجھدار ہو۔ آپ کو کسی کے سہارے چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

”آپ کو روٹی کا گھر معلوم نہیں ہے۔؟“

”معلوم ہے۔!“

”اور۔؟“

”میں چلی جاؤں۔!“ وہ پایا سے پوچھ کر امی کو دیکھنے لگی جیسے ادھر سے ضرور اعتراض اٹھے گا اور

”وعلیکم السلام۔! واپس کب آئے گی۔؟“ وہ پھر رُک گئی۔

”واپس کا تو نہیں بتایا۔“ امی نے کہا۔

”اچھا۔! میں نہانے جا رہی ہوں۔ روٹی کا فون آئے تو کہہ دیجیے گا میں بس پہنچ رہی ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر جب وہ تیار ہو کر نعمان کے پاس آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔

”مجھے ساتھ چلنے کو مت کہنا۔!“

”کیوں۔؟“

”کیوں کا کیا مطلب۔؟ ابھی دیکھا نہیں تھا پایا کتنے ناراض ہو رہے تھے۔ سوری۔! تم کسی اور کے ساتھ چلی جاؤ۔!“ نعمان نے کہہ کر عکے میں منہ چھپا لیا تو وہ اس کا کندھا ہلا کر بولی۔

”اور کس کے ساتھ جاؤں۔؟ اشو کوڈ رائیو تک نہیں آتی۔“

”تمہیں تو آتی ہے۔!“ وہ فوراً بولا۔

”ہاں۔! لیکن پھر اشو واپس کیسے آئے گا۔؟ میرے ساتھ تو وہاں اتنی دیر تک بیٹھ نہیں سکتا۔“

”میں کون سا بیٹھ سکتا ہوں۔؟“

”میں یہ نہیں کہہ رہی، بس تم مجھے چھوڑ کر واپس آ جانا۔“ اس نے کہا تو وہ معذرت کرتے ہوئے

بولا۔

”سوری۔! میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔“

”نومی۔! پلیز ایسے مت کرو۔! اٹھو ناں۔!“ اس کی منت پر وہ سوچتے ہوئے بولا۔

”پاپا سے پوچھ لو، وہ اجازت دیں گے تو لے چلوں گا تمہیں۔!“

”چاچو نے ہمیں منع کیا ہے کیا۔؟“

”ہاں۔! صرف تمہارے ساتھ نہیں بلکہ اس وقت کہیں بھی جانے سے منع کیا ہے۔“ اس نے

بتایا تو وہ مایوسی سے بولی۔

”پھر۔! اب میں کیسے جاؤں۔؟“

”پاپا سے پوچھ آؤ ناں۔!“

”کیا پوچھ آؤں۔؟ چاچو تو ہے وہ مجھے بھی منع کر دیں گے۔“ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

”تمہیں منع نہیں کریں گے بابا۔! جاؤ۔!“ نعمان نے اٹھ کر اسے دھکیلا تو ناچار اسے بہنو اد

چچا کے کمرے میں جانا پڑا۔

”چاچو۔!“ اس نے پکارا تھا کہ وہ فوراً بول پڑے۔

”نومی اس وقت کہیں نہیں جائے گا۔“

واقعی امی کہنے لگیں۔

”کیلی کیسے جائے گی.....؟“

”کیوں.....! کالج نہیں جاتی.....؟“ پاپا نے کہا۔

”جاؤ بیٹا.....! میری گاڑی لے جاؤ۔ میں نے آپ کو ڈرائیونگ اسی لیے سکھائی تھی۔“ پاپا نے کہا۔

تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تھینک یو پاپا.....!“

”جلدی آنا اور گاڑی بھی احتیاط سے چلانا۔“ امی نے فوراً تاکید کی۔

”پاپا کو پتا ہے میں بہت اچھی اور محتاط ڈرائیونگ کرتی ہوں، کیوں پاپا.....!“ اس نے پاپا سے

تائید چاہی تو انہوں نے مسکرا کر ثبات میں سر ہلایا۔ تب ہی فون کی بیل بجنے لگی۔

”روبی کا فون ہوگا۔ امی آپ اس سے کہہ دیں میں نکل چکی ہوں۔“ وہ بہت عجلت میں کہتے ہوئے

بھاگی۔

روبی سے اس کی دوستی اسکول کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔ پھر دونوں نے ایک ہی کالج سے

گریجویشن کیا تھا اور اب یونیورسٹی میں بھی ساتھ تھیں۔ ایک دوسرے کے گھر آ جانا بھی تھا خصوصاً گھر بلو

تقریبات میں دونوں ایک دوسرے کو ضرور مل کر رہتی تھیں۔ جو یہ کی شادی میں روبی نے بھر پور حصہ لیا تھا

اور مہندی کی رات تو وہ اس کے پاس رکھی بھی تھی۔ اب اگر وہ اس کی برچھ ڈے پر نہ جاتی تو وہ کتنی ناراض

ہوتی اور وہ اسے ناراض نہیں کر سکتی تھی۔

”آف.....! چار تو یہیں بیچ گئے.....!“ اس کی نظر ریست وائچ پر پڑی تو وہ مزید جھنجھلا گئی۔ اس

سے پہلے اسے بہنرا دچچا پر غصہ آ رہا تھا جن کی وجہ سے اکثر گھر بلو پر گرام بھی خراب ہو جایا کرتے تھے۔

بہر حال اس قوت وہ جتنا اپنا موڈ ٹھیک کرنا چاہ رہی تھی اس قدر اس پر جھنجھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ پھر ایک

موزم نے اس کے لیے اس نے گاڑی کی اسپینڈم کی تھی کہ گاڑی ہی بند ہوگئی۔

”شٹ.....!“ اس نے دانت پیسے۔ وہ دوبارہ اشارت کرنے لگی تھی کہ اچانک اس کی طرف کے

شیشے پر ہاتھ رکھ کر کوئی جھک کر بولا۔

”اوجھر کھٹک.....!“

”کون.....؟“ وہ دیکھتے ہی وحشت زدہ ہوگئی۔ اس شخص کے دوسرے ہاتھ میں ریو اور تھا۔

”سنا نہیں.....!“ اس نے ریو اور والے ہاتھ سے اسے آگے کھٹکے کا اشارہ کیا تو بمشکل تمام وہ

براہروی سیٹ پر آئی اور پھر اچانک بے سوچے سمجھے اسی طرف کا دروازہ کھول کر سر پٹ بھاگتی چلی گئی۔

⊙ ⊙ ⊙

نعمان انتظار میں تھا کہ نور یہ بہنرا دچچا سے اجازت لے کر اس کے پاس آئے گی لیکن کتنی دیر ہو

گئی وہ نہیں آئی تب وہ یہی سمجھا کہ اجازت نہ ملنے پر سیدھی اوپر چلی گئی ہوگی اور یقیناً ناراض بھی ہوگی۔

اس کی ناراضگی کا سوچ کر وہ اسی وقت سیرھیاں پھلانگتا ہوا اوپر آ گیا۔ پہلے نور یہ کے کمرے میں جھانک

کر دیکھا پھر چچی جان کے کمرے میں جا رہا تھا کہ وہ لاؤنج میں ہی نظر آ گئیں۔

”السلام علیکم چچی.....!“ اس نے سلام کیا تو وہ چونک کر بولیں۔

”وعلیکم السلام.....!“

”نور یہ کہاں ہے.....؟“ اس نے فوراً پوچھا۔

”روبی کے ہاں گئی ہے.....!“ انہوں نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

”کیسے.....! اس کے ساتھ.....؟“

”کسی کے ساتھ نہیں.....! تمہیں تو بہنرا دے منع کر دیا تھا پھر تمہارے چچا جان نے اس سے کہا کہ

وہ خود ہی چلی جائے۔ وہ انہیں کی گاڑی لے کر گئی ہے۔“ ان سے پوری تفصیل سن کر وہ ٹا دم ہو کر بولا۔

”آئی ایم سوری چچی.....! آپ کو تو پتا ہے پاپا.....“

”ہاں بیٹا.....! بہنرا کی عادت سے سب ہی واقف ہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”اچھا.....! میں اسے لے آؤں گا بلکہ ابھی جا رہا ہوں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”لیکن بیٹا.....! تمہارے پاپا.....!“

”پاپا کو معلوم نہیں ہوگا۔“ وہ کہتا ہوا اسی تیزی سے پلٹ گیا لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ خاموشی

سے باہر نکل جاتا کیونکہ بہنرا دچچا جس کی بات کو منع کرتے تھے تو پھر گاہے بگاہے اسے چپک کرنے بھی

کرتے تھے۔ اس لیے اس نے واوی کا سہارا لیا۔ واوی عصر کی نماز کے لیے کھڑی ہو رہی تھیں کہ نعمان نے

انہیں کدھوں سے تمام کراچی طرف گھمرا لیا۔

”میری اچھی واوی.....!“

گواہی چھپاتے ہوئے بولا۔

”مگر..... میرے لیے کیا حکم ہے.....؟“ حاکم علی بری طرح چونکا تھا۔

”ہاں..... تم جاؤ..... کل آفس میں بات کریں گے۔“

”جی.....!“ چغتائی نے بلا ارادہ گلاس وال سے ادھر نظر ڈالی پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا اور

جیسے ہی دروازہ کھولا وہ لڑکی سامنے کھڑی نظر آئی۔

”میں.....!“ لڑکی نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن چغتائی نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا

اشارہ کیا اور خود باہر نکل گیا۔

”آئیے.....!“ حاکم علی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”وہ..... میرے پیچھے..... وہ.....“ کانپتی ہوئی جانے وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

”پلیز.....!“ حاکم علی نے اسے ٹیٹنے کا اشارہ کیا۔

”ہاں.....!“ وہ اپنے پیچھے صوفی محسوس کر کے اس پر گڑھی گئی اور خود کوریلیکس کرنے کے لئے کبھی

بالوں میں انگلیاں پھنساتی کبھی ہاتھوں سے چہرہ چھپا رہی تھی۔

حاکم علی اس کی ایک ایک حرکت دیکھتے ہوئے یوں بے تاب تھا جیسے اگلے بل وہ جیج کر اس کے

سینے میں آجھپے گی۔

”پانی.....!“ اس نے پانی مانگا اور ادھر دل کی دیواروں سے لہریں مٹھانے لگی تھیں۔

اس نے دوبارہ کہا اور وہ جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر اس کے قریب آ گیا۔

”جھینک یو.....!“ وہ ایک سانس میں گلاس خالی کر گئی۔ پھر گلاس رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آپ.....!“ حاکم علی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”عجیب حادثہ ہوا ہے میرے ساتھ۔ ایسے حادثات کے بارے میں میں نے سنا ضرور تھا لیکن سوچا

نہیں تھا کبھی میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”کیا..... کیا ہوا ہے.....؟“

”میں نے ایک موٹر پر گاڑی بس ایک بل کوروی تھی کہ ایک آدمی رپو اور دکھا کر پتا نہیں کیا کہہ رہا

تھا۔“

”پھر.....؟“

”پھر کیا..... میں فوراً دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگ پڑی۔“ وہ حواس بحال ہونے پر اب

جھنجھلائے لگی تھی۔

”مجھے بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔ بہت غلطی ہوئی مجھ سے۔ مجھے شور مچا دینا چاہیے تھا۔“

”نہیں.....!“ آپ نے اچھا کیا۔ شور مچانے سے وہ فائر کر سکتا تھا۔“ اس نے کہا تو وہ اور تیز ہو کر

”ہو.....! نماز پڑھنے دو.....!“ دادی نے اس کے ہاتھ جھٹکے تو وہ منت سے بولا۔

”پہلے میری بات تو سن لیں دادی.....!“

”کیا بات.....؟“

”باہر کا کوئی کام بتادیں.....!“ اس نے کہا تو دادی کو بھی فوراً یاد آ گیا۔

”ہاں.....! میرے پان ختم ہو گئے ہیں، وہ لا دو.....!“

”اور.....؟“ اس کی بے صبری کی انتہا تھی۔

”اور کچھ نہیں.....!“ دادی نے آرام سے کہہ کر اپنا رخ قبلہ کی طرف موڑا تو وہ پھر سامنے آ گیا۔

”سوچیں دادی.....! سوچیں.....! شاید کچھ اور.....؟“

”پاکل ہو گئے ہو کیا.....؟ اپنے باپ سے پوچھو جا کر.....!“ دادی نے ڈانٹا۔

”باپ سے آپ کہہ دیجیے گا کہ میں آپ کے کام سے گیا ہوں.....!“ وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل

آیا اور بائیک لے کر بغیر اشارت کئے ڈور تک اسے ٹھیکٹا لے گیا۔ پھر پہلے نوریہ کے موبائل پر اس سے

رابطہ کرنا چاہا لیکن ادھر بیل بجتی ادھر موبائل آف کر دیا جاتا۔ تین چار بار زرائی کرنے کے بعد آخراں نے

بائیک اشارت کرتے ہوئے سوچا۔

”اتنی ناراض تو وہ کبھی نہیں ہوئی.....!“

○○○

حاکم علی اپنے نئے پروجیکٹ کا ماڈل بہت تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا جبکہ قریب کھڑے اس

کے فیجر کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ غالباً اس کے تاثرات سے وہ اندازہ لگاتا چاہ رہا تھا کہ آیا وہ

ماڈل پسند کرتا ہے یا نہیں۔

”مسٹر چغتائی.....!“ حاکم علی نے اچانک اسے مخاطب کیا تو وہ بھی فوراً متوجہ ہوا۔

”یہیں سر.....!“

”مجھے یہ یاد دلگایا یا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔“ حاکم علی نے کہا تو چغتائی ماڈل دیکھ کر رہنے لگا۔

”سر.....! اسے ہم بیک سائیز پر بھی رکھ سکتے ہیں۔“

”ہوں.....!“ حاکم علی نے سوچتے ہوئے انداز میں نظریں اٹھائی تھیں کہ اس کا سارا ادھیان گلاس

وال سے ادھر ہی منتقل ہو گیا۔ ڈرائیو دے پر ایک لڑکی جانے قدم آگے بڑھانے سے خائف تھی یا وہ پس

پلنے سے، اسی شش و پنج میں وہ کبھی پیچھے دیکھ رہی تھی کبھی آگے اور حاکم علی کی آنکھوں میں مقناطیسییت یوں

موکراتی جیسے ایک بل میں وہ اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

اور یہ اتفاق ہی تھا کہ اس بھی ہوئی لڑکی نے قدم اسی طرف بڑھائے تھے۔ حاکم علی کے ہونٹوں پر

مسکراہٹ چمکنے لگی۔ جب اس کی نظروں کے تعاقب میں چغتائی نے دیکھا اور سارا معاملہ سمجھ کر بمشکل

وہ ساتھ ساتھ فون پر دہرائے گی۔ پھر سیور رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ کہنے لگا۔
”آپ نے ناحق کسی کو زحمت دی۔ میں آپ کو چھوڑ آتا۔“
”ارے نہیں..... انوی اسی طرف آ رہا تھا۔“ وہ بے نیازی سے کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
”آپ بیٹھیں پلیز..... میں آپ کے لیے چائے.....!“
”تو تھمکس.....! نوی کہہ رہا تھا وہ بس پانچ منٹ میں پہنچ جائے گا اور میں اسے گیٹ پر ملوں،
اوکے.....! میں چلتی ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
حاکم علی نے بے اختیار ہاتھ اس کی طرف یوں بڑھایا جیسے اسے روکنا چاہتا ہو۔ وہ اچانک پلٹ کر
بولی۔

”سوری.....! میں نے آپ کا شکریہ ادا کیا نہیں۔“
”کس بات کا.....؟“
”ظاہر ہے، میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔“ اس نے کہا تو وہ بے ساختہ ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ
بولی۔
”ڈسٹرب کرنے کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہیں آپ.....!“
”نوفو.....! ڈسٹرب کرنے پر سوری اور برداشت کرنے پر تھمک پوری جی.....!“ اس کے ساتھ
ہی وہ ہنسی تھی پھر فوراً پلٹ کر باہر نکل گئی۔ حاکم جو ابھی اس کی خوب صورت ہنسی کے سحر سے نکلا بھی نہیں تھا،
اس کے جانے سے پریشان ہو گیا اور پھر بہت تیزی سے دروازے تک گیا لیکن وہ گیٹ سے نکل چکی تھی۔
”وہ پھر آئے گی۔“ اس نے خود کو تسلی دی اور ٹیلی فون کے پاس آ کر سی ایل آئی پر سے وہ نمبر
نوٹ کرتے لگا جہاں اس نے بات کی تھی۔

○○○

وہ نعمان کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو حسب معمول سب دادی کے پاس بیٹھے شام کی چائے پی
رہے تھے۔ اس کی اتنی جلدی واپسی پر ایسی تعجب سے پوچھنے لگیں۔
”تم جلدی کیسے آ گئیں.....؟“
”بس وہ.....“ تمام راستے اس نے نوی کے ساتھ بہت سارے بہانے سوچے تھے کہ گھر جا کر یہ
کہتا ہے، وہ کہنا ہے لیکن وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکی۔
”اور تم کہاں سے آ رہے ہو.....؟“ بہنرا حسن نے نعمان سے پوچھا۔
”جی.....! مجھے دادی نے پان لینے بھیجا تھا۔“ نعمان نے کن اکھیوں سے دادی کو دیکھتے ہوئے
کہا۔
”پان لینے گئے تھے.....! کہاں ہیں پان.....؟“ بہنرا حسن ہلکا ہلکا مطمئن ہونے والے تھے۔

بولی۔
”کر دیتا.....! پھر وہ خود بھی تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ اسنے لوگ جمع ہو جاتے۔“
”ایسے موقعوں پر لوگ جمع نہیں ہوتے، اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ویسے آپ جا
کہاں رہی تھیں.....؟“ حاکم علی نے اس طرف سے اس کا دھیان ہٹانے کی خاطر پوچھا۔
”اوہ گاڈ.....! روٹی تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔“ یاد آنے پر وہ چیخ پڑی۔
”جی.....!“ وہ سمجھا نہیں اور وہ سمجھانے کی بجائے پوچھنے لگی۔
”میں فون کر لوں.....؟“

”مضرور.....!“ اس نے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا۔
”میرا موبائل بھی گاڑی میں رہ گیا۔“ وہ کبھی ہوئی فون کے قریب جا کر روٹی کا نمبر ڈائل کرنے
لگی۔ حاکم علی اس کی پشت پر چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔
”ہاں روٹی.....! تم نے میرے گھر فون تو نہیں کیا.....؟“
”تھمک گاڈ.....! کرنا بھی مت.....!“
”یار.....! میں مشکل میں پھنس گئی ہوں۔“
”مئی ڈیڈی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔“
”میں پھر تمہیں تفصیل سے بتاؤں گی، اوکے.....!“ وہ سلسلہ منقطع کر کے پھر کوئی نمبر ڈائل کر رہی
تھی۔

حاکم علی اس کے سیاہ بالوں کے بیچ وٹم میں اُلجھ رہا تھا۔ پھر ذرا سا کنارے ہو کر اسے دیکھنے کی
کوشش کرنے لگا۔ کھلے بالوں کی ایک گھنیری لٹ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ بولتے ہوئے
وہ ذرا سا سر جھٹکتی تو جیسے سیاہ بالوں میں سے ایک ہل کو چاندنی چھلکتی تھی اور وہ تو تھا ہی رنگین مزاج، جو
دوسروں کو اسیر کرنا جانتا تھا لیکن یہاں وہ خود اسیر ہو رہا تھا۔ حالانکہ اس کی شعوری خواہش یہ تھی کہ وہ ہاتھ
بڑھا کر اس لڑکی کو بوج لے لیکن لاشعور میں مسلسل کوئی تنبیہ کر رہا تھا۔
”اوں ہوں.....! یہ وہ نہیں ہے جو چند لمحوں کی پیاس بجھا دے۔“
”پھر.....؟“

”یہ وہ آ ب ہے جو ایک مگر مھوٹ مھوٹ پینے پر بھی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے۔“
”ایک لمحہ رمی.....!“ اس کے متوجہ کرنے پر وہ چونک پڑا۔
”ہاں.....!“
”آپ اپنا ایڈریس بتائیں، میں نوی کو بتا دوں۔ وہ آ کر مجھے لے جائے گا۔“ اس نے کہا تو وہ بلا
ارادہ ہی ایڈریس بتانے لگا۔

نعمان آ گیا۔

”چچا جان! گاڑی کا کیا کرنا ہے؟ میرا خیال ہے ابھی ایف آئی آر درج کرادی جاوے۔“ نعمان نے کہا تو ڈیڈی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“

”چلیں پھر!“ اس نے کہا تو ڈیڈی یوں دیکھنے لگے جیسے تمہارے جانے پر تمہارا باپ ناراض ہوگا۔

”آپ کے ساتھ جانے پر تو پایا کچھ نہیں کہیں گے۔“ وہ سمجھ کر بولا تو ڈیڈی ذرا سا مسکرائے پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”کہاں جا رہے ہیں ڈیڈی۔“ ”نور یہ نے ان کے اٹھنے پر فوراً پوچھا۔

”کہیں نہیں بیٹا۔ آپ امی کے ساتھ آؤ پر جاؤ، ہم ابھی آرہے ہیں۔“ ڈیڈی نے کہتے ہوئے امی کو اسے لے جانے کا اشارہ بھی کیا تو وہ نعمان سے اشارے سے پوچھنے لگی۔

”کہاں جا رہے ہو۔“

نعمان نے بھی نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا پھر ڈیڈی کے ساتھ چل پڑا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی امی کے ساتھ آؤ پر آگئی اور امی جو اتنی دیر سے خود پر ضبط کیے ہوئے تھیں۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اسے لپٹا کر رونے لگیں۔

”ارے! امی کیا ہوا؟ آپ رونے کیوں لگیں۔“ وہ ان کے بازوؤں سے نکل کر اٹھ دیکھنے لگی۔

”بتائیں ناں امی! کیا ہوا ہے؟“

”بیٹا! تم اب کہیں نہیں جانا۔“ امی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تو اب وہ خود ان سے لپٹ گئی۔

”اوہو! آپ نے تو مجھے پریشان کر دیا۔“

”یہ پریشانی کی بات نہیں ہے کیا۔“

”ہے تو! لیکن اس سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ میں زندہ سلامت آپ کے سامنے کھڑی ہوں۔“ وہ امی کو دیکھ کر ہنس کر بولی ورنہ اس لمحے کے تصور سے اس کا دل اب بھی کانپ رہا۔

”اللہ کا شکر ہے! لیکن اب تم کہیں نہیں جاؤ گی۔“ امی نے پھر اپنی بات دہرائی۔

”اکیلی نہیں جاؤں گی، بس اب آپ روئیں نہیں ورنہ میں بھی رونے لگوں گی۔“ اس نے ہاتھوں سے امی کے آنسو صاف کئے پھر انہیں ہٹھا کر پانی لے آئی۔

”میں پان لینے ہی گیا تھا لیکن راستے میں نور یہ۔“ نعمان اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گیا تو وہ بول پڑی۔

”میں بتاتی ہوں۔“ نور یہ نے یہ کہہ کر اپنا رخ ڈیڈی کی طرف موڑ لیا۔

”ڈیڈی! میں روٹی کے گھر جا رہی تھی ناں۔“ اور اسے میں میری گاڑی چھین گئی۔“

”کیا۔“ امی کے منہ سے چیخ نکلی اور باقی سب لوگ بھی پریشان ہو گئے۔

”کیسے بیٹا۔“ ڈیڈی نے پوچھا۔

”پتا نہیں ڈیڈی! بس ایک آدمی نے مجھے رپو اور دکھایا پھر مجھے کچھ نہیں پتا۔ میں فوراً اتر کر بھاگ پڑی۔ وہ تو اچھا ہوانوی نظر آ گیا اور میں اس کے ساتھ گھر آ گئی۔“

”یا اللہ! امی نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

”بیٹا! تمہیں کچھ۔“

”میں ٹھیک ہوں امی! مجھے کچھ نہیں ہوا۔“ اس نے اپنی طرف سے اٹیس اطمینان دلایا پھر

ڈیڈی سے بولی۔

”لیکن ڈیڈی! گاڑی۔“

”اے لعنت بھیجو گاڑی پر۔“ اللہ کا شکر ہے تم پر کوئی آج نہیں آئی۔“ دادی نے کہا تو وہ ان کے پاس آ بیٹھی۔

”اور شکر ہے دادی! نوبی نظر آ گیا ورنہ میں تو حواس کھو چکی تھی۔“ اس نے ایک طرح سے

نعمان کا دفاع کیا۔

”دیکھ لیا اکیلی لڑکی کو بھیجنے کا نتیجہ؟ پتا بھی ہے آج کل شہر میں کسی کیسی وارداتیں ہو رہی ہیں

پھر بھی۔“ بہتر احسن شروع ہو گئے۔

”چلو! اللہ نے بڑا اکرم کیا۔“ دادی نے کہا تو وہ اور تیز ہو کر کہنے لگے۔

”ہاں! بڑا اکرم ہوا، کوئی نیکی کام آئی لیکن اماں! ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ گاڑی کے ساتھ لڑکی

بھی جاتی تب کیا یہ کہہ کر صبر کر لیتیں آپ کہ کسی گناہ کی سزا ملی ہے۔“

”تو یہ کرو۔“ دادی نے ہول کر ڈانٹا۔

”میں تو توبہ کر لوں گا، آپ لوگ احتیاط نہ کیجیے گا۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے نعمان

سے بولے۔

”اب تم ناں پان لینے چلے جانا۔“

”اے ڈھن! صدقہ اتار لو لڑکی کا، اللہ نے بچایا ہے۔“ دادی نے امی سے کہا۔

”جی اماں! شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گی۔“ امی کبھی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں تو ان کی جگہ پر

”مجھے نہیں پتا..... کیا بات ہے.....؟“
”اسی سے پوچھ لے.....!“ چاندنی نے زنب کو گھور کر کہا تو وہ مزید کھلکھلا کر بولی۔
”چاندنی تیری مامی بننے والی ہے۔“
”کیا.....؟“ ہینا اچھلی۔

”ہاں ناں.....! تجھے بے بے نے نہیں بتایا.....؟“
”ہیں چاندنی.....! یہ سچ کہہ رہی ہے.....؟“ ہینا اس کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی تو وہ شرمیلیں مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”مجھے نہیں پتا.....!“
”سب پتا ہے.....! اسی نے مجھے بتایا تھا۔“
”زینی کی بیٹی.....!“ وہ زنب پر جھٹ پڑی۔
”میں نے اس لیے تجھے بتایا تھا.....؟ آئندہ کوئی بات نہیں بتاؤں گی۔“
زنب اس کے نوپے پر ہنسے جا رہی تھی۔

”چل مامی.....! بس کر.....!“ ہینا نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔
”ہائے.....!“ وہ اس کے مامی کہنے پر زنب کو چھوڑ کر بھاگ گئی۔
”دیکھا کیسے شرمائی.....!“ زنب نے فوراً اپنی بات سچ ہونے کا اشارہ دیا۔
”میں بے بے سے پوچھتی ہوں۔ چل تو بھی چل.....!“ ہینا اسے اٹھا کر بے کے پاس آئی تو بے نے آپٹریا سے ہی بات کر رہی تھیں۔

”میں نے حاکم سے بھی بات کر لی ہے۔ پہلے تو ہنس پھر مان گیا۔“
”چلو یہ اچھا ہوا ہے.....! اپنے ہاتھوں کی پلی لڑکی ہے، قابو میں رہے گی۔“ آپٹریا نے کہا تو زنب کے اشارے پر ہینا پوچھنے لگی۔

”کون امی.....! کس کی بات کر رہی ہیں.....؟“
”اپنی چاندنی کی.....!“ آپٹریا نے کہا تو بے بے بول پڑیں۔
”حاکم اور چاندنی کی شادی کی بات ہو رہی ہے۔“

”ہائے.....! سچ ہے.....! اکب ہے شادی.....؟“ ہینا نے خوشی کے اظہار کے ساتھ پوچھا۔
”عید کے مہینے کرنے کو کہہ رہے ہیں، تیرے نانا.....!“
”پھر تو میں اوہری آ جاؤں گی بے بے.....! روزے بھی نہیں رکھوں گی۔“ ہینا نے کہا تو آپٹریا فوراً بولیں۔

”باپ سے پوچھ لینا.....!“

”لیجئے.....! پانی پیئیں.....!“
”اؤں ہو گئی کیا.....؟“ امی نے گلاس لیے ہوئے پوچھا۔
”ہو رہی ہے۔ آپ نماز پڑھیں میں جب تک روٹی ڈال دوں۔“ وہ کہہ کر ان کے کمرے سے نکل آئی۔

○ ○ ○
حاکم کی بڑی آپٹریا اپنے بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ ان کی بیٹی ہینا چاندنی کے برابر ہی تھی جبکہ ایک بیٹا اس سے بڑا اور ایک چھوٹا تھا۔ دونوں بیٹے افسر اور اصرار تو جب بھی آتے بابا یعنی اپنے نانا کے ساتھ ہی لگے رہتے اور ہینا کی دوستی چاندنی کے ساتھ تھی۔ چاندنی بھی اس کی آمد پر بے پناہ خوش ہوتی کیونکہ اسے کھیلنے کے لیے اپنی ہم عمر ساتھی جمل جاتی تھی۔ کھانا، سونا، جامنا، کیلنا سب ساتھ ہونا۔ جتنے دن ہینا رہتی جو ملی میں دونوں کے قہقہے گونجتے رہتے۔ کسی وقت زنب کو بھی ساتھ ملا لیتیں۔
اس وقت تینوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتی ہوئی بارہوری کی طرف نکل آئی تھیں۔

بارہوری تین اطراف سے گھنے پھروں میں گھری ہوئی تھی۔ خصوصاً برسات کے دنوں میں اس خطے کی دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی جبکہ شام اترنے پر ایک نامعلوم سا خوف محسوس ہوتا تھا۔ بے بے بھی چاندنی کو ادھر اکیلے نہیں جانے دیتی تھیں لیکن چاندنی کو یہی گوشہ سب سے زیادہ پسند تھا۔

گرمیوں کی جتنی دوپہر میں یہاں ہو کا عالم ہوتا تھا۔ ایسے میں چاندنی بے کے سونے کا انتظار کرتی اور جہاں ان کی آنکھ لگتی وہ بے پاؤں کمرے سے نکلتی پھر بھاگتی ہوئی ادھر آتی تھی۔ اسے ی کے ٹھنڈے ماحول سے زیادہ اسے گھنے پیروں کی چھاؤں میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا جہاں کسی کسی وقت خشک پتوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔ اسے خاموشی میں یہ ہلکا سا ارتعاش بھاتا تھا اور لمبی آم کے پتے پر کونسل کوکتی تو بہت دیر تک اس کی کوک کی بازگشت سنائی دیتی تھی۔ بہر حال اس وقت نہ تو برسات تھی نہ جتنی دوپہر اور نہ گہری شام کا خوف، اولین بہار کی زرخست ہوئی دوپہر میں وہ تینوں بارہوری کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھیں۔

”زنب.....! کچھ سناں.....!“ ہینا نے فرمائش کی تو وہ معنی خیز انداز میں بولی۔
”اب تو چاندنی سنائے گی.....!“
”مجھے نہیں آتے مامیے واپسے.....!“ چاندنی نے کہا تو زنب اسے کوئی مار کر بولی۔
”مامیے سنانے کو تھوڑی کہہ رہی ہوں۔“

”پھر.....!“
”وہ بات بتاناں جو اس دن مجھے بتائی تھی..... یا اسے پتا ہے.....؟“ زنب نے کہا تو ہینا فوراً

”چہ چہ..... ڈر پوک.....!“
”جی نہیں.....! میں ڈر پوک نہیں ہوں۔ مجھے تو اب تک یہ افسوس ہو رہا ہے کہ میں بھاگی
کیوں.....؟ اس کے ہاتھ سے ریوا اور چھین کر اسے مار کیوں نہ دیا.....؟“
”ہا ہا.....!“ وہ ہنسنے لگا۔

”تم مذاق سمجھ رہے ہو۔ یہ مذاق نہیں ہے۔ تم دیکھنا ایمان سے کسی دن.....“
”بس بس.....! زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اب تو تم یہ بھول جاؤ کہ تمہیں اس لیے
کہیں جانے دیا جائے گا۔“ نعمان نے کہا۔

”کون منع کرے گا.....؟“ اس کے لہجے میں بلا کی معصومیت ڈر آئی تھی۔
”میں.....! سب سے پہلے میں منع کروں گا۔“ وہ زور دے کر بولا۔
”منع کرنے کا مطلب جانتے ہو۔ پھر تمہیں ہی میرے ساتھ چلنا پڑے گا کیونکہ مجھے تو جہاں

ضروری جانا ہو گا وہاں ضرور جاؤں گی۔“
”میں ضرور لے جاؤں گا۔“ وہ بے اختیار اسی کے انداز میں بول کر جھنجھلا گیا۔

”چلو..... اب جاؤ یہاں سے۔“
”میں نہیں جا رہی۔“ وہ مزید پھیل کر بیٹھ گئی۔

”ابھی پاپا آ جائیں گے۔“
”تو کیا ہوا.....؟ تمہیں ڈانٹیں گے ناں.....!“ اس نے پہلے بے نیازی دکھائی پھر فوراً کہنے لگی۔

”نہیں.....! مجھے بھی ڈانٹ سکتے ہیں۔ پتا ہے اس دن کیا کہہ رہے تھے.....؟“
”کیا.....؟“

”کہہ رہے تھے تم لوگ نومی کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہو۔ کچھ اے اپنے بارے میں سوچنے کے
قابل بھی چھوڑ دو گی کہ نہیں۔“ اس نے بہنوئی چچا کے انداز میں بتایا تو وہ خجالت چھپانے کو بولا۔

”ٹھیک تو کہہ رہے تھے۔“

”ویسے تم نے کبھی اپنے بارے میں سوچا ہے.....؟“ وہ یکسر ان سنی کر کے پوچھنے لگی۔
”میں اپنے بارے میں نہیں سوچتا۔“ وہ بے اختیار بولا تھا اور وہ اچھل پڑی۔

”پھر کس کے بارے میں سوچتے ہو.....؟“

”کسی کے نہیں.....!“
”نومی.....! پلیز مجھے چکرمت دو، سچ بتاؤ.....!“ وہ کہاں ٹلنے والی تھی۔

”کیا بتاؤں.....؟“
”کس کے بارے میں سوچتے ہو.....؟“ وہ اب معنی خیز انداز میں بولی۔

”اب منع نہیں کریں گے، کیوں بے بے.....! میں آ جاؤں ناں.....!“
”لے.....! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے.....! تیرا اپنا گھر ہے۔“
”ہاں بے بے.....! فرحت اور عابدہ وغیرہ کو بھی بلا لیتا۔ بڑا مزہ آئے گا۔“ نعمان نے اپنی خالہ زاد

کے نام لئے۔
”سب آئیں گی، ایک ہی تو ماں ہے تمہارا.....!“ بے بہت خروش ہو رہی تھیں۔
”خوب دھوم دھڑکا کریں گے۔“ نعمان چپکی۔

”جیسا اس کے پیدا ہونے پر ہوا تھا۔“ آپاڑیا کہہ کر یوں نہیں جیسے وہ وقت یاد آ گیا ہو۔
”ماموں کے پیدا ہونے پر کیا ہوا تھا.....؟“ نعمان شوق سے پوچھنے لگی۔

”لو.....! کتنی بار تو بتا چکی ہوں۔ مہینوں مراٹھیں آتی رہی تھیں۔ آخر میں تو ہم بہنیں اوپر برساتی
میں جا بیٹھتی تھیں اور ہمیں حاکم سے ملنے بھی ہونے لگی تھی۔ کیوں بے بے.....!“

”ہاں.....! میں بھی تھک گئی تھی۔ بڑی مشکلوں سے جان چھوڑی تھی مراٹھوں نے۔“ بے بے نے
بائید کی پھر ہینا سے پوچھنے لگیں۔

”چاندنی ہے کہاں.....؟“
”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ نہن کو اشارہ کر کے چاندنی کے پاس بھاگی۔

○○○

”نومی سو تو نہیں رہے۔“ نور یہ نے نعمان کے کمرے میں جھانکا۔
”ماشاء اللہ.....! پڑھائی ہو رہی ہے۔“ نور یہ اندر آ کر بولی۔

”ڈونٹ ڈسٹرب.....!“ نومی نے بغیر کسی حرکت کے کہا تو وہ قصداً آنجان بن کر بولی۔
”ہیں.....! یہ آواز کہاں سے آئی.....؟“ پھر اس کی ٹیبل کے قریب آ گئی۔

”تم بولے تھے.....؟“

”کیا چاہتی ہو تم.....؟“ وہ اب سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔
”مجھ سے باتیں کرو.....!“ وہ چیخ کر پھینچ کر بیٹھ گئی۔

”یہ باتیں کرنے کا کون سا وقت ہے.....؟ جاؤ سو جاؤ.....!“ نعمان نے گھڑی اس کے سامنے کر
کے وقت کا احساس دلانا چاہا تو وہ چیز اسی شکل بنا کر بولی۔

”نہیں نہیں آ رہی.....!“

”کیوں.....؟“

”خوف سے.....! جب بھی آنکھیں بند کرتی ہوں وہ منظر سامنے آ جاتا ہے۔ تین دن سے میرا
یہی حال ہے۔“ اس نے بتایا تو نعمان نے مذاق اڑایا۔

”بس.....! ہے کوئی.....! نعمان کے چہرے پر کسی خوبصورت جذبے کا عکس جھللا یا تھا۔
”کون.....؟“ وہ مزید تجسس ہوئی۔

”یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔“
”پھر کب بتاؤ گے.....؟“

”وقت آنے پر..... اور پلیز.....! تم اصرار مت کرنا۔“
”اوں.....! بہت بور ہو تم.....! اچھا یہ تو بتا دو کیسی ہے.....؟“ وہ پھر بھی باز نہیں آئی۔

”اگر میں کہوں تمہارے جیسی.....! وہ ہونٹوں میں مسکراہٹ ڈبا کر بولا۔
”تو میں نہیں مانوں گی.....! وہ فوراً بولی۔

”کیوں.....! تمہارے جیسی کوئی اور نہیں ہو سکتی.....؟“ نعمان نے محفوظ ہونے والے انداز میں

ٹوکا تو وہ جھنجھلا گئی۔

”میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میرے جیسی ہزار نہیں لاکھوں ہوں گی۔“

”پھر نہ ماننے کی وجہ.....؟“ وہ بھی پیچھے پڑ گیا تھا۔

”بھئی.....! اگر تمہیں میرے جیسی پسند کرنی ہوتی تو پہلے مجھے..... میرا مطلب ہے مجھ میں تو تمہیں

کوئی خوبی نظر نہیں آتی پھر میرے جیسی میں کیا نظر آ گیا.....؟“ وہ جھنجھلا کر بولتی ہوئی آخر میں چیخ پڑی۔
”تم بوری نہیں فضول بھی ہو.....! نعمان پورے دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

”ہیسی اندر کرو.....! وہ مکا دکھا کر چیخی۔

”آہستہ.....! ابھی پاپا آ گئے تو میرے ساتھ تمہاری ہنسی بھی سلامت نہیں رہے گی۔“ اس نے

ڈرایا تو وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
”اچھا سنو.....! تم نے اس دن جو بات کہی تھی.....“ قدرے توقف سے وہ اسے متوجہ کر کے

پوچھنے لگا۔

”کون سی بات.....؟“ وہ درمیان میں بول پڑی۔

”وہی جو تم نے کہا تھا کہ خاندان میں شادی نہیں کروں گی۔“

”ہاں.....! نہیں کروں گی۔“ اس کے انداز میں حد درجہ بے نیازی تھی۔
”وجہ.....؟“ وہ قدرے سنجیدہ تھا۔

”بس.....! میں چاہتی ہوں نئی زندگی میں سب کچھ نیا ہو۔ نئے لوگ، نیا ماحول، میں ان کے لئے

نئی، وہ میرے لئے نئے۔“ وہ اپنے انداز سے شروع ہوئی تھی پھر اچانک کھوی گئی۔
”میں کو پرانا ہونے میں کچھ وقت بلکہ کافی وقت لگے گا اور وہ کافی وقت میں سمجھتی ہوں۔ بہت

خوبصورت ہو سکتا ہے، ہے ناں.....! آخر میں اسے دیکھا پھر بس پڑی۔

”یہ کیا کہہ گئی میں.....؟“

”وہی جو تم سوچتی ہو.....! وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

”میں تو پتا نہیں کیا کیا سوچتی ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
”پلو سو جاؤ.....! صبح تمہیں ڈیڈی کے ساتھ جانا ہے۔“

”ارے.....! میں تو بھول ہی گیا تھا۔“

”کسی دن اپنے آپ کو نہ بھول جانا۔“ وہ کہہ کر نعمان کے کمرے سے نکل آئی۔

○○○

حاکم علی نظریں اپنے نئے پروجیکٹ کے ماڈل پر جمی تھیں لیکن اس کا ذہن اب بھی اس لڑکی کو سوچ

رہا تھا جو باوصا کے مانند اس کے احساسات کو چھو گئی تھی اور یہ اس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو اتنی

شدت سے نہ صرف محسوس کر رہا تھا بلکہ مس بھی کر رہا تھا یعنی متضاد کیفیات ایک ساتھ تھیں۔ ایک پل میں

وہ اسے بے حد قریب محسوس ہوتی تو اگلے لمحے درمیان میں صدیاں سیٹ لانا تھا۔
”کون تھی.....؟ کہاں سے آئی تھی.....؟ میں اس کا نام ہی پوچھ لیتا۔“

”اب کس نام سے اور کہاں کہاں پکاروں اسے.....؟“

”اگر کبھی سر راہ مل گئی تو.....!“

”ملے گی.....! ضرور ملے گی.....!“ کبھی مایوسی، کبھی اُمید اور اُمید کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں

چمکنے لگی تھیں تو سامنے بیٹھا منبر چٹائی یہ سمجھا کہ وہ ماڈل سے مطمئن ہو گیا ہے۔ جب ہی پوچھنے لگا۔
”سر.....! اس پر کام کب شروع کرنا ہے.....؟“

”کس پر.....؟“ وہ چمک کر چٹائی کی طرف متوجہ ہوا۔

”یہ پروجیکٹ.....!“ چٹائی نے ماڈل کی طرف اشارہ کیا تو وہ گہری سانس کے ساتھ نفی میں سر

ہلانے لگا۔

”سر.....! میں نے اس کا پارکنگ ایریا.....“

”ہاں.....! لیکن یہاں اپارٹمنٹس نہیں بنیں گے۔“ حاکم نے چٹائی کی بات کاٹ کر کہا تو وہ

سوالیہ نشان بن گیا۔
”پھر.....؟“

”اسے ہٹا دو اس اور کسی ماہر آرکیٹیکٹ سے اس پورے رقبے پر ایک خوب صورت بنگلا ڈیزائن کروا

دیں۔“ وہ کسی خوب صورت تصور میں کھو کر بولا۔
”کس کے لیے.....؟“ چٹائی نے برملا حیرت کا اظہار کیا۔

حاکم علی نے اسے یوں دیکھا جیسے حیران ہو رہا ہو کہ یہ تم نے ہی پوچھا ہے۔

داد کے سر۔۔۔۔۔! چٹائی اٹھ کھڑا ہوا اور حاکم علی پھر سے "اے" سوچنے اور کھونے کی لطیف مصروفیت لے بیٹھا۔

○○○

شام اتر رہی تھی جب حاکم علی کی لینڈ کروزر گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ آگے ڈرائیوے پر اس کے بابا کی بجیر و پہلے سے موجود تھی۔ اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔
"بابا کب آئے۔۔۔؟"

"دو پہر میں۔۔۔۔۔!"

"اسکیلے آئے ہیں یا کوئی اور بھی ساتھ ہے۔" اس نے پھر پوچھا اور جواب کا انتظار کئے بغیر گاڑی سے اتر آیا۔ ملازم اس کا بریف کیس اٹھانے کے لیے بھاگا آیا۔

"کوئی آیا تھا۔۔۔؟" وہ گزشتہ چار دنوں سے گھر آتے ہی ملازم سے پہلا سوال یہی کر رہا تھا۔
"بابا صاحب آئے ہیں سرکار۔۔۔!" ملازم نے یوں خوش ہو کر بتایا جیسے اسے انہی کا انتظار ہو۔
"مجھے معلوم ہے، اور کوئی۔۔۔؟" اس نے کہا تو اب ملازم خائف ہو گیا۔

"اور تو جی کوئی نہیں۔۔۔۔۔!"

"ہوں۔۔۔۔۔!" وہ قدرے ست روی سے اندر کی طرف چل پڑا لیکن جب لاؤنج میں بابا کو بیٹھے

دیکھا تو تیزی سے بڑھ کر ان کے سر جھک لے۔

"السلام علیکم بابا۔۔۔۔۔!"

"جیتا رہا۔۔۔۔۔! کیا ہے تو۔۔۔؟" بابا نے اس کا کندھا ٹھیک کر پوچھا تو وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"میں ٹھیک ہوں بابا۔۔۔۔۔! آپ کیسے آئے۔۔۔؟"

"تجھ سے ملنے کو دل چاہا، چلا آیا۔۔۔۔۔!" بابا نے ہمیشہ والا جواب دیا پھر برائی شکایت کی۔

"تیرا تو دل نہیں چاہتا اور اصرار ہے کہ۔۔۔"

"بس بابا۔۔۔۔۔! آپ کو تو پتا ہے میرا وہاں دل نہیں لگتا۔ خیر۔۔۔۔۔! آپ بے بے کو بھی لے آتے۔"

اس نے کہا۔

"تیری بے بے کہاں سفر کر سکتی ہے۔۔۔۔۔؟ گڈی میں اس کا دل تلاتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔۔۔! اب بھی تاکنے میں بیٹھتی ہیں۔" وہ محظوظ انداز میں ہنسا پھر پوچھنے لگا۔

"بے بے۔۔۔۔۔! اچھی تو ہیں ناں۔۔۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔۔۔! اور آج کل تو بڑی خوش ہے۔ تیری شادی کی تیاریاں کر رہی ہے۔" بابا نے بتایا تو وہ

تدرے حیرت سے بولا۔

"میری شادی۔۔۔۔۔؟"

"سوری سر۔۔۔۔۔! آئی میں یہاں اپارٹمنٹس کی اسکیم بہت فائدہ مند ہے۔" چٹائی نے اپنی بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

"آئی ٹو۔۔۔۔۔! اب یو وونٹ نو ویت۔۔۔۔۔!" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ یکدم بات بدل گیا۔

"آر یو میریڈ۔۔۔۔۔! مسٹر چٹائی۔۔۔۔۔!"

"نوسر۔۔۔۔۔!" چٹائی کے لیے یہ سوال غالباً غیر متوقع تھا جب ہی اس کے چہرے پر کچھ حیرت کے آثار ابھرے تھے۔

"کیوں۔۔۔۔۔! آئی میں کوئی پراہم ہے یا ذمے داریاں زیادہ ہیں۔۔۔۔۔؟ کون کون ہے آپ کے گھر میں۔۔۔۔۔؟" وہ پہلی بار اس سے ذاتی سوال کر رہا تھا۔

"زیادہ افراد نہیں ہیں سر۔۔۔۔۔! میری والدہ ہیں اور ایک چھوٹی بہن۔"

"تو آپ بہن کی شادی کرنے کے بعد اپنی شادی کا سوچیں گے۔۔۔۔۔؟" اس نے قیاس سے کہا۔
"میرا تو یہی خیال تھا لیکن میری والدہ اب میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔" چٹائی نے بتایا تو وہ

خوشی کے اظہار کے ساتھ بولا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔۔۔۔۔! آپ کی اپنی پسند۔۔۔۔۔؟"

"نوسر۔۔۔۔۔! میں اپنی مدد اور سسر سے یہ اختیار نہیں چھیننا چاہتا۔ یہ ان کا حق ہے کہ وہ میرے لیے جسے چاہیں پسند کریں۔" چٹائی فوراً بولا۔

"گڈ۔۔۔۔۔! مجھے اپنی شادی میں ضرور بلائیے گا۔"

"شیور سر۔۔۔۔۔! چٹائی مسکرایا۔ پھر اپنے طور پر جو سمجھا اسی حساب سے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے سر۔۔۔۔۔! آپ یہ بنگلا اپنی سسر کے لئے بنوانا چاہتے ہیں۔"

"بابا۔۔۔۔۔!" حاکم علی نے جاندار قبضہ لگایا پھر اسی محظوظ انداز میں بولا۔

"آئی ایم اشل بیچلر مسٹر چٹائی۔۔۔۔۔! اب پلیز حیران مت ہوئے گا کیونکہ میں ابھی بوڑھا نہیں

ہوں۔"

"نوسر۔۔۔۔۔! یو آر ویری یونڈرم۔۔۔۔۔!"

"تو یہ بنگلا آپ کسی خاص سستی کے لئے بنوانا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔؟" وہ پھر کہنے لگا۔

"ٹھیک سمجھے آپ۔۔۔۔۔! ڈعا کریں وہ دل جائے۔" حاکم علی کے لہجے میں ہلکی سی بے یقینی تھی۔ پھر

فورا بات بدل گیا۔

"او کے مسٹر چٹائی۔۔۔۔۔! آپ پہلے آرکیٹیکٹ سے بات کریں لیکن آپ کو تو لندن جانا ہے۔"

"لیس سر۔۔۔۔۔!"

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! لندن سے واپسی پر پہلا کام یہی کیجیے گا۔"

”کھڑے ہو.....!“ وہ ایزی ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ نشی لمبی گفتگو کرتی تھی۔
”میں آ جاؤں.....!“ نشی نے پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

”نہیں.....!“
”کیوں.....؟“

”بابا آئے ہوئے ہیں۔“ اس نے بتایا تو نشی خوش ہو کر بولی۔

”یہ تو اچھی بات ہے۔ میں بھی مل لوں گی ان سے۔“
”ابھی نہیں یار! آئی میں ابھی ان کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔“ اس نے کہا تو وہ مشکوک انداز میں

بولی۔

”بال تو نہیں رہے.....؟“

”جسمیں کیا لگ رہا ہے.....؟“ وہ اُنکا اس سے پوچھنے لگا۔

”ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی کیونکہ تم سامنے نہیں ہو اور نہ تمہارا چہرہ دیکھ کر بتا دیتی۔“ وہ بہت اعتماد

سے بولی تھی۔

”اچھا! چہرہ شناس بھی ہو.....؟“ وہ ذرا سا ہنسا تھا۔

”جناب.....! میری اس خوبی کے سب معترف ہیں۔“ وہ اتر کر بولی۔

”اچھا! میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا.....؟“ وہ تجسس نہیں تھا بس یونہی پوچھ لیا تھا۔

”تم تجسس بھی مجھے ہر جگہ لگتے ہو۔“ اس نے کہا تو ایک ہل کو وہ ٹھنڈا اور اگلے ہل زور سے ہنسا تھا۔

○○○

وہ دادی کے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے مسلسل ان کے بالوں کی تعریف بھی کئے جا رہی تھی۔

”واہ.....! اتنے گھنے، اتنے خوبصورت، آخر آپ نے کیا لگا یا ہے دادی.....! جو بڑھاپے میں

بھی..... نہیں خیر ابھی آپ بوڑھی تو نہیں ہوئیں۔“ وہ آخر میں اپنی ہی نفی کرنے لگی۔

دادی اس کی نرم انگلیوں کے لمس سے لطف لے رہی تھیں جب ہی کچھ سن ہی نہیں رہی تھیں۔

”دادی.....! آپ کے زمانے میں شیپو تو تھا نہیں پھر آپ کے بال اتنے خوب صورت کیسے

ہیں.....؟“ اب اس نے دادی کو پکار کر پوچھا۔

”لو.....! انہی بات کر رہی ہو۔ شیپو ہی سے تو بال خراب ہوتے ہیں لیکن یہ بات آج کی لڑکیوں

کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ بس بالوں کا ناس مارتی رہیں گی۔“ دادی نے کہا تو وہ سامنے آکھینے میں خود کو

دیکھتے ہوئے بولی۔

”خیر.....! بال تو میرے بھی گھنے ہیں۔“

”میں نے حفاظت کی ہے تمہارے بالوں کی۔ روز تیل لگا کر چٹیا بنایا کرتی تھی لیکن جویر یہ کبھی

”ہاں بچہ.....! تیری بے بے نے بات تو کی تھی تجھ سے، چاندنی کے لیے۔“ بابا نے اسے یاد دلایا
تو وہ خاموش ہو گیا۔

”چاندنی ماشاء اللہ سمجھ دار ہو گئی ہے۔“ قدرے توقف سے بابا نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول
پڑا۔

”کہاں سمجھ دار ہو گئی ہے۔ ابھی تو میٹرک میں پڑھتی ہے۔ میرا خیال ہے اسے ابھی اور پڑھنے
دیں۔“

”نہ بچہ.....! زیادہ پڑھ لکھ جائے گی تو اپنا حق مانگنے لگے گی۔ بس اتنا بہت ہے۔ ویسے میں تو اسے
اسکول ڈالنے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ تیری بے بے کو شوق ہوا تھا اسے پڑھانے کا۔“ بابا نے کہا تو وہ دل

ہی دل میں ان کی سیاست کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا۔ پھر پوچھنے لگا۔

”چاچا کی جاگیر وغیرہ کس کے نام ہے.....؟“

”چاندنی کے.....! چاندنی کی پیدائش پر ہی اس نے اپنا سب کچھ اس کے نام لکھ دیا تھا۔“ بابا نے
بتایا پھر آہ بھر کر بولے۔

”شاید اسے آگئی ہو گئی تھی کہ اس کی زندگی تھوڑی ہے۔ بڑا رحم دل تھا جوان۔ چاندنی بھی اسی پر
کھتی ہے۔“

”چاندنی.....!“ اس نے چاندنی کو سوچنا چاہا تو سیدھی مانگ کے ساتھ لمبی سی چوٹی کا تصویر ہی
اُبھرا تھا کہ اس نے فوراً نگواری سے سر جھٹک دیا اور اگلے ہل گھنیری زلفوں کے چھوٹے تھے۔

بابا گھنے دنوں میں کھو کر جانے کیا کہے جا رہے تھے۔ پھر اچانک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ
برہی طرح چونکا۔

”جی بابا.....!“

”تو کپڑے بدل لے پھر کھانا کھاتے ہیں۔“ انہوں نے کہا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جاتے جاتے
دک کر پوچھنے لگا۔

”آپ ابھی رہیں گے نابابا.....!“

”تو آتا ہے تو کتنے دن رہتا ہے.....؟“ بابا نے ہلکے پھلکے انداز میں ٹوکا۔

”تو آپ بدل لے رہے ہیں.....!“ اس نے کہا تو بابا ہنسنے لگے۔

”اچھا میں پہنچ کر کے آتا ہوں۔ آپ فضل سے کہیں کھانا لگا دے۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔
بابا کو صبح ہی واپس جانا تھا اس لیے کھانے کے بعد وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا پھر اپنے کمرے میں

آگیا۔ موبائل پر ایس ایم ایس چیک کرتے ہوئے نشی کی مس کال دیکھ کر اس نے نمبر پیش کر دیئے۔

”کہاں ہو.....؟“ نشی نے چھوٹے ہی کہا۔

”نوی! سنو تو...!“ وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

○○○

رات دھیرے دھیرے بھیک رہی تھی۔ اسے اچانک ٹھٹھن کا احساس ہوا تو پروے کھینچ کر کھڑکی کھول دی۔ پورے چاند کی روشنی میں ہر شے ڈک رہی تھی۔ اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی چاند پر ٹھہریں۔ اس چھوٹے سے گول دائرے میں جانے کیسی دنیا آباد تھی۔ وہ سوچے لگا تو اس کی سوچ کے ساتھ ہی اس دائرے میں منظر ابھرنے لگے تھے۔ بہت خوب صورت روشنیوں سے نئی شاہراہ تھی جس پر وہ چلتا چلا جا رہا تھا۔ آس پاس سے بے خبر کراچا ک کسی نے دونوں بازو پھیلا کر اس کا راستہ روک لیا۔ ”تم...!“ وہ حیران ہوا پھر خوشگوار احساس میں گھر کر پہلے سکرایا پھر اچانک اس کے اندر آ زردگی گھر کرنے لگی اور اسی آ زردگی میں وہ اسے پکارنے لگا۔ یکفیت آ زردگی سٹ گئی اور ہر طرف جتنو چمکنے لگے۔ وہ گہری سانس کھینچ کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا لیکن کھڑکی بند نہیں کی جبکہ باہر کی کھلی کمرے میں ڈرائی تھی۔ اس نے لائٹ آن کی پھر الماری کا لاک کھول کر سیاہ ڈائری نکال لی اور بیڈ پر خاصے آرام وہ انداز میں بیٹھ کر لکھنے لگا۔

”اے انجان لڑکی! تمہیں شاید کبھی خبر نہ ہو کہ

تمہارا نام کچھ ایسے میرے ہونٹوں پہ کھتا ہے

اندھیری رات میں جیسے

اچانک چاند بادل کے کسی کونے سے جھانکتا ہے

اور سارے منظر میں روشنی سی پھیل جاتی ہے

کلی جیسے لرزتی اوس کے قطرے پہن کر مسکراتی ہے

بدلتی رت کسی مانوس آہٹ کی ڈالی لے کر چلتی ہے

تو خوشبو کے دھاگے سے میرا ہر چاک سلتا ہے

تمہارے نام کا تارا میری سانسوں میں کھتا ہے

تمہیں میں دیکھتا ہوں جب سفر کی شام سے پہلے

کسی اُبھی ہوئی کمان سی چتا کے جاو میں

کسی سوچے ہوئے بے نام سے لمبے کی خوشبو میں...“

اچانک کسی آہٹ پر اس کا چلتا ہوا قلم ٹک گیا اور وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر دروازے سے باہر بھاگا۔ کہیں کوئی نہیں تھا تب واپس پلٹ کر اس نے پہلے ڈائری لاکر میں بند کی اور لائٹ آف کر کے بیڈ کی طرف بڑھا۔

○○○

میرے ہاتھ نہیں آئی۔ جیل سے بہت چڑتی تھی جب ہی اس کے بال روکھے ہیں۔ تم اب تیل لگاتی ہو کہ نہیں...؟“ وادی نے پوچھا۔

”ہفتے میں ایک بار لگاتی ہوں۔“

”اچھا کرتی ہو...! خوب اچھی طرح ماش کیا کرو تب میری عمر کو پانچوگی تو بھی بال ایسے ہی رہیں گے۔“ وادی نے کہا۔

”میں آپ کی عمر کو بھی پانچوں کی...؟“ اس نے ہنس کر سوال کیا۔

”انشاء اللہ!“

”ہائے...! انہیں وادی...! میرا تودل چاہتا ہے ابھی مر جاؤں...!“

”اے اللہ نہ کرے...! منہ سے اچھی بات نکالو...!“ وادی نے ڈانٹ دیا تو وہ بھٹک انہیں

چھینر کے نی غرض سے بولی۔

”مرنے سے اچھی کیا بات ہوگی وادی...!“

”چل ہٹ...!“ وادی نے اس کے ہاتھ جھٹکے تو وہ ہنستی ہوئی ان سے پلٹ گئی۔

”کوہ...! بڑے لاڈلے ہو رہے ہیں۔ کبھی مجھے بھی لپٹا لیا کریں وادی...!“ نعمان اپنے کمرے سے نکلا تھا اور فوراً وادی سے لپٹنے دیکھ کر اگلے پل ایک ہی جست میں ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

”تم کہاں سے کھک پڑے۔ ہو...! میں وادی کے ساتھ لاڈ کر رہی ہوں۔“ اس نے نعمان کے

بال کھینچ کر اسے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ ہائے کی آواز نکال کر بولا۔

”وادی...! دیکھ رہی ہیں اسے...! کتنی بدتمیز ہے...!“

”اور بہت کچھ بھی کہہ ڈالو...!“ نعمان نے اسے مزید اکسایا اور اس سے پہلے کہ وہ شروع ہوتی

وادی نے ٹوک دیا۔

”بس...! خبردار جو ایک لفظ بھی کہا۔“

”مجھے کیوں ڈانٹتی ہیں...؟ اسے کیوں نہیں سمجھا تیں...؟“ وہ روٹھے لہجے میں کہہ کر اسے

گھونڈنے لگی تو وہ ہنس کر بولا۔

”میں سمجھا بھی ہوں، ہیں ناں وادی...!“

”نہیں...! تم بھی کم نہیں ہو۔ چلو بیہاں سے۔“ وادی اسے دھکیلتے لگیں۔

”یہ ایسے نہیں ہے گا وادی...! بہتر ادا چاچو کو بلائیں۔“ اس نے کہا تو وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”اگر...! میں نے تو ابھی بہتر ادا چاچا کا نام لیا ہے، وہ آئے تو نہیں۔“ اس نے ہنس کر نعمان کا مذاق اڑایا لیکن پھر پریشان ہو گئی کیونکہ وہ ہونٹ کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”نوی...!“ وہ آن سن کرتا کمرے سے نکل گیا۔

کہہ کر سلسلہ منقطع ہوتا رہا جس سے اس کے اندر غصے کے ساتھ ضد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ یعنی کوئی ایسا بھی ہے جو سردار حاکم علی کو رانگ نمبر کہہ سکے۔ ایسی جرأت تو آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔

”بہت مہنگی پڑے گی اسے یہ جرأت۔“ وہ منھیں بھینچ کر بڑبڑایا، پھر ابھی دوسرا نمبر ڈائل کرنے جا رہا تھا کہ نشی کے آنے پر اس نے فون رکھ دیا۔

”کیا گوشہ نشینی اختیار کرنے کا ارادہ ہے.....؟“ نشی نے آتے ہی کہا۔

”جی سوچ رہا ہوں۔“ وہ محظوظ ہو کر بولا۔

”ہائے.....! نہیں سردار.....! تم نے اگر گوشہ نشینی اختیار کر لی تو ساری محفلیں بے جان ہو جائیں گی۔“ نشی نے بے ساختہ کہا۔

”ویسے ہوا کیا ہے.....؟ آئی مین ول کو کوئی روگ تو نہیں لگ گیا.....؟“ نشی نے راز داری سے پوچھا۔

”روگ تو نہیں، بس بے قراری ہی بے قراری ہے۔“ حاکم علی نے کہہ کر گہری سانس بھینچی۔

”اس کا مطلب ہے تمہیں محبت ہو گئی ہے۔“ نشی نے فوراً اس کی بے قراری کو عنوان دے ڈالا۔

”محبت.....؟“ حاکم علی سوچ میں پڑ گیا پھر اسی سوچتے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ نشی میں سر ہلانے لگا تو نشی چڑ کر پوچھنے لگی۔

”آخر تم محبت پر یقین کیوں نہیں رکھتے.....؟“

”محبت ہے کہاں.....؟ سب ضرورت کے رشتوں میں جڑے ہیں، ہمیں جب کسی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ہم اسے یاد کر لیتے ہیں ورنہ خیال بھی نہیں آتا۔“ حاکم علی نے کچھ بیزاری سے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”یہ تم اپنے بارے میں کہہ سکتے ہو۔“

”اور تم.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”میں تم سے اتفاق نہیں کرتی اور نہ ہی میں تم سے بحث کرنا چاہتی ہوں۔“ نشی نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

”کیوں تم مجھے قائل نہیں کر سکتیں.....؟“

”وقت قائل کرے گا تمہیں.....! پھر میں تم سے پوچھوں گی کہ محبت کیا ہے اور پتا ہے تم کیا کہو گے.....؟“ نشی قدرے پڑ جوش ہو گئی تھی۔

”کیا.....؟“ حاکم علی کی شریر مسکراہٹ اسے چڑانے والی تھی۔

”محبت روگ ہے، سوز ہے اور کبھی ایسا نشہ جو.....“

”بس.....!“ حاکم علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا تو وہ بے نیازی بن کر ادھر

حاکم علی کی طرح اس لڑکی کو نہیں بھلا پارہا تھا جو بس کچھ دیر کو اس کے گھر مہمان ہوئی تھی۔ جانے اس میں ایسی کیا بات تھی۔ وہ سوچتے سوچتے پریشان ہو جاتا اور پھر اس کے مقابل ان سب لڑکیوں کو لاکھڑا کرتا جو ایک سے بڑھ کر ایک حسین اور طرح دار تھیں لیکن آخر میں شگفتگی کے احساس میں گھر کر خود سے اعتراف کرتا کہ بے شک سب بہت حسین ہیں لیکن اس جیسی کوئی نہیں۔

”میں اسے کہاں ڈھونڈوں.....؟ دنیا اتنی بڑی تو نہیں ہے پھر وہ تو ای شہر میں رہتی ہے۔“

اُس وقت بھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں جھپکا ہوا۔ امید کی ایک کرن نظر آئی کہ اس روز نور یہ نے اس کے ٹیلی فون سے دو جگہ فون کیا تھا اور پھر اس کے جاتے ہی حاکم علی نے سی ایل آئی سے وہ دونوں نمبر نوٹ کر لیے تھے اور اس وقت یہ خیال آتے ہی اس نے وہ نمبر رینگ کر ڈالا۔ وہ بہت پر اعتماد تھا یعنی اس کے اندر کہیں کوئی ایسا احساس نہیں تھا کہ وہ کسی اجنبی جگہ فون کر رہا ہے تو اسے سنبھال کر بات کرنی چاہیے۔ اس کے برعکس دوسری طرف سے ہیلو سنتے ہی وہ اسی اعتماد سے بولا تھا۔

”میں سردار حاکم علی بات کر رہا ہوں۔“

”جی.....! کس سے بات کرنی ہے آپ کو.....؟“ دوسری طرف نور یہ کی دوست روٹی تھی۔

”یہ تو میں نہیں جانتا، آئی مین.....! میں نام نہیں جانتا۔“ اس نے کہا تو روٹی قدرے جھنجھلا گئی۔

”کیا مطلب.....؟ نام نہیں جانتے اور فون کر ڈالا۔“

”دیکھیں پلزز.....! آپ میری بات سنیں.....! میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جو کچھ دن پہلے میرے گھر آئی تھی اور اس نے میرے گھر سے آپ کے نمبر پر فون کیا تھا۔“ حاکم علی نے اس خیال سے کہ کہیں ادھر سے فون بند نہ ہو جائے، جلدی جلدی اپنی بات کہنے بلکہ اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن روٹی شاید کچھ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

”مجھے کیا پتا آپ کے گھر کون لڑکی آئی تھی.....؟“ روٹی نے کہہ کر تراخ سے فون بند کر دیا۔

”شٹ.....!“ وہ کچھ دیر جھنجھلا تا رہا۔ پھر بار بار روٹی کا نمبر ٹرائی کیا اور ہر بار ادھر سے رانگ نمبر

کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور اس کے ساتھ بھی کوئی ہے وہ اسے ڈھونڈنے لگا ادھر ادھر لوگوں کے جھوم میں، اس کی نظریں بے قرار رہی سے بھٹک رہی تھیں۔
”سردار.....! کیا ہوا سردار.....!“ نشی پوچھ رہی تھی لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، وہ بس اسے ڈھونڈ لیتا چاہتا تھا لیکن ایک جگہ میں وہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ حاکم علی کی بے قرار نظریں بالا آخر مایوس ہو کر نشی پر آن پڑیں۔

○ ○ ○

جویریہ اور عباد حسن جتنی محنت سے واپس لوٹے تھے۔ نوریہ، نعمان، مریم اور شوبی! یہ چاروں اس کے استقبال کو انٹرپورٹ پر موجود تھے۔ نوریہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ راستے ہی میں جویریہ سے تمام روداد سن لے لیکن عباد حسن کی شخصیت میں جو محبت بھرا عجب تھا وہ اس کے اشتیاق پر بند باندھ رہا تھا۔ پھر بھی وہ جویریہ کے کان میں سرگوشیاں کرنے سے باز نہیں آ رہی تھی۔
نعمان ڈرائیو کرتے ہوئے بار بار دپور میں اسے دیکھ رہا تھا۔ تمام راستے تو کچھ نہیں کہا مگر جب گھر کے گیٹ پر گاڑی روکی تب اس کی طرف گھوم کر بولا۔
”سنو.....! گھر آ گیا ہے۔ اب جی بھر کے باتیں کر لینا۔“
”ہاں.....! چلو جوی.....! جلدی اندر چلو.....!“ اس نے جویریہ کا ہاتھ پکڑ کر اترنا چاہا تو ادھر سے مریم جویریہ کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

”سنو.....! اب یہ ہماری ہیں، ہمارے ساتھ جائیں گی۔“

”زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں، چلو جوی.....!“ وہ زبردستی جویریہ کو کچھ نہ بولی اندر لے آئی تو بڑے پاپا اور بڑی امی بھی ادھر ہی موجود تھے دادی کے پاس۔ پھر رات تک یہیں نشست جمی رہی۔ اس دوران وہ جھنجھلائی پھرتی رہی۔ آخر میں منہ پھلائے ہوئے اوپر آ گئی۔ لیکن رات میں اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب جویریہ اس کے کمرے میں آئی۔
”میں نے عباد سے کہہ دیا ہے کہ میں دو دن تمہارے ساتھ رہوں گی۔“ جویریہ نے کہا تو وہ اس سے لپٹ گئی۔

”جج جوی.....! ایمان سے میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی۔“

”مجھے پتا ہے میں جب بھی فون کرتی تھی امی یہی بتاتی تھیں کہ تم بولائی بولائی پھرتی ہو۔“ جویریہ نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”اکیلی جو ہو گئی ہوں.....!“

”کوئی اکیلی نہیں ہو۔ ماشاء اللہ.....! سب ہیں۔ خیر چھوڑو.....! یہ بتاؤ.....! تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا.....؟ گاڑی چھن گئی.....؟“ جویریہ نے پوچھا۔

ادھر دیکھنے لگی پھر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”اچھا.....! ابھی تمہارا کیا پروگرام ہے.....؟ کہیں چلو گے یا.....“

”تم کہاں جا رہی ہو.....؟“

”میں ایئرپورٹ جاؤں گی، میری ایک دوست امریکا سے آرہی ہے، تم بھی چلو، ذرا آؤ ٹنگ ہی ہو جائے گی۔“ نشی نے اپنا پروگرام بتا کر اسے بھی چلنے کو کہا تو وہ چند لمحے رُک کر اٹھ کھڑا ہوا۔
”چلو.....! لیکن میری گاڑی میں چلنا پڑے گا۔“

”اور میری گاڑی.....؟“

”وہ تم واپسی میں نے لیتا۔“ وہ اطمینان سے کہہ کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

تمام راستے نشی اسے اپنی دوست کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کا نام فارینہ ہے، وہ بائز اسٹڈیز کے لیے امریکا گئی تھی، تین سال بعد واپس آرہی ہے وغیرہ وغیرہ! پھر آخر میں اسے متوجہ کر کے بولی۔
”سنو.....! وہ بہت خوب صورت ہے اور جتنی خوب صورت ہے اس سے کہیں زیادہ مغرور۔“

”پھر.....!“ حاکم علی نے شیشے میں اسے دیکھا۔

”پھر یہ کہ وہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گی۔“

”بابا بابا.....!“ حاکم علی نے حسب عادت قہقہہ لگایا۔

”تم شمس کیوں رہے ہو.....؟“ وہ بڑبڑا کر بولی۔

”تمہاری سوچ پر.....! تمہیں اب تک جان لینا چاہیے نشی.....! کہ حاکم علی دل چھیلی پر نہیں لیے پھرتا بلکہ اس کے قدموں میں دل نکال کر رکھے جاتے ہیں۔“ حاکم علی کے لہجے میں بلا کا فخر تھا۔
”جانتی ہوں.....!“ نشی نے بہت ضبط سے اعتراف کیا تو حاکم علی ٹوکنے سے باز نہیں آیا۔

”پھر تم نے ایسی بات کیوں کی.....؟“

”کیونکہ فارینہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔“

”ہوگا.....!“ حاکم علی نے بے نیازی سے کہہ کر جھٹکے سے گاڑی روکی پھر اسے دیکھ کر بولا۔

”اگر تم کہو تو میں یہیں بیٹھ کر انتظار کر لیتا ہوں۔“

”نہیں.....! یہاں بیٹھ کر کیا کرو گے.....؟ چلو.....!“

”اوکے.....!“ وہ گاڑی لاک کر کے اتر آیا۔ پھر نشی کے ساتھ نسبتاً بڑا سکون گوشے میں آیا تھا کہ اچانک اس کے اندر اس کی حاکمیت بولنے لگی۔

”کیا یہی میری حیثیت ہے کہ ایک لڑکی کے کہنے پر میں انتظار گاہ پر آ کھڑا ہوں.....؟“

”نہیں.....! میں صرف اپنا دھیان بٹانے کی خاطر.....“ وہ اپنی صفائی پیش کرنے جا رہا تھا کہ اچانک بھیڑ میں ایک جگہ اسے وہ چہرہ نظر آیا جو اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا اور پھر اسے کچھ یاد نہیں رہا۔

”دوسرا.....“

”اے سوچتے دیکھ کر جویریہ نے ٹوکا تو وہ جیسے سمجھ نہ پاری ہو۔“

”پتا نہیں جویریہ.....! وہ کچھ عجیب سا لگا رہا تھا، پڑا سر اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ ایک پل کو مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں کسی بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں۔ لیکن شکر ہے کہ جلدی میرے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا اور میں نے نومی کو فون کر ڈالا۔“

”چلو.....! جو بھی ہوا، آئندہ بہر حال تم اکیلی کہیں نہیں جاؤ گی۔“ جویریہ نے کہا لیکن اس کا ذہن وہیں اٹک گیا یعنی جو بات اس نے پہلے محسوس نہیں کی تھی وہ اب سوچ رہی تھی کہ وہ جس گھر میں گئی تھی وہاں اس کے لیے زیادہ خطرہ تھا۔

”نور.....!“ جویریہ نے اس کا ہاتھ ہلایا۔

”کیا سوچنے لگیں.....؟“

”ہاں.....! کچھ نہیں.....!“ وہ چونک کر زبردستی مسکرائی۔

”چلو اب سوتے ہیں، لائٹ آف کر دو۔“ جویریہ نے لپٹتے ہوئے کہا تو اس نے اٹھ کر لائٹ آف کی پھر جویریہ کے برابر آ لی تو اندھیرے میں سرخی مائل آنکھوں کا تصور پھر اسے خوفزدہ کرنے لگا۔

○○○

کبھی کبھی زندگی میں ایسے موڑ اور واقعات آتے ہیں کہ جو کبھی خوف کی جھر جھری بن کر، کبھی دکھ یا دہن کر اور کبھی تلخ چھین بن کر انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نور یہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ پہلے اس نے جس بات کو اہمیت نہیں دی تھی اب وہی اسے زیادہ خوفزدہ کر رہی تھی یعنی حاکم علی کا پڑا سر اور جویریہ اب پتا نہیں وہ واقعی پڑا سر رکھا تھا یا اسے محسوس ہوتا تھا۔ وہ بہر حال ٹیسٹے ٹیسٹے یوں چونکتی تھی جیسے وہ اس کا تعاقب کرتا آرہا ہو۔

اس وقت بھی وہ ایسے ہی کسی احساس سے بے چین ہو رہی تھی کہ فون کی بیل نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ بلا ارادہ ہی اس نے فوراً ریسپونڈ کیا۔

”ہیلو.....!“

”خیر سے زندہ ہو.....! میں کبھی مر رہی تھی۔“ روبی کی آواز سن کر اس کی جان میں جان آئی۔

”تمہاری دعا میں کام آگئیں ورنہ تو جیج مر رہی گئی تھی۔“

”ہوا کیا تھا اس دن.....؟ کہاں پھنس گئی تھیں.....؟“ روبی نے پوچھا تو اس کی نظروں میں منظر گھوم گیا۔

”ہاں کیا بتاؤں یار.....! اس دن جب میں تمہارے گھر آ رہی تھی تو راستے میں میری گاڑی چھن گئی۔ آئی مین ایک آدمی نے ٹی ٹی دکھا کر.....“

”ہاں جویریہ.....! بڑا خوف ناک واقعہ ہوا تھا۔ تین دن تو مجھے نیند ہی نہیں آئی۔ جہاں آنکھیں بند کرتی وہی منظر سامنے آ جاتا، لیکن میں نے کسی پر غماہ نہیں ہونے دیا کہ میں اندر سے کتنی خوفزدہ ہوں۔ خیر اللہ کا شکر ہے کہ اب میرا خوف دور ہو گیا۔“

”تمہارا تو دور ہو گیا ہے، لیکن امی ابھی تک ڈری ہوئی ہیں۔“ جویریہ نے کہا۔

”یہ تم سے کس نے کہا.....؟“ وہ کچھ حیرت سے پوچھنے لگی۔

”خود امی نے..... اور امی چاہتی ہیں بس اب تم گھر بیٹھو۔“ جویریہ کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”کیا مطلب.....؟“

”مطلب یہ ہے کہ تم یونیورسٹی جاتی ہو اور جب تک واپس نہیں آ جاتیں امی کی جان سولی پر لٹکی رہتی ہے، اس لیے اگر تم.....“

”بس.....!“ اس نے فوراً سمجھتے ہی جویریہ کو ٹوک دیا۔

”میں پڑھائی نہیں چھوڑ سکتی اور ابھی تو مجھے اور بہت سارے کورسز کرنے ہیں اور وہ سب گھر بیٹھ کر تو نہیں ہوں گے۔“

”کوئی ضرورت نہیں مزید کوئی کورس کرنے کی۔ یہاں امی سارا وقت پریشان رہتی ہیں۔ تمہیں ان کا خیال کرنا چاہیے۔“ جویریہ نے اب سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”تم فکر مت کرو۔ امی کو میں سمجھا دوں گی بلکہ تم بھی سمجھاؤ کہ اگر ایک بار میرے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں جب بھی باہر نکلوں گی کوئی ٹی ٹی لے کر میرے سامنے آ جائے گا۔ پھر میں یونیورسٹی کے علاوہ اور جاتی کہاں ہوں.....؟ سارا وقت گھر پر ہی تو رہتی ہوں۔“ آخر میں اس کے لہجے میں قدرے ناراضگی سمٹ آئی تھی۔

”اچھا.....! ناراض تو مت ہو، میں امی کو سمجھا دوں گی۔“ جویریہ نے اس کا کان چھوا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

”ابھی تو میں نے سارے حالات کسی کو نہیں بتائے بس یہی بتایا کہ نومی آ گیا تھا اور میں اس کے ساتھ گھر آ گئی۔“

”تو ایسا نہیں ہوا تھا.....؟“ جویریہ نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں جویریہ.....! نومی کو تو میں نے بعد میں بلایا تھا پہلے تو میں بھاگتے بھاگتے کسی کے گھر میں داخل ہو گئی۔ پھر وہاں جب میرے حواس ٹھکانے آئے تو میں نے نومی کو فون کیا تھا۔“ وہ بتاتے ہوئے خود ہی ٹھٹھکی پھر اسی انداز میں بتانے لگی۔

”جویریہ.....! اس اتنے بڑے گھر میں صرف دو آدمی تھے ایک تو مجھے دیکھتے ہی چلا گیا اور

”لیکن روپی اس کے پاس تمہارا نمبر.....؟“

”کیوں! تم نے مجھے اس کے گھر سے فون نہیں کیا تھا.....؟ اس نے سی ایل آئی سے نمبر نوٹ

کر لیا ہوگا۔“

”ہاں..... لیکن تم نے اسے بتایا تو نہیں..... میرا مطلب ہے میرے بارے میں۔“

اس کے خائف انداز پر روپی ہنسنے لگی۔

”یار..... تمہیں کیا ہو گیا ہے..... اتنی ڈر پوک کب سے ہو گئیں.....؟“

”میں ڈر پوک نہیں ہوں۔“ وہ رُوٹھے لہجے میں بولی۔

”پھر یہ سب کیا ہے.....؟ ایک آدمی جو بقول تمہارے پیڑم بھی ہے وہ اگر تمہارا تعاقب کر رہا

ہے تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے.....؟ تمہاری جگہ اگر میں ہوتی ناں.....“

”توفوت ہو چکی ہوتی۔“ نور یہ نے بات کاٹ کر فوراً کہا تو روپی زور سے ہنسی۔

”سنو.....! خبردار جو اے میرے بارے میں بتایا۔“ اس نے روپی کو متوجہ کر کے حکم دینے والے

انداز میں کہا لیکن اس پر ذرا اثر نہیں ہوا۔ مزے سے بولی۔

”میں تو ضرور بتاؤں گی.....!“

”کیا.....! کیا بتاؤں گی.....؟“ اس کا غصہ لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

”یہی کہ تمہارا نام نور یہ ہے۔ انگلش میں ماسٹرز کر رہی ہو اور.....“

”شٹ اپ.....!“ اس نے ریسیور خٹ دیا اور جیسے ہی پلٹی نعمان کو سامنے کھڑے دیکھ کر بقیہ غصہ

اس کی طرف منتقل ہو گیا۔

”تم.....! تم یہاں کیا کر رہے ہو.....؟“

”تمہاری باتیں سن رہا تھا۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”مم..... میری باتیں.....! کیا سنا تم نے.....؟“ وہ بری طرح خائف ہوئی۔

”بہت کچھ.....!“ وہ اتر آیا۔

”یہ نہیں بتاؤں گا۔“ وہ یہ کہہ کر پلٹ گیا تو وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

”نومی.....! نومی ڈکو.....! دیکھو اگر نہیں بتاؤ گے تو.....“ وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں اترتی ہوئی

مسلل بولے جا رہی تھی۔

کورڈ ویر میں نعمان نے ایک بار پلٹ کر اسے دیکھا پھر انگوٹھا دکھاتا ہوا باہر بھاگ گیا تو وہ تھملا کر

رہ گئی اور منہ ہی منہ میں گالیاں دیتے ہوئے یونہی اس کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور ایک سخت

ساری کلفت بھول کر بھاگتی ہوئی لان میں آ گئی۔ کیونکہ گہرے سرمئی بادل یوں جھوم کر آ رہے تھے جیسے

ابھی نوٹ کر برسیں گے۔ ساتھ تیز ہوائے فضا میں عجیب سی نفیسی پھیلا دی تھی۔ وہ دونوں بازو پھیلا کر

”کیا.....؟“ ٹی ٹی کے نام پر روپی کے منہ سے چیخ نما آواز نکلی۔

”ہاں یار.....! ایسا ہی ہوا تھا۔ جب ہی تو اس دن کے بعد سے میں کہیں نکلی ہی نہیں۔“ نور یہ نے

کہا۔

”مجھے فون بھی اسی لیے نہیں کر رہی تھیں.....؟“ روپی شاکی ہو کر بولی۔

”نہیں.....! خیر فون تو میں نے کیا تھا تم گھر نہیں تھیں۔“

”ہاں.....! امی نے بتایا تھا۔ خیر تم بتاؤ.....! ٹی ٹی دیکھ کر تمہاری فیلنگ کیا تھیں۔ آئی مین انگلی کی

ایک جنبش پر جب زندگی کی بقاء اور فناء ہو تو کیا احساسات ہوتے ہیں.....؟“ روپی کا انداز ایسا تھا جیسے اپنی

معلومات میں اضافہ چاہ رہی ہو۔

”نانی گاڈ.....! ایسی صورت حال میں حواس کہاں ٹھکانے رہتے ہیں جو کوئی احساس پیدا

ہوتا.....؟“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

”اجھا.....! یہ تو بتاؤ اس نے تمہیں چھوڑ کیسے دیا.....؟“ روپی اب اسے چھینڑنے کے موڈ میں آ گئی

تھی لیکن وہ کچھ نہیں۔

”یہ اللہ کا احسان ہے روپی.....! کہ میں ایک لمحے میں گاڈی چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اور بھاگتے

جوڑ رکھلا ملا اس میں گھس گئی۔“ وہ اپنی دھن میں مبتلا ہوئے اس مقام پر پھر نکلی۔

”پھر.....!“ روپی نے ٹوکا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

”چنانچہ روپی.....! مجھے اب ایسا کیوں لگنے لگا ہے جیسے میں پہلے سے زیادہ مشکل میں گھر گئی۔

آئی مین اس گھر میں داخل ہو کر حالانکہ اس شخص نے مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی، پھر بھی اسے سوچ

کر میں خوفزدہ ہی ہو جاتی ہوں۔“

”کیسا تھا وہ.....؟ کیا بہت خوفناک.....؟“ روپی نے پوچھا تو وہ اسی سوچتے انداز میں بولی۔

”نہیں.....! بہت پیڑم.....!“

”پھر ڈرنے کی وجہ.....؟“

”چنانچہ.....! بس ایسا لگتا ہے جیسے وہ میرا تعاقب کر رہا ہو۔“ اس نے کہا تو روپی ایک دم یاد آنے

پر اچھل کر بولی۔

”ہاں ہاں.....! وہ واقعی تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ تمہیں کیسے پتا.....؟“ وہ پریشان ہو گئی۔

”میرے ہاں پچھلے تین دنوں سے کوئی فون کر رہا ہے اور ایک ہی بات کہتا ہے کہ مجھے اس لڑکی سے

بات کرنی ہے جو کچھ دن پہلے میرے گھر آئی تھی۔ یہ یقیناً اسی آدمی کا فون ہوگا۔“ روپی نے بتایا۔ وہ مزید

پریشان ہو گئی۔

”جی.....! میری چچا زاد بہن ہے۔“ اس نے بتایا تو وہ پھر پوچھنے لگیں۔

”تمہارے ساتھ رہتی ہے.....؟“

”ہم سب ساتھ رہتے ہیں آنٹی.....! یہ برابر والے بنگلے میں میرے بڑے پاپا رہتے ہیں۔ یہاں دادی اور چاچو کی فیملی ہے اور اوپر میں اپنے مئی ڈیڈی کے ساتھ رہتی ہوں۔“ اس نے ڈرائنگ روم تک آتے آتے ہمارا تعارف کرا ڈالا۔

”ماشاء اللہ.....! آنٹی خاصی متاثر ہو رہی تھیں۔“

”آپ آرام سے بیٹھیں آنٹی.....! میں امی کو لے کر آتی ہوں۔“ اس نے کہا تو ردا اس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

”تم زکو.....! اچھی کو میں بلاتی ہوں۔“

”ہیٹا.....! اپنی دادی کو بھی یا مجھے ان کے پاس لے چلو۔“ آنٹی نے کہا۔

”دادی بھی آ جائیں گی۔“ ردا کہتے ہوئے چلی گئی تو وہ ہنس کر بولی۔

”ہماری دادی ماشاء اللہ بہت اسماٹ ہیں۔ آپ کو ان سے مل کر خوشی ہوگی۔“

”یقیناً.....! تمہارے کتنے بہن بھائی ہیں.....؟“ آنٹی نے تائید کے ساتھ پوچھا۔

”ہم بس دو بہنیں ہیں۔ جو یہ مجھ سے بڑی ہے۔ اس کی ابھی دو مہینے پہلے شادی ہوئی ہے۔“ اس

نے بتایا تو آنٹی خوشی کا اظہار کر کے پوچھنے لگیں۔

”ماشاء اللہ.....! کہاں کی اس کی شادی.....؟“

”میں.....! بڑے پاپا کے گھر.....!“

”یعنی تمہارے تایا.....؟“

”جی جی.....! یہ ساتھ والا بنگلہ ابھی میں نے آپ کو دکھایا تھا ناں.....!“ اس نے کہا تو سعد یہ فوراً

کسی خیال کے تحت پوچھنے لگی۔

”کہیں آپ کی بھی منگنی تو نہیں ہوئی.....؟“ سعد یہ کا انداز کو کہ مقابل کو بہت کچھ سمجھا دینے والا

تھا لیکن وہ جانے کس دھن میں تھی کہ سمجھی ہی نہیں اور ابھی اس کی بات کے جواب میں نہیں کہنے جا رہی تھی

کہ امی اور دادی کی آمد پر اس کا دھیان ادھر منتقل ہو گیا۔

”یہ میری امی ہیں اور یہ دادی.....!“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تعارف کرانے لگی۔

”امی.....! یہ سعد یہ ہے، میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔“

”السلام علیکم.....!“ دادی وعدے کر بیٹھیں تو سعد یہ کی امی کو دیکھنے لگیں۔

”اماں جی.....!“ سعد یہ کی امی دادی کے دیکھنے پر فوراً شروع ہو گئیں۔

”مجھے تمہارا کرباں کرنی نہیں آتی۔ سیدھی سی بات ہے کہ میں آپ کے گھر سوائی بن کر آتی

موسم انجوائے کرتے ہوئے ردا کو پکارنے لگی۔

”ردا.....! ردا.....! جلدی باہر آؤ.....!“

”کیا مصیبت آن پڑی.....!“ ردا اس کے چلانے پر جھنجھلائی ہوئی آئی۔

”بادل دیکھو.....! اب خوب جم کر بارش ہوگی۔“ وہ خوش ہو کر بولی۔

”بس رہنے دو.....! یہاں بادل صرف ہمیں چڑانے آتے ہیں۔“ ردا نے گھر بے بادلوں کو دیکھ کر

براسامہ بنایا۔

”نہیں ردا.....! یہ چڑانے والے بادل نہیں ہیں، دیکھنا ابھی.....!“ کال بیل کی زوردار آواز سے

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

”جھاؤ گیٹ کھولو.....! بارش گیٹ کے راستے اندر آنا چاہتی ہے۔“ ردا نے ہنس کر کہا تو وہ وہیں

گھاس پر آتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

”میں تو نہیں کھولوں گی۔“ لوی ہو گا، کھڑا ہے باہر.....! اس کی یہی سزا ہے۔ تم بھی مت کھولنا۔“

بیل کی آواز دوبارہ گونجی تو ردا گیٹ کی طرف بھاگی جبکہ وہ چہرہ دوسری طرف موڑ کر منہ ہی منہ میں

کچھ بڑبڑانے لگی۔

”نور.....!“ چند لمحوں بعد ردا نے پکارا تو وہ اسے دیکھتے ہی کچھ سخت کہنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ

کھڑی خاتون اور ایک لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ بلا ارادہ فوراً کھڑی ہو کر بولی۔

”السلام علیکم.....!“

”خوش رہو.....!“ خاتون نے دُعا دی۔

”آپ نور یہ حسن ہیں ناں.....!“ لڑکی نے گویا تصدیق چاہی تو وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ

ہوئی۔

”جی.....! آپ مجھے کیسے جانتی ہیں.....؟“

”میں نے آپ کو یونیورسٹی میں دیکھا ہے کئی بار۔ آپ مجھے اچھی لگیں تو آج میں آپ کے گھر چلی

آئی۔“ لڑکی نے آخر میں قدرے شوخی سے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

”تھینک یو.....! آپ کا نام.....؟“

”میرا نام سعد یہ ہے اور یہ میری امی ہیں۔“ لڑکی نے اپنی امی کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے ہوں گی.....؟“ ردا نے فوراً یہ گونجی مارتے ہوئے کہا تب

وہ فوراً بولی۔

”ہاں.....! میں بھی یہی کہنے والی تھی۔ آئیے آنٹی.....! اندر چلیں.....!“

”یہ تمہاری بہن ہے.....؟“ آنٹی نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے ردا کے بارے میں پوچھا۔

”پریشان نہیں ہوں بے بے.....! بس میرا دل گھبرا رہا ہے۔“

”ہائے رہا.....!“ بے بے پریشان ہو گئیں۔

”تو پھر اکیلی بارہ درہی میں جا بیٹھی ہوگی.....؟ کتنی بار منع کیا ہے تجھے ادھر نہ جایا کر۔“

”اوہو.....! بے بے.....! تجھے تو وہم ہو جاتے ہیں۔“ وہ عاجز آ کر بولی۔

”وہم نہیں ہوتے، چل میرے ساتھ.....!“ بے بے نے جھٹ اپنا برقع اٹھایا تو وہ حیران ہوئی۔

”کہاں.....! کہاں چلوں.....؟“

”مرشد سائیں کے پاس.....! تجھے دم کرا دوں۔“ بے بے نے برقعہ اوڑھنے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جاتی، تو آپ ہی چل جا.....!“ وہ اکتا کر بولی۔

”لے.....! دم تجھے کرانا ہے میں اکیلی جا کر کیا کروں گی.....؟ چل شاباش.....!“ بے بے نے

پیارے کہا تو وہ ناچا چہے ہوئے بھی چادر اوڑھ کر ان کے ساتھ چل پڑی۔

وسط سڑکی کی چستی دو پہر تھی۔ مرشد سائیں کے ڈیرے پر ہو کا عالم تھا اگا دکا آدمی جو مستقل یہیں

ڈیرہ جمائے رکھتے تھے، وہی پنڈ پپ سے پانی بھرتے نظر آئے تھے اور چاندنی پہلی بار یہاں نہیں آ رہی

تھی، بچپن سے اس کا یہاں آنا جانا تھا کیونکہ بے بے اور بابا بھی مرشد سائیں کے بڑے معتمد تھے۔ بے

بے تو ذرا ذرا سی بات کے لیے ان کے پاس بھاگی آتی تھیں۔ جیسے ابھی چاندنی کو لے کر چلی آئی تھیں۔

”کیا بات ہے.....؟“ مرشد سائیں ہمیشہ سے نرم خو تھے اور ایسی ہی نرم مسکراہٹ ان کے چہرے

پر چمکتی تھی۔

”سائیں.....! بچی پر نظر کریں.....؟“ بے بے نے چاندنی کو آگے کرتے ہوئے کہا۔

”ادھر آ.....!“ مرشد سائیں نے چاندنی کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

”کیا ہوا ہے تجھے.....؟“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو بے بے بول پڑیں۔

”کتنی ہے دل گھبراتا ہے۔ میں تو پریشان ہو گئی۔ دم کر دیں اسے اور اس کو سمجھائیں، اکیلی نہ بیٹھا

کرے۔“

مرشد سائیں بے بے کی باتیں سن ضرور رہے تھے لیکن کوئی دھیان نہیں دیا اور چاندنی کے سر پر

ہاتھ رکھے ہوئے چند لمحوں کچھ پڑھا پھر اس پر پھونک مار کر پوچھنے لگے۔

”نماز پڑھتی ہو.....؟“

چاندنی نے سر جھکا لیا گویا نماز پڑھنے کی ندامت تھی۔

”نماز پڑھا کر بچی.....! دل کو سکون ملے گا، پڑھے گی ناں.....!“ انہوں نے اتنے پیار سے پوچھا

کہ چاندنی نے بے اختیار اثبات میں سر ہلا دیا۔

”شاباش.....!“ انہوں نے چاندنی کا سر تھپکا۔ پھر بے بے کی طرف متوجہ ہو کر ان سے پوچھنے

ہوں آپ کی اس پوتی کے لیے۔“

”مائی گاؤ.....!“ نور نے بے حد شینا کر سعدیہ کو دیکھا اور اس کی معنی خیز مسکراہٹ سے مزید گھبرا

کر فوراً ڈرائنگ روم سے نکل آئی۔ حقیقتاً اس کے گمان میں بھی نہیں تھا اور نہ اسے شبہ ہوا تھا کہ یہ لڑکی

سعدیہ ایسے کسی مقصد سے اس کے گھر تک آ جائے گی۔

”ردا.....! ردا.....!“ وہ ردا کے کمرے کا دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی پوچھنے

لگی۔

”کیا ہوا.....؟ بات کچی ہو گئی۔“

”ہائیں.....!“ وہ اچھل پڑی۔

”تمہیں پتا تھا کہ سعدیہ اس مقصد کے لیے آئی ہے.....؟“

”پہلے سے تو خیر نہیں پتا تھا۔ سعدیہ کی باتوں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ تمہیں بھابی بنانا چاہتی ہے۔“

ردا محفوظ ہو کر بولی۔

”تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا.....؟ میں خواہ خواہ ان کے سامنے.....“ وہ اپنے آپ میں جھنجھلائے

لگ گئی۔

”کیا کیا.....؟ ان کے سامنے کوئی حماقت تو نہیں کی.....؟“

”پتا نہیں.....! ایسے ہی فضول بولتی رہی۔ خیر.....! اب تم جا کر سنو کیا باتیں ہو رہی ہیں.....؟“

اس نے کہا تو ردا نرمی بن گئی۔

”میں کیوں سنوں.....؟“

”میری اچھی بہن.....! پلیز.....!“ اس کی لاجت پر ردا ہنستی ہوئی چلی گئی۔

○○○

چاندنی کی زندگی میں پہلے بھی کوئی فکر، پریشانی نہیں تھی لیکن اب تو اسے خود زندگی خوب صورت

لگنے لگی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی تنہائیاں بھی رنگین تھیں حاکم علی کے تصور سے۔ وہ شخص جس کی آمد پر وہ

حتی الامکان اس کا سامنا کرنے سے گریز کرتی تھی۔ اب اس کے آنے کی شدت سے منتظر رہنے لگی تھی۔

کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا ہے بے کو جھنجھوڑ کر پوچھے کہ حاکم کب آئے گا اور کئی بار تو اس نے بے اختیار

بے بے کے کندھے سے لیکن پھر خود ہی پریشانی ہو جاتی۔

”کیا بات ہے چاندنی.....؟“ اس وقت بے بے نے نو کا تو وہ نظریں چرا گئی۔

”کچھ نہیں.....!“

”ناں پتر.....! تو مجھے پریشان لگ رہی ہے۔“ بے بے نے پیار سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامتا تو

وہ اُلجھ کر بولی۔

”ہیں! اللہ رکھے دو بیٹیاں ہیں۔“

”کہاں ہیں؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”بیابا ہوئی ہیں؟ ماشاء اللہ! اپنے گھروں میں آباد ہیں۔“

”اور ان کی بیوی؟“

”وہ اللہ کو پیاری ہوئی، دس بارہ سال ہو گئے۔ بڑی نیک عورت تھی، بہت محبت سے ملتی تھی اور وہ

بھی بڑی اللہ والی تھی۔ بے بے مرحومہ کی تعریف میں بولنا شروع ہوئیں تو بولتی چلی گئیں۔ وہ پہلے تو سنتی

رہی پھر اچانک اس کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا جب ہی اسے پتا نہیں چلا کہ بے بے کب خاموش ہوئیں اور

جانے خاموش ہوئی بھی تھیں کہ نہیں۔ وہ بہر حال حویلی کے گیٹ سے داخل ہوتے ہی ان کا ہاتھ چھوڑ کر

بھاگ پڑی تھی کیونکہ برآمدے میں زنب نے بیٹھی نظر آ گئی تھی۔

”تو اتنی گرمی میں کہاں گئی تھی؟“ زنب نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”اور تو اتنی گرمی میں یہاں کیوں بیٹھی ہے؟“ چل میرے کمرے میں چل! وہ زنب کو اٹھا

کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ پہلے اسے ہی آن کیا پھر چادر اتار کر بیڈ پر ڈھکے گئی۔

”بتانا! کہاں گئی تھی؟“ زنب نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ بیزار سی

بولی۔

”کہیں نہیں!“

”تو آ کہاں سے رہی ہے؟“ زنب نے گھما کر سہی بات تو وہی پوچھی تھی، جب ہی اب وہ

چرانے کی خاطر بولی۔

”کہیں سے نہیں!“

”مت بتا! میں بھی نہیں بتاؤں گی کہ ابھی حاکم کا فون آیا تھا اور میں نے سنا تھا۔“ زنب نے

کہا تو وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کیا کہا! حاکم کا فون آیا تھا؟ تو نے سنا تھا؟“

”ہاں!“ زنب حد درجہ بے نیازی دکھانے لگی۔

”کیا! کیا بات ہوئی اس سے؟ وہ آ رہا ہے؟ کب آ رہا ہے؟“ اس کی بے

قراری انگ انگ سے جھلکنے لگی۔

زنب یوں بی رہی جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی۔

”زنب کی بچی! بتانا!“ وہ زنب کا بازو سمجھ کر تقریباً چبچبائی پڑی۔

”اپنی باری پر چیتھی کیوں ہے؟ پہلے تو بتا کہاں گئی تھی؟“ زنب نے کہا تو اس نے ایک ہی

سانس میں بتا ڈالا۔

گئے۔

”حاکم کیا ہے؟ کہاں ہے آج کل؟“

”وہیں شہر میں ہے۔ ادھر آنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اس کے لیے دعا کریں مرشد سائیں! شہر

سے اس کا دل بھر جائے۔“

”جہاں انسان کی قسمت کا داند پانی لکھا ہوتا ہے رحمت بی بی! اس کا دل وہیں لگتا ہے۔ جب

اس کا وہاں سے داند پانی ٹک جائے گا تب اپنے آپ اس کا وہاں سے دل بھر جائے گا۔ تو زبردستی نہ کر۔“

مرشد سائیں نے سمجھا کر کہا تو بے بے خاموش ہو رہیں۔

”شادی کر دی اس کی؟“ قدرے توقف سے مرشد سائیں نے پوچھا تو ادھر چاندنی کا دل

زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”نہیں سائیں! اب تیاری کر رہی ہوں۔“

”اچھا! ماشاء اللہ! کہاں؟ وہیں شہر میں؟“

”نہیں نہیں! یہ اپنی چاندنی کے ساتھ!“ بے بے نے خوش ہو کر بتایا تو مرشد سائیں

چاندنی کو دیکھنے لگے۔

”چلیں بے بے! چاندنی گھبرا کر بولی۔

”اب تو اچھی ہے ناں تیری طبیعت!“ بے بے نے چاندنی کی طرف سے اطمینان کرنا چاہا۔

”اسے کچھ نہیں ہوا رحمت بی بی! یہ ماشاء اللہ بھلی چٹکی ہے۔“ چاندنی سے پہلے مرشد سائیں

نے اس کی طرف سے اطمینان دلایا۔

”پھر میں چلوں!“ بے بے نے اجازت چاہی۔

”ہاں! اور ہاشم علی کو میرا سلام کہنا۔“

مرشد سائیں کی اجازت ملتے ہی چاندنی اٹھ کر بے بے سے پہلے ہی ان کے حجرے سے باہر نکل

آئی لیکن پھر اسے کتنی دیر تپتی دھوپ میں کھڑے رہنا پڑا کیونکہ بے بے جانے پھر کیا مسئلہ لے بیٹھیں

کہ کتنی دیر بعد باہر آئیں تب تک وہ پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔

”ہائے! تو ادھر دھوپ میں کیوں کھڑی ہے؟“ بے بے نے کہا۔

”اور کہاں کھڑی ہوتی؟ کہیں چھاؤں ہے؟“ وہ تپ کر بولی۔

”اچھا! چل غصہ نہ کر، پانی پیئے گی۔“

”نہیں! بس اب جلدی چل!“ وہ کہہ کر تیز تیز قدموں سے چل پڑی لیکن پھر احساس ہوا

تو پلٹ کر بے بے کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بے بے! مرشد سائیں کے بچے نہیں ہیں۔“

اکھڑ انداز میں ٹوک کر پوچھا تو ڈیڈی کو خاصا ناگوار گزرا۔ گوکہ وہ ان کے اس انداز اور لہجے کے برسوں سے عادی تھے اور ہمیشہ خاموشی اختیار کر لیا کرتے تھے لیکن اب کیونکہ اولاد کا معاملہ تھا اس لیے وہ خاموش نہیں رہ سکے اور یہی انہوں نے اپنی ناگواری چھپانے کی کوشش کی۔

”میں دو تو کیا چار سال انتظار کر سکتا تھا بہن زاد! اگر جو مجھے نوریہ کی شادی نعمان کے ساتھ کرنی ہوتی۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”صاف لفظوں میں سننا چاہتے ہو تو سنو۔! مجھے نوریہ کی شادی نومی کے ساتھ نہیں کرنی۔ اگر تمہارے دل میں ایسا کوئی خیال ہے تو نکال پھینکو اسے۔“ ڈیڈی واضح جواب دے کر اٹھ کھڑے ہوئے لیکن دادی نے انہیں روک لیا۔

”زکوشیراز! مجھے بتاؤ! اس میں برائی کیا ہے؟“

”بات اچھائی برائی کی نہیں ہے اماں! مجھے اپنی بیٹی کے لیے جو بہتر اور مناسب لگا گا میں وہی کروں گا۔“ ڈیڈی نے لہجے پر قابو پا کر دیر سے کہا اور پھر زکے نہیں، کمرے سے نکل گئے تو بہن زاد حسن حریف تیز ہو کر کہنے لگے۔

”سننا آپ نے اماں! میرا نعمان ان کو بہتر اور مناسب نہیں لگتا۔ ان کی بیٹی تو جیسے آسمان سے اتر کر آئی ہے۔“

”خبردار بہن زاد! اپنی پر بات مت کرنا۔“ دادی کے لیے پوتا پوتی برابر تھے اس لیے انہوں نے فوراً ٹوک دیا۔ پھر مصلحتاً انہیں ہی سمجھانے لگیں۔

”اس میں برائے کی کوئی بات نہیں ہے بہن زاد! اور پھر تمہارا طریقہ غلط ہے۔ تمہارے دل میں اگر نوریہ کو بہن بنانے کا خیال تھا تو تم ظاہر کرتے، باقاعدہ پیغام دیتے۔ پھر شیراز سوچتا تو ہو سکتا تھا نعمان اسے دوسرے رشتے سے زیادہ مناسب لگتا لیکن تم تو پہلے مرحلے پر ہی مجھے سے اکھڑ جاتے ہو۔ رشتے ناٹے اس طرح تھوڑی طے ہوتے ہیں۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ شیراز بھائی نے اچھا نہیں کیا۔“ وہ ناراضگی سے بولے۔

”بالکل اچھا کیا ہے اس نے۔ اس کی اولاد ہے وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ تمہیں اس کے معاملے میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ دادی نے پھر ٹوک دیا۔

”آپ ہمیشہ ان کی سائیڈ لیتی ہیں۔“

”میں کسی کی سائیڈ نہیں لے رہی۔ تم خواہ مخواہ بات مت بڑھاؤ، جاؤ اپنے کمرے میں اور خبردار جو دوبارہ اس موضوع پر بات کی تو۔۔۔۔۔“ دادی نے باقاعدہ ڈانٹ دیا تو وہ بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔

اس گھر میں یہ پہلی رنجش تھی جس نے بڑوں کے درمیان قدرے کشیدگی پیدا کر دی تھی اور جب

”بے بے مجھے مرشد سائیں کے پاس لے گئی تھی دم کرانے۔ اب تو بتا حاکم سے کیا بات ہوئی۔ کیا کہہ رہا تھا وہ۔۔۔۔۔؟“

”کچھ نہیں۔۔۔۔۔؟ بس پوچھا بے کہاں ہے۔۔۔۔۔؟ میں نے کہا گھر پر نہیں ہے۔“ زنب نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بے صبری سے بولی۔

”پھر!۔۔۔۔۔!“

”پھر کہا۔۔۔۔۔! ٹھیک ہے، میں بعد میں فون کروں گا۔“

”اور میرا۔۔۔۔۔! میرا نہیں پوچھا۔۔۔۔۔؟“ وہ زنب کے دونوں کندھے تھامے یوں بیٹھی تھی جیسے اس کی زندگی کا دار و مدار ایک ذرا سی ہاں یا نہیں پر ہے اور زنب نے غالباً اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے ہی مبالغے سے کام لیا تھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔! پوچھ رہا تھا چاندنی کیسی ہے۔۔۔۔۔؟“

”سچ۔۔۔۔۔! سچ زینی۔۔۔۔۔! اس نے میرا نام لیا تھا۔۔۔۔۔؟“ اسے سچ سچ زندگی مل گئی تھی۔

”ہوں۔۔۔۔۔!“ زنب کی نظریں اس کے گلاب چہرے پر ٹھہر کر رہ گئی تھیں۔

○○○

جہاں پیری ہوتی ہے وہاں پتھر آتے ہی ہیں۔ یعنی نوریہ کے لیے پر پوزل آنا کوئی انوکھی بات نہیں تھی اور نوریہ کے ممی ڈیڈی سنجیدگی سے اس رشتے پر غور کر رہے تھے کیونکہ لڑکا کو ایضاً سید اور ایک بڑی فرم میں جنرل منیجر کے عہدے پر فائز تھا۔ تاہم جتنی فیصلہ لڑکے کو دیکھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا تھا اور سعدیہ کی امی تو اگلے ہی دن انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے گئی تھیں۔ امی ڈیڈی جانا بھی چاہتے تھے لیکن درمیان میں بہن زاد حسن آ گئے۔

”جب گھر میں رشتہ موجود ہے تو باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔؟“ بہن زاد حسن کا اشارہ اپنے بیٹے نعمان کی طرف تھا اور غالباً دادی بھی یہی چاہتی تھیں جب ہی انہوں نے بہن زاد کی تائید کر ڈالی۔

”ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔ رشتہ گھر میں موجود ہے۔“

”لیکن اماں! نومی کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں ابھی کافی وقت درکار ہے۔“ ڈیڈی نے کہا۔

تو بہن زاد حسن سچ کر بولے۔

”کوئی زیادہ وقت نہیں ہے۔ سال دو سال میں نومی گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔“

”انشاء اللہ۔۔۔۔۔! ضرور ہو جائے گا لیکن۔۔۔۔۔!“ غالباً ڈیڈی کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں جب ہی خاموش ہو گئے۔

”لیکن کیا۔۔۔۔۔؟ دو سال آپ انتظار نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔؟ کیوں۔۔۔۔۔؟“ بہن زاد حسن نے فوراً اپنے

”مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے.....؟ میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں می ڈی کی پسند سے شادی کروں گی۔“ وہ یہ بات فخریہ کہتی تھی۔
”اس کا مطلب ہے اگر ابھی چچا جان اور چچی جان تمہاری بات طے کر آئے تو تم خوش ہو گی.....؟“ اس نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔
”اوں.....!“ وہ سوچنے لگی پھر اس سوچتے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔
”چائیس نومی.....! میرے کیا احساسات ہوں گے۔ ابھی تو میرے اندر بالکل سناٹا ہے اور جب یہ ٹوٹے گا تو چائیس کیسی آواز ہوگی۔ گھنگروں بجیں گے یا پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔“
”سنو.....!“ نعمان نے بہت دھیرے سے اسے متوجہ کیا۔
”تم بہت عجیب لڑکی ہو.....!“
”کیوں.....؟“

”تمہیں خود نہیں پتا کہ تم کیا چاہتی ہو.....؟“ نعمان نے کہا۔
”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو.....!“ اس نے بڑے آرام سے اعتراف کر لیا۔
”یہ بڑی خطرناک بات ہے نور.....! اسے ایڑی مت لو.....!“ وہ یکدم بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔
”کیا مطلب ہے تمہارا.....!“ اس نے پوچھا تب ہی جویریہ کے پکارنے کی آواز آئی تو جلدی سے ہوئی۔
”بعد میں سمجھانا۔ ابھی شاید یہ لوگ جا رہے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی۔

○ ○ ○

حاکم علی نے جب سے انٹرپورٹ پر اس لڑکی کی ایک جھلک دیکھی تھی تب سے اس کی بے قرار یوں میں اضافہ ہو گیا تھا اور اس تک پہنچنے کا اسے ایک ہی راستہ سمجھ میں آتا تھا اور وہ تھی روہنی۔
دن میں کئی بار روہنی کو فون کرتا اور اس سے ایک ہی بات کہتا۔
”مجھے اس لڑکی کا پتا تاؤ.....!“
اور روہنی کا بھی ایک ہی جواب ہوتا تھا۔
”رائٹ نمبر.....!“

⊖ ⊖ ⊖

نور یہ کو پتا چلا تو وہ اسی وقت بھاگی ہوئی نعمان کے پاس آئی۔
”سنو.....! تمہیں پتا ہے چاچو نے کیا شوشا چھوڑا ہے.....؟“
”کیا.....؟“ وہ گو کہ جان چکا تھا پھر بھی انجان بن کر اسے دیکھنے لگا۔
”وہ میری اور تمہاری شادی کی بات کر رہے تھے۔“
”کیا.....! میں اور تم سے شادی کروں گا.....؟ اس سے بہتر ہے میں گلے میں پھندا ڈال کر پٹکے سے لٹک جاؤں۔“ اس نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔
”میں تو جیسے تم سے شادی کو مری جا رہی ہوں.....!“

”ایک طرف تم ہی نہیں اور بھی بہت ساری لڑکیاں ہیں، کیا کروں.....؟ اللہ نے پسٹائی ہی ایسی بنائی ہے۔“ وہ اسے مزید جڑا کر ہنسنے لگا تو وہ ہونٹ سمجھتے سمجھتے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر جانے لگی تھی کہ وہ فوراً اس کے سامنے آ گیا۔

”سنو.....! کیا واقعی پاپا نے ایسی کوئی بات کی ہے.....؟“
”مجھ سے بات مت کرو اور ہٹ جاؤ سامنے سے۔“ وہ غصے سے بولی۔
”کم آن یار.....! تم غصے میں پتا ہے کسی لگ رہی ہو.....؟“
”پتا ہے.....! تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ اسے دھکیل کر کمرے سے نکلی تو دھیرے آتے بہن ادرسن کو دیکھ کر بلا ارادہ ہی رک گئی۔
”تم.....!“ بہن ادرسن عادت کے مطابق کچھ سخت کہنا چاہتے تھے لیکن اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

”مم..... میں جاؤں چاچو.....!“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔
”کہاں.....؟“ انہوں نے پوچھا لیکن پھر اس کا جواب سننے بغیر آگے بڑھ گئے تو اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر پہلے اپنے حواس بحال کئے پھر واپس نعمان کے کمرے میں داخل ہو کر کہنے لگی۔
”سنو.....! میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ می ڈی سعدیہ کے گھر جا رہے ہیں۔“
”کون سعدیہ.....!“ وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔
”وہی جو اپنی امی کے ساتھ آئی تھی میرا پرپزل لے کر.....!“ اس نے بتایا تو وہ قصداً مسکرا کر پوچھنے لگا۔

”تمہاری بات طے کرنے جا رہے ہیں.....؟“
”نہیں.....! ابھی تو وہ اسے..... میرا مطلب ہے سعدیہ کے بھائی کو دیکھنے جا رہے ہیں۔“
”ہاں.....! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ می ڈی کو پسند آجائے اور وہ ہائی بھر آئیں۔“ اس نے کہا۔
”تم سے پوچھتے بغیر.....؟“ وہ بلا ارادہ ہی کہہ گیا۔

جان ہی نہیں رہی تھی۔

”یہ لڑکی بہت شارپ ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ حاکم علی بھی اڑتے پنچھی قید کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس لڑکی کو تو میں ڈھونڈ رہی ہوں گا لیکن پہلے اس ”رائگ نمبر“ کو سبق سکھانا پڑے گا۔“ وہ سوچتا ہوا گلاس وال کے قریب آکھڑا ہوا جہاں سے وہ اپنے اونچے قد کے باعث باؤنڈری وال سے باہر بھی دیکھ سکتا تھا لیکن اس وقت اس کا ذہن کیونکہ ایک ہی بات سوچ رہا تھا اس لیے باہر کے منظر کی دلکشی اسے متوجہ نہ کر سکی ورنہ ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنیں اسے بہت اٹ پلٹ کرتی تھیں۔ بہر حال وہ کتنی دیر وہیں کھڑا رہا پھر پلٹ کر واپس اسی جگہ آ بیٹھا اور موبائل اٹھا کر اپنے فیجر چٹائی کا نمبر پیش کرنے لگا۔

”میس سر.....!“ تیسری بیل کے بعد چٹائی کی آواز آئی۔

”مسٹر چٹائی.....! ایک نمبر نوٹ کریں۔“

”جی سر.....!“

”مجھے اس نمبر کا ایڈریس چاہیے۔“ اس نے روبی کا نمبر نوٹ کر واکر کہا۔

”اوکے سر.....! میں صبح.....“ چٹائی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

”ابھی کیوں نہیں.....؟“

”ابھی میرے ہاں کچھ مہمان ہیں سر.....!“

”اوکے صبح.....!“ اس نے کہہ کر موبائل آف کر دیا پھر اپنے اگلے اقدام سوچ کر اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ چمکنے لگی۔

○○○

دو وقت گھٹل کر ایک دوسرے سے رخصت ہو چکے تھے۔ یعنی اُجالاسٹ گیا تھا اور تاریکی نے پر پھیلا لیے تھے سامی، ڈیڈی اور جویریہ ابھی تک نہیں آئے تھے اور ایسے وقت جب وہ اکیلے ہوتی تھی تو نیچے دادی کے پاس چلی جاتی تھی لیکن آج پہلے تو وہ اپنی الماری ٹھیک کرنے میں لگی رہی پھر ای ڈیڈی کا انتظار بلکہ ان سے زیادہ جویریہ کا، کیونکہ وہ اس سے لڑکے کے بارے میں پوچھ سکتی تھی کہ کیا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال انتظار کا موسم کسی بھی رنگ میں اترے اگر طویل ہو جائے تو کوفت میں جھلا کر رہتا ہے۔ وہ بھی بیزار سی پھر رہی تھی۔ کبھی اس کمرے میں کبھی اس کمرے میں پھر دھیان بنانے کی خاطر روبی کو فون کیا تو ادھر سے وہ چھوٹے ہی بولی۔

”میں ابھی تمہیں فون کرنے والی تھی۔“

”خیریت.....؟“

”تمہاری خیریت نہیں ہے.....!“ روبی نے کہا تو وہ تیز ہو کر بولی۔

”نورائگ نمبر.....!“ اس وقت حاکم علی چیخ پڑا۔

”میری بات سنو.....! اگر تم نے فون بند کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔“

”تم.....! تم مجھے دھمکی دے رہے ہو.....؟“ روبی کو بھی غصہ آ گیا۔

”دھمکی کھو یا کچھ اور.....! ایک بات جان لو کہ میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔“ وہ مزید دھمکانے سے باز نہیں آیا۔

”تو جاؤ.....! جو کر سکتے ہو کر لو.....!“ روبی مرعوب نہیں ہوئی اور غالباً فون پٹختا چاہتی تھی کہ اس نے فوراً روک دیا۔

”دیکھو.....! فون بند مت کرنا.....! میں دوبارہ رنگ کر لوں گا۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو.....؟“ وہ زچ ہو کر بولی۔

”مجھے صرف اس لڑکی کا پتا چاہیے۔“ اس کے لہجے میں یکفخت عاجزی سنائی دیتی تھی۔

”مائی گاڈ.....! تم کس مٹی کے بنے ہو.....؟ میں نہیں جانتی تم کس لڑکی کا پتا پوچھ رہے ہو اور مجھ سے ہی کیوں.....؟“ اب ادھر سے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ ہوا۔

”کیونکہ اس نے یہاں سے تمہیں فون کیا تھا اور اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ تمہاری دوست ہے۔“ حاکم علی نے یقین سے کہا۔

”چلو.....! میں مان لیتی ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میری صرف ایک دوست تو نہیں ہے، بہت ساری ہیں۔ اب مجھے کیا پتا تمہارے گھر کون آئی تھی.....؟“

”وہ جس کی گاڑی چھین گئی تھی۔“ وہ فوراً بولا۔

”سوری.....! میری کسی دوست کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ نہیں ہوا اور اب پلیز.....! اس بات کو میں ختم کر دیں اور آئندہ یہاں فون مت کرنا۔“ روبی نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

”وہ کچھ دیر ہونٹ بیٹھنے پر سیور کو گھورتا رہا پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے اس کے مضبوط ہاتھ میں جیسے

بٹھالیا تو وہ بغیر کسی تہید کے کہنے لگی۔

”بہت اچھا! بہت پسندم! ویل ایجوکیٹڈ! کسی بڑی فرم میں بہت اچھی پوسٹ پر ہے۔ زیادہ مسائل اور ذمے داریوں میں گھرا ہوا بھی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے مختصر فیملی ہے۔ ایک ماں اور ایک بہن، وہی جو آئی تھی اور یہ کدائی ڈیڈی کو بہت پسند آیا ہے۔“

”آخری بات کہتے ہوئے جو یہ نے اس کے پہلو میں چنگی کافی تو وہ پہلے اچھلی پھر قصداً بے نیازی سے بولی۔

”میں کیا کروں؟“

”تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ بس صرف دلہن بننے کی تیاری کرنی ہے کیونکہ وہ لوگ جلدی شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ جو یہ نے کہا تو اب وہ سنجیدگی سے بولی۔

”جی نہیں! پہلے میں ایم اے کروں گی۔“

”ڈیڈی نے بھی ان سے یہی کہا تھا جس پر ان کی امی کہنے لگیں کہ بعد میں کرتی رہے گی۔ اس پر ڈیڈی خاموش ہو گئے۔ مزید کچھ پوچھنا ہو تو جلدی پوچھو کیونکہ عباد آچکے ہیں۔“ جو یہ کہتے ہوئے اُنھ کھڑی ہوئی تو وہ فوراً بولی۔

”نام! نام کیا ہے؟“

”ہما یوں! اور ہاں! تصویر بھی دی تھی انہوں نے، امی کے پاس ہے اور میرا مشورہ یہ ہے کہ تصویر مت دیکھنا کیونکہ وہ تصویر سے زیادہ اچھا ہے۔“ آخر میں جو یہ نے اس کی شوزی پکڑ کر ہلائی۔

”تم بھی کم نہیں ہو!۔“

”اچھا! اب تم جاؤ! عباد بھائی انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس نے کہا تو جو یہ اُٹھ کر پڑی۔

”ارے واہ! اپنا مقصد پورا ہو گیا تو اب جاؤ!۔“

”میرا کیا ہے! امت جاؤ!۔“ اس نے لاپرواہی سے کندھے اُچکائے۔

”تم سے تو میں بعد میں منٹوں گی۔“ جو یہ کہتی ہوئی چلی گئی تو وہ ہنس پڑی، پھر اسی وقت روٹی کو ہمایوں کا بانیو ڈیٹا تانے کی غرض سے ٹیلی فون کی طرف بھاگی۔

○ ○ ○

صبح ہی سے مطلع آبر آلود تھا۔ دوپہر میں پہلے ہلکی ہلکی پھوار برسی پھر اچانک چھڑی لگ گئی تھی۔ سیاہ بادلوں کے نکرانے کا ہیبت ناک شور دل دہلائے دئے رہا تھا پھر بھی وہ زنب کے ساتھ بیڑیاں پھلانگتی ہوئی چھپت پڑ گئی۔ سادون کی پہلی بارش کی آمد بڑی زوردار تھی۔ تاحند نگاہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آسمان اور زمین کے درمیان جیسے ایک مسلسل نا طہ جڑ گیا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا!۔“

”بھئی! وہ جو تمہارا تعاقب کر رہا ہے اس نے میرے ناک میں دم کر رکھا ہے۔“ روٹی نے بتایا تو وہ جھنجھکی۔

”کون؟“

”وہی جس کے گھر میں تم داخل ہو گئی تھیں، صبح شام فون کر کے تمہارا اتا پتا پوچھتا ہے۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں۔ آخر تمہیں کیا ضرورت تھی اس کے گھر سے مجھے فون کرنے کی۔“

”میں اس وقت یہی کر سکتی تھی۔ خیر دفع کرو اسے اور یہ پوچھو کہ میں نے اس وقت تمہیں کیوں فون کیا ہے۔“ اس نے کہا تو روٹی فوراً پوچھنے لگی۔

”کوئی خاص بات ہے کیا؟“

”ہاں! اور میں نہیں بتاؤں گی خود ہی سمجھو۔“ اگر روٹی سامنے ہوتی تو اس کے چہرے پر شرمیلی مسکان دیکھ کر فوراً سمجھ جاتی جبکہ اب وہ جھنجھلائی تھی۔

”میں کیسے سمجھوں؟“ پھر ایک دم چیخ پڑی۔

”مجھے گئی! تمہاری شادی ہو رہی ہوگی، ہے ناں!۔“

”کچھ ایسا ہی سلسلہ ہے۔“ اس کے ہونٹوں پر آپ سی آپ ہنسی پھوٹی۔

”کون ہے؟ کیا ہے؟ جلدی پورا بانیو ڈیٹا تانے!۔“ روٹی کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

”مجھے خود نہیں پتا!۔“ اس کی لائٹس پر روٹی چیخ پڑی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا!۔“

”بھئی! ابھی امی، ڈیڈی اور جو یہ یہ اسے دیکھنے گئے ہوئے ہیں۔ آئیں گے تو جو یہ یہ سے پوچھیں گی اس کا سارا بانیو ڈیٹا پھر کل تمہیں بتاؤں گی۔“ اس نے کہا تو روٹی فوراً بولی۔

”کل تک مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔ میں لیٹ نائٹ تمہیں فون کروں گی۔“

”چلو ٹھیک ہے پھر رات میں بات ہوگی۔“ اس نے کہہ کر فون رکھ دیا پھر میز پر آ کر نیچے جھانکا تو ڈیڈی کی گاڑی دیکھ کر حیران ہو گئی۔

”ارے! امی ڈیڈی آ گئے!۔“ وہ فوراً اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ابھی جو یہ اس کے پاس آئے گی اور واقعی کچھ دیر بعد جو یہ یہ آئی اور کچھ کہنے کی بجائے بڑی خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھے گی۔

”کیا ہے!۔“ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو!۔“ اس نے جھنجھلا کر نوکا تو جو یہ یہ ہنس پڑی۔

”میں تمہارا صبر آزمانا چاہتی ہوں۔“

”بس!۔“ آ زما لیا ناں!۔ اب جلدی بتاؤ!۔“ اس نے جو یہ یہ کا ہاتھ کھینچ کر اپنے سامنے

اس پر چلتے ہوئے میرے پیروں میں گدگدی ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی چیز میرے پیروں کے نیچے سے پھسل رہی ہو۔ اس نے سفید ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا۔
”اور وہ کمرے؟“ زنب بھی حیران تھی۔
”پانچویں وہ اندر سے کیسے ہیں؟ میں نے کبھی نہیں دیکھے، پر میرا دل چاہتا ہے دیکھنے کو۔“
”چل دیکھتے ہیں۔“ زنب نے اُسکیا تو وہ مایوسی سے بولی۔
”بند ہیں، تالے پڑے ہیں۔“

”حاکم کا کوئی خاص نوکر ہے وہی روزانہ یہاں کی صفائی بھی کر جاتا ہے۔“
”بے بے سے پوچھ شاید اس کے پاس چابی ہو۔“ زنب اس سے زیادہ مشتاق ہو گئی تھی۔
”ہائے نہیں..... اے بے نے تو مجھے ادھر آنے سے بھی منع کیا ہے۔ کبھی جب وہ کہیں جاتی ہے تب میں ادھر آتی ہوں۔ چل کہیں اسے پتا لگ گیا تو بہت ڈانٹے گی۔“ اس اچانک احساس ہوا تو فوراً زنب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ ہوئی نیچے آگئی اور زنب کے سامنے الماری کھول کر بولی۔
”تو پکڑے بدل، میں پہلے بے کے کوشل دکھاؤں نہیں تو وہ سمجھے گی میں ابھی تک چھت پر ہوں۔“

”جلدی آنا.....!“

”بس ابھی آئی.....!“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

بے بے بھی پتا نہیں کہاں چھپ جاتی ہیں، اس کا زیادہ وقت تو انہیں ڈھونڈنے میں ہی لگتا تھا۔ ان کے کمرے سے دیکھا شروع ہوئی اور جب اندرونی بیٹھک میں جھانکا تو بے کے ساتھ بابا ”مردار ہاشم علی“ کو بیٹھے دیکھا تو وہیں رک گئی کیونکہ گیلے کپڑوں کے ساتھ بابا کے سامنے نہیں جاسکتی تھی اس لیے وہیں سے بے کو پکارنے لگی کہ بے بے بول پڑیں۔ وہ بابا سے کہہ رہی تھیں۔

”مرشد سائیں کہہ رہے تھے چاندنی کی جلدی شادی کر دو۔“

”ہائے اللہ.....!“ اس کی دھڑکنوں نے ایسا شور مچایا کہ وہ سر پٹ بھاگی اور اپنے کمرے میں آ کر ہی دم لیا۔

”کیا ہوا.....؟“ زنب تو لیے سے اپنے بال جھٹک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر لہرائے رنگین عکس دیکھ کر اس کے قریب چلی آئی اور اس کی ٹھوڑی چھو کر پوچھنے لگی۔

”کیا سچ حاکم آ گیا ہے.....؟“

”نہیں.....!“ اس کی ذرا سی ہنسی میں بڑی دلکش ہنسی کا ترنم شامل تھا۔

”پھر تو لال گلابی کیوں ہو رہی ہے.....؟“

”کوئی نہیں.....! تجھے تو ہر وقت ایسے ہی لگتا ہے۔“ اس نے ایک ادا سے زنب کا ہاتھ جھٹکا اور

چاندنی اور زنب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے بہت تیزی سے گول دائرے میں گھوم رہی تھیں۔ ان کے پیروں کی حرکت سے پانی اُچھل رہا تھا۔ کتنی دیر وہ اسی طرح چکراتی رہیں پھر جب تھک گئیں تو وہیں بیٹھ گئیں اور ایک دوسرے کو دیکھ کر دونوں نے بے اختیار اپنی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے پھر اسی طرح بے ساختہ ہنس تو ہنسی چلی گئیں۔ بارش کی جلتنگ میں ان کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔
”چل ادھر چلتے ہیں۔“ دونوں ہاتھ پکڑ کر انھیں اور منڈیر کے پاس آکھڑی ہوئیں تو زنب دُور پگھڑی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”دیکھ تیرا حاکم آ رہا ہے.....!“

”کہاں.....!“ چاندنی نے فوراً اس طرف دیکھا تو زنب کھلکھلا کر بولی۔

”بڑا انتظار رہتا ہے تجھے.....!“

”کیوں.....! تجھے جاوید کا انتظار نہیں رہتا.....؟“ چاندنی نے اس کی پیٹھ پر دھموکا مار کر کہا۔

”ہاں.....! لگتا ہے ہمارے نصیبوں میں انتظار ہی لکھا ہے۔“ زنب نے آہ بھری پھر لگتا نہ لگی۔

”چناوے گھر آ جاوے.....!“

”دھولاوے گھر آ جا.....!“

تیریاں اڑیکیاں وچ مک چلے ساں.....!“

”ہائے.....! اللہ نہ کرے جو ساں تنگ جان۔“ چاندنی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تب ہی آخری بیزھی سے بشیراں پکار کر بولی۔

”چاندنی.....! بے بے کہہ رہی ہے بس اب نیچے آ جاؤ۔“

”آ رہی ہوں.....! اور دیکھو پکڑوں کے ساتھ اُلی کی چٹنی بنا کر رکھنا۔“ چاندنی نے وہیں سے جواب کے ساتھ آرڈر بھی جاری کیا پھر زنب سے بولی۔

”چل زینو.....! کپڑے بدل کر بارہ درمی میں بیٹھ کر پکڑے کھائیں گے۔“

”نا کپڑے بدل کر پھر میں ادھر نہیں آؤں گی۔“ زنب نے کہا۔

”تجھے گھر جانے کو کون کہہ رہا ہے.....؟ ابھی میرے کپڑے پہن لینا۔ چل نہیں تو بے بے ناراض ہوگی۔“ چاندنی کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑی لیکن نیچے جانے کی بجائے دوسری سمت کی سڑھیاں اتر گئی۔ یہ فرسٹ فلور حاکم علی نے اپنی مرضی سے کچھ قدیم اور زیادہ جدید طرز سے بنوایا تھا اور ہر ایک کو یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ خود چاندنی کو معلوم نہیں تھا کہ ان بند کمروں کی سجاوٹ کیسی ہے۔ بس محرابوں سے سجایہ طویل برآمدہ ہی اس نے دیکھا تھا۔

”یہ..... یہ ہم کہاں آ گئے.....؟“ زنب نے اس کا ہاتھ ہلایا تو وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

”زینے.....! ادھر آ کر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی اور دنیا میں آگئی ہوں۔ یہ فرش دیکھ رہی ہے،

کا موڈ خراب ہو چکا تھا کیونکہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یوں بھی چاندنی اسے بالکل پسند نہیں تھی۔ اگر جاگیر کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ بابا کو صاف جواب دے دیتا۔ بہر حال اس وقت وہ بہت جھنجھلا ہوا تھا اور جب گھر پہنچا تو نشی کو بیٹھے دیکھ کر بھی اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا۔ خاصے اکھڑے لہجے میں پوچھنے لگا۔

”تم کب آئیں.....؟“

”کچھ دیر ہوئی ہے۔ آفس فون کیا تو معلوم ہوا تم کل چکے ہو۔“ نشی بتا کر بغور اسے دیکھنے لگی۔

”تم کچھ ناراض ناراض لگ رہے ہو.....!“

”تم سے نہیں ہوں.....!“ وہ فوراً کہہ گیا۔

”پھر.....؟“

”بس وہ بابا.....!“ وہ بیٹھتے ہوئے اس قدر کہہ کر خاموش ہو گیا۔

”آ رہے ہیں تمہارے بابا.....؟“ نشی پوچھنے لگی۔

”نہیں.....! مجھے بلارہے ہیں اور وہ بھی شادی کے لیے۔“ وہ جل کر بولا اور نشی اُٹھ چلی۔

”کیا.....! تم گاؤں میں شادی کرو گے.....؟“

”ہاں.....!“ وہ اچانک موڈ بدل گیا یعنی مسکرا کر بولا۔

”ایک شادی تو گاؤں ہی میں کروں گا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا.....؟ کتنی شادیاں کرو گے.....؟“ نشی اب چیختی تھی۔

”جائزہ تو چار ہیں لیکن میں دو کروں گا۔ ایک بیڑی کی مرضی سے اور دوسری اپنی پسند۔“ وہ اب نشی کے چڑنے اور چیخنے سے مفلوج ہو رہا تھا۔

”تو پھر بابا کے بلائے پر ناراض کیوں ہوئے.....؟ جاؤ کر آؤ شادی.....!“ نشی نے تیز ہو کر کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

”وہ تو مجھے کرنی ہی ہے لیکن میں چاہتا ہوں پہلے اپنی پسند.....“

”تمہاری پسند کون ہے.....؟“ نشی نے پوچھا تو یکفخت اس کی نظروں میں وہ چہرہ آن سایا جسے صرف کھوجنا ہی نہیں، حاصل کرنا بھی اب اس کی ضد بن گیا تھا۔

”ارے.....! تم تو اس کے خیالوں ہی میں کھو گئے۔“ نشی نے ہنس کر کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیا کہا تم نے.....؟“

”میں تمہاری پسند کے بارے میں پوچھ رہی ہوں یا میں خود قیاس کروں.....؟“ نشی نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

”اوجہ.....! تم نے اسے نہیں دیکھا۔“

جلدی سے اپنے کپڑے لے کر واش روم میں بند ہو گئی۔

اور اس رات وہ دیر تک جاگتی رہی تھی۔ گو کہ نیند ہمیشہ سے زیادہ مہربان ہو کر بائیس پھیلائے کھڑی تھی لیکن اسے نیند سے زیادہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔ طویل برآمدے میں بچھا

وائٹ ٹائلز کا فرش اور اس سے آگے بند کمروں کے دروازے بھی کھل گئے تھے اور وہ خود کو ہر جگہ بھاگتے

دوڑتے، کھٹکھٹلاتے دیکھ رہی تھی۔ باہر بارش کا ترنم تھا۔ ادھر وہ اپنی کلائیوں میں پھر پھر چوڑیوں کی

آوازیں سنتی ہوئی نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

○○○

حاکم علی آفس سے اٹھنے کا ارادہ کر رہی رہا تھا کہ اس کے بابا کا فون آ گیا۔

”جی بابا.....! السلام علیکم.....!“ اس نے موبائل کان سے لگاتے ہی سلام کیا۔

”خوش رہ پتر.....! کیسا ہے تو.....؟“ بابا نے دعا کے ساتھ پوچھا تو وہ چیر کی بیک سے ٹپک

لگاتے ہوئے بولا۔

”بالکل ٹھیک بابا.....! آپ سائیں کیسے یاد کیا.....؟“

”یاد تو تو ہر وقت رہتا ہے۔ البتہ ابھی خاص مقصد سے یاد کیا ہے۔“ بابا نے کہا تو وہ فرمانبرداری

سے بولا۔

”حکم کریں بابا.....!“

”بس تو آ جا.....! تیری بے بے تجھے بہت یاد کر رہی ہے۔“ بابا نے کہا تو اب وہ ڈھیل پڑ گیا۔

”اچھا.....! ابھی تو بہت کام ہیں، آپ بے بے سے کہیں میں اگلے ہفتے چکر لگاؤں گا۔“

”ٹھیک ٹھیک آنے کا بتا.....! کیونکہ مجھے تیری شادی طے کرنی ہے۔“ بابا کی اس بات پر وہ حیران

ہوا۔

”شادی.....!“

”ہاں پتر.....! امرشد سائیں کا حکم ہے اور تجھے پتا ہے میں امرشد سائیں کا حکم نہیں ٹال سکتا۔“ بابا کا

انداز ایسا تھا جیسے اب وہ اس کا کوئی عذر نہیں سنیں گے۔

”میں جانتا ہوں بابا.....! لیکن یہ سائیں نے اچانک میری شادی کا آرڈر کیوں جاری کر

دیا.....؟“ اس نے اندر اٹھتے اُبال کو بمشکل دباتے ہوئے پوچھا۔

”وہ بہتر سمجھتے ہیں اور تو دور بیٹھا ہے تو کیا سمجھتا ہے ان کی نظر تجھ پر نہیں پڑ سکتی.....؟“ بابا نے کہا تو وہ جھنجھلا گیا۔

”میں ایسا کچھ نہیں سمجھتا بابا.....! اور ہاں.....! میں ابھی نہیں آ رہا، اگلے مہینے دیکھوں گا۔ اگر کام کا

پریشم ہوا تو آ جاؤں گا۔“ اس نے اپنی بات کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا پھر اسی وقت آفس سے نکل آیا۔ اس

”مائی گاڑ.....! میں تمہارے ہی فون کا انتظار کر رہی تھی۔“ روہی جانے کیا سوچ کر بولی۔

”ریٹکی.....!“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں! یہ بتانے کے لیے کہ میں نے اپنی تمام فریڈز سے معلوم کیا تھا کہ گاڑی چھینے کا حادثہ کس کے ساتھ ہوا تھا تو پتا چلا نور.....“ وہ روانی سے بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئی غالباً نام بلا ارادہ اس کے ہونٹوں پر آیا تھا اور ادھر وہ ایک دم چوکنہ ہو گیا۔

”نور.....! نور نام ہے اس کا.....؟“

”ہاں نور جہاں.....!“ روہی نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا۔

”لیکن آئی ایم سوری.....! کہ میں تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتی، کیونکہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔“

”نہیں.....! تم جھوٹ بول رہی ہو۔“ وہ اس کی شادی کا سن کر خود پر قابو نہیں پاسکا۔

”مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے.....؟ ویسے بھی تمہاری مرضی یقین کرو یا نہ کرو۔ میں نے تمہیں حقیقت بتادی، اس کے بعد یہی کہوں گی کہ اس کا خیال چھوڑ دو یوں بھی وہ تو تمہیں جانتی تھیں۔“ روہی نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

”جان جائے گی.....! تم ایک بار مجھے اس سے ملو دو۔“

”ناممکن.....!“

”کیوں.....! کیوں ناممکن.....؟“ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اگر روہی سامنے ہوتی تو اس کے کندھے پر کڑکھنچوڑا لٹا جبکہ روہی اسی قدر آرام سے بولی۔

”میں نے بتایا تو ہے کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔“

”ہو تو نہیں گئی اور اگر ہو جاتی تب بھی.....“ وہ جانے کیا کہے جا رہا تھا۔ ادھر سے روہی نے سلسلہ منقطع کر دیا تو اس نے انتہائی غصے میں آ کر ٹیلی فون سیٹ دیوار پر دے مارا۔

○○○

”رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ جب گہری نیند سے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تو کتنی دیر تک وہ سکت لیٹا یہ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ اسے کیا ہوا ہے اور وہ کہاں ہے۔ کمرہ بھی مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب ہی اسے سمجھنے میں دیر لگی کہ بجلی ٹپل ہو جانے کے باعث پنکھا بھی بند ہو گیا تھا اور غالباً چاند کی بھی آخری تاریکی تھیں جب ہی کھڑکی سے باہر دُور تک کہیں روشنی نہیں تھی۔ وہ بیڈ چھوڑ کر کھڑکی کے قریب آیا تو نرم لطیف ہوا اس کے چہرے اور بدن سے ٹکرائی۔ پہلے اسے جھرجھری آئی پھر وہ مزے لینے لگا۔ دل چاہا کھڑکی کے راستے لان میں کود جائے لیکن گھپ اندھیرے کے باعث وہ اس خواہش کو دبا گیا لیکن اس خیال کو نہیں جھٹک سکا جو اکثر تنہائی کے عالم میں اس پر چپکے سے گرفت کر لیتا تھا۔ پھر وہ لاکھ اپنے ذہن کو

”اچھا.....! کب دکھار ہے ہو.....؟“

”پہلے میں خود تو اس تک پہنچ جاؤں۔ جانے کہاں چھپ گئی ہے.....؟ کہیں بھی چھپے میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔“ آخر میں وہ جیسے اپنے آپ سے بولنے لگا تھا۔ نئی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی پھر قریب آ کر دھیرے سے پوچھنے لگی۔

”سنو.....! تم پہلے اس سے کہاں ملے تھے.....؟“

”میں.....!“ وہ بے اختیار کہہ کر پھر فریادیں مارتا گیا۔

”میرا مطلب ہے اسی شہر میں۔“

”پھر وہ کہاں چلی گئی.....؟“

”یہی تو نہیں معلوم.....! خیر چھوڑو اسے..... کوئی اور بات کرو۔“ وہ اس کے سوالوں سے تنگ آ کر بولا تو وہ کندھے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر ایک دم یاد آنے پر کہنے لگی۔

”سنو.....! سوئی کی برتھ ڈے آ رہی ہے۔ تمہیں انوائٹ نہیں کیا اس نے۔“

”کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ سوئی مجھے انوائٹ نہ کرے۔“ اس کے نفخہ پر نئی ہنس پڑی۔

”ہو تو نہیں سکتا۔ پھر چلو گے ناں.....؟“

”ہوں.....!“ وہ سوچتے ہوئے انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگا۔

”کیا سوچنے لگے.....؟“ نئی نے فوراً ٹوک دیا۔

”گفٹ.....! گفٹ سوچ رہا ہوں، کیا گفٹ دینا چاہیے اسے.....؟“ اس نے نئی سے پوچھا۔

”میں کیا بتاؤں.....؟ ویسے سوئی کہہ رہی تھی کہ وہ تمہیں گفٹ دے گی۔“ نئی نے بتایا تو وہ حیران

ہوا۔

”مجھے.....! وہ مجھے کیوں گفٹ دے گی۔ برتھ ڈے اس کی ہے۔“

”ہو سکتا ہے وہ کوئی نئی روایت ڈال رہی ہو۔“

”پھر تو ہمیں اس کے لیے کوئی زبردست چیز لینی پڑے گی۔“ اس نے کہا تو نئی تائید کرتے ہوئے

بولی۔

”میں نے بھی یہی سوچا ہے، پھر چل رہے ہو.....؟“

”ابھی نہیں.....! اس وقت نہیں.....!“

”اوکے.....! پھر میں چلتی ہوں۔“

”اوکے.....!“ وہ اسے چھوڑنے دروازے تک گیا پھر پلٹ کر آتے ہی روہی کے نمبر ڈائل کرنے

لگا اور جب ادھر سے روہی کی آواز سنائی دی تب بولا تھا۔

”میرا خیال ہے اب مجھے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں رہی۔“

اس نے اندر آ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کیا پھر یونہی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
”بیٹھو..... کیا خاطر مدارت کروں تمہاری.....!“ نعمان نے گفتگو لہجے میں کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیا مطلب.....؟“
”بھئی..... اب تم کچھ دنوں کی مہمان ہو۔“ نعمان نے پھر اسی انداز میں کہا تو وہ ذرا سا مسکرائی پھر خود کھائی کے انداز میں بولی۔

”کیا واقعی میں کچھ دنوں کی مہمان ہوں.....!“
”کیوں..... تمہیں یقین نہیں آ رہا.....؟“
”یقین تو ہے لیکن لگ نہیں رہا۔“ وہ اچانک آزدگی میں گھر گئی۔

”پتا نہیں نومی.....! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میری شادی سے کوئی بھی خوش نہیں ہے.....؟“
خود میرے اندر کوئی پچھل نہیں۔ میں بار بار اپنے دل کو ٹوٹتی ہوں کوئی احساس نہیں جا سکتا۔“
”سنو.....! نئے لوگوں میں جانے کی خواہش تمہاری اپنی تھی۔“ وہ اس کی آزدگی محسوس کر کے دیر سے بولا۔

”ہاں.....! مجھے اس سے انکار نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اپنی اس خواہش پر کوئی پچھتاوا ہے لیکن باقی سب لوگ ایسا کیوں بی ہو کر رہے ہیں جیسے میں نے کوئی جرم کیا ہے.....؟“ اس نے کہا تو وہ نظریں چرا کر بولا۔

”یہ محض تمہارا وہم ہے۔“
”میرا وہم نہیں ہے نومی.....! میں سب دیکھ رہی ہوں۔ ردا، مریم، شوبی اور خود تم خاموش نظروں سے دیکھتے ہوئے میرے قریب سے گزر جاتے ہو اور سارے کام بھی اتنی خاموشی سے ہو رہے ہیں، کیوں.....؟ جویریہ کی شادی میں تو ایسا نہیں ہوا تھا۔ بہنو اد چاچو کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر ہم سب رات گئے تک محفل جمائے رکھتے تھے۔“ وہ اچانک پھٹ پڑی اور کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی جب ہی نعمان بوکھلا گیا پھر بشکل سنبھل کر کہنے لگا۔

”اصل میں نور.....! سب کچھ اتنا اچانک ہوا ہے کہ ہم سب بوکھلا گئے ہیں ورنہ یقین کر دو ردا کتنی بار مجھ سے ڈھونڈ لانے کا کہہ چکی ہے لیکن مجھے دوسرے کاموں سے فرصت نہیں مل رہی۔ خیر تم ناراض مت ہو صبح میں سب سے پہلے ڈھونڈ اٹھالاؤں گا۔“

”میں ناراض نہیں ہوں اور نہ مجھے ڈھونڈ بجوانے کا شوق ہے۔“ وہ اپنے آپ میں اُلجھنے لگی تھی۔
”پھر.....؟“ وہ پہلے سوالیہ نشان بنا پھر اس کے مقابل آکھڑا ہوا اور دھیر سے پوچھنے لگا۔
”نور.....! تم کس بات سے پریشان ہو.....؟“

ادھر ادھر دیکھنے لگانے کی کوشش کرتا لیکن بے سود۔ ابھی بھی وہ اپنا دھیان بنانے کو آسمان پر بکھرے ستارے شمار کرنے لگا۔

”ایک، دو، تین اور چوتھا ستارہ وہ ہتھیلی پر لیے سامنے آ گئی۔ یہ تصویر اتنا خوبصورت اور اتنا مضبوط تھا کہ وہ مہوت ہو گیا اور جانے کتنی دیر وہ اسی طرح کھڑا رہتا کہ لائٹ آ جانے سے جو گھمبیر خاموشی میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اس سے وہ نہ صرف چونکا بلکہ خود کو سرزنش کرتا ہوا کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا، پھر لائٹ آن کر کے اپنی ڈائری نکال لی۔

”آسمان کے چاند اور تارے تیرے میرے خواب نہ ہوں یہ جو فرش خاک پہ بکھر اریزہ ریزہ آئینہ ہے اس میں جتنے عکس ہیں سارے تیرے میرے خواب نہ ہوں

بحر فنا میں مل جانے تک ملنے سے مجبور بھی ہیں اک دو بجے کے ساتھ بھی ہیں اور اک دو بجے سے دُور بھی ہیں لہجوں کے گروپ سفر میں جو چکرائے بیٹھے ہیں یہ دونوں دریا کے کنارے

تیرے میرے خواب نہ ہوں۔“
وہ لکھتے ہوئے اچانک آزدگی میں گھر گیا تھا۔ ڈائری بند کر کے پھر کھڑکی سے باہر دیکھا۔

وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی جا رہی تھی۔

○ ○ ○

کوئی باقاعدہ تقریب نہیں ہوئی تھی۔ بس ہمایوں کی والدہ اور بہن سعدیہ مٹھائی اور ہار پھول وغیرہ لے کر آ گئی تھیں اور نہ صرف نور یہی بات کہی ہوئی بلکہ شادی کی تاریخ بھی رکھ دی گئی تو ایک دم ڈھیروں کام سر پر آن پڑے تھے۔ ابھی تین چار مہینے پہلے جویریہ کی شادی ہوئی تھی تو پورا مہینہ افراتفری اور خوشگوار ہنگاموں میں کنا تھا اور اب نور یہی شادی تھی۔ گوکہ ویسے ہی سب کام ہو رہے تھے لیکن وہ پچھل کی بجائے عجیب سی خاموشی کا احساس تھا جو دیر سے دھیرے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

اس وقت وہ اس خاموشی سے گھبرا کر کمرے کا دروازہ آہستہ سے دھکیل کر اندر جھانکا تو وہ بیڈ پر نیم

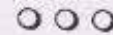
دراز نظر آیا۔

”نومی.....! تم سو تو نہیں رہے.....؟“ اس نے آہستگی سے پکار کر پوچھا۔

”نہیں.....! آؤ.....!“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”نور..... تمہارا قانون ہے۔“
”روبی ہوگی.....! وہ سوچتی ہوئی لابی میں آئی تو امی ریسور سے تھکا کر چلی گئیں۔“
”ہیلو.....!“
”السلام علیکم.....! ادھر سے نکلتی ہوئی آواز میں سلام کیا گیا تو وہ کچھ الجھ کر بولی۔“
”وعلیکم السلام.....! آپ کون.....؟“
”ارے.....! آپ مجھے نہیں پہچانتیں، میں سعدیہ ہوں آپ کی ہونے والی اکلوتی نند۔“ سعدیہ نے کلکلا کر کہا تو وہ فوراً سنبھل کر بولی۔
”کیسی ہو.....؟“
”بالکل ٹھیک.....! آپ کیسی ہیں.....؟“
”میں بھی ٹھیک ہوں.....!“
”اچھا.....! میں آپ سے پھر بات کروں گی۔“ سعدیہ نے کہا اور ابھی وہ اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کی سماعت سے مرادانہ آواز نکلائی۔
”السلام علیکم.....! میں ہمایوں بات کر رہا ہوں۔“
”جی.....! اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔
”کیسی ہیں آپ.....؟“
”جی.....!“
”میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا.....؟“ وہ پوچھ رہا تھا اور ادھر وہ اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالنے کی سعی میں کچھ بول ہی نہیں سکی۔
”ہیلو.....! آپ خاموش کیوں ہو گئیں.....؟“
”نن..... نہیں تو.....! وہ واقعی نروس بھی ہو گئی تھی۔
”پھر.....! کچھ کہیں ناں.....؟“
”میں.....! میں کیا کہوں.....؟“
”میری بات کا جواب ہی دے دیں.....!“ ہمایوں نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔
”کون سی بات کا.....؟“
”یہی کہ میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا.....؟“
”نہیں.....!“ اس کے ساتھ ہی اس نے ریسور رکھ دیا اور بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی تو آگے جو یہ کوویک کمرز پر بکھلائی۔
”تم.....! تم کب آئیں.....؟“

”چائیں.....!“ اس کا لہجہ روشا ہوا تھا۔
”اچھا.....! یہاں بیٹھو.....!“ نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بیٹھایا پھر اس کے لیے پانی لے آیا۔
”لو پانی پیو.....! اور پلیز.....! ریلیکس ہو جاؤ.....!“ اس نے دو گھونٹ لے کر گلاس رکھ دیا لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تو وہ چند لمحوں سے دیکھتا رہا پھر خود ہی کہنے لگا۔
”دیکھو نور.....! تم کچھ غلط مت سمجھو۔ ہم سب تمہاری شادی سے خوش ہیں البتہ تمہارا یہاں سے جانا ہمیں کھل رہا ہے، خود ہی بتاؤ.....! جب تم یہاں نہیں ہوگی تو کیسا لگے گا.....؟“
”بس.....! تمہاری یہ باتیں مجھے نہیں بہلا سکتیں۔“ اس نے ٹوک دیا۔
”پھر کیسے بہلو گی تم.....! بتاؤ.....! ہمایوں کو بلاؤں.....؟“ نعمان نے اپنے تئیں اسے چھیننے کی کوشش کی لیکن ادھر وہ غائب بے دھیانی میں پوچھ گئی تھی۔
”کون ہمایوں.....؟“
”مائی گاڈ.....! کچھ دن بعد اس کی ڈلہن بننے والی ہو اور پوچھتی ہو کون ہمایوں.....؟“ نعمان اچھل کر بولا تو اس نے اپنا چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔
”کیا ہوا.....؟ یاد آ کر نہیں.....؟“ وہ پھر اس کے سامنے آ گیا تو وہ سر جھکا کر کہنے لگی۔
”نومی.....! میں اس لیے پریشان ہوں کہ یہ شخص مجھے یاد نہیں ہو رہا۔ اس کے نام سے، اسے سوچنے سے میرے اندر پچھل کیوں نہیں مچتی.....؟ کوئی نیا احساس کیوں نہیں جاسکتا.....؟“ آخر میں اس نے سر اٹھایا کر کے اسے دیکھا تو وہ جواہر پر نظریں جمائے کھڑا تھا لکھ بھر کو گڑبگڑ کیا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔
”چلو ممت، فون پر بات کر لو.....! اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔“
”حرج تو ملنے میں بھی نہیں ہے لیکن میں سوچتی ہوں اگر اس سے ملنے کے بعد بھی میرے اندر کا سناٹا نہ ٹوٹا تو میں کیا کروں گی.....؟“ وہ بے بس نظر آنے لگی۔
”ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم اصل میں اچانک شادی طے ہو جانے سے پریشان ہو جیسے ہم سب بوکھلائے ہوئے ہیں۔ خیر صبح میں تمہاری اس سے بات کرادوں گا۔“
”نہیں نومی.....!“
”کیوں نہیں.....؟“
”بس نہیں.....!“ اس نے اتنی سختی سے منع کیا کہ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔



اس نے معمول کے مطابق دوپہر کا کھانا امی کے ساتھ کھایا پھر اپنے کمرے میں چلی آئی اور ابھی لیٹنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ لابی سے امی اسے پکار کر بولیں۔

”کیا ہوا ہے.....؟“ وہ اٹلا اس سے پوچھنے لگی۔

”کون سی دنیا سے آ رہی ہو.....؟“ نعمان نے پھر پوچھا تو وہ حیران ہوئی۔

”کیا مطلب.....؟“

”لگتا ہے تمہارے اندر کا سناٹا ٹوٹ گیا ہے۔“ نعمان نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

”ہاں نوی.....! اور اب مجھے سب اچھا اچھا لگ رہا ہے۔“ اس نے سچائی سے اعتراف کیا۔

”ویری گڈ.....! یہ تو بہت اچھی بات ہے، ویسے یہ انقلاب آیا کیسے.....؟“ نعمان نے سراہ کر

پوچھا تو وہ یکدم سہمی۔

”نوی.....! آج بتاناں.....! تم نے ہمایوں سے کہا تھا.....؟“

”کیا.....؟“

”مجھے فون کرنے کو.....؟“

”تو یہ انقلاب ہمایوں کے فون سے آیا ہے.....!“ نعمان نے کہا تو وہ اس کا بازو بھینچ کر بولی۔

”تم میری بات کا جواب دو.....!“

”کون سی بات کا.....؟“

”ہمایوں سے تم نے کہا تھا مجھے فون کرے.....!“ وہ دانت پیس کر یوں بولی جیسے اگر اس نے اقرار

کیا تو اس پر جھپٹ پڑے گی۔

”پاکل ہو گئی ہو.....! مجھے کیا ضرورت تھی.....؟“ وہ جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر بولا۔

”لیکن رات تم نے کہا تھا.....“

”ہاں.....! کہا تھا اور اگر تم حامی بھر لیتیں تب بھی میں اس بات پر عمل نہ کرتا، سمجھیں تم.....!“ وہ

غصے سے پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا تو اس کا دل چاہا اس کے پیچھے جائے اور پھر پوچھے لیکن باہر جویریہ اور عباد

اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ جب ہی وہ بس اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی پھر باہر آئی اور خاموشی سے

چھپی نشست پر بیٹھ گئی۔

”دوپہر میں وہ جتنی خوش تھی اب اسی قدر جھنجھلائی ہوئی تھی اور اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اسے

دوپہر میں ہی یہ خیال کیوں نہ آیا۔ اسی وقت نعمان سے پوچھتی۔

”کیا بات ہے نور.....! تمہارا موڈ کیوں آف ہے.....؟“ عباد حسن نے دیو مر میں اسے دیکھا

اور ٹوک بھی دیا تو اس سے پہلے جویریہ بول پڑی۔

”ارے نہیں.....! آج تو بہت خوش ہے۔“

”لگ تو نہیں رہی.....!“ عباد حسن نے کہا تو وہ اس خیال سے کہ کہیں جویریہ انہیں ہمایوں کے فون

کا نہ بتا دے فوراً بول پڑی۔

”جب تم فون پر بات کر رہی تھیں، کس کا فون تھا.....؟“ جویریہ نے سادہ سے انداز میں پوچھا تھا اور وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

”میں نے نہیں کیا تھا وہ ادھر سے آیا تھا۔“

”ادھر سے.....!“ جویریہ چونکی پھر اچھل پڑی۔

”ہمایوں کا فون تھا.....؟“

”ہوں.....!“ اس نے شرمیلیں مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا پھر ایک دم جویریہ کے

کندھے سے ہٹ کر بولی۔

”جوچی.....! میرا دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا ہے۔“

”جویریہ یہ ہنسنے لگی تو وہ اس کے کندھے سے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔

”مذاق مت اڑانا.....!“

”میں کب مذاق اڑا رہی ہوں.....؟“

”پھر ہنس کیوں رہی ہو.....؟“

”بس یونہی.....! خیر چھوڑو.....! میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ شام میں تمہیں ہمارے ساتھ بازار

چلنا ہے، تیار رہنا.....!“ جویریہ نے ہنسی روک کر اپنی آمد کا مقصد بتایا تو وہ بے زاری سے بولی۔

”میں بازار جا کر کیا کروں گی.....؟“

”امی کا کہنا ہے کہ کچھ شاپنگ تم اپنی پسند سے کرو۔ اسی شاپلی سینڈلز وغیرہ کے لیے تو تمہیں ضرور

ساتھ چلنا ہے۔“ جویریہ نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

”اور کون کون جائے گا.....؟“

”کوئی نہیں.....! صرف میں اور عباد ہوں گے۔“

”اور نوی.....؟“

”نہیں.....! نوی کو اور بہت کام ہیں اور ہاں رات میں ڈھونڈ بھی بجے گی۔“ جویریہ نے اس کی

ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی تو وہ جھینپ کر بولی۔

”اچھا.....! میں شام میں تیار ہوں گی۔“

”ہاں.....! مجھے بلانے نہ آنا پڑے، خود ہی آ جانا۔“ جویریہ کہتی ہوئی چلی گئی تو اس نے پہلے

دروازہ بند کیا پھر آ کر لیٹی تو اس کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس کے اندر کا سناٹا ٹوٹ

گیا تھا اور نئے احساس نے بیدار ہوتے ہی آنکھوں میں خواب سجا دیئے تھے۔ پھر اس نے لاکھ چاہا کہ

کچھ دیر سو جائے لیکن اب نیند کہاں آئی تھی۔ پوری دوپہر ان دیکھے ان جانے شخص کو سوچنے میں گزر گئی اور

جب شام میں وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو نعمان اسے دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گیا۔

”عباد بھائی.....! ابھی میری نومی سے لڑائی ہو گئی ہے جب ہی مجھے غصہ آرہا ہے۔“
عباد حسن نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تو وہ مطمئن ہو کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ پھر جیسے ہی
شاپنگ سینٹر کے سامنے گاڑی رکی وہ فوراً اتر آئی اور ابھی اپنا دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی کہ کسی نے اسے پکارا۔
”نور.....!“

اس نے چونک کر سر اوجھایا تو اس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر سردار حاکم علی کھڑا تھا۔

○ ○ ○

”نور.....!“ اس کے دیکھنے پر حاکم علی نے دوبارہ ابھی اسی قدر کہا تھا کہ اس نے نوک دیا۔
”کون ہیں آپ.....!“ وہ واقعی اسے نہیں پہچانی تھی۔
”تپ نے مجھے پہچانا نہیں.....! میں حاکم علی ہوں، آپ میرے گھر.....“ حاکم علی اسے یاد دلانا
چاہتا تھا کہ عباد حسن قریب آگئے اور نور یہ سے پوچھنے لگے۔

”کیا بات ہے نور.....!“
”پتا نہیں عباد بھائی.....! یہ.....“ وہ حاکم علی کی طرف اشارہ کر کے بس اسی قدر کہہ سکی تو عباد حسن
اس سے مخاطب ہوئے۔

”کیا بات ہے مسٹر.....!“
”مجھے ان سے بات کرنی ہے، دومنٹ پلیز.....!“ حاکم علی نے آخر میں نور یہ کو ہاتھی نظروں سے
دیکھا تو وہ خائف ہو کر جویریہ کے ساتھ لگ گئی۔

”جو جی.....! میں اسے نہیں جانتی، پتا نہیں کون ہے.....؟“
”پلیز.....! صرف دومنٹ آپ میری بات سن لیں.....! میں کب سے آپ کو تلاش کر رہا
ہوں۔“ حاکم علی نے پھر اس سے کہا تو اسے ایک دم وہ ہراسہ شخص یاد آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مزید
خوفزدہ بھی ہو گئی۔

”جو جی.....! جو جی یہاں سے چلو۔ عباد بھائی سے کہو واپس چلیں.....!“
عباد حسن نے ایک نظر اس کے خوفزدہ چہرے پر ڈالی پھر حاکم علی سے بولے۔
”ایک سیکیورٹی مسٹر.....! آپ مجھ سے بات کریں۔ کیا چاہتے ہیں آپ.....!“
”میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ حاکم علی نے بڑے آرام سے اس کی طرف اشارہ کیا تو عباد
حسن بہت ضبط سے پوچھنے لگے۔

”آپ جانتے ہیں اسے.....؟“

ہے۔ اسی لیے اب اے اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ ذہن بُری طرح جھج رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا ہر شے تہیں نہیں کر ڈالے۔ ایسے ہی کھولتے ہوئے ذہن کے ساتھ گھبراتے ہی اُس نے روٹی کو فون کر ڈالا۔

”اب کیا ہے.....؟“ روٹی نے غالباً اپنے سی ایل آئی پر اُس کا نمبر دیکھ کر فون اٹھا یا تھا جب ہی اُستائے ہوئے کچے میں بولی تھی لیکن حاکم علی کو اس سے غرض نہیں تھی اُسے صرف اپنی بات کہنی تھی۔

”سنو.....! نور جہاں سے کہنا اُس نے مجھے جھٹلا کر اچھا نہیں کیا اور وہ کب تک جھٹلائے گی مجھے.....؟ میں اُسے سارے زمانے میں رُسوا کر دوں گا۔ وہ صرف میرے نام سے پہچانی جائے گی صرف میرے نام سے۔“ اس کے ساتھ ہی اُس نے ریسیور فون دیا۔

○○○

نور یہ گھر آتے ہی اپنے کمرے میں بھاگ آئی اور بیڈ پر گر کر باقاعدہ رونے لگی۔ چند لمحوں بعد جویریہ اُس کے پیچھے آئی اور اُسے اس شدت سے رونا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

”نور.....! خدا کے لیے میری بات سنو.....!“ جویریہ نے اُسے کندھوں سے تھام کر اُونچا کیا اور اپنے ہاتھوں سے اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”اگر تم اُس پاگل آدمی کی باتوں سے ڈر کر رو رہی ہو تو بہت ہی بے وقوف ہو۔ پتا نہیں کس کے دھوکے میں وہ تمہیں پکار رہا تھا۔“

اُس کا دل چاہتا ہے کہ وہ وہی پراسرار شخص ہے لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش رہی۔

”چلو اٹھو.....! منہ ہاتھ دھو لو۔ اگر ای آگئیں تو تمہاری روتی شکل دیکھ کر کتنی پریشان ہوں گی۔“

جویریہ اُس کا ہاتھ ہلا کر بولی۔

”جو جی.....! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ پھر رو ہنسی ہو گئی۔

”کیوں.....؟ کس بات سے.....؟ کیا تم نور جہاں ہو.....؟ نہیں ناں.....! پھر کیوں پریشان ہو رہی ہو.....؟“ جویریہ ڈانٹ کر بولی۔

”پریشانی کی بات ہے جو جی.....! آج تو تم اور عباد بھائی تھے کل اگر جمایوں کے سامنے اُس نے میرا راستہ روک لیا تو.....؟“ وہ زیادہ اس خدشے سے خوفزدہ تھی لیکن جویریہ نے اسے کوئی اہمیت ہی نہ دی۔

”تو کیا ہوا.....؟ تمہیں اپنے آپ پر بھروسہ ہونا چاہیے اور دیکھو یہ ڈر اور خوف اُسی وقت ہوتا ہے جب ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو اور ہم اسے چھپانا چاہیں۔ تمہارے ساتھ تو ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے پھر کیوں.....؟“ جویریہ نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ جزبہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں منہ ہاتھ دھو لوں.....!“

”ہاں.....! یہ نور ہیں.....! نور جہاں.....! میں ان سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔“ حاکم علی نے کہا تو اب عباد حسن کسی طرح خود پر قابو نہ پاسکے۔

”شٹ آپ.....! شی ازناٹ نور جہاں.....! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”نہیں.....! مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، آپ ان سے پوچھیں ہم پہلے مل چکے ہیں۔ نور جہاں.....!“

بتاؤ انہیں.....! حاکم علی غالباً اب کسی قیمت پر اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا جب ہی اُسے نہ راستے کا خیال تھا نہ اپنی اور اُس کی پوزیشن خراب ہونے کا۔

”عباد بھائی.....! میں اسے نہیں جانتی۔“ اُس کے حلق سے بمشکل پھنسی پھنسی آواز نکلی تو عباد حسن اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

”ریلیکس بیٹا.....! تم کیوں پریشان ہو رہی ہو، چلو گاڑی میں بیٹھو۔“ انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اُسے بٹھایا پھر پلٹ کر درنگ کے انداز میں حاکم علی سے بولے۔

”شی ازناٹ نور جہاں.....! انڈر اسٹینڈ.....!“

”میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔“ حاکم علی کی نظریں نور یہ پر جمی تھیں اور اُس نے یوں نفی میں سر ہلایا جیسے عباد حسن جھوٹ کہہ رہے ہوں۔

عباد حسن نے مزید ٹکرا نہیں کی اور جویریہ کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آئے تھے کہ حاکم علی ایک دم نور یہ کی طرف شیشے پر ہاتھ جما کر اُس سے کہنے لگا۔

”تم مجھ سے بھاگ نہیں سکتیں نور جہاں.....! میں تمہیں ہر موڑ پر ملوں گا۔“

وہ خوفزدہ تو پہلے ہی تھی اُس کی اس بات پر مزید ڈر کر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تو عباد حسن نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگے تھے کہ جویریہ نے ان کا بازو تھام لیا۔

”بس عباد.....! چلیں.....!“

”میں پہلے اس کا داغ ٹھکانے لگا دوں۔“

”نہیں عباد.....! پلیز.....! اتنا شائد بنا نہیں، بس چلیں.....! جویریہ کی منت پر انہوں نے گاڑی وینڈرٹ کر کے اسپید سے آگے بڑھائی تو حاکم علی اُچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔

○○○

حاکم علی نور یہ کا تعاقب کرنا چاہتا تھا لیکن اُس کی گاڑی پارکنگ میں پھنسی ہوئی تھی جہاں سے نکلنے میں اُسے پندرہ منٹ لگ گئے اور جب وہ مین روڈ پر آیا تب ظاہر ہے عباد حسن کی وائٹ کروٹ لگا کہیں نشان نہ تھا۔ پھر بھی وہ پاگلوں کی طرح سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ اس وقت وہ بہت جنونی ہو رہا تھا کیونکہ بے بس اور مایوسی کا اُس کی زندگی میں کبھی دخل نہیں رہا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا حاصل کر لیتا تھا۔ یہ خیال تو اُسے کبھی چھو کر بھی نہیں گزرا تھا کہ کسی موڑ پر اُسے مایوس بھی ہونا پڑے گا یا کوئی چیز اُس کی دسترس سے باہر بھی ہو سکتی

لو.....! روٹی نے ہلکے پھلکے انداز میں گویا اُسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

”اچھا..... تم مجھے اُس کا نمبر دو.....!“ اُس نے کہا۔

”کیوں..... تم کیا کرو گی.....؟“ روٹی یک دم تیز ہو کر بولی۔

”کچھ نہیں.....! بس تم نمبر بتاؤ.....!“

”نہیں اور.....! میرا خیال ہے تم.....“

”تم نمبر بتاؤ.....! ورنہ میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔“ اُس نے روٹی کی بات کاٹ کر دھمکی

آ میرے لیے میں کہا تو روٹی نمبر لکھوا کر پھر اُسے سمجھانے لگی۔

”دیکھو نور.....! یہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ اب جبکہ تمہاری شادی ہو رہی ہے تو اپنے لیے کوئی

مسئلہ کھڑا مت کرو۔“

”کوئی مسئلہ نہیں ہوگا بلکہ میں اس مسئلے کو یہیں ختم کر دیتا چاہتی ہوں، اوکے.....! پھر تم کل آرہی

ہو ناں.....؟“

”کل نہیں.....! پرسوں.....!“

”ٹھیک ہے.....! میں انتظار کروں گی۔“ اُس نے کریدل پر ہاتھ رکھ کر سلسلہ منقطع کیا پھر چند لمحوں

سوچنے کے بعد ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں آئی اور دراز میں سے اپنا نیا موبائل نکال کر حاکم علی کے نمبر

پیش کرنے لگی۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی اور ہر بیل کے ساتھ کبھی اُس کا دل زور سے دھڑکتا کبھی ڈوبتا

ہوا محسوس ہوتا اور جب اُس کی بھاری آواز سماعت سے ٹکرائی تب وہ ساری ہمت یکجا کر کے بولی۔

”میں نور ہوں.....! نور جہاں.....!“

”نور.....! نور جہاں.....!“ ادھر حاکم علی یقین و غیر یقینی کی کیفیت میں پکارے گیا۔

”ہاں.....! نور جہاں.....!“

”کیا چاہتے ہو تم.....!“ اُس کا لہجہ آپ ہی آپ تیز ہو گیا۔

”تم..... تمہیں.....! صرف تمہیں.....!“ حاکم علی جانے مد ہوش تھا یا مد ہوشی ٹوٹ رہی تھی۔

”تم شاید ہوش میں نہیں ہو.....!“ اُس نے کہا تو وہ جیسے بکھر گیا۔

”ہاں.....! جب سے تمہیں دیکھا ہے تب سے ہوش کھو بیٹھا ہوں۔“

”مجھے اس سے غرض نہیں کہ تم ہوش میں ہو یا ہوش کھو بیٹھے ہو۔ پھر بھی اس وقت ہوش میں آ کر

میری بات سنو کہ تم ہر موز تو کیا ہر قدم پر بھی میرے سامنے آؤ گے تو میں تمہیں ٹھوکر ماریں گی کیونکہ مجھے

نفرت ہے تم سے، تم جیسے لوگوں سے، سب سے تم.....!“ وہ بے پناہ خنجر سے بول رہی تھی اور ابھی مزید کچھ کہنا

چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

”سمجھ گیا اور تم بھی سمجھ لو کہ تم میری ضد بن چکی ہو اور جو میری ضد بن جائے اُس کے لیے پھر اس

”میں بھی نیچے جا رہی ہوں اور دیکھو اب رونا مت.....! یہ تمہارے رونے کے دن نہیں۔“ آخر

میں جویریہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کا گال چھوا وہ جھینپ کر بولی۔

”اچھا بس.....! اب جاؤ.....!“

جویریہ ہنستی ہوئی چلی گئی تو اُس نے واش روم کا رخ کیا اور دل کھول کر کتنی دیر چہرے اور آنکھوں پر

ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی رہی۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔ رونے کے باعث آنکھیں سرخی مائل ہو

رہی تھیں۔

”یہ تمہارے رونے کے دن نہیں ہیں۔“ جویریہ کی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کئی بات یاد آنے پر

وہ ذرا سا مسکرائی پھر سوچنے لگی۔

”وہ شخص کون ہے.....؟ کیا چاہتا ہے مجھ سے.....؟ کیوں میرا تعاقب کر رہا ہے.....؟ اور میں

کیوں اُس سے ڈر رہی ہوں.....؟ اگر میں کسی مجبوری کے تحت اس کے گھر میں داخل ہو گئی تھی تو یہ کوئی گناہ

تو نہیں تھا جس پر میں نام یا خائف ہوں۔ مجھے ڈرنا نہیں چاہیے بلکہ اُس کا سامنا کرنا چاہیے۔ ہاں.....!

مجھے یہی کرنا چاہیے۔“ وہ ایک دم فیصلہ کر کے واش روم سے نکل آئی۔ پہلے امی ڈیڈی کے کمرے میں

جھانک کر دیکھا پھر لابی میں آ کر روٹی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”میں ابھی تمہاری شادی کا کارڈ دیکھ رہی تھی۔“ ادھر سے روٹی نے ریسیور اٹھاتے ہی کہا تو وہ

پوچھنے لگی۔

”پھر کب آرہی ہو.....؟“

”یار.....! ابھی تو میں نے تیاری بھی نہیں کی۔“ روٹی نے کہا۔

”کیا.....؟ تم تیاری کرتی رہ جانا ادھر میں رخصت ہو جاؤں گی۔“ وہ چیخی۔

”میرے بغیر.....!“ روٹی نے ٹوکا۔

”یہی لگ رہا ہے۔“

”جی نہیں.....! میں کل یا پھر پرسوں آ جاؤں گی اور پھر تمہیں رخصت کر کے ہی واپس آؤں گی۔“

روٹی نے کہا تو وہ اصل بات کی طرف آ گئی۔

”اچھا سنو.....! پھر اُس کا فون تو نہیں آیا تھا.....؟“

”کس کا.....؟“ روٹی غالباً فوراً سمجھی نہیں تھی۔

”وہی جو میرے بارے میں پوچھتا ہے.....!“ اُس کا لہجہ آپ ہی آپ دھیما ہو گیا تھا۔

”ہاں.....! آیا تھا، ابھی شام ہی میں.....“ روٹی نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ اس نے فوراً پوچھا۔

”کیا..... کیا کہہ رہا تھا.....؟“

”وہی کہو اس کہ تمہارا آنا پتا چاہیے۔ عجیب پاگل آدمی ہے۔ خیر.....! تم اُسے سیریس مت

”تو تم نے ہمایوں کو فون نہیں کیا تھا۔؟“

”کیسی بے وقوفوں والی باتیں کر رہی ہو، کیا میں ایسی فضول حرکت کر سکتا ہوں۔؟“ اُس نے کہا

تو وہ بے ساختہ ہنس کر بولی۔

”نہیں۔۔۔!“

”تھینک گاڈ! تم ہنس تو۔۔۔!“ نعمان نے گہری سانس کھینچ کر کہا تب ہی ڈھولک بجنے کی آواز

آنے لگی تو نور یہ چونک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”یہاں سے کوئی نظر نہیں آئے گا، نیچے چلو۔۔۔!“ وہ پھر گردن موڑ کر اُسے دیکھنے لگی۔

”اُسے مت دیکھا کرو۔۔۔!“ مجھے اُلجھن ہونے لگتی ہے۔ چلو نیچے سب تمہیں بلارہے ہیں۔“ وہ کہہ

کر جانے لگا کہ اُس نے پکار لیا۔

”نومی۔۔۔!“

”ہوں۔۔۔!“ وہ ٹک گیا۔

”نیچے کون کون ہے۔؟“ اُس نے پوچھا تو وہ اُس کی طرف پلٹ کر بتانے لگا۔

”سب ہیں۔۔۔! سفینہ پھوپھی بھی آگئی ہیں اپنی سب اولادوں کے ساتھ۔“

”ہیں۔۔۔! پھوپھو آئیں۔؟“ اُسے حیرت ہوئی۔

”ابھی کچھ دیر پہلے۔۔۔! اور تم حیران کیوں ہو رہی ہو۔؟“ نعمان نے پوچھا۔

”پھوپھو اصل میں تمہارے سرال والوں کی پوری انکوائری کر رہی ہیں جب اس کام سے فارغ

ہوں گی تب انہیں تمہارا خیال آئے گا۔“ اُس نے حیرت میں ڈوبی نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور انیلا۔۔۔! صبیحہ۔۔۔!“ اُس نے پھوپھو کی بیٹیوں کے بارے میں پوچھا۔

”وہ سب وہاں کمرے میں ہیں، تم چلو ناں۔۔۔!“ نعمان نے پھر چلنے پر اصرار کیا۔

”میں نہیں جا رہی، مجھے نیند آرہی ہے۔“ وہ سستی سے بولی۔

”ارے واہ۔۔۔! سارا اہتمام تمہارے لیے کیا گیا ہے اور تم۔۔۔! چلو فوراً۔۔۔!“ نعمان نے آگے

بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

”نومی پلیز۔۔۔! میں سونا چاہتی ہوں۔“

”فلا۔۔۔! تمہاری آنکھوں میں خند کا شائبہ تک نہیں البتہ سنہری خوابوں کا عکس جھلکا رہا ہے۔“ وہ

اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

”ایسے ہی خواہ مخواہ۔۔۔!“ وہ نظریں چراگئی۔

”ادھر میری طرف دیکھو۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔! بس تم جاؤ۔۔۔!“

شادی دنیا میں کہیں امان نہیں۔“

”تازم۔۔۔!“ اُس کے تنفر میں طنز کے ساتھ شاید کچھ حیرت بھی سمٹ آئی تھی۔

”ہاں۔۔۔! اور یہ صرف زبانی زعم نہیں ہے، آزما کر دیکھ لو۔“ حاکم علی تقیر سے بولا تو وہ پھر ہنسی

”مجھے کیا ضرورت ہے کسی ایسے غیرے کو آزمانے کی۔؟“

”میں ایرا غیر انہیں ہوں نور جہاں۔۔۔! بار بار میری تو جین مت کرو۔۔۔!“

”تم اسی قابل ہو اور سنو۔! میں نور جہاں نہیں ہوں۔“ نور یہ نے یہ کہہ کر نہ صرف موبائل آف

کیا بلکہ لاک کر کے الماری میں بند کر دیا۔

○ ○ ○

رات میں نعمان نے سب کزنز کو اکٹھا کر کے اُن کے درمیان ڈھولک لارکھی۔ پھر مریم اور ردا کی

طرف رخ موڑ کر کہنے لگا۔

”جب نور یہ کی شادی طے ہوئی تھی اُسی وقت تم لوگوں کو ڈھولک سنبھال لیتی چاہیے تھی۔ کیا سوچے

گی نور کہ اُس کی شادی سے ہم سب خوش نہیں ہیں۔“

”ہاں۔۔۔! نہیں ہیں۔۔۔!“ ردا بے اختیار کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔!“ نعمان ردا کو گھورنے لگا تو وہ گڑبڑائی۔

”سوری بھائی۔۔۔! بس یونہی میرے منہ سے نکل گیا۔“

”آئندہ بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔۔۔!“ نعمان نے سخت لہجے میں تنبیہ کی۔

”پلیز نومی۔۔۔! موڈ خراب مت کرو، ہم سب خوش ہیں۔“ مریم نے کہا۔

”تو سنبھالو ڈھولک۔۔۔! پتا ہی نہیں چل رہا کہ یہ شادی کا گھر ہے۔“ وہ ڈھولک کی طرف اشارہ کر

کے بولا۔

”نور یہ کو بھی بلاؤ ناں۔۔۔!“ مریم نے ڈھولک اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

”میں اُسے لے کر آتا ہوں۔“ وہ کہہ کر کمرے سے نکلا اور سیدھا بیڑھیال پھلانگتا ہوا اوپر آ گیا۔

نور یہ کھڑکی کے قریب کھڑی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

”بیلو۔۔۔!“ نعمان نے دروازے کے قریب ٹک اُسے متوجہ کیا تو وہ پلٹ کر بے دھیانی میں اُس

دیکھ گئی۔

”ابھی تک ناراض ہو۔۔۔!“ وہ اُس کی خاموشی سے یہی سمجھا۔

”ابھی تک کیا مطلب۔۔۔! میں پہلے کب تم سے ناراض تھی۔؟“ وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

”آئی ایم سوری۔۔۔! کہ مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ تم نے بات ہی ایسی کہی تھی۔“ اُس نے کہا تو وہ

بظاہر سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

کاپ رہی تھیں۔
”تو عید کا چاند ملے ہے، کہلوادو سب کو۔ عید کے چوتھے دن حاکم سہرا باندھے گا۔“ سردار ہاشم علی نے اسی وقت دن تاریخ کا اعلان کر دیا پھر پوچھنے لگے۔
”بیٹیوں نے کب آنے کو کہا ہے؟“
”بچوں کے امتحان..... بے بے اسی قدر کہہ سکیں۔“
”ہاں.....! ٹھیک ہے.....! بچے امتحانوں سے فارغ ہو جائیں پھر رمضان میں سب کو ادھر ہی بلا لینا اور سن.....! چاندنی کا اسکول جانا بند کر بہت پڑھ لیا اُس نے۔“ سردار ہاشم علی اس وقت غصے میں تھے جب ہی بے بے نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ بس خاموشی سے انہیں دیکھتی رہ گئیں اور جب وہ زمینوں پر جانے کے لیے روانہ ہو گئے تب بھاگی ہوئی چاندنی کے پاس آ کر بولیں۔
”چاندنی.....! ذرا حاکم کے کافون تو ملا دے.....!“
”میں.....!“ چاندنی حیران ہوئی پھر بے بے کی گھبراہٹ دیکھ کر پوچھنے لگی۔
”کیا ہوا ہے.....! تو پریشان کیوں ہو رہی ہے؟“
”کچھ نہیں.....! بس ٹو فون ملا دے.....!“ بے بے نے ٹالا لیکن وہ اڑ گئی۔
”نہیں.....! پہلے بتا کیا بات ہے؟“
”ہر بات تیرے بتانے کی نہیں ہوتی۔“ بے بے نے ڈانٹا تو وہ منہ پھلائے ٹیلی فون کے قریب آئی لیکن پھر حاکم کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس کا دل دھڑکنے لگا اور جب ساعت سے اُس کی آواز نکرائی جب اُس نے گھبرا کر ریسپونڈ کیا تو نے اپنے بابا سے.....“ بے بے چھوٹے ہی شروع ہو گئیں۔
”حاکم.....! کیا کہا ہے تو نے اپنے بابا سے؟“ بے بے چھوٹے ہی شروع ہو گئیں۔
”وہ غصے ہو رہے تھے۔ بس جلدی آ جا.....!“
”میں فوراً نہیں آ سکتا ہے.....!“ حاکم علی نے کہا تو بے بے تیز ہو کر بولیں۔
”کیوں.....! کیوں نہیں آ سکتا؟“
”بس.....! ابھی میں خود پریشان ہوں۔“ اُس نے کہا تو بے بے اُس کی پریشانی کا سن کر ایک دم نرم پڑ گئیں۔
”کیا پریشانی ہے پھر.....! مجھے بتا.....! میں مرشد سائیں سے کہوں گی۔“
”نہیں نہیں.....! کوئی ایسی بات نہیں ہے بے بے.....!“ وہ ٹال گیا۔
”بتا پھر.....! کاروبار میں گھانا ہو گیا ہے کیا؟ چل دفع کر، نہ ادھر اپنا مغز کھپا، ادھر آ جا.....! کوئی کمی توڑا ہی ہے تجھے.....!“ بے بے اپنی سمجھ کے مطابق قیاس کر کے مشورہ بھی دینے لگیں تو وہ اکتا کر بولا۔

”تمہارا اعتراف لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔“ وہ اڑ گیا تو وہ ایک نظر اسے دیکھ کر پھر اُس کی طرف سے زرخ موڑ گئی۔
”تمہارے سامنے اعتراف کیوں کروں.....؟ تم.....“
”ارے.....! اب یہ مت کہہ دینا کہ میں تمہارا لگتا ہی کیا ہوں.....؟“ وہ اُس کی بات کاٹ کر بولا تو وہ ہنس پڑی۔
”نہیں.....! تم تو میرے سب سے اچھے دوست ہو.....!“
”تو پھر اچھے دوست کو یہ اطمینان تو دو کہ تم خوش ہو.....!“
”کیا میں تمہیں خوش نظر نہیں آ رہی.....؟“ اُس کے چہرے پر اندرونی خوشی چمک رہی تھی۔
وہ چند لمحوں سے دیکھتا رہا پھر سویٹ ڈریز کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔
○○○
بے بے بہت شوق سے حاکم علی کی شادی کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں۔ اپنی بیانی بیٹیوں کو بھی انہوں نے پیغام بھیج دیئے تھے کہ وہ جلدی آ جائیں اور اُن کا ہاتھ بٹائیں لیکن سب کی طرف سے ایک ہی جواب تھا کہ بچوں کے امتحانوں سے فارغ ہو کر آئیں گے جس پر بے بے جھنجھلائی ہوئی تھیں۔
”امتحان تو پھر آ جائیں گے۔ حاکم کی شادی تو ہوا ہی بار بار ہوگی۔“
”تو حاکم کون سا بھی آ رہا ہے۔“ بے بے کی بڑبڑاہٹ سن کر سردار ہاشم علی نے تیز لہجے میں کہا۔
”نہیں.....! حاکم علی بھی نہیں آ رہا۔ کیا کہتا ہے کب آئے گا.....؟“ بے بے چوکت کر بولیں۔
”اگلے مہینے کا کہا ہے اور وہ بھی یقین سے نہیں کہا۔“ سردار ہاشم علی نے بتایا۔
”ہائے.....! تو شادی کیسے ہوگی.....؟ اور میں ایسے ہی تیاریوں میں لگی ہوں۔“ بے بے پریشان ہو کر بولیں۔
”تو بخاری نہ روک حاکم کی ماں.....! حاکم کو میں دیکھ لوں گا، بہت سرچڑھ گیا ہے۔ نہیں آئے گا تو بندے بھیج کر اٹھوا لوں گا اُسے۔“ سردار ہاشم علی زندگی میں پہلی بار حاکم پر ناراض ہو رہے تھے جب ہی بے بے دہل گئیں۔
”کیوں نہیں آئے گا.....؟ شادی ہے اُس کی ضرور آئے گا۔“
”میری غلطی ہے، بہت ڈھیل دے دی میں نے اُسے۔“ سردار ہاشم علی بے بے کی بات پر توجہ دینے بغیر اپنی کہے گئے۔
”شروع سے اُس نے جو کہا مان لیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ میرا بھی باپ بن جائے۔ میں اگر اُس کی ہر بات مان سکتا ہوں تو اپنی بھی منوا سکتا ہوں۔ بتا کب کرنی ہے اُس کی شادی.....؟“
”مم..... میں..... میں کیا بتاؤں.....؟ آپ ہی طے کرو گے.....!“ بے بے اُن کے غصے سے

”جاؤ.....! پہلے برش کرو.....! بلکہ جلدی تیار ہو جاؤ.....! سونیا کی برتھ ڈے میں جانا ہے۔“
”ارے.....! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آج سونیا کی برتھ ڈے ہے۔ چلو.....! تم فضل دین سے
چائے کا کپو میں شاور لے کر آتا ہوں۔“ وہ کہتا ہوا وارڈروب کی طرف بڑھ گیا اور نئی اس کے کمرے سے
نکل گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد جب وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو نئی چائے کے ساتھ اس کی منتظر تھی۔
”جلدی آؤ سردار.....! ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔“ نئی نے کہتے ہوئے اسے دیکھا تو اس پر سے
نظریں ہٹانا بھول گئی۔

”کیا میں ہمیشہ سے زیادہ پیئڈ سم لگ رہا ہوں۔“ وہ شرارت سے آنکھ بند کر کے مسکرایا تو نئی
جھینپ کر بولی۔

”تم جتنے اچھے ہو سردار.....! اتنے ہی بُرے.....!“

”ہا ہا ہا.....!“ اس نے حسب عادت قبضہ لگایا پھر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”تم نے اچھے سے دوستی کی ہے یا بُرے سے.....؟“

”جب ہماری دوستی ہوئی تھی تب میں تمہاری اچھائیوں اور بُرائیوں سے آگاہ نہیں تھی۔“ نئی نے
صاف گوئی سے کہا۔

”اب تو آگاہ ہو گئی ہو.....!“ وہ فوراً بولا۔

”زیادہ نہیں.....! خیر چلو.....!“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو حاکم علی نے چائے کا کپ خالی کر کے رکھ دیا
پھر وہ بیس منٹ بعد اپنے کواپنے جانے کا تیار کر لئی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

سونیا نے اپنی برتھ ڈے پارٹی کا اہتمام اپنے گھر پر ہی کیا تھا۔ وہ بہت حسین اور الزما ڈرن لڑکی
تھی۔ غضب کی ڈرینگ کرتی تھی یا پھر جامہ زیبیت اس پر ختم تھی جو ڈریس پہن لیتی، لگتا تھا صرف اسی
کے لیے بنا ہے۔

شروع میں حاکم علی اس کے لیے سنجیدہ ہوا تھا یعنی اپنی شریک سفر کے لیے اسے سوچنے لگا تھا لیکن
جب وہ اس کی دسترس میں آگئی تب اس نے اس سے شادی کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ وہی بات کہ کوئی بھی
شے جب تک ہماری دسترس سے باہر ہوتی ہے ہمارے لیے اہمیت رکھتی ہے اور جب بغیر کسی تنگ دود کے
حاصل ہو جائے تو جیسے کبھی وہ اہم تھی ہی نہیں! اور سونیا جانے یہ بات سمجھتی نہیں تھی یا اسے اپنے بے پناہ
حسین ہونے کے زعم میں یہ یقین تھا کہ حاکم علی اس سے ہٹ کر سوچ ہی نہیں سکتا اور اس کا یہ یقین جج
عزت ہو سکتا تھا اگر جو وہ حاکم علی کے بیڈروم کی زینت نہ بنتی۔ بہر حال اس وقت بھی وہ سیاہ چمکیلے لائٹ
اسکرٹ میں غضب ڈھاری تھی۔

”لو لنگ ویری بیوٹی فُل.....!“ ہمیشہ کی طرح حاکم علی نے سونیا کو سراہا۔

”کوئی نئی بات کرو.....!“ وہ اتر کر بولی۔

”چھوڑیں بے بے.....! یہ بتائیں بابا کیوں غصے ہو رہے تھے.....؟“

”تو نے جو آنے کو منع کیا ہے.....!“

”میں نے منع تو نہیں کیا۔ ہاں.....! یہ کہا تھا کہ اگلے مہینے آؤں گا۔“

”نہ تو اس سے پہلے آ کر اپنے بابا کو منا جا۔ نہیں تو وہ روز مجھ پر غصہ کرتا رہے گا۔“ بے بے نے کہا تو
وہ کسی تکرار سے بچنے کی خاطر بولا۔

”اچھا.....! ٹھیک ہے.....! آ جاؤں گا.....!“

”اور سن.....! عید کے چاند تیری شادی رکھی ہے عید کے چوتھے دن..... سن رہا ہے ناں.....!“

”سب سن رہا ہوں بے بے.....! سب سن لیا ہے.....!“ حاکم علی نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں
کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بے بے کچھ دیر ہیلو ہلو کرتی رہیں پھر ریسوررک کر ٹیلیس تو چاندنی کو کھڑے دیکھ
کر بلا ارادہ ٹوک گئیں۔

”تو یہاں کیا کر رہی ہے.....؟“ پھر خود ہی کہنے لگیں۔

”مجھے تو حاکم پریشان لگ رہا تھا۔ پتا نہیں کیا بات ہے.....؟ بتاتا بھی نہیں.....! کیا کروں.....؟
مُرشد سائیں کے پاس جاتی ہوں، وہی اس کے لیے دعا کریں گے، تو چلے گی.....!“ چاندنی سے پوچھا تو
وہ نئی میں سر ملاتی ہوئی بیڈ پر جا بیٹھی۔

”چلے چلی.....! اچھے بھی دم کر دیں گے مُرشد سائیں.....!“

”مجھے کیا ہوا ہے.....؟ ایسے ہی خواہ مخواہ.....!“ چاندنی کے جھجھکانے پر بے بے خاموش ہو رہی۔

○ ○ ○

حاکم علی کے اندر پہلے ہی نور یہ کفون نے آگ لگا رکھی تھی اور اب بے بے نے شادی کی جلدی
مچا کر اسے مزید بھڑکا دیا تھا۔ گو کہ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا پھر بھی اس وقت بُری طرح چکرایا ہوا
تھا۔ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اپنے اندر کا غبار کس پر نکالے۔ ملازم فضل دین کو کچھ دیر پہلے وہ کسی
کام سے بھیج چکا تھا وہ اسی کی شامت آ جاتی۔ کچھ دیر ٹھہریاں بیٹھنے وہ ادھر سے ادھر ٹھہرتا رہا پھر ریک کھول
کر بوتل نکال لی۔ پہلے وہ شوقیہ ڈرک کرتا تھا لیکن اس وقت اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس نے
بوتل منہ سے لگائی تو پھر خالی کر کے جب بھینگی تو اس کی آنکھوں کے سامنے دائرے دائرے بننے لگے۔

”نور جہاں.....! نور جہاں.....! میرے پاس آؤ.....!“ وہ مدہوشی میں بھی اسے پکار رہا تھا اور
یونہی پکارتے پکارتے تیار کیوں میں ڈوب گیا۔ پھر جب سرمئی شام زرخست ہو رہی تھی تب نئی نے آ کر
اسے چھوڑ کر اٹھایا اور اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر تاسف سے بولی۔

”تم خود کو تباہ کر رہے ہو سردار.....!“

”بڑا مزہ ہے اس تباہی میں۔“ وہ بولا تو اس کے منہ سے آتی ناگوار مہک سے نئی نے منہ موڑ لیا۔

اُس کے سامنے کر کے بولی۔

”سردار.....! تمہارا بچہ ہے.....!“ حاکم علی بالکل غیر ارادی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹا۔

”ڈرامت سردار.....! میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہی۔ میں تو سب لوگوں کے درمیان یہ اعتراف کر رہی ہوں کہ یہ ہماری محبت کی نشانی ہے اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی یا پچھتاوا نہیں۔ تمہیں بھی نہیں ہونا چاہیے۔“

”شٹ اپ سو نیا.....! شٹ اپ.....!“ وہ ایک دم پوری قوت سے چیخا۔

”چلاؤ مت سردار.....! میں تم سے زیادہ اونچی آواز میں چلا سکتی ہوں۔“

”تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتیں سو نیا.....!“ وہ دانت پیس کر بولا اور پھر زکا نہیں، راتے میں آئی ہر شے کو ٹھوکر مارتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا۔

○○○

بے بے حسب معمول فجر کی نماز کے بعد وہیں جائے نماز پر تسبیح لیے بیٹھی تھیں۔ وہ ہمیشہ سے فجر کی نماز چاندنی کے کمرے میں پڑھا کرتی تھیں۔ اصل میں وہ چاندنی کو بھی نماز کے لیے اٹھانے آتی تھیں لیکن وہ بے خبر کبھی فجر کے لئے نہیں اٹھی۔ تب بے بے وہیں جائے نماز بچھا لیتی تھیں پھر تسبیح کے دوران جب اُس پر نظر پڑتی تو پکار لیتیں۔

”اٹھ جا چاندنی.....! سویرے اٹھنا اچھا ہوتا ہے۔ رب راضی ہوتا ہے۔ کبھی رب کو بھی راضی کر لیا کر۔“ اس وقت بھی وہ یہی کہہ رہی تھیں کہ اُن کی ساعتوں نے حاکم کی آواز سنی۔ وہ جانے کہاں سے پکار رہا تھا۔

”بے بے.....!“

”حاکم.....!“ بے بے نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا پر اپنا وہ ہم بھج کر سر جھکنے لگی تھیں کہ اونچی آواز میں پھر پکار آئی۔

”بے بے.....!“

بے بے تو ہڑبڑا کر اٹھیں۔ ادھر چاندنی نے بھی گہری نیند سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

”آ رہی ہوں حاکم.....!“ آ رہی ہوں.....!“ بے بے نے جلدی سے جائے نماز پلیٹ کر رکھی اور اسی غلت میں کمرے سے نکلیں تو برآمدے میں کھڑے حاکم علی نے فوراً آگے آ کر انہیں بازوؤں میں تھام لیا۔

”میں صدقے.....! میں واری.....! اچھا کیا جو چلا آیا.....! باپ کو ناراض نہیں کرتے۔“ بے بے بولی جا رہی تھیں پھر اس کی خاموشی محسوس کر کے ایک دم الگ ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

”کیا ہوا ہے حاکم تجھے.....!“

”نئی بات.....!“ حاکم علی نے سوچتے ہوئے انداز میں نشی کو دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

”ڈیز فرینڈز.....! میں اپنی اس برتھ ڈے کو یادگار بنانا چاہتی تھی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ ہمیشہ سے ہٹ کر کوئی نئی بات ہو اور نئی بات یہ ہے کہ آج میں آپ سب کو گفٹ دوں گی۔

”واؤ.....!“ ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔ خوشی کا اظہار تھا۔

”پلیز.....!“ سو نیا نے کونے میں رکھی بڑی سی ٹیبل کی طرف اشارہ کیا جس پر بے شمار گفٹ پیکٹس رکھے تھے۔

”مجھے خوشی ہوگی اگر آپ سب اپنا اپنا پیکٹ اٹھا لیں.....!“ سو نیا نے پھر کہا تو سب ٹیبل کی طرف بھاگے جبکہ حاکم علی وہیں کھڑا کر دلچسپی سے سب کو اپنے نام کا پیکٹ ڈھونڈتے اور چھپتے دیکھ رہا تھا۔

”تم نہیں لو گے.....؟“ سو نیا نے حاکم علی کے قریب آ کر دھیرے سے کہا تو وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

”تم واقعی سردار ہو.....! اپنی شان کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے۔“ سو نیا کہہ کر آگے بڑھ گئی تو وہ سر جھکا کر پھر سب کو دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ ٹیبل خالی ہو گیا تو وہ اس خیال سے سب کے ہاتھوں کو دیکھنے لگا کہ اُس کے نام کا پیکٹ کس نے اٹھا لیا اور ابھی اُس کی نظریں سب کے ہاتھوں پر پھسل ہی رہی تھیں کہ سو نیا نے پھر سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”ہاں تو دوستو.....! کیسا لگا میرا سر پرانز.....!“

”زبردست.....!“ سب ایک ساتھ بولے۔

”تھیک یو.....! لیکن ابھی ایک گفٹ باقی ہے۔“ سو نیا نے کہا تو سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

”سردار کو نہیں ملا.....!“ نشی نے اپنا پیکٹ والا ہاتھ اونچا کر کے کہا۔

”مجھے معلوم ہے، میں نے خود سردار کے نام کا پیکٹ وہاں نہیں رکھا کیونکہ اسے میں اپنے ہاتھوں سے دینا چاہتی ہوں اگر آپ سب کو اعتراض نہ ہو تو.....!“ سو نیا کہہ کر سب کو دیکھنے لگی۔ کسی طرف سے اعتراض نہیں اٹھا تو وہ ایک منٹ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

”سردار.....! لگتا ہے تمہارے لیے کوئی اسپیشل گفٹ ہے.....!“ نشی نے حاکم علی کو مخاطب کر کے کہا تو وہ ہنس پڑا۔ ایسی ہنسی جو کچھ سمجھ نہ آنے پر بلاوجہ ہونٹوں پر آتی ہے۔

”مجھے تجسس ہو رہا ہے.....! کہاں چلی گئی سو نیا.....!“ نشی کی بے قراری پر وہ اُسے ٹوکنا چاہتا تھا کہ سو نیا آگئی جسے دیکھتے ہی سب میں اشتیاق پھیل گیا تھا۔

سو نیا دونوں ہاتھوں میں تقریباً چھ ماہ کے بچے کو اٹھائے سیدھی حاکم علی کے پاس چلی آئی اور بچہ

سے نکل آئی۔

”چاہ.....! ایسی چاہ سے چاہ بناؤں گی کہ حاکم یا دی رکھے گا۔“ وہ بہت مظلوم ہو رہی تھی۔ چاہے بنانے کے دوران مسلسل اپنے آپ سے بولتی رہی پھر چاہے کا کپ لے کر کچن سے نکلی تو بے بے ادھر ہی آ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولیں۔

”اوپر چلا گیا ہے حاکم.....!“

”پھر.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”میں تو اوپر چڑھ نہیں سکتی، جا تو ہی دے آ.....!“ بے بے نے کہا تو وہ حاکم کے سامنے جانے کے خیال سے ہی پریشان ہو گئی۔

”میں.....! میں جاؤں.....؟“

”چلی جا پتر.....! شاباش.....!“ بے بے کی منت پر وہ آمادہ تو ہو گئی لیکن اس کی ٹانگیں کا پٹنے لگیں۔

”بے بے.....! وہ ناراض تو نہیں ہوگا.....؟“

”ناراض کیوں ہوگا.....؟ تو چاہ دے کے چلی آنا، جا شاباش.....!“ بے بے نے پھر پکارا تو وہ کانپتی ٹانگوں سے بیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پھر محرابوں والے برآمدے میں آ کر اس کی کچھ میں نہیں آیا کہاں جائے کیونکہ ابھی بھی سب کمروں کے دروازے بند تھے۔ حاکم علی جانے کون سے کمرے میں تھا۔ وہ دھیرے دھیرے پھرتی ہوئی ابھی پہلے دروازے تک آئی تھی کہ اندر سے حاکم علی کے کھانسنے کی آواز پر اس نے بلا راؤ فوراً اینڈل گھا کر پورا دروازہ کھول دیا۔

سامنے بیڈ پر حاکم علی جوتوں سمیت نیم دراز تھا اور اس کی نظریں اسی طرف تھیں جب ہی دروازہ کھلنے سے وہ براہ راست اس کی نظروں کے سامنے آ گئی تو اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دیے لگیں۔ ہاتھ میں چاہے کا کپ لرزے لگا۔

”اندر آؤ.....!“ حاکم علی نے بہت نارمل انداز میں کہا پھر بھی وہ ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئی اور اس کے قریب کارز نیبل پر چاہے کا کپ رکھ کر فوراً واپس پلٹی اور دروازے تک آ کر جیسے بھاگ جانا چاہتی تھی کہ حاکم علی نے پکارا۔

”چاندنی.....!“

”جی.....!“ وہ رُک گئی۔ دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

”ادھر آؤ.....!“ حاکم علی نے بلایا تو وہ چند قدم واپس پلٹ کر سہی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”یہ اتنی خوفزدہ کیوں ہو.....؟ کیا مجھ سے ڈر رہی ہو.....؟“ حاکم علی نے نو کا تو اس کے حلق سے

”زمانہ دشمن ہو گیا ہے بے بے.....!“ وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

”ہیں.....! یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ کون دشمن ہو گیا ہے.....؟“ بے بے پریشان ہو گئیں۔

”کچھ نہیں بے بے.....! بس تھک گیا ہوں.....! آرام کروں گا.....!“ حاکم علی نے بات بنائی پھر پوچھنے لگا۔

”بابا کہاں ہیں.....؟“

”زمینوں پر گئے ہیں، کل آئیں گے۔ تو ایسا کرفون کر کے اپنے آنے کا بتا دے انہیں.....!“ بے بے نے بابا کے بارے میں بتا کر کہا تو وہ سستی سے بولا۔

”بتا دوں گا.....!“

”اچھا.....! آرام سے بیٹھ میں تیرے لیے لٹی لاتی ہوں.....“

”اوہو.....! بے بے.....! آپ کو پتا ہے میں لٹی نہیں پیتا۔“ وہ جھنجھلا گیا۔

”اچھا.....! میں چاہ (چائے) بنواتی ہوں۔“ بے بے اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں جب ہی لٹی پر اصرار کرنے کی بجائے فوراً چائے کا کہہ کر چاندنی کے کمرے میں آئیں اور اسے کھڑے دیکھ کر بولیں۔

”شکر ہے تو اٹھ گئی.....!“

”کیا ہوا.....؟“ وہ انجان بن کر پوچھنے لگی۔

”حاکم آیا ہے، چاہ بنانی ہے اس کے لئے۔ بیڑیاں تو کل سے بیمار پڑی ہے، جا تو بتا دے، جی زیادہ ڈال کر بنانا نہیں تو وہ پھینک دے گا۔“ بے بے جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

”بے بے.....!“ چاندنی نے انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

”تو اس کا انتظار بھی کرتی ہے پھر اس کے آنے سے پریشان بھی ہو جاتی ہے، کیوں.....؟“

”اس کے آنے سے پریشان نہیں ہوتی.....! اس کی باتوں سے اس کے غصے سے گھبراتی ہوں۔“ بے بے نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

”اب کس بات پر غصہ ہو رہا ہے وہ.....؟“

”میں نے لٹی کا کہہ دیا تھا۔ مت ماری جاتی ہے میری، بھول جاتی ہوں کہ وہ لٹی نہیں پیتا، چاہ پیتا ہے۔“

”چاہ.....! ہائے چاہ.....!“ چاندنی ”چاہ“ کا مطلب سمجھتی تھی جب ہی کچھ شرارت سے پوچھنے لگی۔

”کون سی چاہ بے بے.....!“

”وہی جو بے میں رکھی ہے، جا جلدی کر.....!“ بے بے نے اسے دھکیلا تو وہ ہنستی ہوئی کمرے

”میرے پاس فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں اور ہاں.....! میں اب سوؤں گی، مجھے نیند آ رہی ہے۔“ نوریہ نے تاکید کیجئے ہوئے کہا۔

”ارے واہ.....! ہم سب تمہارے لیے رات جگے منار ہے ہیں اور تم سوؤ گی..... ہرگز نہیں.....!“

انہلا اچھل کر بولی۔

”ہاں.....! چلو نیچے.....! آج ہم ڈھولک بھی تم سے بجوائیں گے۔“ صبیحہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر

کہنچا تو وہ امداد طلب نظروں سے مریم کو دیکھنے لگی۔

”میرا خیال ہے میں دادی سے پوچھ کر پھر اسے لے جاؤں گی۔ چلو جب تک تم پر یکیش شروع کرو۔“ مریم نے کہتے ہوئے ردا کو اشارہ کیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ہاں.....! چلو ہم لوگ چلتے ہیں۔“

”جاؤ شاہاش.....!“ روبی پھریٹ گئی اور ان سب کے جاتے ہی نوریہ کو دیکھ کر ہنسنے لگی۔

”ہنس کیوں رہی ہو.....؟“ نوریہ گھور کر بولی۔

”پیلے جوڑے میں اچھی لگ رہی ہو۔ ایسا کرو عروسی شرارہ بھی پیلے رنگ کالے لون“ روبی نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔

”وہ میں تمہاری شادی میں پہن لوں گی۔“ نوریہ اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

”ارے.....! میری شادی تو پتا نہیں کب.....“ فون کی بیل سے روبی کی بات اڑھوری رہ گئی۔

”جاؤ.....! ایکسکس کا فون ہے.....؟“

”میں جاؤں.....؟“ روبی سستی سے بولی تو وہ اسے گالیاں دیتی ہوئی خود ہی اٹھ کر لابی میں آ گئی۔

”ہیلو.....!“

”السلام علیکم.....!“ دوسری طرف ہمایوں تھا۔ اس کی آواز پہچانتے ہی سلام کیا تو وہ قدرے بوکھلا

”آپ.....!“

”کیوں.....! کیا میں فون نہیں کر سکتا.....؟“ اس نے کہا۔

”یہ میں نے کب کہا.....؟“ وہ سنبھل کر بولی۔

”چلیں.....! میں اس پر بحث نہیں کرتا۔ یہ بتائیں کیا کر رہی تھیں.....؟“ ہمایوں نے پوچھا تو وہ ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

”کچھ نہیں.....!“

”کچھ نہیں.....! یہ کون سا کام ہے.....؟“ اس نے کہا تو وہ پھر ہنسی۔

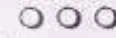
چنسی چنسی آواز لگی۔

”نن..... نہیں.....!“

”بے وقوف.....!“ حاکم علی نے سر جھٹک کر چائے کا کپ اٹھایا اور پھر اسے یوں نظر انداز کر دیا جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔ وہ چند لمحوں انتظار رہی کہ وہ اسے جانے کو کہے گا یا کوئی اور بات لیکن جب وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا تب ہمت کر کے اس نے خود ہی پوچھا۔

”میں جاؤں.....!“

”ہوں.....!“ حاکم علی نے چونک کر اسے دیکھا اور یونہی اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ اسے ہی جواب سمجھ کر فوراً پلٹ کر بھاگی۔



جب نوریہ بائیل کا پیلا جوڑا پہن کر ڈریسنگ روم سے نکل کر آئی تو کمرے میں مریم، ردا، انہلا اور صبیحہ کے ساتھ اس کی دوست روبی بھی موجود تھی جو اسے دیکھتے ہی شوخی سے بولی۔

”اویئے ہوئے.....! کیا ڈوپ چڑھا ہے.....!“

”شٹ آپ.....!“ اس کے اس انداز پر سب زور سے ہنسیں۔

”آؤ.....! یہاں بیٹھو.....!“ مریم اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

”یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کرے گی، نیچے لے چلو.....!“ صبیحہ نے کہا تو مریم سوچتے ہوئے بولی۔

”دادی سے پوچھنا پڑے گا۔“

”وہ منع نہیں کریں گی، چلو اٹھو.....!“ صبیحہ نے کہا تو وہ ہولت سے بولی۔

”نہیں صبیحہ.....! مجھے نہیں رہنے دو.....!“

”ہاں ٹھیک ہے.....! میں بھی یہیں ہوں اس کے ساتھ، بور نہیں ہونے دوں گی اسے۔“ روبی نے کہتے ہوئے گاؤنیکے سے ٹیک لگا کر بھرپار لپے۔

”بھئی.....! مجھے تو ڈھولک پینے میں بہت مزہ آتا ہے۔“ انہلا اٹھتی ہوئی بولی۔

”ہاں جاؤ.....! تم لوگ ڈھولک پر طبع آزمائی کرو ہم یہاں گزرے زمانے یاد کریں گے۔“ روبی کی بات پر مریم برا سامنا بنا کر بولی۔

”پھر تو تم اسے بوری کرو گی.....!“

”کیا مطلب.....؟“ روبی سیدھی ہو بیٹھی۔

”بھئی.....! یہ چند دن اسے آنے والے دنوں کے خواب دیکھنے دو، گزرے زمانے یاد کرنے کو تو، عمر بڑی ہے۔“ مریم کی وضاحت پر روبی نے فوراً تائید کرنے کے ساتھ نوریہ سے بھی تائید چاہی۔

”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو.....! کیوں نور.....!“

”ارے.....! شرم نہیں آتی.....! چار پانچ دن میں تمہاری شادی ہونے والی ہے۔“ روبی جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

”تو کیا ہوا.....؟ جس سے شادی ہونے والی ہے اسی سے تو بات کی ہے کسی اور سے تو نہیں.....!“ وہ بے نیازی سے اترائی۔

”آئے ہائے.....! یہ آج کل کی لڑکیاں، ذرا شرم جیا نہیں۔“ روبی نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا تو وہ ہنستی ہوئی اس کے برابر لیٹ گئی۔

”ہاں.....! تو کیا باتیں ہوئیں ہمایوں سے.....؟“ روبی نے اب معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”اوہہ.....! یہ نہیں بتاؤں گی.....!“

”کیوں.....؟“

”بس میری مرضی.....!“

”اچھا چلو.....! یہ بتاؤ تمہارا وہ کزن کہاں ہے.....؟ وہی جو اکثر تمہیں یونیورسٹی لینے آتا تھا، کیا بھلا سا نام ہے اس کا۔“ روبی سوچنے لگی کہ وہ بول پڑی۔

”نومی.....!“

”ہاں نومی.....! کہاں ہے وہ.....؟“

”نیچے ہوگا.....! کیوں؟ کوئی کام ہے.....؟“ اس نے ہٹا کر پوچھا۔

”نہیں.....! مجھے کیا کام ہوگا.....؟“

”پھر.....! وہ تمہیں کیسے یاد آ گیا.....؟“

”اے میرا خیال تھا تمہاری شادی اسی سے ہوگی۔“ روبی نے کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا.....!“ وہ سرزنش کے انداز میں بولی۔

”کوئی مطلب نہیں بس میں نے ایک بات محسوس کی تھی سو کہہ دی۔“ روبی نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا لیکن وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کیا.....! کیا محسوس کیا تم نے.....؟“

”میری کہ تم دونوں شاید ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو لیکن نومی کے بارے میں میں شاید نہیں کہوں گی بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں.....“

”بس.....! تمہارا یقین بالکل غلط ہے۔“ وہ فوراً روبی کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

”تم بے شک نہ مانو.....! میں نے بارہا نومی کی آنکھوں میں تمہارے لیے بہت خوب صورت جذبے دیکھے ہیں اور مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم.....! تمہیں نظر کیوں نہ آئے.....؟“ روبی اپنی بات سے شے کو تیار نہیں تھی جس پر وہ مزید چڑھ گئی۔

”بہت اہم.....!“

”پھر تو اس اہم کام کے دوران آپ کو میرا خیال بھی نہیں آتا ہوگا۔“ ہمایوں کے کچے میں ہلکی سی شوخی تھی۔ وہ خاموش رہی تو پکار کر بولا۔

”نور.....! ایک بات پوچھوں.....؟“

”ہوں.....!“

”اس تھوڑے سے عرصے میں آپ نے میرے بارے میں کتنا سوچا.....؟“

”نہ بہت زیادہ نہ بہت کم.....!“ وہ سوچ کر بولی۔

”ارے.....! وہ ذرا سا ہنسنا پھر پوچھنے لگا۔

”اچھا یہ بتائیں.....! آپ مجھے کیسا دیکھنا چاہتی ہیں۔ آئی مین اپنے شریک سفر کے بارے میں

آپ کا کیا تصور ہے.....؟“

”پہلے آپ بتائیں.....!“ اس نے فوراً بات اس پر ڈال دی۔

”میری ڈیمانڈ بہت مختصر ہے۔ یعنی محبت، وفاداری، ایمان داری۔“ وہ بغیر کسی تکرار کے بولا۔

”میں یہی چاہتی ہوں بس اس میں اعتماد کا اضافہ کر دیں۔“

”گڈ.....! اعتماد واقعی پہلی سیڑھی ہے۔“ ہمایوں نے تائید کی۔

”اور کیا بات آپ کو پریشان کرتی یا غصہ دلاتی ہے.....؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”ہوں.....!“ اس نے چند لمحے توقف کیا پھر کہنے لگی۔

”اگر کوئی میری سچائی اور ایمانداری پر شبہ کرے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے، ویسے ایسا ہوا کبھی نہیں۔

ایک منٹ مجھے یاد آیا، ایک بار ہو چکا ہے۔“

”کون.....! آئی مین کس نے شبہ کیا آپ پر.....؟“ ہمایوں پورے دھیان سے اسے سن رہا تھا۔

”کالج میں میری ایک دوست تھی۔“ اس نے بس اسی قدر بتایا۔

”پھر.....! آپ نے غصے کا اظہار کیسے کیا تھا.....؟“ ہمایوں نے پوچھا تو وہ ایک دم ہنس پڑی۔

”مائی گاڈ.....! آپ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی اخبار یا میگزین کے لیے میرا انٹرویو کر رہے

ہوں۔“

”چلیں.....! باقی انٹرویو بعد میں۔“ وہ بھی ہنسا۔

”اوکے.....! گڈ نائٹ.....!“ اس نے ریسیور رکھ دیا اور واپس کمرے میں آئی تو ابھی بھی اس

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جب ہی روبی مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

”کس سے بات کر کے آ رہی ہو.....؟“

”ہمایوں سے.....!“ وہ روبی سے بھلا کیوں شرماتی، کیوں چھپاتی۔

”آہم کیا تو.....!“

”جی.....! السلام علیکم.....!“ وہ ان کے گھٹنے چھو کر بولا۔

”وعلیکم السلام.....!“ سردار ہاشم علی نے صرف سلام کا جواب دیا۔ مزید جیتا رہ خوش رہ جیسی کوئی دُعا نہیں تو وہ ان کی ناراضگی محسوس کر کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، آخر وہ اُکتا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

”میرا خیال ہے آپ تھکے ہوئے آئے ہیں، آرام کریں.....!“

”بیٹھ جا حاکم.....!“ سردار ہاشم علی نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ ایک لحظہ کوٹھکا پھر بیٹھ کر سوالیہ انداز میں بولا۔

”جی.....!“

”بہت دل لگ گیا ہے تیرا شہر میں.....!“ سردار ہاشم علی نے ہنکارا بھرنے کے بعد کہا۔

”نہیں! وہاں دل لگتا ہے اور صرف دل لگنے کی بات نہیں ہے بابا.....! میں وہاں کام بھی کرتا ہوں۔“

”پتا ہے مجھے.....!“

”پھر آپ بار بار مجھے یہاں آنے پر مجبور کیوں کرتے ہیں.....؟“ وہ زچ ہو کر بولا تو سردار ہاشم علی تاسف سے اسے دیکھنے لگے۔

”تو تو میرے مجبور کرنے پر آتا ہے۔ تیرا اپنا دل نہیں چاہتا مجھ سے، اپنی ماں سے ملنے کو.....!“

تیری ماں جس کے سارے ارمان تھہ سے جڑے ہیں اس کا تجھے کوئی احساس نہیں.....؟“

”احساس نہ ہوتا تو آتا کیوں.....؟“ وہ روٹھے لہجے میں بولا۔

”بڑی مہربانی ہے تیر تیری.....! خیر.....! میں نے عید کے چاند میں تیری شادی طے کر دی ہے اور بیچ رمضان میں تو ادھر ہی آ جانا۔“ سردار ہاشم علی نے حکمیہ انداز اختیار کیا تھا۔

”جی.....! اور کوئی حکم.....!“

”نہیں.....!“ سردار ہاشم علی لیٹ گئے گویا مزید کچھ کہنا سننا نہیں تھا۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر بہت سست روی سے ان کے کمرے سے نکلا اور برآمدہ تیزی سے عبور کرنا چاہتا تھا کہ چاندنی کو دیکھ کر بلکہ اس کے پیروں میں بجتی پازیب کی آواز پر زک گیا۔

چاندنی راہ داری سے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی لیکن جب سامنے حاکم علی کو کھڑے دیکھا تو وہیں زک

رہی اور اس کے ساتھ پازیب کی مدھر آواز بھی گھم گئی تھی۔

”یہ تمہارے پیروں میں کیا ہے.....؟“ حاکم علی نے ایک انگلی سے پازیب کی طرف اشارہ کر کے

پوچھا۔

”جھا..... جھا.....! وہ ہشکل بولی۔

”تمہارا دماغ خراب ہے.....! میں نومی کو تم سے زیادہ جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ کے پسند کرتا ہے۔“ آخر میں اس نے مبالغے سے کام لیا۔

”اچھا.....! کون ہے.....؟“ روبی نے فوراً پوچھا۔

”ہے ایک لڑکی.....! اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور اب پلیز.....! اس کا بائیوڈیٹا مت پوچھنا

کیونکہ میں اس سے زیادہ نہیں جانتی۔“

”تم کچھ بھی نہیں جانتیں.....!“ روبی بے اختیار کہہ کر فوراً بات بدل گئی۔

”خیر.....! اب تو تمہاری شادی ہو رہی ہے، اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔“

”میلے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا.....!“ وہ سر جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی پھر لائٹ آف کر کے روبی کے

برابر آ لیٹی۔

○○○

حاکم علی اپنے بابا کی ناراضگی کے خیال سے نہیں آیا تھا بلکہ ذہنی سکون کی خاطر وہ سب سے الگ

تھلک ہو کر نہ صرف آرام کرنا چاہتا تھا بلکہ یکسوئی سے سوچنا بھی چاہتا تھا اور کوئی ایک سوچ نہیں تھی۔ سب

سے زیادہ شا کڈ وہ نوڑیہ کے رڈیے سے ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی اس سے اتنی متفر کیوں ہے اور وہ خود کیوں اس

کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ ایسی کیا بات ہے اس میں اور کوئی بات تو تھی کہ وہ کسی طرح بھی اس کی نفی نہیں کر

پارہا تھا۔ پھر سونیا نے نیا مسئلہ کھڑا کر دیا وہ بھی بالکل اچانک۔ اگر پہلے سے اسے سونیا کے ارادوں کی خبر

ہوتی تو وہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں اسے ذلیل کر کے رکھ دیتا جبکہ اب وہ خود بھاگ آیا تھا اور اس بات

سے ہری طرح تملایا ہوا تھا کیونکہ اس طرح سونیا کے گھر بلکہ شہر سے ہی چلے آنے سے اس کی پوزیشن

بہت آگورڈ ہو گئی تھی۔ یہ اسے اب احساس ہو رہا تھا اور ایسا اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ وہ تو اپنی

سوسائٹی میں بہت اسٹرونگ، بہت پاورفل مانا جاتا تھا۔

”کیا سوچیں گے سب لوگ کہ میں اتنی سی بات سے پریشان ہو گیا.....؟“ اس کے نزدیک یہ اتنی

سی بات تھی۔

”نہیں.....! میں پریشان نہیں ہوں، میں بتا دوں گا سب کو کہ سونیا نے مجھے اپنے جال میں پھانسنے

کی بھونڈی کوشش کی ہے۔ پتا نہیں کس کا بیچہ.....“ وہ سلگتے ہوئے دل و دماغ کے ساتھ سوچے جا رہا تھا کہ

دروازے پر دستک کے ساتھ بشیراں کی آواز آئی۔

”نصیب.....! اوڈے سردار جی آئے نے.....!“

”آ رہا ہوں.....!“ اس نے چونک کر آؤچی آواز میں کہا پھر تمام پر گندہ سوچوں کو جھٹکنے کی سعی کرتا

ہوا نیچے آیا تو سردار ہاشم علی نے ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کچھ ناراض انداز میں گویا

ہوئے۔

”ہوں.....!“ اس نے بند ہونوں کے اندر سے ہوں کی آواز نکالی۔

”کیا سوچ رہا ہے.....؟“ بے بے نے پھر اس کا سر ہلایا تو وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے بولا۔

”کچھ نہیں.....! آپ کی گود میں سکون مل رہا ہے۔“

”چل سو جا.....!“ بے بے اسے تھکنے لگیں اور واقعی کچھ دیر میں وہ سو گیا تھا۔

○ ○ ○

نور یہ کوروی زبردستی نیچے ہال کمرے میں لے آئی اور اسے گاؤنکے کے ساتھ بٹھا کر خود سریم وغیرہ کے ساتھ گانے میں شریک ہو گئی۔ ڈھولک کے ساتھ تالیوں کی گونج میں کسی کو نعمان کی آواز سنائی ہی نہیں دی جو دروازے میں آ کر جانے کیا کہہ رہا تھا۔ نور یہ نے نعمان کو دیکھا تو اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

”کیا ہوا نومی.....!“

”ان سے کہو ڈھولک بند کریں۔“ وہ کہتا ہوا آگے بڑھا اور سب کے درمیان سے ڈھولک اٹھالی۔

”یہ کیا بد تیسری ہے.....؟“ صبیحہ نے ٹوکا۔

”بس.....! اب یہ نہیں بے گی۔“

”کیوں.....؟ کیوں.....؟“ سب کے احتجاج پر نعمان نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش کرایا پھر

اپنے تئیں آواز دبا کر بولا۔

”وہ..... ہمایوں کا ایک سیٹنٹ ہو گیا ہے۔“

”ہائے نہیں.....!“

”کب.....؟ کب.....؟“ ملی جلی آوازیں تھیں۔ نعمان نے گھبرا کر نور یہ کو دیکھا۔

وہ ڈوہتے دل کے ساتھ دیوار تھام رہی تھی۔

○ ○ ○

”کیا.....؟“ وہ بالکل نہیں سمجھا۔

”جھا تجریں.....!“ چاندنی نے اب زور دے کر کہا۔

”یہ ابھی آواز انہی میں سے آرہی تھی.....؟“ اس نے پوچھا تو وہ زور زور سے گردن اثبات میں

ہلا کر بولی۔

”ہاں جی.....!“

”کیسے.....؟ چلو ذرا.....!“ اس نے چلنے کو کہا اور چاندنی واپس پلٹ کر بھاگتی چلی گئی۔

وہ حیران کھڑا اسے دیکھتا رہا اور جب وہ دائیں سمت مڑ کر اوجھل ہو گئی تو سر جھٹک کر بے بے کے

کمرے میں چلا آیا۔ بے بے بشر اس کو جانے کس بات پر ڈانٹ رہی تھیں۔ اسے دیکھا تو بشر اس کو جانے

کو کہا پھر اس سے پوچھنے لگیں۔

”مل لیا اپنے بابا سے.....!“

”ہوں.....!“ وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

”کچھ کہا انہوں نے تجھ سے..... ناراض ہوئے کیا.....؟“ بے بے نے اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں.....!“

”پھر تیرا مت کیوں اُتر ا ہوا ہے.....؟“ بے بے کی اس بات پر وہ جھنجھلا گیا۔

”آپ کو تو ایسے ہی لگتا ہے۔“

”ایسے ہی نہیں لگتا پتر.....! میں تیری ماں ہوں، کیوں مجھ سے ہر بات چھپاتا ہے.....؟“

پریشانی ہے.....؟“ بے بے نے محبت سے اس کا سراپتی گود میں رکھ دیا تو وہ بے بسی سے بولا۔

”آپ میری پریشانی دور نہیں کر سکتیں بے بے.....!“

”دُعا تو کر سکتی ہوں پتر.....! سنا ہے ماں کی دُعا میں تقدیر بدل دیتی ہیں۔“ بے بے نے اس کے

بالوں میں انگلیاں بھیرتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

”تو میری تقدیر میں اسے لکھوا دیں بے بے.....!“

”کسے.....؟“ بے بے ہنسی۔

”وہ جو میرا سکھ چین چا کر خود.....! احساس ہونے پر اس نے ہونٹ بھیجنے لئے تو بے بے کو اپنی

آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

”کس کی بات کر رہا ہے حاکے.....!“

اس نے جواب نہیں دیا اور آنکھیں بھی بند کر لیں تو بے بے اس کا سر ہٹا کر کہنے لگیں۔

”حاکے.....! دیکھ پتر.....! کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے جگ ہنسائی ہو۔ اپنے باپ کے اُونچے

شملے کا خیال رکھنا۔ سن رہا ہے نہ میری بات.....!“

”چلو رولو.....! لیکن پلیز.....! ہمایوں کے لیے مت رونا، وہ زندہ ہے، زندہ رہے گا۔“
وہ اور شدت سے رونے لگی تو روبی بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آئی اور زبردستی گلاس اس کے
ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس نے چند گھونٹ لے کر گلاس دھکیل دیا پھر تھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

”چلو اب لیٹ جاؤ.....!“

”نہیں.....! جب تک نومی کا فون نہیں آ جاتا میں نہیں سوؤں گی۔“

”میں سونے کو نہیں لینے کو کہہ رہی ہوں، چلو.....!“ روبی نے زبردستی اسے لٹا دیا تو وہ اس کا ہاتھ
پکڑ کر بولی۔

”سنو.....! تم نیچے جا کرا می سے معلوم کر آؤ.....!“

”کیا معلوم کر آؤں.....!“

”بہی کس کس کا فون آیا تھا اور کیا کہا تھا اور دیکھو امی اگر میرا پوچھیں تو کہہ دیتا سو گئی۔“ اس نے کہا تو
روبی نفی میں سر ہلانے لگی۔

”نہیں نور.....! تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر جاؤں گی تو سب ناراض ہوں گے مجھ پر۔“

”کوئی ناراض نہیں ہوگا بس تم جاؤ.....! اور نہ میں پھر رونا شروع کر دوں گی۔“ اس کی دھمکی پر روبی
نے دانت پیس کر اسے گھورا پھر کچھ کہے بغیر چلی گئی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں جبکہ اس کے ہونٹ
دھیرے دھیرے ہلنے لگے تھے۔

○○○

نعمان نور پے کے ڈیڑی کے ساتھ باہر چلا تو راہ داری میں ہمایوں کی امی اور بہن سعدیہ بے انتہا
پریشانی کے عالم میں کھڑی تھیں۔

”پلیز.....! پلیز کچھ کریں، میرا بچہ.....!“ ہمایوں کی امی تیزی سے ڈیڑی کے قریب آئیں اور
بوں عاجزی سے ان کی منتیں کرنے لگیں جیسے سب کچھ ان ہی کے اختیار میں ہو۔

”حوصلہ رکھیں، بہن.....! اللہ بہتر کرنے والا ہے، کہاں ہے ہمایوں.....؟“ ڈیڑی نے انہیں دلاسا
دے کر پوچھا تو انہوں نے امیر جنسی کی طرف اشارہ کر دیا۔

”آپ یہیں نہیں چچا جان.....! میں دیکھ کر آتا ہوں۔“ نعمان نے کہا تو ڈیڑی نے اثبات میں
سر ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا پھر ہمایوں کی امی سے بولے۔

”چلیں.....! آپ وہاں بیٹھیں.....!“

”میرا بچہ.....!“

”انشاء اللہ.....! ٹھیک ہو جائے گا، آپ آئیے.....!“ ڈیڑی نے انہیں اور سعدیہ کو لے کر راہ داری
میں رکے بیٹھ پر آ بیٹھے، پھر پوچھنے لگے۔

”نور.....! نعمان نے لپک کر نور یہ کو کندھوں سے تھام لیا۔ پھر دو وغیرہ پر ہلنے لگا۔

”تم سب کا دماغ خراب ہے۔ اتنا چلاتی کیوں ہو.....؟ جاؤ اسے کمرے میں لے جاؤ.....!“

”ہاں نور.....! چلو تم آؤ پر چلو.....!“ مریم نے اس کا بازو تھاما لیکن وہ نعمان کو تھنجوڑنے لگی۔

”کیا ہوا نومی.....! مجھے بتاؤ.....! کیا ہوا ہے.....؟“

”کچھ نہیں ہوا.....! میرا مطلب ہے مجھے خود زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ.....!

میں چچا جان کے ساتھ باہر جا رہا ہوں، وہاں سے تمہیں فون کر کے بتا دوں گا ٹھیک.....!“ نعمان نے
اسے بالکل بچوں کی طرح دلاسا دیا تو روبی اس کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے نور.....! تم میرے ساتھ آؤ.....!“

”جاؤ پلیز.....!“ مریم کے بچی انداز پر وہ روبی کا ہاتھ پکڑ کر بمشکل خود کو تھنجوڑتی ہوئی نور اپنے
کمرے میں آ گئی۔ اس کا دل اچانک سہم گیا تھا اور شاید وہ رونا بھی چاہتی تھی کہ اب جبکہ اس کے اندر کا

سانا نوٹ چکا تھا اور دل مدھر سر لا اپنے لگا تھا تب اس کے ساتھ یہ کیا ہوا تھا۔

”روبی.....!“ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی واضح محسوس ہو رہی تھی۔

”ہاں کہو.....!“ روبی نے اس کا ٹھنڈا رخ ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر گویا اسے حوصلہ دیا۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے.....!“ وہ بمشکل بول پائی۔

”بہت بگلی.....! ذرا نہ کی کیا بات ہے.....؟ انشاء اللہ.....! سب ٹھیک ہوگا۔“ روبی نے اسے

گھٹے لگا کر تسلی دی پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

”تمہیں بہت سے کام لینا چاہیے۔ ابھی تمہاری امی آ جائیں گی اور کزنز بھی۔ ان کے سامنے رونا

ممت۔“

”میں رو کہاں رہی ہوں.....؟“ اس کے ساتھ ہی ایک تو اتر سے آنسو چھٹک گئے تو روبی گہری

سانس کھینچ کر بولی۔

ہو گئیں۔

”کیسا ہے میرا بچہ.....!“

”آئی.....! آپ پریشان نہ ہوں ہمایوں ٹھیک ہو جائے گا، بیٹھیں آپ.....! میں ابھی آتا ہوں۔“ وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل آیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی جیب سے موبائل نکال کر گھر فون کیا۔ ادھر سے مریم نے فون اٹھایا۔

”ہاں مریم.....! چچی جان کہاں ہیں.....؟“ اس نے چھوٹے ہی پوچھا تو مریم نے ٹوک دیا۔

”پہلے تم بتاؤ.....! ہمایوں کیسے ہیں.....؟“

”ٹھیک ہیں.....! تم چچی جان سے کہو تیار رہیں میں انھیں لینے آ رہا ہوں۔ اصل میں ہمایوں کی امی اور بہن بہت پریشان ہیں بلکہ روری ہیں۔“ اس نے قصداً ہمایوں کی طرف سے تشویش ظاہر نہیں کی پھر بھی اس کی امی کے رونے کا سن کر مریم گھبرا گئی۔

”وہ کیوں روری ہیں.....؟“

”عورتوں کی عادت ہوتی ہے رونے کی۔ تم بس چچی جان کو گیٹ پر لے آؤ میں زیادہ ڈیر نہیں کر سکتی، سمجھیں.....!“ نومی جھنجھلا کر بولا اور سلسلہ منقطع کر کے گاڑی کی اسپینڈ بڑھادی۔

○○○

چاندنی بڑی بے قراری سے زینب کا انتظار کر رہی تھی اور وہ پتا نہیں کن کاموں میں ابھی ہوئی تھی کہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ جبکہ اب چاندنی کا صبر جواب دے رہا تھا۔ بے حد جھنجھلاتی ہوئی وہ کمرے سے نکلی اور شیراز کو پکارنے لگی تھی کہ سامنے سے حاکم علی کو آتے دیکھ کر نہ صرف اس کی آواز طاق ہی میں گھٹ گئی بلکہ وہ بلا ارادہ واپس بھی پلٹی کہ حاکم علی نے پکار لیا۔

”چاندنی.....!“

”جی.....!“ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی طرف گھومی۔

”بے بے کہاں ہیں.....؟“ حاکم علی نے پوچھا تو وہ آہستہ سے بولی۔

”مرشد سائیں کے پاس گئی ہے۔“

”کیوں.....؟“

”پتا نہیں.....!“

”تم بھی جاتی ہو مرشد سائیں کے پاس.....؟“ حاکم علی نے جانے کیوں پوچھا تھا۔

”جی.....! ابھی کبھی بے بے لے جاتی ہے۔“ اس نے بتایا تو حاکم علی انتہائی ناگواری سے کہنے لگا۔

”ہے.....! بے بے لے جاتی ہے..... تمہیں تیز نہیں ہے بات کرنے کی..... بڑوں کے بارے

میں اس طرح بات کی جاتی ہے.....! اپنی زبان ٹھیک کرو مجھے تو تراخ سے بات کرنا سخت ناپسند ہے.....

”کیسے ہوا یہ سب.....؟“

”مجھے کچھ نہیں پتا.....! شام میں آفس سے ہمایوں کا فون آیا تھا۔ کہنے لگا مجھے آفس میں کچھ دیر ہو جائے گی۔ میں اطمینان سے ہو گئی لیکن پھر یہاں ہاسٹل سے کسی نے فون کیا کہ ہمایوں یہاں ہے اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ پتا نہیں کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں اسے، مجھے دیکھنے بھی نہیں دیا۔“ بولتے ہوئے بھی ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی آخر میں رونے لگیں۔ ڈیڈی نے سر جھکا لیا، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیسے دلا سادیں۔ حقیقتاً اندر سے وہ خود بھی بے حد پریشان تھے۔

”امی آپ روئیں تو نہیں.....!“ سعدیہ کی روتی آواز پر ڈیڈی نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”بیٹا.....! آپ اپنی امی کا خیال رکھیں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔“

”انکل.....! جلدی آئیے گا اور وہ.....! وہ بھی نہیں آئے۔“ سعدیہ کو نعمان کا نام معلوم نہیں تھا۔

”آجائے گا نومی بھی.....! تم حوصلہ رکھو.....!“ ڈیڈی اس کا سر تھپک کر آگے بڑھ گئے۔ پھر ایرجنسی کی طرف آئے تو نعمان سامنے آ گیا۔

”کیا صورت حال ہے بیٹا.....!“ ڈیڈی نے فوراً پوچھا۔

”سر میں زیادہ چوٹیں آئی ہیں، خون بھی زیادہ بہہ گیا ہے۔“ نعمان نے بتایا تو وہ پوچھنے لگے۔

”خون کی ضرورت پڑے گی.....؟“

”شاید.....!“

”جاؤ.....! پوچھو ڈاکٹر سے، ان کے پاس خون کا انتظام ہے یا ہمیں کرنا پڑے گا.....؟“

”میں نے پوچھا تھا ڈاکٹر سے، کہنے لگے اگر ضرورت پڑی تو بتا دیں گے۔“ وہ بتا کر پوچھنے لگا۔

”ہمایوں کی والدہ کہاں ہیں.....؟“

”وہاں بٹھا کر آیا ہوں، غلطی ہوئی تمہاری چچی جان کو بھی ساتھ لے آتے تو وہ انہیں سنبھالتیں۔“

ڈیڈی نے کہا۔

”اگر آپ کہیں تو میں چچی جان کو لے آتا ہوں۔“

”لے آؤ تو اچھا ہے.....! بلکہ پہلے ان سے پوچھو یہ اگر گھر جانا چاہیں تو.....“ ڈیڈی نے کہا تو وہ

سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

”میرا خیال ہے چچا جان یہ نہیں جائیں گی۔“

”جاؤ.....! پھر تم اپنی چچی کو لے آؤ.....!“

”آپ بھی یہاں نہ کھڑے ہوں، چلیں ادھر ہی آئی وغیرہ کے ساتھ بیٹھیں۔“

”آئیے.....!“ وہ ڈیڈی کے ساتھ راہ داری میں آیا تو اسے دیکھتے ہی ہمایوں کی امی کھڑے

انڈر اسٹینڈ.....! چاندنی تو ویسے ہی اس کا سامنا ہونے سے گھبراتی تھی۔ اس کے غصے سے کانپنے لگی۔
”آئندہ احتیاط کرنا.....!“ وہ غصے سے کہتا آگے بڑھ گیا پھر ایک دم پلٹ کر پوچھنے لگا۔

”بابا کیا کر رہے ہیں.....؟“

”آ..... ان کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔“ وہ ہر لفظ پر دھیان دے کر بولی۔

”ٹھیک ہے.....! میں بابا کو بتا کر جا رہا ہوں۔“

”ک..... کہاں جا رہے ہیں.....؟“ چاندنی کی بے قراری بولی تھی ورنہ اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ حاکم علی سے کوئی سوال کر سکے اور حاکم علی جو قدم آگے بڑھا چکا تھا کچھ حیرت سے اسے دیکھا پھر جانے کیا سوچ کر اس کے قریب آ کر بولا۔

”کراچی چلو گی.....!“

”مم..... میں.....!“ چاندنی کی حالت ایسی تھی جیسے ابھی گر پڑے گی۔

”ہاں تم.....! میں تم سے پوچھ رہا ہوں، چلو گی.....؟، وہ غالباً مفلوظ ہو رہا تھا پھر انگلی سے اس کی پیشانی چھو کر بولا۔

”وہاں چڑیا گھر بھی ہے۔“

”جی.....!“ اس نے حیران آنکھوں سے دیکھا تو وہ بظاہر سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

”ہر نی دیکھی ہے کبھی.....!“ چاندنی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”جاؤ آئینہ دیکھو.....!“ وہ کہہ کر ہنس پڑا پھر اسے ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا۔ پہلے بابا کے کمرے میں پھر کتنی دیر بعد اس کی گاڑی بڑے گیٹ سے باہر نکلی تھی اور اس وقت تک چاندنی وہیں کھڑی تھی گم سم۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مورت صدیوں سے وہاں ایستادہ ہو۔

”چاندنی.....! اے چاندنی.....!“ زینب اس کے سامنے سے آئی تھی لیکن وہ پھر بھی اسے نہ دیکھ پائی۔ جب زینب نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیا کوئی جن دیکھ لیا ہے جو ایسے گم سم کھڑی ہے.....؟“ زینب نے پھر نوکا تو اس نے گہری سانس کے ساتھ نفی میں سر ہلایا پھر اس پر بگڑنے لگی۔

”تو کہاں تھی.....؟ صبح سے بلا رہی ہوں تجھے.....!“

”ہاں.....! شیراں آئی تھی بلانے، پر میں نے اس سے کہہ تو دیا تھا کہ دیر سے آؤں گی۔“ زینب نے کہا۔

”کیوں.....! کیا کر رہی تھی.....؟“ وہ اسی طرح خفگی سے بولی۔

”کپڑے دھو رہی تھی۔ خیر.....! تو بتا کیا بات ہے.....؟“ زینب نے اپنے بلاتے جانے کا سبب پوچھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

”کوئی بات نہیں.....!“

”جھوٹ.....! بات تو ہے اور وہ بھی خاص.....!“ زینب کے معنی خیز انداز پر اس کا چہرہ گلابی ہو گیا تو زینب اچھل پڑی۔

”دیکھ.....! کیسے لال گلابی ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے حاکم آیا ہے، ہے ناں.....!“

”میں کچھ نہیں بتاؤں گی.....!“ وہ ہنستی ہوئی بارہوری کی طرف بھاگی تو زینب نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔



نور نے مایوں کا پیلا جزا اُتار دیا تھا لیکن ہنزا اور پہلے کانچ کی چوڑیاں جو یہ نے نہیں اُتارنے دی تھیں اور یہ چوڑیاں جو کل تک اس کی کلائیوں میں اپنے آپ چھنک رہی تھیں اب جانے کیوں خاموش تھیں یا اسے ایسا لگ رہا تھا۔ کتنی دیر سے وہ ان پر نظریں جمائے گم سم بیٹھی تھی۔ حالانکہ کمرے میں سب ہی لڑکیاں آ جا رہی تھیں اور جو بھی آتی ہمایوں کے بارے میں تازہ رپورٹ لے کر آتی لیکن وہ پھر بھی متوجہ نہیں ہو رہی تھی۔ چنانچہ سن رہی تھی یا نہیں۔ آخر روٹی اسے کوئی مار کر بولی۔

”سنو.....! اب مرا تہ سے نکل آؤ.....!“

”کیا ہوا ہے.....؟“ وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

”کچھ نہیں ہوا.....! میرا مطلب ہے ہمایوں اب خطرے سے باہر ہیں۔“ روٹی نے بتایا تو وہ کچھ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

”تمہیں کیسے پتا.....؟ امی آگئیں کیا.....؟“

”نہیں.....! تمہاری امی تو نہیں آئیں ڈیڈی آگئے ہیں۔“ روٹی نے بتاتے ہوئے مریم کو دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

”ہاں نور.....!“ چچا جان آگئے ہیں انہوں نے ہی بتایا ہے کہ ہمایوں انشاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔

”یہ سب نور یہ کی دعاؤں کا کمال ہے۔“ روٹی نے ماحول خوشگوار بنانے کی خاطر مریم کو آنکھ مارتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا کر بولی۔

”یہ بولنا پڑے گا۔“

”نور.....! ہمیں بھی تو بتاؤ کون سا وظیفہ پڑھا تھا.....؟“ انیلا پھلانگ مار کر اس کے سامنے آ بیٹھی تو وہ شپٹا کر بولی۔

”جی نہیں.....! میں نے کوئی وظیفہ نہیں پڑھا۔“

”جھوٹ.....! رات بھر تیج ہاتھ میں لیے ورد کرتی رہی ہے۔“ روٹی نے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

”ارے.....! ابھی تو اس کی خیریت جاننے کے لیے مری جا رہی تھیں۔“
”ایسے ہی خواہ مخواہ.....!“ اس نے روٹی کو گھورا تو نعمان ہاتھ اٹھا کر بولا۔
”بس.....! تم اس پچاری سے مت لڑو، میں خود جانتا ہوں۔“
”کیا..... کیا جانتے ہو.....؟“ وہ نعمان سے لڑنے پر آمادہ ہوئی تو وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔
”توبہ.....! کیا زانا آ گیا ہے۔ مایوں بیٹھی لڑکی کیسے پڑ پڑ بان چلا رہی ہے۔“
”میں ہاتھ بھی چلا سکتی ہوں۔“ وہ سگ کر بولی۔
”ہاتھ بعد میں چلانا، پہلے ہمایوں کے بارے میں سن لو.....!“ نعمان نے کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

”مجھے نہیں سننا.....!“
”مجھے سننا ہے.....!“ روٹی فوراً بولی تو وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا۔
”چلو تم سن لو.....! نور.....! تم اپنے کان بند کر لو.....!“ وہ درمیان میں اسے مخاطب کر کے پھر روٹی کی طرف متوجہ ہو کر ذرا مائی انداز میں بتانے لگا۔
”ایسا ہوا کہ میں جب کمرے میں داخل ہوا تو ہمایوں صاحب بے ہوشی کے عالم میں نور یہ نور یہ پکار رہے تھے۔ پھر ہوش میں آتے ہی چل گئے کہ مجھے جانے دو، میری شادی ہے اگر میں نہیں گیا تو وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔“ روٹی اپنی بے ساختہ ہنسی کسی طرح زورک پائی تو ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔
”نور کے بچے.....!“ نور یہ نے پہلے اسے نکلیے کھینچ کر مارا پھر اٹھ کر اس پر جھینٹا چاہتی تھی کہ وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔

○○○

رخصت ہوتی گرمیوں کی خوش گواری شام تھی۔ حاکم علی نے آتے ہی نشی کو فون کر کے آنے کو کہہ دیا تھا۔ پھر شاور لے کر لان میں آ بیٹھا اور نشی کا انتظار کرنے لگا کیونکہ اس روز وہ سونیا کی پارٹی سے آتے ہی گاؤں روانہ ہو گیا تھا اور تین دن وہاں رہا تو اس نے قصد کسی سے رابطہ نہ کیا تھا جبکہ وہ یہ بھی جانتا چاہتا تھا کہ اس کے آنے کے بعد وہاں کیا باتیں ہوئیں اور سب نے سونیا کی بات کا کتنا یقین کیا، وہ جو بچے کو اس سے منسوب کر رہی تھی۔ بہر حال اس وقت اس نے نشی کو اسی مقصد سے بلایا تھا لیکن اس پر ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے جب وہ آئی تو بڑے خوشگوار موڈ میں اس کے استقبال کو کھڑا ہو گیا۔
”تم کہاں چلے گئے تھے سردار.....!“ میں تمہیں فون کر کر کے تھک گئی۔ تمہارا موبائل بھی آف تھا، کیوں.....؟“ نشی نے آتے ہی جرح شروع کر دی اور وہ واحد لڑکی تھی جسے وہ ٹوکے سے گریز کرتا تھا۔
”ابھی بھی بڑے آرام سے بولا۔“
”میرا موبائل یہیں رہ گیا تھا۔“

”کیا.....! میں کب.....؟“
”جب بھی میری آنکھ کھلی، میں نے تمہارے ہونٹ ہلکے دیکھے۔“ روٹی نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔
”تم بہت فضول ہو.....!“
”ہاں بھئی.....! ہم سب تو اب فضول ہی ہیں، اہم تو وہ ہے جسے اس نے خدا سے مانگ لیا ہے، کیوں.....؟“ روٹی نے سب کی تائید چاہی۔
”بالکل بالکل.....!“ سب تائید کرنے لگیں تب ہی نعمان نے آ کر ٹوک دیا۔
”یہ کیا ہو رہا ہے.....؟“
”نور.....!“ سب لڑکیاں اٹھ کر نعمان کے گرد جمع ہو گئیں اور سوال پر سوال کرنے لگیں۔
”تم ہاسٹل سے آرہے ہو ناں.....!“
”کیسے ہیں ہمایوں.....؟“
”ہوش میں آ گئے.....؟“
”کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں.....؟“
”کب تک گھر آ جائیں گے.....؟“
”مائی گاؤ.....!“ نعمان نے سر پکڑ لیا۔ پھر تاسف بھرے لہجے میں بولا۔
”تم لڑکیاں کتنی فضول ہوتی ہو۔ یہ نہیں کہ بندہ تھکا ہارا آیا ہے پہلے اس سے چائے پانی پوچھ لو۔“
”وہ بھی پوچھ لیں گے پہلے جو پوچھا ہے اس کا جواب تو دو۔“ صبیحہ نے کہا تو وہ کن اکھڑوں سے نور یہ کو دیکھ کر بولا۔

”ٹھیک ہیں.....! ہوش میں آ چکے ہیں۔“ پھر اچانک تیز ہو گیا۔
”اب جاؤ.....! خدا کے لیے کچھ کھانے وانے کا انتظام کرو۔ نیچے دادی بھی تم لوگوں کو کوس رہی ہیں۔“
”تو چلا کیوں رہے ہو.....؟“ انیلا کہہ کر بھاگ گئی تو وہ باقی سب کو گھورنے لگا۔
”جار ہے ہیں، جار ہے ہیں۔“ مریم سب کو اپنے ساتھ لے گئی تو وہ ایک نظر روٹی پر ڈال کر پھر نور یہ کو دیکھنے لگا جو انجان بننے کی کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔
”ہاں تو میڈم نور یہ شیراز حسن.....! آپ بلا تکلف مجھ سے ہمایوں کے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔“ نور یہ نے بیڈ کے قریب آ کر کہا۔
”جی نہیں.....! مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔“ اس نے نکاسا جواب دیا تو روٹی اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

”سردار..... تم کیا سوچنے لگے.....؟“

”مجھے سونیا کا خیال آ گیا تھا۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا.....؟“ وہ کہہ کر پھر سر جھٹک گیا۔
”خیر.....! جو بھی مقصد ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔“ نشی نے خاموشی سے کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تو وہ ایک دم جھنجلا گیا۔

”سنو.....! تم یوں کیوں پوز کر رہی ہو جیسے اس سارے معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو.....؟“
”کیا مطلب.....! کیا میرا تعلق ہے.....؟“ نشی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں.....! کیونکہ تم وہاں موجود تھیں۔ تمہارے سامنے سارا ڈراما ہوا تھا اور دیکھنے والے اور کچھ نہیں تو تبصرہ ضرور کرتے ہیں کہ اچھا تھا یا برا.....! جبکہ تم یوں ظاہر کر رہی ہو جیسے تم نے کچھ دیکھا، کچھ سنا نہیں، کیوں.....؟“ حاکم علی کا ڈپریشن ظاہر ہو رہا تھا۔

”تو تم چاہتے ہو میں نے جو دیکھا جو سنا اس پر تبصرہ کروں۔“ نشی نے سکون سے کہتے ہوئے چائے کا کپ رکھ دیا پھر اسے دیکھ کر بولی۔

”نہیں سردار.....! یہ تمہارا ذاتی فعل ہے اور اسے تم برا بھی نہیں سمجھتے۔ پھر بتاؤ میرے کچھ کہنے کا کوئی فائدہ ہوگا.....؟“

”نہ ہو فائدہ.....! تم تو اپنے اندر کا غبار نکالو۔“ وہ کسی طرح اپنی جھنجلاہٹ پر قابو نہیں پا رہا تھا۔
”میرے اندر کوئی غبار نہیں بھرا سردار.....! ہاں.....! البتہ میں دیکھ رہی تھی کہ تم.....“ نشی جانے کیا

کہنے جا رہی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔
”بس بس.....!“ اور پھر ایک دم اٹھ کر تیز قدموں سے اندر چلا گیا تو اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے

نشی تا سرف سے نشی میں سر ہلانے لگی۔

○○○

حاکم علی تین دن حویلی میں رہ کر گیا تھا۔ گو کہ اس نے چاندنی سے اکھڑے لہجے میں بات کی تھی پھر بھی وہ اسی پر خوش تھی کہ حاکم علی نے دو تین بار اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ برآمدے میں اسے دیکھ کر رز کا تھا اور اسے کراچی چلے کو بھی کہا تھا۔ وہ یہ ساری باتیں بہت خوش ہو کر زنب کو بتا رہی تھی۔

”اور پتا ہے زنب.....! میں اوپر والی منزل پر بھی گئی تھی، حاکم کو چائے دینے.....!“ چاندنی نے راز داری سے بتایا تو زنب کا اشتیاق انتہاؤں کو چھوئے لگا۔

”ہائے ج.....! اوپر کمرے کیسے ہیں.....؟“
”پتا نہیں.....!“ اس نے لالچی کا اظہار کیا تو زنب جھنجلا گئی۔

”ہیں.....! ابھی تو تو کہہ رہی تھی کہ تو اوپر گئی تھی۔“
”ہاں.....! گئی تھی، وہاں حاکم تھا ناں.....! اس لئے مجھ ڈر لگ رہا تھا، ادھر ادھر دیکھ ہی نہیں سکی،

بس جلدی سے چائے دے کر آ گئی۔“
”ہٹ پٹ.....! تو بھی بس.....!“ زنب نے افسوس سے سر جھٹکا تو وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر پوچھنے

لگی۔
”اچھا.....! میری جگہ اگر تو ہوتی تو کیا کرتی.....؟“
”میں کیوں ہوتی.....؟“ زنب ترخ کر بولی۔

”ایسے ہی.....! بتاناں.....!“ اس نے اصرار کیا تو زنب چند لمحوں کے بعد کہنے لگی۔
”میں اگر چائے لے کر جاتی تو پہلے اسے سلام کرتی پھر اس کا حال پوچھتی اور جب تک وہ چائے

پیتا میں وہیں کھڑی رہتی اور کمرے کی ایک ایک چیز دیکھتی۔ آئندہ تو جانا تو ایسے ہی کرنا۔“ آخر میں زنب نے مشورہ دیا تو وہ مایوسی سے بولی۔

”اب پتا نہیں وہ کب آئے گا.....!“
”جلدی آئے گا.....! عید میں زیادہ دن نہیں ہیں۔“ زنب نے اس کے پہلو میں چپکی کاٹ کر کہا

تو وہ کراہ کر بولی۔

”آہ.....! وہ عید یہ کب آتا ہے.....!“
”کیوں.....! اس عید پر تو شادی ہے اور بے بے بتا رہی تھی حاکم رمضان ہی میں آ جائے گا۔“

زنب نے کہا تو وہ کچھ پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔
”تو نے بے بے سے پوچھا تھا.....؟“

”نہیں.....! میں نے تو نہیں پوچھا تھا، بے بے خود ہی بتا رہی تھی۔“ زنب نے کہا تو وہ ایک دم حاکم کی بات یاد آنے پر کہنے لگی۔

”بتا رہی تھی نہیں، بے بے بتا رہی تھیں۔ اور پتا ہے حاکم کہہ رہا تھا کہ اسے تو تراخ سے بات کرنا

بالکل اچھا نہیں لگتا۔“
”یہ تو بہت اچھی بات ہے، اب تو جلدی سے آپ جناب کہنا سیکھ لے۔“ زنب نے سراہ کر فوراً اسے مشورہ بھی دے ڈالا تو وہ ہنسنے لگی۔

”جناب.....! اس طرح ہنستی ہوئی آپ بالکل پاگل رہی ہیں۔“ زنب بھی اسی کے انداز میں کہہ کر ہنسنے لگی۔ پھر کتنی دیر تک دونوں ایک دوسرے کو آپ جناب کرتی رہیں۔ پھر وہ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ کر بولی۔

”ہائے زنبی.....! یہ تو بڑا مشکل ہے۔“
”اب چاہے مشکل ہو یا آسان.....! تجھے ایسے ہی بولنا پڑے گا ورنہ حاکم تجھے اپنے ساتھ شہر نہیں

لے جائے گا۔“ زنب نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

ہوتا ہے۔ جیسے تمہاری شادی عید کے بعد ہونا مقرر تھی تو پھر ابھی کیسے ہو سکتی تھی؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟

”نہیں! وہ بے ساختہ منی تھی۔“

”شاباش! ابو نبی ہنسی رہو! اگر تمہاری اجازت ہو تو میں امی کو فون کر کے کہہ دوں کہ میں ابھی نہیں آ رہی۔“ روبی نے اس کا موڈ ٹھیک ہونے پر اطمینان سے پوچھا۔

”اس میں میری اجازت کی کیا بات ہے؟“

”جینک پو! میں بس ابھی آئی۔“ روبی کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس نے پہلے بیڈ کی چادر

ٹھیک کی پھر پردے سمیت کرکھڑکی کھول دی۔

دھلتی سہ پہر کی مدھم دھوپ میں آسمان رنگ بدل رہا تھا۔ وہ کچھ دیر دلچسپی سے نارنجی شعاعوں کو دیکھتی رہی پھر اچانک روبی کا خیال آیا کہ وہ فون کرنے لابی میں گئی تھی، واپس کیوں نہیں آئی۔

”کہاں چلی گئی؟“ وہ تیزی سے آتے ہوئے اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔

”یا اللہ! اس نے دروازے کا سہارا لیا پھر پوچھنے لگی۔“

”کہاں چلی گئی تھیں؟“

”تمہارے سرال!“ روبی کہہ کر ہنسی لیکن وہ اُن سی کر گئی۔

”مگروں کر لیا!“

”ہاں! اور اب جاؤ تم فون کر آؤ۔“ روبی نے کہا تو وہ تاجھی کے عالم میں پوچھنے لگی۔

”نہیں! تمہاری امی کو!“

”نہیں! ہمایوں کو پتا ہے وہ اس وقت ہسپتال میں اکیلے ہیں، تم ان کے موبائل پر فون کر کے ان کی خیر خیریت معلوم کر لو، جاؤ جلدی کرو۔“ روبی نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ جایا لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔

”تمہیں کیسے پتا کہ ہمایوں اکیلے ہیں؟“

”ابھی آنی تمہاری ساس سے فون پر بات کر رہی تھیں اس سے پتا چلا اور پلیز! باقی تفصیل بعد میں پوچھ لیتا۔ جاؤ پہلے فون کرو۔“ روبی نے اب زبردستی اسے سمجھ کر کمرے سے باہر نکالا لیکن وہ پھر رُک گئی۔

”روبی! میں نے ابھی انہیں فون نہیں کیا۔“

”تو اب کر لو! اب تک تمہیں ضرور کرنا چاہیے۔“ روبی نے زور دے کر کہا تو وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسے کمرے میں بھیج کر خود فون کے پاس آ گئی اور سوچ سوچ کر ہمایوں کا موبائل نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”کوئی نہیں! وہ تو ابھی مجھے ساتھ چلنے کو کہہ رہا تھا۔“

”تو چلی جاتی ناں!۔۔۔۔۔!“

”کیوں! ایسے کیوں چلی جاتی؟“ وہ تڑخ کر بولی تب ہی بے بے کے پکارنے کی آواز

آئی تو وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”چل! بے بے بلارہی ہے۔“

”بے بے بلارہی ہیں۔“ زہب نے زور دے کر صبح کی تو پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

○ ○ ○

آج کے دن اس کی شادی ہوتی تھی لیکن ہمایوں کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے سارے پروگرام ملتوی ہو گئے تھے اور طے یہ پایا تھا کہ جب ہمایوں ڈسچارج ہو کر گھر آ جائے گا تب اگلی تاریخ طے کر دی جائے گی۔ زیادہ امکان عید کے بعد ہی تھا کیونکہ رمضان کی آمد آتھی اس لیے سفینہ بچھو اپنے بچوں کے ساتھ واپس چلی گئیں تھیں اور اب روبی نے بھی جانے کی بات کی تو نور یہ بگڑ گئی۔

”تمہیں جانے کی کیا جلدی ہے؟ ابھی رہو کچھ دن!۔۔۔۔۔!“

”اگر اب رہ گئی ناں! تو پھر تمہاری شادی میں امی نہیں رہنے دیں گی۔ سوچ لو پھر میں مہمانوں کی طرح ہی آؤں گی اور یہاں بھی نہیں سیدھے شادی ہال میں۔“ روبی نے آئندہ کے بارے میں خبردار کیا تو وہ جل کر بولی۔

”اور میں تمہاری شادی میں مہمانوں کی طرح بھی نہیں آؤں گی۔“

”مجھے تم سے یہی امید ہے۔“ روبی نے ہنس کر کہا تو وہ غلطی سے اسے دیکھ کر مڑ گئی۔

”نور! ایسے کیوں کر رہی ہو۔۔۔۔۔؟ آخر مجھے جانا تو ہے ناں!۔۔۔۔۔!“ روبی نے اس کا ہاتھ بلایا

پھر اس کے سامنے آ کر بولی۔

”میں پھر آؤں گی!۔۔۔۔۔!“

”پھر تو سب ہی آئیں گے ابھی مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“ اس کی آواز میں آنسوؤں کی ٹہنی تھی جسے محسوس کرتے ہی روبی نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

”نور! رونامت!۔۔۔۔۔!“

”میں رو نہیں رہی!۔۔۔۔۔!“ وہ پلکیں جھپکنے لگی۔

”اچھا چلو! میں نہیں جاتی۔ تمہیں رخصت کر کے ہی جاؤں گی، اب خوش!۔۔۔۔۔!“ روبی نے

اس کی تھوڑی بلائی پھر اسے گلے لگا کر کہنے لگی۔

”میں تمہاری فیلنگز سمجھ رہی ہوں نور! لیکن دیکھو اس میں تمہارا بلکہ کسی کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ ہونے والی بات تھی ہو گئی اور پھر اللہ نے جس کام کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے اسے اسی مقررہ وقت پر

دیکھو اگر ہمایوں یہ چاہتے ہیں کہ تم ان کی عیادت کو جاؤ تو تمہیں ان کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے کیونکہ ان کے ساتھ تمہاری نسبت طے ہو چکی ہے اور انہوں نے بھی کوئی انہونی بات تو نہیں کی۔ پھر تمہارے گھر والے بھی دقیانوسی نہیں ہیں۔ چلو ان سب باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ تمہارا دل کیا کہتا ہے؟

”دل..... اول تو پاگل ہے.....! وہ ہے ساختہ مسکرائی۔“

”تو میری جان.....! اس پاگل دل کی دلداریاں تو کرنی پڑیں گی۔“ روہی نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ پھر بخیدہ ہو گئی۔

”نہیں روہی.....! میں نہیں جاؤں گی.....!“

”مخرکیوں.....؟“ روہی زچ ہو رہی تھی۔

”بھئی.....! تم میرے کزنز کو نہیں جانتیں بہت ریکارڈ لگائیں گے میرا.....!“

”کزنز کو بتانے کی کیا ضرورت ہے.....؟ انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ بس تم اپنی امی سے پوچھ

لینا۔“ روہی نے جس قدر آرام سے کہا وہ اسی قدر جچی پڑی۔

”کیا.....! میں امی سے پوچھ لوں.....؟“

”اچھا.....! میں پوچھ لوں گی، یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس اب تم منع مت کرنا ورنہ میں.....“ روہی نے وارننگ کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا۔

پھر اگلے دن وہ روہی کے ساتھ ابھی گیٹ سے باہر نکلی تھی کہ نعمان اپنی بانیک پر بالکل اس کے قریب آن رکا اور قدرے رعب سے پوچھنے لگا۔

”تم کہاں جا رہی ہو.....؟“

”ہم ذرا نیلر کے پاس جا رہے ہیں، اس کے کچھ کپڑے رہ گئے تھے اس کے پاس اور کچھ اور دینے ہیں۔“ اس سے پہلے روہی بولی پڑی۔

”کیسے جاؤ گی.....؟“ نعمان نے کوئی اعتراض اٹھائے بغیر پھر پوچھا۔

”میری گاڑی ہے ناں.....! آؤ نور.....!“ روہی اس کا ہاتھ پکڑ کر فوراً گاڑی کی طرف بڑھ گئی تو پھر

اس نے بھی بیٹھنے میں دیر نہیں کی اور جیسے ہی روہی ڈرائیونگ سیٹ پر آئی دانت تپیں کر بولی۔

”تم مجھے مرواؤ گی.....!“

”سٹ آپ.....!“ روہی نے گاڑی اسٹارٹ کر کے قدرے اسپید سے آگے بڑھائی پھر کہنے لگی۔

”سنو.....! تمہاری امی کو پتا ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو.....؟ اس کے بعد تمہیں کسی کی پروا نہیں

ہونی چاہیے۔“

”بس.....! اپنی منطقیں اپنے پاس رکھو۔“ وہ ٹوک کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تو روہی نے کیٹ

آن کر دیا۔ کوئی خوبصورت گیت تھا لیکن اس نے توجہ نہیں دی کیونکہ اس کا ذہن آگے کی سوچنے لگا تھا کہ وہ

”ہیلو.....!“ خاصی تاخیر سے ہمایوں کی آواز آئی تھی۔

”السلام علیکم.....!“ اس نے بہت سنبھل کر سلام کیا۔

”وعلیکم السلام.....! نور یہ.....!“ ہمایوں نے جواب کے ساتھ غالباً تصدیق چاہی تھی۔

”جی.....! کیسی طبیعت ہے آپ کی.....؟“

”بالکل ٹھیک تو نہیں کہہ سکتا..... بس ٹھیک ہے.....!“ ہمایوں نے کہا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب

کیا کہے۔ دل ہی دل میں روہی کو گالیاں دینے لگی تھی کہ کس مشکل میں ڈال دیا۔

”نور.....!“ دوسرے ہمایوں نے پکارا تو وہ چونک کر بولی۔

”جی.....!“

”آپ آئیں گی نہیں.....!“ ہمایوں نے پوچھا تو وہ سمجھی نہیں۔

”کہاں.....؟“

”میری عیادت کو.....!“ اس نے کہا تو وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگی۔

”کیا مجھے آنا چاہیے.....؟“

”اپنے دل سے پوچھیں.....! اور اگر دل آنے پر آمادہ ہو تو اسے جھٹلایے گا نہیں، ضرور آئے گا،

میں انتظار کروں گا۔“ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا اور اسے کوئی جواب نہیں سوجھا تو آہستہ سے ریسٹورنٹ دیکھ کر

بھاگ کر کمرے میں آئی اور روہی پر بگڑنے لگی۔

”تم نے مجھے فون کرنے کا مشورہ کیوں دیا تھا.....؟ اور میں بھی کیسی پاگل ہوں جو تمہاری بات مان

گئی۔“

”ماشا اللہ.....! بڑی سعادت مند بچی ہو.....!“ روہی نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے

کہا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

”بات مت کرو مجھ سے.....!“

”آخر ہوا کیا.....؟ چچائی نے ڈانٹ دیا کیا.....؟“

”ڈانٹیں گے کیوں.....؟“ وہ منہ چلاتے ہوئے بولی۔

”پھر.....؟“

”آنے کو کہہ رہے تھے، یعنی میں ان کی عیادت کو جاؤں.....!“ اس کا انداز ایسا تھا جیسے یہ ناممکن

ہو، لیکن روہی اچھل پڑی۔

”ہائے ج.....! چلو ابھی چلتے ہیں.....!“

”کیا.....! دماغ ٹھیک ہے تمہارا.....!“ وہ چیخیں۔

”ایک منٹ یہاں بیٹھو.....!“ روہی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا پھر دھیرج سے کہنے لگی۔

”تم ایسے نہیں جاسکتیں نور جہاں! تمہیں میری بات سنی پڑے گی اور مجھے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی صرف اتنا کہنا ہے کہ میں تمہارے لئے صرف تمہارے لیے سنجیدہ ہوں۔“

”پھر.....!“ اس کا انداز ایسا تھا جیسے میں کیا کروں۔

”میری بات سمجھو نور.....! میں تمہارے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں، تمہیں دنیا کی ہر آسائش دے سکتا ہوں۔“ ایک وہی تھی جس کے سامنے وہ بکھر جاتا تھا۔

”میرے پاس آ سائشوں کی کمی نہیں ہے سسر.....! اور آپ میرا راستہ چھوڑو.....!“ اس نے کہہ کر خود ہی گاڑی کا دروازہ کھولا اور روٹی کو چلنے کا اشارہ کر کے بیٹھ بھی گئی تو وہ ششے پر جھک کر بولا۔

”تم اچھا نہیں کر رہیں نور.....!“

وہ اُن سنی کر کے روٹی کو دیکھنے لگی جوڑا نیوٹنگ سیٹ پر آ رہی تھی۔

”سنو.....! تم نے اپنا موبائل کیوں آف کر رکھا ہے، میں تمہیں روزانہ رنگ کرتا ہوں لیکن.....“

وہ بولے جا رہا تھا۔ ادھر روٹی نے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

○ ○ ○

تمام راستہ وہ بیچ و تاب کھاتی رہی جبکہ روٹی بالکل خاموش تھی۔ گھر آتے ہی اس نے پہلے ہمایوں کو فون کر کے کہا کہ راستے میں گاڑی خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ نہ آ سکی اور یہ بھانا بھی اسے اس لیے کرنا پڑا تھا کیونکہ گھر سے نکلنے ہوئے وہ اسے فون کر کے کہہ چکی تھی کہ وہ آ رہی ہے۔ بہر حال ہمایوں سے معذرت کر کے وہ واپس کمرے میں آئی تو روٹی اپنا سوٹ تہہ کر کے اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی۔

”یہ کیا کر رہی ہو.....؟“ وہ روٹی کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

روٹی نے کوئی جواب نہ دیا، بیگ بند کرنے میں لگی رہی۔

”دیکھو.....! اگر تم اپنے گھر جانے کا سوچ رہی ہو تو.....“

”نور! پلیز! اچھے جانے دو.....!“ روٹی اسے ٹوک کر بولی۔

”کیوں آخر.....! یہ تم نے اچانک جانے کا پروگرام کیسے بنالیا.....؟“ اس کے تیز لہجے پر روٹی صاف گھوٹی سے بولی۔

”تمہارے خراب موڈ کی وجہ سے.....!“

”مائی گاڈ! میں نے تم سے کچھ کہا ہے کیا.....؟ میں تو اس اوپر پر بگڑ رہی تھی۔ پتا نہیں وہاں ہاسٹل میں کیا کرنے گیا تھا، ضرور اس کا کوئی مرگیا ہوگا۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو وہ خود مر جائے۔“ وہ پھر تمللانے لگی تھی کہ روٹی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”بس.....! اپنا خون مت جلاؤ.....!“

”میرا بس چلے تو میں اسے جلا کر رکھ کر دوں۔“ اس نے اپنے ہونٹوں سے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا پھر

ہمایوں کا سامنا کیسے کرے گی گو کہ وہ کوئی ایسی وجہ نہیں تھی، خاصی بڑا اعتماد تھا لیکن جو صورت حال تھی اس سے وہ پزل ہو رہی تھی۔ دل کا بھی عجب عالم تھا، جتنا وہ ریلیکس ہونا چاہ رہی تھی اسی قدر وہ دھڑک دھڑک کر اس کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہا تھا۔

”روٹی.....!“ آخر اس نے اسٹیرنگ پر روٹی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے، واپس چلو.....!“

ایسے ہی واپس چلو.....! اب تو ہم پہنچ بھی گئے۔“ روٹی نے مزید آسپید بڑھا کر بقیہ راستہ سینکڑوں میل طے کر کے گاڑی ہاسٹل کے گیٹ پر روک دی پھر اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

”جاؤ.....! آؤ اپنے بچے.....!“

”جی نہیں.....! میں اگلی نہیں جاؤں گی، تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔“ وہ کہہ کر سر میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

”بس.....! بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ روٹی ٹوک کر اتر گئی تو اس نے پہلے اپنے بال ٹھیک کئے پھر روٹی کے پاس آ کر بولی۔

”سنو.....! پہلے تم جا کر دیکھ آؤ کہ ہمایوں کی امی یا بہن.....“

”اوہو.....! کوئی نہیں ہے چلو.....!“ روٹی اس کا ہاتھ کھینچ کر تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ ادھر سے آتے کسی شخص کے ساتھ بری طرح ٹکرائی۔

”نان سنسن.....! دیکھ کر نہیں چل سکتے.....؟“

”آپ.....“ وہ بھی غصے میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نور یہ پر نظر پڑتے ہی ایک دم بے قرار ہو کر اس سے مخاطب ہو گیا۔

”نور.....! نور جہاں.....! میں نے کہا تھا ناں کہ میں تمہیں ہر موڑ پر ملوں گا۔“

”اور میں نے کہا تھا ناں کہ میں ہر قدم تمہیں ٹھوکر مارتی ہوئی جاؤں گی۔“ وہ اسے دیکھ کر ایک پل کو سہمی ضرور تھی لیکن پھر فوراً ہی سنہیل کر انتہائی تسفر سے بولی تو حاکم علی نے ہونٹ بھیج کر گویا خود پر ضبط کے پیرے بھائے پھر دھیرج سے بولا۔

”تم خواہ خواہ مجھ سے بدگمان ہو رہی ہو، میرا مقصد.....“

”تمہارا جو بھی مقصد ہو آئندہ کبھی مجھے مخاطب کرنے کی کوشش مت کرنا۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولی پھر پلٹ کر روٹی کو دیکھا جو سارا معاملہ سمجھ کر گاڑی کا دروازہ کھول چکی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

”چلیں.....!“ وہ اثبات میں سر ہلا کر گاڑی میں بیٹھنا چاہتی تھی کہ حاکم علی نے ایک ہاتھ مار کر گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔

”پہلے وعدہ کرو، سکون سے میری بات سنو گی۔“ روبی کی غیر معمولی سنجیدگی نے اس کے اندر اٹھتے اُبال پر جیسے بند باندھ دیا تھا۔ وہ اسٹول اس کے قریب کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
”وعدہ.....! سکون سے سنوں گی.....!“
”جینک یو.....! میں تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ اس شخص کے سامنے غصے اور نفرت کا اظہار کر کے تم اسے نہیں روک سکتیں۔ اس طرح تو وہ اور ضد میں آ جائے گا اور جہاں کہیں تم نظر آؤ گی تمہارا راتہ روکے گا۔“

”پھر میں کیا کروں.....؟“ وہ نہ صرف سنجیدہ ہوئی بلکہ اس کے لہجے میں نظر بھی سٹ آیا تھا۔
”میرا خیال ہے تم ایک بار اسے فون کرو اور آرام سے سمجھاؤ کہ وہ تمہارا خیال چھوڑ دے کیونکہ تمہاری شادی ہونے والی ہے اور میں تو یہ بھی کہوں گی کہ اگر تمہیں اس کی منتیں کرنی پڑیں تو وہ بھی کر ڈالو تاکہ یہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے۔“ روبی نے پوری نیک نیتی سے اسے مشورہ دیا تھا۔
”میں بھی یہی چاہتی ہوں روبی.....! لیکن.....“
”کیا وہ آرام سے سمجھ جائے گا.....؟“ وہ غیر یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔
”کوشش کرنے میں کیا حرج ہے.....؟ میں نے کہاں ناں اس کی منتیں کر ڈالو، ورنہ خدا نخواستہ اگر کبھی ہابیوں کے سامنے.....“ روبی قصداً خاموش ہو گئی۔

”میں بھی اس بات سے ڈرتی ہوں اور میں نے جویریہ سے بھی کہا تھا لیکن اس کا کہنا ہے کہ جب میں اسے نہیں جانتی تو پھر مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔
”میں نہیں جانتی لیکن وہ تو لگتا ہے جیسے جنم جنم سے آشنا ہو اور جس انداز سے مجھے مخاطب کرتا ہے اس سے تو کوئی بھی اسے نہیں جھٹا سکتا۔ میں ہی مشتبہ ٹھہرتی ہوں۔“
”اسی لیے میں کہہ رہی ہوں کہ تم اس سے آرام سے بات کرو۔“ روبی نے پھر اپنی بات پر زور دیا تو وہ ایسے ہی سوچتے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

”میری بات سمجھو نور.....!“ روبی نے اس کا ہاتھ تو ہلایا۔
”ہاں.....! میں سمجھ رہی ہوں، کروں گی.....! فون کروں گی اسے.....! اللہ کرے میری بات سمجھ جائے.....! دیکھنے میں تو اچھا خاصا میچور لگتا ہے۔“ اس کا ذہن مسلسل بھٹک رہا تھا جب ہی ٹک رک کر بول رہی تھی۔

”صرف میچور ہی نہیں بینڈم بھی.....!“ روبی کو اب شرارت سو جھ رہی تھی۔
”یار.....! ویسے کیا غضب کی پر سنائی ہے اس کی۔ ایمان سے اگر ایسے ہی کبھی سر راہ مجھے نظر آ جاتا تو میں تو اسے دیکھتی ہی فوت ہو جاتی۔“
”کوئی نہیں.....! مجھے تو پکا لوفر لگتا ہے۔“ وہ چڑ کر بولی۔

سر جھٹک کر بولی۔
”خیر.....! دفع کرو اسے۔ یہ بتاؤ چائے پیو گی.....!“
”ہاں.....! بہت اچھی سی اور اگر ساتھ بسکٹ وغیرہ بھی ہوں تو.....“
”ابھی لائی.....!“ وہ تیزی سے جانے لگی تھی کہ دروازے میں امی کو دیکھ رک گئی۔
”ہو آئیں ہاسٹل سے.....؟“ انہوں نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا پھر بھی وہ شپٹا کر روبی کو دیکھنے لگی۔
”نہیں آئی.....! ہم ہاسٹل نہیں گئے۔ راستے ہی سے واپس آ گئے۔“ روبی نے بتایا تو امی قدرے متعجب ہوئیں۔
”کیوں.....؟“
”بس آئی.....! یہ نور یہ ہے ناں.....! اس کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ گھر سے نکلی تو شوق سے تھی لیکن پھر.....“

”اچھا بس.....! زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ روبی کو ٹوک کر کمرے سے نکل آئی اور چکن میں آ کر پہلے کینیڈ سے بسکٹ اور نمکو وغیرہ نکالی پھر چائے کا پانی رکھ کر چوہا جلایا تھا کہ روبی اس کے پیچھے آ گئی۔

”سنو.....! میں نے آئی سے کہہ دیا ہے کہ رات کا کھانا ہم بنائیں گے۔“
”ہاں.....! میں بھی یہی سوچ رہی تھی، فریج میں چکن ہوگا وہی بنالیں گے۔ اس نے ٹی پاٹ میں چائے دم کرتے ہوئے کہا اور ٹرے میں دو کپ بنا کر پہلے امی ڈیڈی کو ان کے کمرے میں دے کے آئی پھر واپس آ کر روبی کو کپ تھماتے ہوئے پوچھنے لگی۔
”یہیں پیو گی یا کمرے میں چلیں.....!“

”یہیں ٹھیک ہے.....! ساتھ ساتھ دوسرا کام بھی ہو جائے۔“ روبی نے کہتے ہوئے بہن پیاز کی باسکٹ کھینچی اور بڑے گمن انداز میں کبھی چائے کا سپ لیتی کبھی بہن چھینے لگتی پھر اچانک اسے مخاطب کر کے بولی۔

”نور.....! ایک بات کہوں.....!“
”ہوں.....!“ اس نے بظاہر ذرا سی ہوں کی آواز نکالی تھی جبکہ اس کا سارا دھیان روبی کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

”دیکھو.....! فوراً جذباتی مت ہونا۔ میں اس لوفر کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔“ روبی کا اشارہ حاکم علی کی طرف تھا۔ وہ سمجھ کر ناگواری سے بولی۔
”اس لوفر کے بارے میں کیا بات کرو گی.....؟“

کے ساتھ یہی ٹھہرا کرے جارہا تھا کہ فضل دین کارڈ لیس لیے اس کے پاس چلا آیا۔
”صاحب.....! بڑے سردار صاحب کا فون ہے۔“

وہ اس وقت ہرگز بھی کسی سے بات نہیں کرتا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سردار ہاشم علی تھے جب ہی وہ فضل دین کو چھڑک نہیں سکا اور کارڈ لیس لے کر کان سے لگا لیا۔

”جی بابا.....!“

”رمضان شروع ہو گیا ہے.....!“ سردار ہاشم علی نے غالباً اسے یاد دلایا تھا۔

”جی.....!“ وہ اس قدر کہہ سکا۔

”پھر کب آ رہا ہے تو.....؟“ انہوں نے پوچھا تو اسے ضبط کی کڑی منزلوں سے گزرنا پڑا۔

”آ جاؤں گا.....!“

”ہاں.....! چند روزیں روزے پر تھے یہیں ہونا ہے، سمجھ رہا ہے ناں.....!“ ادھر سے تاکید کے بعد

سلسلہ منقطع ہو گیا تو وہ ہونٹ سمیٹ کر کارڈ لیس کو گھورنے لگا۔ پھر ایک دم فضل دین پر دھاڑا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو.....؟“

فضل دین کیا جواب دیتا۔ فوراً اس کے سامنے سے ہٹ گیا تو اس نے سامنے رکھی شیشے کی نیمبل پر

کارڈ لیس اتنی زور سے پھینکا کہ شیشہ پھٹا چور ہو گیا، پھر بھی اس کا غصہ کم نہ ہوا۔ مزید کوئی کارروائی کرنا

چاہتا تھا کہ اس کی جیب میں موبائل بچنے لگا۔

اس نے خاصے جارحانہ انداز میں جیب سے موبائل کھینچا اور اسے بھی سامنے دیوار پر مارنا چاہتا تھا

کہ اس کی روشن اسکرین پر جو نام چمک رہا تھا اسے دیکھ کر وہ چونکنے کے ساتھ زیر لب بڑبڑایا تھا۔

”تو رہاں.....!“

☺ ☺ ☺

”نہیں نہیں.....! شکل سے نہیں عادتیں لو فراموش ہیں۔“ روبی نے ایسے پکڑنے والے انداز میں کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑی جس سے شبہ پا کر روبی فوراً پوچھنے لگی۔

”پھر کب کر رہی ہو اسے فون.....؟“

”کیوں.....! تمہیں کیا جلدی ہے.....؟“ اس نے ٹوکا پھر بھی روبی باز نہیں آئی۔

”یار.....! ذرا اس کا آٹا چتا معلوم کر لینا اور نام بھی۔ ویسے اس نے ایک دو بار اپنا نام بتایا تو تھا لیکن میں نے ہی توجہ نہیں دی تھی۔ کیا نام تھا بھلا.....!“ روبی باقاعدہ ذہن پر زور دینے لگی تھی۔

”عام.....! نہیں.....! ہاشم.....! نہیں.....!“

”فارگا ڈسک روبی.....! تم اس کا نام یاد کر رہی ہو.....! اس نے بتایا تھا ناں.....!“ نور یہ نے دانت پیسے۔

”لو فراموش ہو گا۔ اس کا یہی نام ہو سکتا ہے۔“ وہ ہنوز دانت پیس رہی تھی۔

”خیر.....! لو فراموشی برا نام نہیں ہے۔“ روبی انتہائی معصومیت کا مظاہرہ کر رہی تھی اور وہ اسی قدر

جھنجھار رہی تھی۔

○○○

عام دنوں میں سب اپنی اپنی روٹین کے مطابق چلتے ہیں لیکن رمضان کا مہینہ سب کو اپنی روٹین پر

لے آتا ہے۔ فجر میں نہ اٹھنے والے بھی اٹھ جاتے ہیں اور دیر تک جاگنے والے بھی جلدی سو جاتے ہیں

تا کہ سحری میں اٹھ سکیں۔ کوئی بات تو ہے اس ماہ مبارک میں کہ گیارہ مہینوں سے ایک روٹین پر چسنے والوں

کو ایک ڈگر پر لے آتا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی اپنی ڈگر سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتے اور

حاکم علی کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

وہ خدا کی خدائی تسلیم کرتا تھا لیکن اس کے سامنے سر نہیں جھکا تا تھا۔ اسے خدا کے عائد کردہ قوانین

سے انکار نہیں تھا لیکن مانتا اپنے فیصلوں کو تھا۔ وہ قسمت کا لکھا مانتا تھا لیکن اسے بدلنے پر خود کو قادر سمجھتا تھا

اور اب تک اگر وہ کامیاب تھا تو اس لیے کہ خدا نے اس کی رشتی دراز کر رکھی تھی لیکن وہ کہاں یہ سوچ اور سمجھ

سکتا تھا وہ تو اپنی حاکمیت کے نشے میں چور یہ جانتا تھا کہ وہ جو چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے اور حصول کی راہ

میں کسی رکاوٹ کا سامنا بھی نہیں ہوا تھا لیکن اب نور یہ کے معاملے میں وہ پہلی بار خود کو بے بس محسوس کر رہا

تھا اور یہ بے بسی کبھی اسے توڑتی کبھی اس کے اندر انگارے بھر دیتی تھی یوں کہ پھر وہ ہر شے کو جسم کر دینا

چاہتا تھا۔ ادھر چار پانچ روز سے اس کی یہی حالت تھی یعنی جب سے اس نے نور یہ کو باہمائل کے سامنے

دیکھا تھا تب سے اب تک وہ بے چین تھا۔ کبھی اس کے حصول کے لیے ٹرپتا اور کبھی اس کے اندر انتقامی

آگ بھڑکنے لگتی تو وہ اسے انتہائی گھناؤنی سزا دینے کی سوچنے لگتا۔

”میں اسے زسوا کر دوں گا۔ سارے زمانے میں زسوا کر دوں گا۔“ وہ اس وقت سلگتے دل و دماغ

دوسری طرف خاموش چھا گئی۔ وہ یقیناً تلملار ہی تھی۔

”ہیلو نور.....! تم خاموش کیوں ہو گئیں.....؟“ اس نے پکار کر پوچھا تو وہ تاسف سے بولی۔

”اب تم سے کیا کہوں.....؟ جب تمہارے نزدیک کسی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔“

”ہے.....! بہت اہمیت ہے تمہاری.....! ہر بات کی اہمیت ہے، تم کہو تو.....! بس ایک یہ مت کہنا

کہ میں تمہارا خیال چھوڑ دوں۔ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں نور جہاں.....! میں

اپنی زندگی میں پہلی بار تمہارے معاملے میں بے اختیار ہوا ہوں۔ کیا تم مجھ سے مل سکتی ہو.....؟“ اس نے

آخر میں بڑی منت سے پوچھا تو ادھر سے کچھ توقف کے بعد وہ بولی۔

”نہیں.....! اب تو یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔“

”کیوں.....؟ کیوں.....؟“ وہ ہل ہل لہجہ بدل رہا تھا۔

”میں نے بتایا تھا کہ میری شادی ہو رہی ہے اور اگر اب کبھی میرا تم سے سامنا ہوا تو یہ یاد رکھنا کہ

میں مس نہیں منس ہوں گی۔“ نور یہ نہ جانے اپنے تئیں اسے باور کرایا تھا لیکن وہ بہت شاطر تھا فوراً سمجھ کر

کہنے لگا۔

”تو تم ڈر رہی ہو کہ کہیں میں تمہارے شوہر کے سامنے تمہارا ہاتھ نہ پکڑ لوں.....!“

”جراثیم تو تم میں اب بھی نہیں ہے مسٹر.....!“

”حاکم.....! سردار حاکم علی.....!“ اس نے فوراً نام کے حوالے سے اپنی اہمیت بتائی۔

”جو بھی ہو، میں نے نا حق اپنا وقت ضائع کیا۔“ ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو حاکم علی نے فوراً اس

کا کمر ملا لیا لیکن دوسری طرف پھر سوبائل لاک تھا۔

”پر دل.....!“ وہ بڑبڑایا پھر اس کی گفتگو کو نئے سرے سے سوچنے لگا۔

○ ○ ○

حوالی کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سردار ہاشم علی کی تینوں بیٹیاں اپنے بال بچوں کے ساتھ

آچکی تھیں۔ دن میں تو روزے کے باعث لڑکیاں کوئی خاص شغل نہیں لگاتی تھیں لیکن افطار کرتے ہی

ایک ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ بے بے چلائی رہ جاتیں، پہلے تراویح کا اہتمام کر لو اس کے بعد جو دل چاہے

کرنا لیکن کون سنتا تھا۔ افطار اور تراویح کے درمیان وقفے میں بھی خوب ہلا گاتا ہوتا۔ پھر تراویح کے بعد

لڑکیاں جوڑھوں پر بیٹھیں تو سحری میں ہی اٹھتی تھیں۔ سب کو اپنے اکلوتے بیٹے حاکم ماما کا انتظار تھا۔ صبح

شام بے بے سے ایک ہی سوال ہوتا۔

”بے بے.....! اب آئیں گے حاکم ماما.....!“

”بس اب تو آنے والا ہے۔“ اس وقت بے بے خوش ہو کر بولی تھیں۔

”سب.....! صبح آ جائیں گے.....!“ حنینا نے شوق سے پوچھا تو بے بے پندرہویں روزے کا

پھر ایک دم بے قرار ہو کر اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگایا اور اسی بے قراری سے بولا۔

”نور.....! یہ تم ہی ہونا.....! نور جہاں.....!“

”ہاں.....!“ ادھر سے بہت سکون سے جواب آیا۔

”کیوں ستاتی ہو مجھے.....! کیوں اتنا تڑپاتی ہو.....؟“ وہ جب عاجزی سے بولتا تھا تو اپنے آپ

میں نہیں ہوتا تھا۔

”سنو.....! نہ میں تمہیں ستاتی ہوں نہ تڑپا رہی ہوں۔ یہ ساری باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں کوئی

ناٹ کوئی تعلق ہو اور میرا تو تم سے کوئی ناٹ نہیں، میں تو تمہیں جانتی تک نہیں۔“ وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں

بول رہی تھی۔

”تو اب جان لو.....! میں تمہارا.....“ وہ غالباً عاشق کہنے جا رہا تھا کہ ادھر سے اس نے ٹوک دیا۔

”کوئی ایسی بات منہ سے مت نکالنا جو مجھے فوراً فون بند کرنے پر مجبور کر دے جبکہ میں تم سے کچھ

باتیں کرنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں کہو.....! جو کہنا ہے کہہ ڈالو.....!“ وہ حد درجہ بے تاب تھا۔

”مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ تم پلیز.....! میرا خیال چھوڑ دو.....!“ نور یہ نہ بھی اس قدر کہتا تھا کہ

وہ بول پڑا۔

”ناممکن.....! میں تو شاید مر کر بھی تمہاری اس بات پر عمل نہ کر سکوں۔“

”دیکھو.....! اس میں میرا کچھ نقصان نہیں ہے کیونکہ میں کچھ دن بعد شادی ہو کر ملک سے باہر جا

رہی ہوں اور یہ میں صرف تمہارے لیے کہہ رہی ہوں۔ تم خود پر ظلم مت کرو۔“ نور یہ بہت سوچ کر بول

رہی تھی۔ اس کی آخری بات پر وہ ہنسنے لگا اور ہنستا چلا گیا پھر ایک دم ہنسی روک کر کہنے لگا۔

”ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تمہارا مجھ سے کوئی ناٹ نہیں، جھوٹی ہو تم.....! جب کوئی ناٹ نہیں تو پھر

تمہیں میرا خیال کیوں ہے.....؟ میں خود پر ظلم کروں، مار ڈالوں خود کو اس سے تمہیں کیا غرض.....؟“

چاندنی.....! سچ بتاؤ.....! تمہیں کیا لگ رہا ہے؟.....؟“ ہینا نے بڑی رازداری سے پوچھا۔ پھر بھی وہ بری طرح لجا گئی۔

”مجھے نہیں پتا.....!“

”ہائے.....! ایمان سے اگر حاکم ماما تمہارا یہ انداز دیکھ لیں تو.....“ عفت نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو چاندنی اسے دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ارے.....! جا کہاں رہی ہو.....؟“ ہینا نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

”میں نہیں ٹھنکتی تمہارے ساتھ.....!“ وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

کچھ دیر بعد ڈھولک کی آواز آنے لگی تو وہ دروازہ بند کر کے لیٹ گئی۔ اس کے اندر غنی انگلیں سر اٹھا رہی تھیں۔ کچھ انوکھے احساسات جاگنے لگے تھے اور اب وہ پریشان نہیں ہوئی۔ نیچے میں منہ چھپا کر اپنے آپ مسکرانے لگی تھی۔ پھر اچانک اس کا دھیان اوپر کی منزل کی طرف چلا گیا جہاں بقول عفت بابا نے سب کمرے کھلوادیے تھے اور اس کے اندر تو مدتوں سے اشتیاق تھا کہ وہ ہر طرف گھوم پھر کر دیکھے۔ گو کہ اب کچھ ہی دنوں کی بات تھی اسے یہاں سے زرخست ہو کر اسی پورشن میں جانا تھا اور اس نے یہی سوچ کر خود کو روکنا بھی چاہا لیکن دل چل گیا تھا۔ تب وہ اٹھ کر دے پاؤں کمرے سے نکلی اور اسی احتیاط سے بیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آئی تو محرابوں سے براہ راست چاندنی سفید نالوں کو جھلکا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اس منظر میں کھڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھتی رہی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ایک کمرے میں داخل ہوئی اور جیسے ہی لائٹ آن کی اس کے منہ سے چیخ نکلتی تھی کہ اس نے فوراً ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اصل میں سامنے دیوار پر حاکم علی کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی جس پر پہلی نظر میں یہ گمان ہوتا تھا جیسے وہ سامنے سے آ رہا ہو اور وہ بھی کچھ کر ڈر گئی تھی۔

”ہائے رہا.....!“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ نائلیں بھی کانپنے لگی تھیں تب وہ وہیں سے واپس پلٹ آئی اور ابھی دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ ادھر سے جانے کون سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر آ رہا تھا۔ اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ کچھ کچھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ تب ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہیں بیٹھ گئی۔ دوسرے بل آ پڑیا کا بڑا بیٹا ظفر اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس کی کلائی تمام کر پکارا۔

”چاندنی.....!“

”ہاں.....!“ اس کے حلق سے سکی جیسی آواز نکلی۔

”چاندنی.....! میں ہوں ظفر.....!“ اس کی کلائی ہلا کر کہا تب وہ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔ سارا ڈر خوف اس کی خوب صورت آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

”ڈر کیوں گئی.....!“ ظفر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا۔

حساب لگا کر بولیں۔

”نہیں.....! چار دن بعد آئے گا.....!“

”چار دن.....!“ ہینا نے چار کو یوں لبا کھینچا جیسے چار سال۔ پھر چاندنی کو دیکھ کر بولی۔

”ابھی چار دن ہیں.....!“

”تو مجھے کیوں بتا رہی ہے.....؟“ چاندنی نے ہینا کے بازو میں زور سے چپکی کاٹی تو وہ بازو سہلائی

ہوئی بولی۔

”تو اور کیسے بتاؤں؟ تمہارے لیے تو آ رہے ہیں ماما.....!“

”اچھا بس.....! چپ کر.....! بے بے سنے گی تو.....“ چاندنی نے گھور کر کہا لیکن ہینا پھر بھی باز

نہیں آئی۔ بس کر بولی۔

”بے بے کو پتا ہے.....!“

”کیا پتا ہے بے بے کو.....؟“ عفت ہینا کے ہنسنے سے متوجہ ہوئی تھی پھر چاندنی کو دیکھ کر پوچھنے

لگی۔

”کچھ نہیں.....!“ چاندنی نے اشارے سے ہینا کو بھی بولنے سے روکا تو عفت چپک کر بولی۔

”تم نہ بتاؤ.....! مجھے سب پتا ہے.....!“

”کیا پتا ہے؟ مجھے بھی بتاؤ.....!“ ہینا چاندنی کو جھگ کرنے کے موذ میں تھی جب ہی بہت

اشتیاق ظاہر کیا۔

”بابا نے آج اوپر کے سب کمرے کھلوادیے ہیں۔“ عفت نے آواز دبا کر بتایا۔

”ہائے سچ.....! تم گئی تھیں اوپر.....؟“ ہینا اب واقعی مشتاق ہو گئی تھی جبکہ چاندنی کا دل دھڑکنے

لگا تھا۔

”ناں.....! میں کیسے جاتی.....؟ بابا موجود تھے۔“ عفت اپنے آپ ہی خائف ہو گئی تھی۔

”اب تو نہیں ہیں بابا.....! چلو چلتے ہیں۔“ ہینا نے کہتے ہوئے چاندنی کو دیکھا تو وہ ٹہکی میں سر

ہلانے لگی۔

”ابھی نہیں.....! جب بے اور ہماری اماں سو جائیں گی تب چلیں گے.....!“ عفت نے

ہینا کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنی طرف متوجہ کر کے کہا تو اس نے فوراً تائید کی۔

”ہاں.....! یہ ٹھیک ہے.....!“ پھر چاندنی سے پوچھا۔

”تم بھی چلو گی.....!“

”نہیں.....!“ اب چاندنی مسکرائی تھی۔

”اوہو.....! اترانا تو دیکھو اس کا..... پتا جو ہے کہ سب کچھ اسی کے لیے ہو رہا ہے..... ویسے

رہی تھی کہ عقب سے نعمان نے اچانک اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر زور سے ہاؤ کی آواز نکالی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

”ڈرپوک!.....“ نعمان ہنستا ہوا اس کے سامنے آ گیا تو وہ اس پر بگڑ گئی۔

”بدتمیز!.....“ چچھوڑے!..... شرم نہیں آتی!..... اگر میرا ہارت ٹیل ہو جاتا تو.....
”اٹو کیا!.....“ دھوم دھام سے جنازہ اٹھتا پھر قبر پر لکھوایا جاتا کہ مرحومہ شادی سے کچھ دن پہلے اللہ کو پیاری ہو گئیں!..... نعمان مزے لے لے کر بولا تو وہ مزید چپ گئی۔

”ہاں!.....“ تم تو چاہتے ہی ہو کہ میں مرجاؤں لیکن میں اتنی جلدی مرنے والی نہیں ہوں۔“ دوسرا جملہ غصے میں بلا ارادہ ہی اس کے منہ سے نکلا تھا جس پر وہ ہنس کر بولا۔

”مجھے پتا ہے!.....“

”کیا پتا ہے!.....؟“

”میں یہی کہ تم اتنی جلدی مرنے والی نہیں ہو!..... ابھی تو تمہیں ہمایوں کے.....“

”وہس!.....!.....“ وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ وہ ٹوک کر بولی۔

”زیرادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے!.....!.....“

”نہیں کرتا!.....!.....“ وہ خاموش ہو گیا تو وہ سر جھٹک کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔

”سنو!.....!.....“ وہ زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکا اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔

”تمہیں نصہ کس بات پر ہے!.....؟“

”کسی بات پر بھی ہو، تمہیں کیا!.....؟“ وہ ابھی بھی تیز ہو کر بولی تو نعمان نے پہلے کندھے اچکائے

پھر کہنے لگا۔

”اچھا!.....!..... میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ ہمایوں صاحب ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے

ہیں۔“

”مجھے پتا ہے!.....!..... آج ہی تو آئے ہیں۔“ وہ کہہ کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

”تمہیں کس نے بتایا!.....؟“ نعمان نے پوچھا تو وہ اسے دیکھ کر قدرے طنز یہ انداز میں گویا ہوئی۔

”مائی ڈیر فری!.....!..... تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ کوئی بھی بات جب تک تم نہیں بتاؤ گے مجھے معلوم ہی

نہیں ہوگی!.....؟ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مجھے تم سے پہلے سے پتا ہے۔“

”اچھی بات ہے!.....!.....“ وہ اس کے انداز سے ہرٹ تو نہیں ہوا تھا البتہ جھجھ سا گیا تھا اور وہ محسوس کر

کے فوراً معذرت کرنے لگی۔

”سو ری لومی!.....!..... میں پتا نہیں کیا کہہ گئی۔ میں اصل میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہوں اور مجھے

غصہ بھی آرہا ہے۔“

”وہ!..... میں سمجھی!..... پتا نہیں کون!.....“ وہ ابھی بھی سنبھل نہیں پائی تھی۔

”ارے!.....! گھر والوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے!.....؟ ویسے تو یہاں کیا کرنے آئی

تھی!.....؟“ ظفر نے سامنے کھلے دروازے پر ایک نظر ڈال کر پوچھا۔

”کچھ نہیں!.....! بس ایسے ہی!..... اور تو کیوں آیا ادھر!.....؟“ اس نے پوچھا تو ظفر قدرے رک

کر بولا۔

”تیرے لیے!.....!.....“

”میرے لیے!.....!.....“ وہ حیران ہوئی۔

”ہاں!.....! میں نے تجھے سیر حیاں چڑھتے ہوئے دیکھا تھا پھر تیرے پیچھے چلا آیا۔“ ظفر بتا کر

چند لمحے رکا پھر ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

”چاندنی!.....! تو مجھے اچھی لگتی ہے، تجھے حاکم ماما کے ساتھ شادی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تجھ سے

اتنے بڑے ہیں، پورے پندرہ سال!.....!.....“

”ہائے رہا!.....! یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے!.....؟“ چاندنی نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑایا۔

”ہاں تو کوئی غلط بات نہیں کی۔ پندرہ سال بڑے ہیں حاکم ماما کہ نہیں!.....؟“ وہ اپنی بات پر زور

دے کر بولا۔

”تو کیا ہوا!.....؟“ وہ اٹھنے لگی لیکن ظفر نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا جس پر وہ غصے سے بولی۔

”میرا ہاتھ چھوڑ ظفر!.....! نہیں تو میں بے بے کو آواز دے لوں گی۔“

”دے آواز!.....! بلا بے بے کو!.....! بلا نا!.....! اس کی خیانت پر وہ تھملا کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی

کرنے لگی اور جب کامیابی نہیں ہوئی تو رونے لگی۔

”ارے بس!.....! اتنی ہمت!.....! ظفر نے اس کا مذاق اڑایا۔

”میں بتاؤں گی حاکم کو!.....! وہ زندہ ہی آواز میں بولی۔

”کیا بتائے گی!.....! میں نے تیرا ہاتھ پکڑا تھا اور!.....! اور کیا کیا!.....؟“ وہ اس کی ٹھوڑی چھوٹا چاہتا

تھا کہ اس نے پوری قوت سے اسے دھکیل دیا پھر تیزی سے سیر حیاں اُتر آئی اور اپنے کمرے میں داخل ہو

کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کی سانس پھول گئی تھی اور آنسو اتارے رخساروں پر جھلک رہے تھے۔

○ ○ ○

نور یہ حاکم علی سے بات کر کے مزید فکر مند ہو گئی تھی کیونکہ اس ڈھیٹ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ گوکہ

اس بات کا اسے پہلے ہی یقین تھا پھر بھی اندر کہیں مہم سی امید تھی کہ شاید وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے لیکن وہ پتا

نہیں کس مٹی کا بنا تھا۔

”ڈھیٹ!.....! بے غیرت!.....! اللہ کرے مر جائے!.....! وہ اس وقت بے بس ہی ہو کر اسے کوس

”جی امی.....! وہ بھاگ کر آئی تو امی ریسیور اس کی طرف بڑھا کر بولیں۔

”تمہاری سند ہے سعد یہ.....! بات کرو.....! اس نے ریسیور تھام لیا اور جب امی چلی گئیں تب کان سے لگا کر بولی۔

”ہیلو.....!“

”السلام علیکم.....! سعد یہ نے حسب سابق شوخی سے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام.....! کیسی ہو.....؟“

”کچھ کھنی کچھ میٹھی.....! سعد یہ کھکھلا کر بولی تو وہ بھی بے ساختہ مسکرائی اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ادھر سے ہمایوں کی آواز آئی۔

”آپ کیسی ہیں نور.....! وہ اچانک ہمایوں کی آواز سن کر کچھ شپٹائی۔ پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

”اب ٹھیک ہوں.....!“

”اب سے کیا مطلب.....؟“ ہمایوں نے وضاحت چاہی۔

”آپ گھر آ گئے ہیں ناں.....! اس نے کہا تو وہ محظوظ ہو کر بولا۔

”اچھا.....! گویا جب تک میں ہاسٹل میں تھا آپ ٹھیک نہیں تھیں.....؟“

”پریشان تھی.....! اس نے اعتراف کیا۔

”پھر بھی مجھے دیکھنے نہیں آئیں.....! ہمایوں نے شکوہ کیا۔

”آنا تو چاہتی تھی لیکن.....! آخر چھوڑیں.....! یہ بتائیں اب آپ کیسے ہیں.....؟“

”میں بھی اب ٹھیک ہوں.....! وہ بے ساختہ ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولا تو وہ بھی اس کے انداز

میں پوچھنے لگی۔

”اب سے کیا مطلب.....؟“

”گڈ.....! وہ بہت محظوظ ہو کر ہنسا۔

○○○

حاکم علی نے آج نشی کو باقاعدہ افطار کی دعوت دی تھی۔ گوکہ وہ خود نماز روزے سے غافل تھا پھر بھی

اس نے نہ صرف افطار پر خاصا اہتمام کروایا بلکہ خود بھی اسی مناسبت سے سفید کٹن کے کلف لگے کرتا

شلوار میں نشی کے سامنے آیا تو وہ بے ساختہ اسے سراہ کر بولی۔

”واہ سردار.....! لگتا ہے پرہیز گاروں کی صف میں شامل ہو گئے ہو۔“

”اس نے صرف ہنسنے پر اکتفا کیا بولا کچھ نہیں پھر اسے لے کر ڈانٹنگ ہال میں آیا تو وہ ٹیبل پر

لوازمات کی بھر مار دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”کیا اور لوگ بھی آئیں گے.....؟“

”وی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں.....! کیوں غصے میں ہو.....؟“ نعمان نے پھر اپنائیت سے پوچھا تو وہ شش و پنج میں گھر گئی کہ اسے حاکم علی کے بارے میں بتانے یا نہ بتانے۔

”تم شاید بتانا نہیں چاہتیں.....؟“ وہ اسے شش و پنج میں دیکھ کر بولا۔

”نہیں ٹوٹی.....! میں ہر بات تم ہی سے تو کہتی ہوں۔“ وہ اندر ہی اندر اٹھنے لگی تھی۔

”تو کہو ناں.....!“

”کیا کہوں.....! جب کوئی بات ہی نہیں ہے اور یہی میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بتا بات کے مجھے غصہ کیوں آ رہا ہے.....؟ خیر چھوڑو.....! یہ بتاؤ تم نے عید کی شاپنگ کر لی.....؟“ وہ بات بنا کر بات بدل گئی۔

”میری کیا شاپنگ.....! بس ایک پنٹ شرٹ خرید لاؤں گا۔ اصل شاپنگ تو تم لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ کپڑوں کے ساتھ ہر شے میچنگ کی چاہیے۔ ویسے اس بار میرا تم لوگوں کے ساتھ جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ میں نے ردا سے بھی کہہ دیا ہے کہ اشعر کے ساتھ چلی جانا۔“

”اشعر کہاں ہمارے ساتھ جاتا ہے.....؟“ وہ اس کی ساری بات سن کر بولی۔

”اب یہ میرا مسئلہ نہیں ہے..... پھر تمہیں کیا ضرورت ہے تمہاری عیدی تو وہاں سے آ جائے گی.....؟“ نعمان نے کہا تو وہ بے دھیانی میں بولی۔

”کہاں سے.....؟“

”سسرال سے.....! وہ شرارت سے ہنسا۔

”کہیں سے بھی آئے..... میں اپنی شاپنگ ضرور کروں گی تم بے شک مت لے جانا۔ ہم جو یہ

اور عباد بھائی کے ساتھ چلے جائیں گے۔“ اس نے کہا پھر خود ہی برا سامنا بنا کر بولی۔

”ویسے عباد بھائی کے ساتھ بالکل مزہ نہیں آتا۔ بہت ریزرور ہونا پڑتا ہے۔“

”اچھا ہے ناں.....! باز اس میں ویسے بھی ریزرور ہونا چاہیے۔“

”سنو.....! ہم تمہارے ساتھ جائیں گے بس.....! وہ اس کی بات ان سنی کر کے فیصلہ کن انداز میں بولی تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

”زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے.....! اس نے کہا تب ہی امی نے اسے پکارا تو وہ نعمان سے بولی۔

”ابھی آتی ہوں.....!“

”نہیں.....! میں جا رہا ہوں۔“ وہ کہہ کر چلا گیا تو وہ امی کے کمرے میں جانے لگی تھی کہ وہ لابی سے پکار کر بولیں۔

”نور.....! ادھر آؤ بیٹا.....!“

”اپنے پیرئیس کے پاس.....! پھر عید کے بعد ہی آؤں گا۔“ وہ اس کے زکے پر ایک لحظہ کوڑکا تھا پھر قدم بڑھا کر لائونچ میں داخل ہو گیا۔

”اتنے دن.....! میرا مطلب ہے ابھی تو عید میں بھی چند دن ہیں۔ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو.....؟“ نشی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا تو وہ اصل بات گول کر گیا۔

”اصل میں رمضان میں زیادہ کام نہیں ہوتا اس لیے میں نے سوچا یہ دن اپنے پیرئیس کے ساتھ گزار لوں۔ وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔“

”اگر ان کی خوشی کے لیے جا رہے ہو پھر تو ٹھیک ہے.....!“ وہ خاصے آرام دہ انداز میں صوفے میں بٹھ گئی۔ تب ہی فضل دین چائے لے آیا تو حاکم علی نے خود کپ اٹھا کر اسے تھمایا پھر اپنا کپ لے کر بیٹھا تو کہنے لگا۔

”میں نے بہت کم عمری میں گاؤں چھوڑ دیا تھا۔ بس مل تک وہاں پڑھا، پھر ملتان سے میٹرک کیا اس کے بعد لندن چلا گیا۔ پانچ سال بعد لندن سے لوٹا تو بس چند مہینے ہی گاؤں میں رہا پھر یہاں سیٹل ہو گیا۔“

”تمہارا یہاں سیٹل ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا جبکہ تم کہتے ہو وہاں تمہاری جاگیریں ہیں اور میں نے سنا ہے جاگیر دار کسی اپنی زمینوں سے ناٹ نہیں توڑتے پھر تم کیسے.....؟“

”تم نے ٹھیک سنا ہے لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہاں آ جانے سے میرا اپنی زمینوں سے ناٹ ٹوٹ گیا۔ میں اپنے پیرئیس کی رضامندی سے یہاں سیٹل ہوا ہوں، ان سے لڑ جھگڑ کر نہیں آیا جو وہ مجھے ہر شے سے بے دخل کر دیں گے۔ یوں بھی میں ان کا اکیلا وارث ہوں اور صرف اپنے والد کا ہی نہیں چچا کا بھی

کیونکہ میرے چچا کا کوئی بیٹا نہیں ہے صرف ایک بیٹی ہے۔ یوں ان کی جاگیر کا بھی میں ہی وارث ہوں۔“

اس کے لہجے میں بلا کا غرور تھا جسے محسوس کر کے نشی نے بات بدل دی۔

”اچھا.....! ابھی تم اپنی چاہت کا ذکر کر رہے تھے۔ کیا واقعی تمہیں کسی سے محبت ہوگئی ہے.....؟“

”اگر دل کی بے قراری کو محبت کہتے ہیں تو پھر ہاں.....! میں اعتراف کرتا ہوں، مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے، محبت.....! وہ محبت کی گروان کرتے ہوئے جیسے اسے سوچنے لگا تھا گہری سانس کھینچ کر کہنے لگا۔

”جب سے میں نے اسے دیکھا ہے تب سے دل بے قرار ہے..... صرف اسے ہی سوچتا ہوں..... میری خلوتوں کے ہر ہر پل پر وہ قاض ہے..... میں تمہیں کیا بتاؤں نشی کہ وہ میرے لیے کیا ہے..... وہ میرا جوتن ہے، میں اسے پانا چاہتا ہوں..... اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں اسے..... بتاؤ.....! میں

کیا کروں.....؟“

”تم.....! نشی جو اپنی جگہ ساکت ہوگئی تھی اسی قدر کہہ سکی۔

”نہیں.....! میں نے صرف روزہ دار کو دعوت دی ہے اور میرے دوستوں میں ایک صرف تم ہی.....! اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کے لیے چیر کھینچی تو وہ بیٹھ گئی پھر اس کے بیٹھنے پر پوچھنے لگی۔

”تم روزے سے ہو.....؟“

”نہیں.....! لیکن تمہارے ساتھ افطار ضرور کروں گا.....!“ وہ اس کے سامنے کھجور کی پلیٹ رکھتے ہوئے بولا۔ پھر اسے دیکھنے لگا۔

نشی دوپٹے کا پلو سر پر ڈال کر ڈاما لگنے لگی۔ پلکیں جھکی ہوئی، دھیرے دھیرے ہلنے ہونٹ، حاکم علی کبلی بار اسے اتنے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر بے ساختہ اسے پکار کر بولا۔

”نشی.....! میرے لیے دعا کرو.....!“

”کیا دعا کروں.....؟“ وہ پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”میں جسے چاہتا ہوں وہ مجھے مل جائے.....!“ اس نے کہا تو وہ حیران ہوگئی۔

”تم.....! تم چاہتے ہو.....! کیا واقعی تمہیں محبت ہوگئی ہے سردار.....! لیکن تم تو محبت پر یقین نہیں رکھتے۔“

”یہ سب باتیں بعد میں، پہلے افطار کر لو اذان ہو رہی ہے۔“ اس نے کہا تو نشی نے ایک دم خاموش ہو کر پہلے اذان کی آواز سنی پھر افطار کرنے لگی۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی بس حاکم علی مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر اس کے سامنے رکھتا رہا پھر وہ نماز کے لیے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے فضل دین کو پکارا پھر سگریٹ سلگالی۔

”جی صاب.....!“ فضل دین قدرے تاخیر سے آیا تھا جس پر وہ اسے کچھ سخت سست کہنا چاہتا تھا لیکن پھر سمجھ کر بولا۔

”اچھا.....! نماز پڑھ رہے تھے..... پڑھ لو.....!“

”پڑھ لی صاب.....!“

”پھر چائے بناؤ اچھی سی، اسٹرونگ چائے.....!“ وہ کہتا ہوا اٹھنے لگا تھا کہ نشی آگئی۔ نماز کے انداز میں پیشانی تک پورا دوپٹہ اوڑھے ہوئے وہ ہمیشہ سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ آتے ہی چائے چائے کرنے لگی۔

”چائے آرہی ہے، تم جب تک کچھ کھا لو.....!“

”نہیں بس.....! بہت کھالیا.....!“

”چلو پھر لائونچ میں بیٹھتے ہیں اور دیکھو جانے کی جلدی مت کرنا.....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔

”میں کل جا رہا ہوں.....!“ اس نے کہا وہ ٹوک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کہاں.....؟“

لیکن پھر دل بے قرار ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر کوئی مصروفیت ڈھونڈتی رہی پھر می سے کہہ کر باہر نکل آئی اور یونہی بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ کتنی تنہا ہے۔ یعنی اس کی کوئی ایسی دوست نہیں جس سے وہ اپنے دل کا احوال کہہ سکے۔

”ایک سردار کو ہی میں نے سب کچھ سمجھ لیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرا نہیں پھر بھی۔“ وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کرنے لگی تھی۔

”کیا پاگل پن ہے؟ لیکن میں کیا کروں؟ مجھے خود پر اختیار نہیں جیسے وہ کہتا ہے کہ اسے نور کے معاملے میں خود پر اختیار نہیں۔“

”نور! کون ہے یہ نور؟“ جانے کیا بات ہے اس میں کہ سردار حاکم علی جیسا گھمنڈی اس کے سامنے بے اختیار ہو گیا اور اسے محبت بھی ہو گئی وہ جو محبت پر یقین ہی نہیں رکھتا تھا۔

”ہاں! وہ دراصل سائنسی پھر راستے پر دھیان دیا تو چونک پڑی۔ اگلے موڑ پر حاکم علی کا ہنگامہ تھا اور یہاں سے واپس پلٹنا اس موڑ سے نظر میں چر کر گزر جانا قطعی ناممکن تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر کڑھ کر رہ گئی اور پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ حاکم علی کے سامنے کھڑی تھی۔

”کیسے ہو سردار! کیا گاؤں میں دل لگ گیا تھا؟“ اس کے سامنے وہ نارمل ہو جاتی تھی۔

”نہیں! اپنے بس میں کہاں ہے؟“ حاکم علی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے آہ بھر کر کہا۔

”کب تک آہیں بھرتے رہو گے، اسے اپنا لویا بھول جاؤ۔“ نشی نے یوں کہا جیسے دونوں باتیں بہت آسان ہوں۔

”اپنا ہی تو چاہتا ہوں اور ایک دن اپنا کر رہوں گا۔“ حاکم علی کے لہجے میں عزم تھا۔

”ابھی بات ہے! یہ بتاؤ تمہارے پیرئس کیسے ہیں؟“ وہ بات بدل گئی۔

”اچھے ہیں اور بہت خوش کیونکہ انہوں نے میری شادی کر دی ہے۔“ وہ یوں ہی چونکا کر رہا تھا۔

”کیا واقعی؟“ نشی کے اندر چمن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

”ہاں! وہ ہنسا۔

”نہیں سردار! تم مذاق کر رہے ہو۔“ نشی نے گویا خود کو بہلانے کی کوشش کی۔

”مذاق نہیں نشی! اچھا کہہ رہا ہوں۔ اس لیے تو میں اتنے دن وہاں رہ گیا ورنہ تم جانتی ہو تیرے دن ہی چلا آتا ہوں۔“ حاکم علی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کتنی دیر اسے دکھتی رہی پھر تاسف سے بولی۔

”کمال ہے! تم نے شادی کر لی اور ہمیں بلایا بھی نہیں؟“

”کم آن نشی! یہ کوئی شادی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو میں نے اپنے پیرئس کی خوشی پوری کی ہے۔ خود میں اس سے بالکل خوش نہیں ہوں۔“ وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہاں تو مس نور جہاں! ابھی کچھ دیر پہلے میرے پاس ایک شخص کا فون آیا تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کی کزن نور کو پریشان کرنا ہوں تو غالباً آپ وہی نور ہیں اور میرا خیال ہے آپ دونوں کزنز مل کر یا تو مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں یا پھر۔“

”سٹ اپ! وہ چیخ پڑی تو نعمان نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر آف کر دیا۔

”یہ کیا بے وقوفی ہے!۔“

”نومی! وہ غصے سے کانپنے لگی۔

”نومی! وہ سمجھ گیا ہے کہ تم میرے پاس کھڑے اس کی باتیں سن رہے ہو اس لیے وہ۔“

”اچھا! اریلیکس ہو جاؤ۔“ نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا۔ پھر کہنے لگا۔

”غلطی ہو گئی! تمہیں ابھی فون نہیں کرنا چاہیے تھا دو تین دن بعد کرتیں تو شاید! خیر تم فکر مت کرو اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔“

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”ابھی دیکھو لو! جب اسے معلوم ہو گیا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے تو کیسے تمہیں پہچاننے سے ہی انکار کر دیا اور اُمید ہے آئندہ بھی نہیں پہچانے گا۔“ نعمان نے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

”ہاں نومی! یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“

”اسی لیے ایسی باتیں چھپائی نہیں جانتی ہیں، آئی سمجھ۔“ وہ اس کے بالوں کی لٹ سمجھ کر مسکرایا تھا۔

○ ○ ○

نشی نے حاکم علی کو فون کرنے کی غرض سے موبائل اٹھایا اور جب آن کیا تو حاکم کا منہج موجود تھا کہ میں کراچی آچکا ہوں، اور وہ جو اسے بہت مس کر رہی تھی اس سے ملنے کو بے قرار ہو گئی، اس تمام عرصے میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اتنے دنوں کے لیے کہیں گیا تھا۔ گوکہ اکثر وہ برئس کے سلسلے میں بیرون ملک بھی جاتا تھا اور ایک ہفتے میں ہی واپس بھی آ جاتا، اور گاؤں تو وہ کبھی تین دن سے زیادہ رہا ہی نہیں تھا اس بار اس نے پورے پچیس دن گزار دیئے تھے اور یہ پچیس دن جس طرح نشی نے گزارے تھے یہ وہی جانتی تھی۔ جب ہی اب اس کی آمد کا منہج دیکھ کر اس کا دل چل گیا تھا۔

اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ پھر بھی وہ اسی وقت اس کے پاس جانے کو تیار ہو گئی لیکن پھر اچانک احساس ہوا کہ وہ غلط کر رہی ہے اور یہ احساس اکثر اس کے اندر جاگتا تھا کہ وہ ایک ہرجائی شخص سے وفاداریاں نبھا کر خود اپنا ہی نقصان کر رہی ہے۔ پھر اس کے دل اور دماغ میں جنگ شروع ہو جاتی۔

کبھی دل جیت جاتا کبھی دماغ اور اس وقت دماغ حاوی ہو گیا تھا جب ہی اس نے اپنا جانا ملتوی کر دیا

”محبت کے ساتھ دھاندلی.....!“

”تم محبت کے ساتھ دھاندلی کرنا چاہتے ہو سردار.....! تمہارے لیے شاید سب جائز ہے.....!“
”اور میں..... میں کیا کروں.....؟“ اس کے اندر ڈھیروں آرزوئی سن آئی۔ آنکھیں بھی
یکلخت نمکین پانیوں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ اس نے پلکیں موند لیں تو جہاں پانی کناروں سے چھٹک کر پٹیلے
میں جذب ہونے لگا وہاں ذہن کچھ پیچھے ہٹ گیا تھا۔

تقریباً پانچ سال پہلے کی بات تھی۔ وہ بی اے کے امتحانات سے فارغ ہوتے ہی اپنے بھیا بھابی
کے پاس لندن چلی گئی تھی۔ یونہی چٹھیاں گزارنے کی غرض سے اور وہ مہینے اس نے خوب سیر و تفریح میں
گزارے تھے۔ پھر بھیا اور بھابی نے بھی بہت کہا تھا کہ وہ مزید تعلیم کے لیے وہیں کسی یونیورسٹی میں اپلائی
کر دے لیکن وہ نہیں مانی۔ ایک تو می ڈیڈی کی وجہ سے دوسرے اسے اپنے وطن اپنی مٹی اور اپنے کچرے
بہت محبت تھی۔ اس لیے جہاں بھیا بھابی نے رُکنے پر اصرار کیا اس نے واپسی کی رٹ لگا دی اور اپنا سامان
بھی پیک کر لیا۔ اس کے بعد وہ یہی کہتی رہی کہ وہ پھر آئے گی اور پھر آنے کا وعدہ کر کے جب واپسی کے
سفر پر روانہ ہوئی تو پلٹیں میں اس کے برابر والی سیٹ پر حاکم علی تھا جو لندن میں پانچ سال گزار کر اب اپنے
وطن لوٹ رہا تھا۔

بہر حال یہ حاکم علی سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ چند گھنٹوں کے اس سفر میں وہ اپنی ساحرانہ شخصیت
کے بڑے گہرے نقوش اس پر چھوڑ گیا تھا کہ وہ اس کی ہمیشہ ہمسفری کی تمنا کرنے لگی تھی۔ یوں بھی اس
وقت ایک تو وہ ٹین این میں تھی دوسرے افسانوی خیالات رکھتی تھی۔ جب ہی حاکم علی کی ظاہری وجاہت
سے بے حد متاثر ہو گئی تھی اور جب کراچی ایئر پورٹ پر وہ اسے خدا حافظ کہہ کر دُور چلا گیا تب کتنی دیر وہ
حیران کھڑی رہ گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سفر ہی نہیں اس کی زندگی بھی تمام ہو گئی ہو۔

”نشی..... نشی.....!“ می ڈیڈی ادھر سے پکار رہے تھے اور اس کے قدم ادھر بڑھے جس طرف
حاکم علی گیا تھا۔

”نشی.....!“ می ڈیڈی نے آ کر اسے کندھوں سے تھامتا ہوا چوکنے کے ساتھ کچھ پریشان بھی ہو گئی
تھی۔

”کیا ہوا بیٹا.....!“

”کچھ نہیں.....! کچھ نہیں ڈیڈی.....!“ وہ کہتی ہوئی بھاگ کر می سے لپٹ گئی تھی۔ پھر کتنا وقت
گزر گیا اس نے ایم اے میں انٹریشن لے لیا اور بظاہر مصروف بھی ہو گئی تھی لیکن اس کے ذہن سے وہ
وجہ بہ شخص محض نہیں ہوا۔ غیر ارادی طور پر وہ اسے کھوج بھی رہی تھی۔ اکثر راستہ چلتے ہوئے وہ کسی پر اس کا
لمحہ کر کے رک جاتی اور کبھی کسی کے پکارنے پر یوں چوکتی جیسے پلٹ کر دیکھے گی تو سامنے وہ کھڑا ہوگا اور
کبھی نوہ کو ڈھیروں سرزنش کرتی۔

”ہاں.....! میں بتاؤ کیا کروں.....؟“ حاکم علی نے اب نشی کو دیکھ کر پوچھا تو اس نے پہلے یوں
کندھے اچکائے جیسے کچھ سمجھ نہ پاری ہو پھر کہنے لگی۔

”میرا خیال ہے تمہیں اسے پر پوز کرنا چاہیے یا پہلے یہ معلوم کرو کہ وہ کہیں انگلیج تو نہیں ہے۔“
”اگر انگلیج ہو تو.....!“ وہ پوری جان سے نشی کی طرف متوجہ تھا۔
”تو پھر ظاہر ہے تمہیں اس کا خیال چھوڑنا پڑے گا.....!“ نشی نے سیدھی سی بات کہی تھی اور وہ ہتھے
سے اکھڑ گیا۔

”نہیں نہیں.....! یہ تو ممکن نہیں ہے۔“
”کم آن سردار.....! تم کسی کو زبردستی تو اپنا نہیں بنا سکتے.....!“ نشی نے ٹوکا تو وہ ہنوز سابقہ
انداز میں بولا۔

”کیوں.....! کیوں زبردستی نہیں اپنا سکتا.....؟ سب کچھ کر سکتا ہوں میں.....؟“
”تو پھر محبت کا دعویٰ مت کرو.....! کیونکہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں دھاندلی نہیں ہوتی۔“ نشی
کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم..... تم لکھاری لوگ پتا نہیں کون سی دنیا کی باتیں کرتے ہو.....؟ مجھے تو کبھی کبھی تم بھی کوئی
افسانوی کردار لگتے لگتی ہو۔ بس.....! بس نشی.....! نکل آؤ افسانوی دنیا سے، حقائق دیکھو، حقائق سمجھو۔“
وہ آخری بات پر زور دے کر بولا۔

”حقائق کی تکیاں ہی تو مجھے افسانوی دنیا میں پناہ لینے پر مجبور کرتی ہیں سردار.....! بڑی شافی ہے
وہاں۔ محبت ہی محبت، کوئی دھاندلی نہیں ہوتی۔“ وہ آرزوئی میں کھڑی تھی۔
”ایسا کرو.....! اب اپنے افسانے کا ہیرو مجھے بنا لو اور محبت کے ساتھ دھاندلی لکھنا۔“ اس نے کہہ
کر اپنے مخصوص انداز میں زوردار قبہ لگایا پھر اسے دیکھ کر اصرار سے بولا۔

”کھو گئی ناں.....!“
”ہوں.....!“ نشی کے چہرے پر محسوس کیا جانے والا دکھ تھا اور وہاں کون تھا جو محسوس کرتا۔

○○○

رات دھیرے دھیرے بھگ رہی تھی اور وہ جانے کب سے اپنی رائیگ نیبل پر بیٹھی تھی۔ نیبل
لیپ کے مین نیچے اس کی ڈائری کھلی پڑی تھی اسی طرح انگلیوں میں چین داتا لیکن اس نے ابھی تک
ڈائری کو نہیں چھوا تھا کیونکہ اس کا ذہن کسی ایک خیال پر ٹھہر نہیں رہا تھا جبکہ نظریں سادہ صفحے پر جم کر رہ گئی
تھیں کہ اب تو آنکھوں میں جھپٹ ہونے لگی تھی۔ پھر جیسے اتنی بڑھی کہ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر
وہ اسی حالت میں آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر بیڈ پر چلی آئی اور نیچے پر سر رکھتے ہی آہ کے ساتھ
بڑبڑائی۔

لیکن اس سے دور ہونے پر بھی آمادہ نہیں تھا۔ یوں اپنے جذبوں کی لگام میں تمام کردہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔
نہ اس کی طرف کھینچی چلی جاتی نہ اس سے کتر اگر گزرتی۔ پھر پہلے حاکم علی نے ہی اس کی طرف دوستی کا
ہاتھ بڑھایا تھا۔ جسے تھامنے سے پہلے اس نے پوچھا تھا۔

”دوستی کا مطلب جانتے ہو سردار.....!“
”ہاں.....! اور اگر تم مزید شرائط رکھنا چاہتی ہو تو رکھ سکتی ہو.....!“ حاکم علی نے کہا تو وہ اس کا ہاتھ
تھام کر ہوئی تھی۔

”نہیں.....! مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے.....!“
”اور مجھ پر.....؟“ حاکم علی نے فوراً پوچھا تھا۔

”اوپر.....!“ وہ نفی میں سر ہلاتی چلی گئی اور پھر وہ اپنے دیوتا کی دوست بن گئی، راز داں بن گئی۔
لیکن کبھی اپنا راز اس پر عیاں نہیں ہونے دیا۔

”حاکم علی اپنے فلرٹ کے قصے بھی اسے سنا تا تھا اور اب اپنی محبت کا اعتراف بھی کر گیا تھا۔ جانے
کون تھی وہ خوش نصیب جو اس کی غلطیوں کے برہنہ پر قابض ہو گئی تھی۔

”اور وہ جو کوئی بھی سے سردار.....! خدا کرے تمہیں مل جائے.....!“ حاکم علی کو دوا دیتے ہوئے
اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ پھر تنہی دیر تک وہ اپنے دل کو سمجھاتی رہی آخر تا کام ہو کر پھر راننگ ٹیمبل پر
آ بیٹھی اور چین اٹھالیا۔

میں نے اس طور سے چاہا تھے اکثر جاناں
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
جیسے سورج کی کرن سیپ کے دل میں اترے
جیسے خوشبو کو ہوا رنگ سے ہٹ کر چاہے
جیسے پتھر کے کلیجے سے کرن پھوٹی ہے
جیسے غنچے کھلے موسم سے حنا مانگتے ہیں
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کماں ٹوٹی ہے
جیسے بارش کی دُعا آبلہ پا مانگتے ہیں
میرا ہر خواب میرے سچ کی گواہی دے گا
وسعت دید نے مجھ سے تیری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے
اس نے اچانک بین ڈائری پر پلک دیا۔

عجیب لڑکی تھی کسی کے ساتھ اپنا حال شیئر بھی نہیں کرتی تھی اور یہ اس کی شروع سے عادت تھی۔
سب کچھ سہ لپکتی کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی۔ ابھی بھی وہ ایک آن دیکھی آگ میں چپکے چپکے جل رہی تھی اور
اسے لگتا جیسے کسی دن وہ سچ جگ جل کر راکھ ہو جائے گی لیکن پھر اچانک ایک دن وہ نظر آ گیا۔

وہ اپنی دوست سارہ کی برتھ ڈے پارٹی میں گئی تھی اور وہیں حاکم علی کو دیکھ کر وہ بس ایک پل کو بے
اختیار ہوئی تھی۔ دوسرے پل اس کی آنکھوں میں دھند آئی تھی کہ جسے اس نے دیوتا مان کر اپنے دل کی
سب سے اونچی منڈیر پر بٹھایا تھا وہ لڑکیوں کے درمیان راجہ اندر بنا کھڑا تھا اور سب کے لیے اس کی
نظروں میں ایک جیسے پیغام تھے۔ اس کا دل چاہا یہیں سے واپس پلٹ جائے اور اس نے رخ موڑا بھی تھا
کہ اسی پل سارہ نے اسے پکار لیا۔

”نش.....! ہائے نش.....!“ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا پھر مسکراتی ہوئی سارہ کے پاس آئی تو وہ
حاکم علی کو مخاطب کر کے ہوئی۔

”سردار.....! اس سے ملو.....! میری میسٹ فرینڈ.....!“
”ہیلو.....!“ حاکم علی اسے پہچانا نہیں تھا۔ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ
بڑھایا تو وہ بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کے ہاتھ تھام کر داخل انداز میں ہوئی۔

”گلیڈ ٹو میٹ یو.....!“
”تھینک یو.....!“ حاکم علی نے عادت کے مطابق اس کے ہاتھ دبا یا پھر ایک دم چونک کر بولا۔

”میں نے شاید پہلے آپ کو کہیں دیکھا ہے.....!“
”تم آن سردار.....!“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سونیا بول پڑی۔
”تم نے ہر ایک کو کہیں نہ کہیں دیکھا ہوتا ہے.....!“
”ہاں.....! لیکن یہ.....“ حاکم علی کی نظریں اس پر جمی تھیں جبکہ ذہن سوچتا ہوا پھر اس سے پوچھنے

لگا۔
”ہم پہلے کبھی ملے ہیں.....؟“
”مجھے یاد نہیں.....!“ وہ اپنے جذبے سنبھالنا جانتی تھی جب ہی بے نیازی سے کندھے اچکائے تو
سونیا نے حاکم علی کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہ دیا اور اس کے بازو میں بازو ڈال کر پیچھتی ہوئی دوسری طرف
لے گئی تھی۔

پھر اکثر اس کا حاکم علی سے سامنا ہونے لگا تھا۔ کبھی کسی پارٹی میں کبھی سردار۔ یوں وہ اس کے
بارے میں بہت کچھ جان گئی خصوصاً جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ کتنا فلرٹ ہے تب حقیقتاً اسے شدید دھچکا لگا
تھا۔ اس کے بعد ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ ہر اس جگہ جانا چھوڑ دیتی جہاں حاکم علی کی موجودگی کا امکان ہوتا
لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ دل کو کہ اب اس کی ہمسفری کا تمنا ہی نہیں رہا تھا

ہوئے بیڈ پر آ بیٹھی اور ہمایوں کو تھینک یو کہنے کے لیے اس کے سر پر ہاتھ مارنے لگی تھی کہ اچانک بڑا بچہ
نے بولکھلا کر اس نے فوراً سر سے کپڑا ہٹا کر اس کے موہاں کان سے لگا لیا۔
”ہیلو!“ رات کے سناٹے کے باعث اس نے بہت دھیمی آواز میں ہیلو کہا تھا۔
”تھینک گاڈ!“ دوسری جانب جیسے کسی تھکے ہارے مسافر کو اچانک پانی منزل کا نشان مل
جائے۔ حاکم علی کی آواز اور لہجے میں ایسا ہی تاثر تھا۔
”کون.....؟“ اس نے اب بھی دھیمے سے پوچھا۔
”سیا ستم ظریفی ہے، ادھر ہر سانس تمہیں پکارتی ہے اور تم پوچھتی ہو کون.....؟“ حاکم علی نے آہ
بھر کر کہا۔
”تم.....!“ اس نے اب پہچان کر دانت پیسے۔
”تم کیا ہر وقت میرے سر پر ہاتھ مار کر رہتے ہو.....؟“
”اور تم اسی خوف سے موہاں آف رکھتی ہو.....؟“ حاکم علی نے کہا تو وہ ترخ کر پڑی۔
”خوف سے نہیں.....! میں تمہاری آواز نہیں سننا چاہتی۔“
”میری آواز اتنی بری تو نہیں ہے۔ پھر بھی اگر تم کہو تو میں ریاض شروع کر دیتا ہوں۔“ وہ ڈھٹائی
سے بولا۔
”شٹ اپ.....! بند کرو فون.....! مجھے ضروری کال کرنی ہے۔“ وہ دھیمے لہجے میں چیختی۔
”کسے.....؟“ اس کے پوچھنے پر وہ مزید تھملا گئی لیکن پھر اس پر جتا کر پڑی۔
”اے بھئیتر کو.....!“
”اچھا.....! کیا باتیں کرو گی اس سے.....؟ دیکھو سب باتیں کرنا لیکن اس سے اپنی جھوٹی محبت کا
اظہار مت کرنا کیونکہ محبت تو تم مجھ سے کرتی ہو۔“ وہ جانے ہوش میں نہیں تھا یا قصہ گو اس کا دل طار ہا تھا۔
”ہاں.....! محبت تو میں تم سے کرتی ہوں۔ ایسی محبت جو اس روئے زمین پر کبھی کسی نے کسی سے کی
ہوگی۔“ اس کے روم روم سے متفرق پھوٹ رہا تھا اور لہجہ حد درجہ ہڑٹا تھا۔
”میں بھی تم سے ایسی ہی محبت کرتا ہوں۔“ حاکم علی اس کے بالکل برعکس محبت میں ڈوب کر بولا۔
”واقعی.....؟“ اس نے اچانک کسی خیال کے تحت اپنا لہجہ بدل کر غیر یقینی ظاہر کی۔
”آزما دیکھو۔“ وہ فوراً بولا۔
”اور اگر تم میری آزمائش پر پورے نہ اترے تو.....؟“ اس کا ذہن متحرک ہو گیا تھا۔
”بس.....! یہ مت کہنا کہ میں تمہارا خیال چھوڑ دوں۔“ ادھر وہ کوئی کچا کھلاڑی نہیں تھا۔
”نہیں.....! میں ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔“ وہ پھر مایوس ہو گئی تھی۔
”تو کہو.....! اور جو بھی کہتا ہے کہہ ڈالو.....!“

”مجھے نہیں پتا.....! بس تم اس موضوع کو ختم کرو۔“ اس کے رونے انداز پر روبرو بیٹھ کر بولی۔
”میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا ہو گیا ہے.....؟ اتنی بزدل تو تم کبھی نہیں تھیں۔“
”اب بھی نہیں ہوں.....!“ اس نے کہہ کر ریسورٹ پر دیا پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد ردا
اور مریم کے ساتھ سعدیہ کو اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر وہ کچھ پریشان سی ہو گئی کیونکہ اس کا موڈ سخت
آف تھا۔ اس لیے اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔
”آپ ہمیں دیکھ کر چھپ کیوں جاتی ہیں.....؟“ سعدیہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔
”نہیں تو.....!“ وہ خود کو نارمل پوز کرنے کی سعی میں اسی قدر کہہ سکی۔
”کیا کر رہی تھیں.....؟“ سعدیہ نے اس کے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے یوں ہی پوچھا۔
”کچھ نہیں.....! بیٹھو۔“ اس نے سعدیہ کے ساتھ مریم اور ردا کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
”سوری.....! بیٹھ نہیں سکتی کیونکہ نیچے ای جان تو تیار کھڑی ہیں۔“ سعدیہ نے کہتے ہوئے پرس
کھول کر اس میں سے ایک لفافہ نکالا پھر اس کی طرف بڑھا کر بولی۔
”یہ آپ کے لیے عید کا رڈ بھائی نے دیا ہے.....!“
”کیا.....! ہمیں دکھاؤ۔“ مریم اور ردا دونوں اچھل کر کارڈ چھیننا چاہتی تھیں۔
”سوری.....!“ سعدیہ نے پہلے ہاتھ اٹھا کر دیکھا پھر فوراً کارڈ اسے تھما دیا۔
”یہ بے ایمانی ہے.....!“ ردا کی نظریں کارڈ پر تھیں۔
”میں نے کوئی بے ایمانی نہیں کی جن کی امانت تھی انہیں سوپ دی۔“ ہاں.....! اگر یہ خود آپ کو
دیکھا دیں تو ان کی مرضی.....!“ سعدیہ ان دونوں کی بے تابی پر مسکرا رہی تھیں۔
”اس سے تو خیر ہم چھین لیں گے.....!“ مریم اسی وقت چھیننے کے موڈ میں تھی۔
”لیکن میرے جانے کے بعد.....! اوکے بھابی.....!“ سعدیہ نے اس سے اجازت چاہی پھر
مریم اور ردا کو دیکھا تو وہ دونوں اسے گھورتی ہوئی اس کے ساتھ چلی گئیں۔ اس نے بھاگ کر کمرے کا
دروازہ بند کیا۔ گلابی لفافے میں سے عید کا رڈ نکالتے ہوئے اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی۔
ہمایوں نے کوئی لمبی چوڑی تحریر نہیں لکھی تھی۔ چند خوبصورت جملوں کے ساتھ عید مبارک لکھا تھا۔
اس نے بار بار پڑھا پھر کارڈ واپس لفافے میں ڈال کر الماری میں چھپا دیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ مریم اور
ردا کارڈ دیکھنے ضرور آئیں گی لیکن وہ دونوں جانے کن کاموں میں مصروف ہو گئی تھیں کہ وہ انتظار رہی کرتی
رہ گئی۔
”رات میں جب وہ امی ڈیڈی کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آئی تو پھر کارڈ نکال کر دیکھنے لگی
جس پر تحریر چند جملے اس کے احساسات کو نرمی سے چھو گئے تھے۔ یہ اس کی زندگی کا خوبصورت موڑ تھا۔ اس
کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے کارڈ واپس رکھا اور موہاں کان نکال کر آن کرتے

جواب دے رہا تھا۔
”رات میں ضرور کھالینا اور نہ تیری بے پریشان ہوتی ہے۔“ سردار ہاشم علی نے اب تاکید کی۔
”جی.....!“ اس نے اختصار سے کام لیا۔
”ہوں.....!“ سردار ہاشم علی نے پہلے بنکارا بھرا پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے پوچھنے لگے۔
”تو نے شادی میں اپنے دوستوں کو بھی بلایا ہے کہ نہیں؟“
”نہیں.....!“ وہ اب بھی منتظر تھا۔
”کیوں.....؟“ سردار ہاشم علی نے پہلے سوال اٹھایا پھر خود ہی اس بات سے ہٹ کر پوچھنے لگے۔
”اچھا خیر! یہ بتا تو نے کیا سوچا ہے.....؟“
”کس بار سے ہیں.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔
”میں چاندنی کی جاگیر کی بات کر رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔
”اس کے بارے میں کیا سوچوں.....؟“
”وہ تجھے اپنے نام کرانی ہے.....!“ سردار ہاشم علی زور دے کر بولے اور چاندنی سے شادی کا مقصد تو اس کا بھی یہی تھا۔ پھر بھی محض انہیں رنج کرنے کی غرض سے بولا۔
”کیا فرق پڑتا ہے بابا! اس کے نام رہے یا میرے نام.....!“
”فرق پڑتا ہے پتر.....! فرق پڑتا ہے۔ عورت اگر پیسے والی ہو تو قابو میں نہیں آتی۔ اپنے پیسے کا رعب جاتی ہے اس لیے تو ابھی سے یہ رعب اپنے ہاتھ میں لے لے۔ چاندنی ابھی کم عمر ہے، نادان ہے، آرام سے تیری بات مان جائے گی، جو تو کہے گا وہی کرے گی۔“ سردار ہاشم علی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ پھر سوچ انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگا۔
”اور تیرا کیا پروگرام ہے، چاندنی کو ساتھ شہر لے جائے گا.....؟“ قدرے توقف کر کے سردار ہاشم علی نے پوچھا۔
”نہیں.....!“ اس نے بے اختیار سختی سے منع کیا پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگا۔
”نہیں بابا! ابھی نہیں.....! وہ وہاں اکیلی پریشان ہو جائے گی۔ میں تو سارا دن آفس میں ہوتا ہوں۔“
”پھر کب لے جائے گا اسے.....؟“ انہوں نے پھر وہی سوال اٹھایا اور اگر ان کی جگہ بے بے ہوئیں تو وہ صاف کہہ دیتا بھی نہیں، لیکن اب انہیں مطمئن کرنا تھا۔
”لے جاؤں گا.....! پہلے بے بے اسے گھر داری سنبھالنا سکھالیں پھر لے جاؤں گا۔“
”ٹھیک ہے.....! جیسے تیری مرضی.....! پر زیادہ دن اسے یہاں نہ چھوڑنا۔“ سردار ہاشم علی نے اس کی بات مان کر بھی تنبیہ ضروری سمجھی۔ وہ خاموش ہو رہا۔

”ابھی نہیں.....! ابھی شاید کوئی اس طرف آ رہا ہے۔ میں پھر تمہیں فون کروں گی، اوکے.....!“
اس نے غلط ظاہر کرتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا۔
اصل میں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی آزمائش میں ایسی کیا بات کہے جو وہ اس کے راستے سے ہٹ جائے۔ فون بند کرنے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک اسی بچ پر سوچتی رہی پھر تھک کر سو گئی۔
○○○
خوبی کی سیاوٹ اور اس میں اُتری ساری رونقیں جس کے لیے تھیں وہ اس سے بے خبر تو نہیں تھا لیکن حد درجہ بے نیازی اور لائق کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ سب کچھ اس کی مرضی کے خلاف ہو رہا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ چاندنی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اس کی جاگیر کی خاطر وہ آماوہ ہو گیا تھا لیکن بے اور بابا کے جلدی چپانے پر وہ ناراض تھا اور یہ بھی نہ ہوتا اگر جو اس کے حواسوں پر زور یہ نہ سوار ہوتی، اس کے معاملے میں ایک تو وہ بے اختیار تھا۔ دوسرے اس کے گریز سے اس کے اندر جو ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی تھی اس میں ہر نئے دن کے ساتھ اضافہ ہی ہو رہا تھا اور وہ اسے تو پریشان کر رہی رہا تھا خود بھی چپین سے نہیں تھا۔ پھر رات جو اچانک اس کا فون مل گیا تھا اور نوریہ نے محبت میں اسے آزمانے کی بات کر کے مزید اس کی نیندیں اُڑا دی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ پھر فون کرے گی اور اسی انتظار میں اس نے تمام رات سوتے جاگتے گزاری تھی۔ پھر سارا دن بھی وہ کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ ناشتے کھانے کے علاوہ بھی کتنی بار بے کا بلاوا آچکا تھا اور وہ بس اچھا کہہ کر رہ گیا۔ اپنے جنون میں وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ جس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی ہو رہی ہے وہ اپنے دل میں کتنے ارمان لیے بیٹھی ہوگی۔ اس کی آنکھوں میں کیسے کیسے خواب سجے ہوں گے۔
کچھ پرواہ نہیں تھی اسے۔ نہ جذبات کہ نہ اُمنگوں اور نہ آرزوؤں کی۔ اس کے نزدیک یہ شادی محض ایک کٹ منٹ تھی۔ جس میں دوسرا فریق تن، من، دھن سب کچھ ہار رہا تھا، تو کیوں؟ وہ یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کر رہا تھا اور یہ اس کی خود غرضی کی انتہا تھی۔ بہر حال جب وہ سارا دن بھی نیچے نہیں اُتر تو شام میں سردار ہاشم علی خود اس کے پاس چلے آئے۔
”کیا کر رہا ہے حاکم.....!“ سردار ہاشم علی نے قصداً اس کا احوال پوچھنا نہ یہ کہ وہ بار بار بلائے جانے پر بھی نیچے کیوں نہیں آیا۔
”کچھ نہیں بابا!.....! بس ایسے ہی بیٹھا تھا۔“ وہ ان کی آمد پر کھڑا ہو گیا تھا پھر ان کے بیٹھنے پر بیٹھ گیا۔
”تیری بے بے بتا رہی تھی تو نے دوپہر میں کھانا نہیں کھایا۔ طبیعت ٹھیک ہے تیری.....؟“ سردار ہاشم علی کا انداز اب بھی سرسری تھا۔
”جی.....! ٹھیک ہوں.....! بس بھوک نہیں تھی اس لیے نہیں کھایا۔“ وہ بھی ان ہی کے انداز میں

تصور نہیں تھا۔

”جو..... چوڑیاں.....!“ چاندنی کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

”پھینکلوں انہیں اور جاؤ اپنا حلیہ ٹھیک کرو.....!“ وہ نخوت سے کہہ کر موبائل چیک کرنے لگا کہ شاید نوریہ نے فون کیا ہو لیکن اس کے نام سے کوئی مس بیل نہیں تھی۔ وہ مایوس سا ہو گیا پھر بلا ابراہیم چاندنی کو دیکھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر یوں کھڑی تھی جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو کیا کرے۔

”ایسے کیوں کھڑی ہو.....؟“ اس نے ناگواری سے ٹوکا۔

”وہ کپڑے.....!“ وہ اسی قدر کہہ سکی۔

”ہاں.....! جاؤ چیخ کر.....“ اس نے جھڑکنے والے انداز میں کہا تو چاندنی بے جا رگی سے بولی۔

”کپڑے نہیں ہیں.....! سب نیچے ہیں.....!“

”تو تم اوپر کیا کر رہی ہو.....؟“ وہ پھر دھاڑا اور اس کے سر جھکانے پر اس کے قریب آ کر کاکٹ

دار سجھ میں کہنے لگا۔

”سنو.....! اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں بھاگ کر تمہارے کپڑے اٹھاؤں گا پھر چیخ کرنے میں بھی

تمہاری مدد کروں گا تو ایسا بھی خواب میں بھی مت سوچنا، سمجھیں.....!“

”جی.....!“ چاندنی کا جی نہ سمجھنے والا تھا لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی اور اپنی کہے گیا۔

”میں نہیں جانتا تمہارے دل میں میرے لیے کیا ہے اور تم مجھ سے کیا توقع کر رہی ہو۔ میں یہ سب

جاننا بھی نہیں چاہتا کیونکہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تم بھی سن لو کبھی مجھ سے کسی قسم کی کوئی امید مت

رکھنا۔“ وہ اپنی جگہ سے ہوا کر ایک لگ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

”میں تمہاری جھولی میں محبت تو کیا نفرت بھی نہیں ڈال سکتا۔ بس یا کچھ اور بھی سننا چاہو گی۔“ وہ

اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر انتہائی سفاکی سے بولا پھر یک دم سر جھٹک کر کمرے سے نکل آیا اور

برآمدے میں ٹپٹنے لگا۔ اس کے اندر جانے کیسا غبار بھرا تھا کہ چاندنی کو اتنا کچھ سنا کر بھی اس کا غصہ کم نہیں

ہوا تھا۔ کتنی دیر وہ ٹھٹھا رہا پھر دوسرے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر کے لا کر میں سے شراب کی بوتل

نکال لی۔ ابھی گلاس میں اٹھل رہا تھا کہ اس کی جیب میں موبائل بجنے لگا۔

”نور جہاں.....!“ اسے جس کے فون کا انتظار تھا فوراً موبائل آن کرتے ہی اسے پکارا تو ادھر

سے نشی کھٹکھٹا کر بولی۔

”تو نور جہاں نام ہے اس کا.....؟“

”اوہ.....!“ اس نے سینے میں دبی سانس ہونٹ سیکڑ کر باہر نکالی، پھر پوچھنے لگا۔

”خبریت تو ہے نشی.....! اتنی رات کو.....“

”سب خبریت ہے.....! بس نیند نہیں آرہی تھی۔ سوچا تمہاری خیریت معلوم کر لوں۔ کہاں ہو

”اچھا پھر کھانے پر نیچے آ جانا.....!“ سردار ہاشم علی کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی اٹھ گیا

اور ان کے پیچھے چلتے ہوئے دروازے تک آ کر رُک گیا۔ سردار ہاشم علی چلے گئے۔

اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور سگریٹ سلگا کر ٹپٹنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سردار

ہاشم علی اچانک اتنے کھنور کیسے ہو گئے تھے۔ وہ تو ہمیشہ سے اس کی ہر بات مانتے آئے تھے۔ پھر شادی

کے معاملے میں زبردستی کیوں کر رہے تھے۔ ایسا تو وہ جب کرتے اگر جو اس نے چاندنی کے ساتھ شادی

سے صاف انکار کر دیا ہوتا لیکن وہ تو خود آمادہ تھا بس کچھ وقت کی مہلت چاہتا تھا اور سردار ہاشم علی کو جانے

کس بات کا خدشہ تھا یا شاید اس کا اعتبار نہیں تھا۔ جو بھی تھا وہ بہر حال بہت شکی ہو رہا تھا اور اسے یہ دن

گزارنے بہت کٹھن لگ رہے تھے۔

اور وقت خواہ کیسا ہی کٹھن کیوں نہ ہو گزر رہی جاتا ہے۔ وہ لاکھ بیزار رہا، گھر کے باقی سب لوگوں

نے اپنے سارے ارمان پورے کئے۔ اس کی بہنیں ہر موقع پر ہی کہتی رہیں کہ ہمارے کون سے اور بہت

سارے بھائی کھڑے ہیں، ایک ہی تو ہے اسی پر سارے ارمان نکالیں گے۔ اسی طرح اس کے بھانجے،

بھانجیوں نے بھی ہر کام میں بھرپور حصہ لیا۔ ہندی کی رسم میں تو سب زبردستی اسے کھینچ لائے تھے اور اس

کے سامنے لڑکوں نے خوب بھنگڑا ڈالا۔ اتنا جوش و خروش دیکھ کر بھی اس کے اندر کوئی شوق نہیں ابھرا۔ اس

کے برعکس وہ ان سب ہنگاموں سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا اور یہی ممکن نہیں تھا۔

سردار ہاشم علی اس وقت تک کھنور بنے رہے جب تک اس نے نکاح نامے پر دستخط نہیں کر دیئے

اس کے بعد ہمیشہ کی طرح بہت خوش ہو کر انہوں نے اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی پر چوم کر ڈھیروں

دعا کیں دیں تو وہ بس انہیں دیکھتا رہ گیا۔ پھر جانے کتنی رسموں سے گزرنے کے بعد اسے اوپر جانے کی

اجازت ملی تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی سرخ گٹھری بنی چاندنی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور دھیرے

دھیرے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے چاندنی کو باقاعدہ بینہ پر پھیل

دیا۔ یوں جیسے کسی ناگوار بوجھ کو اتار پھینکا جائے۔

بینہ پر گرنے سے چاندنی کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی تھی البتہ اپنے ہی بوجھ سے دب کر اس کی کلائی میں

کا کچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر غائب کلائی میں چھب گئی تھیں جس سے وہ بے ساختہ کراہی تھی۔

”اولی اللہ.....!“

”خبردار.....! کوئی ڈراما کرنے کی کوشش کی تو.....“ وہ دھاڑ کر بولا۔ چاندنی کی آنکھوں میں آنسو

آگئے جنہیں چھٹکنے سے روکنے کی خاطر وہ پلکیں جھپکنے لگی۔

”ہائمنس.....!“ وہ سر جھٹک کر ڈرینگ روم میں چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں چیخ کر کے واپس

کمرے میں آیا تو چاندنی اپنی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں سینے میں لگی تھی۔

”یہ کیا ہے.....!“ اس کے اندر اتنے دنوں سے جو غصہ بھرا تھا وہ اس پر نکال رہا تھا جس کا کہ کوئی

نور یہ کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی تو پھر سے گھر میں خوشگوار ہنگامے جاگ اٹھے اور اب سب لوگ واقعی خوش تھے۔ خوش تو نور یہ بھی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اسے حاکم علی کی طرف سے مسلسل دھڑکا لگا ہوا تھا جس سے چھکا راپانے کی وہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر چکی تھی۔ بس ایک آخری کوشش رہ گئی تھی۔ ہمایوں کو ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کی، اور روٹی تو اسے مسلسل اکسار ہی تھی لیکن اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کتنی بار اس نے چاکہ جویریہ سے کہے پھر یہ سوچ کر رہ گئی کہ وہ بھلا اس کی کیا مدد کر سکتی ہے، انا وہ بھی پریشان ہی ہوگی۔ اس وقت بھی اس سلسلے میں پریشان بیٹھی تھی کہ چاکہ اسے نعمان کا خیال آیا جسے وہ ہر بات بتا دیا کرتی تھی۔

”میں نے نومی سے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا.....؟“ وہ اپنے آپ بڑبڑانے لگی۔

”مجھے نومی کو بتانا چاہیے۔ وہی اس کو فرسے نئے گا۔“

”میں خواہتا ہوں عرصے سے پریشان رہی، پہلے ہی اگر نومی کو بتا دیتی تو وہ اس بد معاش کا دماغ ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔“ وہ سوچتی ہوئی اسی وقت نیچے آگئی۔ ردا اور مریم بازار جانے کو تیار کھڑی تھیں لیکن وہی مسئلہ کہ کوئی لے جانے والا نہیں تھا۔ جس پر وہ دونوں جھنجھلائی ہوئی تھیں۔

”کیا بات ہے.....؟“ وہ ان دونوں کے پاس رک گئی۔

”ہم لوگ ہمیشہ کنویں کے مینڈک بنے رہیں گے، کبھی ترقی نہیں کر سکیں گے، شاہنگ مال تک جانے کی اجازت تو ہے نہیں نہیں، اس کے لیے بھی ایک ایک کی خوشامد کرو۔“ ردا ایک دم پھٹ پڑی۔

اس نے مریم کو دیکھا اس کا بھی یہی حال تھا۔

”کیا ضرورت ہے کسی کی خوشامد کرنے کی۔ تم دونوں چلی جاؤ.....!“ اس نے کہا تو مریم اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے خنجر میز لہجے میں کہنے لگی۔

”ماشاء اللہ.....! آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے اس گھر کی روایتوں سے آگاہ ہی نہیں ہیں۔“

”اس کا قصور نہیں ہے۔ اسے تو بچا جان آرام سے اجازت دے دیتے ہیں۔ جاؤ بیٹا.....!“ اکیلی

تم.....؟“ نشی نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ ذومعنی انداز میں بولا۔

”بس.....! جہاں ہونا چاہیے وہاں نہیں ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کیا بتاؤں.....! ایک ڈلہن میرے انتظار میں بیٹھی ہے اور میں.....“ اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ نشی بول پڑی۔

”سوری سردار.....! میں نے شاید تمہیں نیند سے اٹھا دیا..... چلو سو جاؤ.....! ہو سکتا ہے تمہارے خواب کا سلسلہ پھر وہیں سے شروع ہو جائے۔“

”نہیں.....! میں دوبارہ وہ خواب نہیں دیکھنا چاہتا۔“ وہ بھی محظوظ ہو کر بولا۔

”کیوں.....! ڈلہن اچھی نہیں تھی.....؟“ نشی نے ہنس کر پوچھا۔

”اچھی بڑی کا کوئی سوال نہیں..... میری ڈلہن بس وہ ہوگی۔“ اس نے کہا تو نشی فوراً بولی۔

”تو جہاں.....!“

”ہاں.....! اس کی جگہ میں کسی کو نہیں دے سکتا۔“ اس نے اعتراف کے ساتھ کہا۔

”اچھا.....! تم واپس کب آرہے ہو.....؟ میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔“ نشی نے بات بدلی۔

”آ جاؤں گا.....! دو چار دن میں آ جاؤں گا.....!“

”مائی گاؤ.....! ابھی دو چار دن اور.....“

”کیا کروں.....؟ باپائیں آنے دے رہے۔“ اس نے یہ بات جتنے آرام سے کہی اسی قدر وہ اس

بات سے تھکایا ہوا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے.....! چار دن سے زیادہ نہیں.....!“

”اوکے.....!“ اس نے موبائل آف کر کے گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر کے پھر

بھرنے لگا۔

ادھر چاندنی کی شب زفاف شب انتظار بن گئی تھی۔ کوئی آہٹ نہیں تھی پھر بھی وہ چوکتی رہی گو کہ نیند کی مہربان دیو کی بانہیں پھیلائے کھڑی تھی لیکن اس نے پلک نہیں جھپکی۔ ایک تک دروازے کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ صبح کا اُجالا دستک دینے لگا۔

”کہاں رہ گیا ظالم.....! کیا کہوں گی میں سب سے.....؟“

اور وہ اتنی ہی لڑکی جس کی آنکھوں میں اترے گلابی دُورے رت جگے کی چغلی کھا رہے تھے وہ سب سیلیوں کے چیمیز نے پر شرابی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

”ظالم نے سونے نہیں دیا.....!“

”اصل بات اسی گھر سے شروع ہوتی ہے۔“ وہ اس کے ٹوکے پر ہنسیلا کر بولی۔

”اچھا۔۔۔ پھر۔۔۔؟“

”پھر یہ کہ اس گھر میں ایک آدمی نہیں بلکہ دو آدمی تھے۔ ایک تو مجھے دیکھتے ہی چلا گیا تھا اور دوسرے نے اس وقت تو کوئی ایسی بات نہیں کی تھی لیکن بعد میں پھر وہ میرا تعاقب کرنے لگا۔ ایک دوبار سر راہ سامنا ہوا تو اس نے میرا رستہ روک لیا اور اُلٹی سیدھی باتیں کیں۔ یہ بھی کہا کہ وہ مجھے ہر مونہ پر لے گا اور ایسے ہی میرا رستہ روکے گا۔“ وہ رُک رُک کر بتا رہی تھی۔ درمیان میں نظریں بھی چرا جاتی آخر میں سر جھکا گئی۔

”تم۔۔۔ تم نے اسے تو رُک جواب کیوں نہیں دیا۔۔۔؟“ ضبط کے باوجود نعمان کے لہجے سے غصہ

ظاہر ہو رہا تھا۔

”بہت باتیں سنائیں لیکن اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔“ وہ کوئی جرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرمانہ احساس میں گھر گئی تھی۔

”تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔۔۔؟“ نعمان نے شامی ہو کر کہا۔

”میرا خیال تھا وہ باز آ جائے گا۔ آئی مین۔۔۔! میں نے جو اسے اتنی باتیں سنائیں لیکن وہ تو اتنا ہی ضد میں آ گیا جس سے اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے نومی۔۔۔! وہ ایک روہانسی ہو گئی۔

”ارے نہیں۔۔۔! ڈر نے کی کیا بات ہے۔۔۔؟“ وہ ایک دم نرم پڑ گیا پھر چند لمحوں سوچنے کے بعد پوچھنے لگا۔

”اس کا کوئی نمبر وغیرہ۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔! میں نے روبی سے لیا تھا۔ وہ اصل میں پہلے روبی کے گھر فون کر کے میرا پوچھتا رہا تھا۔“ وہ وضاحت کرنے لگی تھی کہ وہ بول پڑا۔

”مجھے اس کا نمبر دو اور تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔۔۔!“ نعمان نے اسے تسلی دے کر کہا۔

”لیکن نومی۔۔۔! مجھے لگتا ہے وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔“ وہ خائف تھی۔

”میں بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہوں۔۔۔!“ نعمان نے کاراؤنچے کر کے گردن اڑائی پھر اس کی سہی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔

”بے وقوف ہو تم۔۔۔! اگر پہلے ہی مجھے بتا دیتیں تو اب تک میں اسے ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔“

”فضول باتیں مت کرو۔۔۔! وہ رُوٹھے لہجے میں بولی۔

”فضول تم ہو۔۔۔! ڈر پوک کہیں کی۔۔۔! حد ہے۔ ایمان سے میں تمہیں کیا سمجھتا تھا اور تم۔۔۔! وہ اس کا مذاق اڑانے لگا تو وہ تپ کر بولی۔

چلی جاؤ اور اگر گاڑی چھن جائے تو پرواہ مت کرنا۔“ روانے جلے بھنے انداز میں کہا تو گاڑی چھن جانے پر اسے خیال آیا کہ وہ نعمان کے پاس آئی تھی۔ فوراً پوچھنے لگی۔

”سنو۔۔۔! نومی کہاں ہے۔۔۔؟“

”اسے بہتر ادا چاچو نے منع کر دیا ہے وہ کہیں نہیں جائے گا۔“ مریم یہی بھی کہہ کر وہ انہیں نومی کے ساتھ جانے کا مشورہ دے گی، جب ہی مایوسی سے بولی تھی۔

”اوہو۔۔۔! میں اس لیے نہیں پوچھ رہی۔ مجھے اس سے کام ہے۔“ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

”ہو گا اپنے کمرے میں۔۔۔! رواسر جھٹک کر بولی۔

”اچھا سنو۔۔۔! وہ جاتے جاتے رُک کر پوچھنے لگی۔

”تم لوگوں کو شاپنگ مال کیوں جانا ہے۔۔۔؟“

”ڈکانداروں سے ٹیک سلیک کرنے۔۔۔! رواسر مزید تپ گئی۔

”بہت دن ہو گئے ہیں ناں ڈکانداروں کی شکلیں دیکھے ہوئے۔۔۔! وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔ مریم کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔

”بس۔۔۔! اب مزید میری جان مت جاؤ۔۔۔! جاؤ اپنا کام کرو۔۔۔!“ روانے اسے دھکیل دیا تو وہ ہنستی ہوئی نعمان کے کمرے میں آ گئی۔

”ماشاء اللہ۔۔۔! آج سورج کدھر سے نکلا تھا۔“ نعمان اسے ہنستے دیکھ کر بولا۔

”کیا کر رہے ہو۔۔۔؟“ وہ اس کی بات ان سنی کر گئی۔

”کرنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں لیکن خیر تم بتاؤ۔۔۔! بہت خوش نظر آ رہی ہو۔۔۔! نعمان اپنی بات چھوڑ کر اس کی طرف آ گیا۔

”خوش نہیں نومی۔۔۔! میں بہت پریشان ہوں اور آج نہیں بہت دنوں بلکہ بہت مہینوں سے۔۔۔! اس نے کہا تو نعمان بغور اسے دیکھنے لگا۔

”کس بات سے۔۔۔؟“

”بات خاصی طویل ہے، مجھے شروع سے بتانی پڑے گی۔ تم اس وقت فارغ ہونا۔۔۔! اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔! فارغ ہی ہوں، تم آرام سے بتاؤ۔۔۔! وہ قدرے ٹھنکا تھا۔

”وہ چھپیں یاد ہے جب میری گاڑی چھنی تھی۔۔۔؟“ وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ہاں۔۔۔!“

”اور میں گاڑی چھوڑ کر بھاگتی ہوئی ایک گھر میں داخل ہو گئی تھی جہاں پھر تم مجھے لینے آئے تھے۔“

”مجھے سب یاد ہے تم اصل بات بتاؤ۔۔۔! نعمان نے بے صبری سے ٹوکا۔

”ٹھیک ہے.....! میں تجھے روک نہیں رہا پر اب جلدی پکڑ لگاتا۔ ذہن چھوڑ کر جا رہا ہے اس کا اب دل نہیں لگے گا یہاں اور ہاں.....! تو نے کاغذات سائن کروائے اس سے.....؟“ سردار ہاشم علی نے دھیرج سے کہتے ہوئے اچانک یاد آنے پر پوچھا۔

”کروالوں گا.....!“ اس کی بے نیازی پر سردار ہاشم علی ایک دم تیز ہو کر بولے۔

”کب کروائے گا.....؟“

”اب یہ میرا مسئلہ ہے بابا.....! آپ فکر نہ کریں.....!“ اس نے اپنے تئیں انہیں اطمینان دلایا لیکن وہ جھگڑ گئے۔

”تو بہت لاپرواہ ہے حاکم.....! پھر بھول جائے گا..... یہ کام ابھی کر کے جا..... کاغذات تیرے

پاس ہیں ناں.....؟“

”جی.....!“

”تو سائن کروانے میں کتنی دیر لگتی ہے.....؟ جا ابھی کروالے.....!“

”جی.....!“ وہ زیادہ بحث و تکرار سے بچنے کی خاطر اس وقت اوپر آ گیا لیکن پھر فوراً اس کمرے

میں داخل نہ ہو سکا جہاں اس نے چاندنی کو اس کے پہلے حق سے محروم رکھا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اس کے اندر کوئی احساس جاگا تھا بس آپ ہی آپ قدم رک گئے تھے۔ پھر چند لمحوں بعد اس نے ابھی ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا کہ اندر سے چاندنی نے دروازہ کھول دیا اور اسے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئی۔

”میں کراچی جا رہا ہوں.....!“ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی چاندنی کو مخاطب کئے بغیر

جیسے اسے اطلاع دی تو وہ سادگی سے پوچھنے لگی۔

”میں بھی.....!“

”نہیں.....! تم ابھی یہیں رہو گی.....!“ وہ کہہ کر الماری کی طرف بڑھ گیا پھر بریف کیس نکال کر

صوفے پر جا بیٹھا۔

چاندنی کا دل چاہا اس سے پوچھے کہ جب مجھے یہیں چھوڑ کر جانا تھا تو پھر شادی کا ڈھونگ کیوں

رچایا؟ میں تو پہلے بھی یہیں رہ رہی تھی، لیکن وہ کیسے پوچھتی۔ اس نے پوچھنے کا حق ہی کب دیا تھا۔ بیشک وہ

کم عمر تھی، نادان تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ شادی کا مطلب نہ سمجھتی۔ اس پر تو ادراک کے سارے ذرا اسی روز

واہو گئے تھے جب اس نے اپنی اور حاکم کی شادی کی بات سنی تھی۔ اسی روز سے اس کے دل کا آنگن مہلک

اٹھ اٹھا اور آنکھوں میں خوبصورت خواب جگ گئے تھے۔ اسے یاد آیا اس نے کھٹکھٹاتے ہوئے زنب کو بتایا

تھا۔

”میری شادی ہو رہی ہے حاکم کے ساتھ.....!“

”ہائے ظالم.....!“ زنب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

”زیادہ طرم خاں بننے کی ضرورت نہیں ہے.....!“

”اچھا.....! ناراض مت ہو.....! یہ بتاؤ.....! وہ دیکھنے میں کیسا ہے.....؟ آئی مین.....! بد معاش

ٹائپ.....؟“

”نہیں.....!“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم بہر حال اس سے کوئی جھگڑا مول مت لینا۔“

”بھئی.....! اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکالتا تو پھر مجبوراً انگلیاں لیزھی کرنی پڑیں گی.....! نعمان

نے کہا تو وہ چند لمحے بے سوچ انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

”ایک اور طریقہ ہے نوئی.....! میں اگر ہایوں کو یہ سب بتا دوں تو.....“

”خبردار.....! ایسی غلطی کسی مت کرنا.....!“ اس نے سختی سے منع کیا پھر کہنے لگا۔

”تم کیوں فکر کرتی ہو.....؟ مجھ پر بھروسہ رکھو.....! میں کوشش کروں گا بغیر کسی جھگڑے کے یہ

معاملہ یہیں ختم ہو جائے اور انشا اللہ ہو جائے گا۔“

”خدا کرے.....!“ وہ دھیرے سے بولی۔

”بس.....! تم مجھے اس کا نمبر دے دو.....!“

”ابھی لائی.....!“ وہ کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

○ ○ ○

چاندنی نے اپنی سہیلیوں کو تو مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ خود حیران تھی کہ حاکم علی نے اس کی تعریف تو

دور کی بات پسندیدگی کی ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔ نہ شادی کی رات نہ ویسے کی تقریب میں جبکہ

باقی سب لوگوں کی نظریں اس پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں اور وہ جس کے لیے اسے سجایا گیا تھا اس کی

ایک نگاہ التفات کو ترستی رہ گئی بلکہ دوسری شب بھی اس کے انتظار میں کئی تھی اور وہ دوسرے کمرے میں

آرام سے سوتا رہا۔ پھر صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوتے ہی حاکم علی نے کراچی جانے کی بات کی تو بے

بے حیران ہو کر بولیں۔

”اتنی جلدی.....!“

”یہ جلدی ہے بے بے.....! میں بیس پچیس دن سے یہاں ہوں اور وہاں آفس کا جو حال ہو گا وہ

آپ کیا جانیں.....؟ ان دنوں منیجر بھی چھٹی پر گیا ہوا ہے۔“ وہ بے بے کے اتنی جلدی کہنے پر چھنچلا گیا

تھا۔

”پتہ.....! تیری بے بے کا مطلب ہے ابھی تو تیری شادی ہوئی ہے۔“ سردار ہاشم علی نے ”اتنی

جلدی“ کی وضاحت کی۔

”ہو گئی ناں شادی.....! اب آپ مجھے اجازت دیں۔“ وہ بہت ضبط سے بولا۔

”یہی وی ہی وی پلیر کپیوٹر اور بھی کچھ چاہیے تو بتا دو.....! میں لا دوں گا۔“ وہ حد درجہ بے بسی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

”بتاؤ.....! اور کیا چاہیے.....!“ وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

”اُدکے.....!“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بریف کیس الماری میں بند کیا پھر اپنا کوٹ اٹھالیا۔

”میں چلتا ہوں.....!“ وہ دروازے تک چلا گیا پھر چانک پلٹ کر بولا۔

”اپنا خیال رکھنا.....!“ وہ اس کی بے بسی پر آزرده کھڑی تھی لیکن اس آخری بات پر اچانک خوشگوار احساس میں گھر گئی۔ حاکم علی چلا گیا اور وہ اپنے آپ کھلکھلا کر بولی۔

”اپنا خیال رکھنا.....!“

○ ○ ○

نعمان نے بظاہر تھکنے سے نوریہ کی پریشانی سنی تھی لیکن اندر سے وہ چیخ و تاب کھاتا رہا۔ بس نہیں چل رہا تھا اسی وقت جا کر اس شخص کو شوٹ کر دے۔ وہ تو اچھا ہوا فوراً اس کا حاکم علی سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ کبھی اس کا نمبر گنجان ملا اور کبھی نیٹ ورک بڑی ہونے کے باعث رابطہ نہ ہو سکا ورنہ غصے میں وہ جانے کیا کچھ کہہ جاتا۔ پھر شام تک گو کہ اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا البتہ ذہن یہ ترغیب دینے لگا تھا کہ غصے میں بات خراب ہو سکتی ہے۔ اس لیے پہلے اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی اور جب کسی حد تک کامیاب ہو گیا تب پھر اس کا نمبر پیش کیا۔ دوسری طرف بیل جانے لگی پھر حاکم علی کی ٹھوس آواز سنائی دی۔

”ہیلو.....!“

نعمان ایک دم بوکھلا گیا کیونکہ وہ غصے سے کھوٹا ضرور رہا تھا لیکن یہ سوچا ہی نہیں کہ اسے کیا کہہ کر مخاطب کرے گا اور اپنے تعارف میں کیا کہے گا۔

”ہیلو.....!“ دوبارہ حاکم علی کی آواز آئی تب وہ سنپھٹتے ہوئے کہنے لگا۔

”دیکھیں مسٹر.....! یوں تو میں آپ کو اور آپ مجھے نہیں جانتے پھر بھی مجھے آپ سے بات کرنی پڑ رہی ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا.....!“ حاکم علی کے لہجے میں ناگواری تھی۔

”مطلب کو چھوڑیں اور پہلے یہ بتائیں آپ کون ہیں.....؟“ نعمان نے اس کی ناگواری محسوس کر کے سخت لہجہ اختیار کیا۔

”میں جو کوئی بھی ہوں آپ کو اس سے مطلب.....؟“ حاکم علی بھی اسی کے انداز میں بولا۔

”مطلب ہے کیونکہ آپ میری کزن نور کو مسلسل پریشان کر رہے ہیں اور میں اسی سلسلے میں آپ کو وارن کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ.....“

”ایک منٹ.....!“ حاکم علی اس کی بات کاٹ کر کہنے لگا۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کسی

”کون ظالم.....!“ وہ کبھی نہیں تھی۔

”وہی حاکم.....! چاہے ریشم کی شادی پر آپ کی سہیلیاں کہہ رہی تھیں کہ حاکم بڑا ظالم ہے۔ اسے چوڑیوں کی چھکار سنائی دیتی ہے نہ پازیب کی جھنکار۔“

اس کی نظریں اپنی کلائی میں کچی سرخ سبز کانچ کی چوڑیوں پر جا ٹھہریں۔ پھر وہ انگلی سے انہیں چھیڑنا چاہتی تھی کی حاکم علی نے پکار لیا۔

”چاندنی.....!“

”ہاں.....!“ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”ادھر آؤ.....!“ وہ بریف کیس گھنٹوں پر رکھے کچھ کاغذات اُٹھنے پلٹنے میں مصروف تھا۔

”جی.....!“ وہ اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

”یہاں بیٹھو.....!“ حاکم علی نے انگلیوں میں دبے پین سے اپنے برابر والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی تو پوچھنے لگا۔

”میسٹر کر لیا تم نے.....؟“

”امتحان دیا ہے.....! ابھی رزلٹ نہیں آیا۔“ وہ اس غیر متوقع سوال پر اندر ہی اندر حیران ہو کر

بولی۔

”اور تمہارا این آئی سی.....؟ وہ تو نہیں بنا ہوگا.....؟“ وہ خود ہی سوچ میں پڑ گیا پھر سر جھٹک کر کہنے لگا۔

”خیر.....! ابھی تم یہ پیپر ز سائن کر دو پھر جب این آئی سی بنے گا تو میں اس کا نمبر دیکھ لوں گا۔“

”یہ کیا ہے.....؟“ وہ ایک نظر کاغذات پر ڈال کر پھر اسے دیکھنے لگی۔

”میری قسمت.....!“ حاکم علی کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس سے سائن کروا کر کاغذات واپس بریف کیس میں رکھتا ہوا بولا۔

”بابا کو بتا دینا کہ تم نے سائن کر دیئے ہیں۔“

”جی.....!“ وہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔

”لیکن اور کسی کو مت بتانا.....!“

”جی.....!“ وہ بریف کیس بند کر کے اسے دیکھنے لگا تو وہ سر جھٹک گئی۔

”میں ابھی واپس جا رہا ہوں کراچی.....! قدرے وقف سے وہ خود ہی کہنے لگا۔

”بابا کہہ رہے تھے تمہارا اب یہاں دل نہیں لگے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن تمہیں یہیں دل لگانا ہے یہاں تمہارا سے بے بہت کچھ ہے۔“

”تم تو نہیں ہو گئے.....!“ وہ صرف سوچ سکی۔

”اچھا! اب بس کرو! زبردستی کیوں انہیں سلا رہی ہو.....؟“ وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا پھر

جب سے موبائل نکال کر دھیرے سے بولا۔

”میں نے ابھی اس نمبر پر فون کیا تھا۔“

”پھر.....!“ نوریہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی پھر آواز دبا کر بولی۔

”اوپر چلو! میں آ رہی ہوں.....!“

”جلدی آؤ.....!“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل آیا اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر نوریہ کے

کمرے میں آ گیا۔ کچھ دیر بعد نوریہ آگئی اور بے صبری سے پوچھنے لگی۔

”ہاں! کیا کہا اس نے.....؟ بلکہ تم نے اس سے کیا کہا.....؟“

”پہلے تم بتاؤ.....! تم نے اس کا نمبر مجھے دیا تھا یا کوئی اور.....؟ اس نے پوچھا۔

”اور کس کا دوں گی.....؟“ وہ چیخ کر بولی۔

”اچھا خیر! وہ بہر حال منع کر رہا ہے، کہہ رہا تھا میں کسی نور کو نہیں جانتا اور نور.....! اس نے

اپنے بارے میں جو کچھ بتایا اس سے تو میں بھی نفی ز ہو گیا۔“ وہ بتاتے ہوئے اُلجھ گیا۔

”کیا بتایا اس نے اپنے بارے میں.....؟“ نوریہ نے تفسر سے پوچھا پھر خود ہی کہنے لگی۔

”وہ بہت شارپ آدمی ہے نوری.....! اس نے تمہیں بھی چکرا دیا۔“

”لیکن وہ اپنے لہجے اور انداز سے تو خاصا سوری لگ رہا تھا۔“ وہ ہنسوچ انداز میں بولا۔

”انتہائی مکار ہے! تم ابھی اس کا نمبر ملاؤ.....! میں بات کرتی ہوں پھر دیکھو وہ مجھے پہچانتا ہے

کہ نہیں.....!“ نوریہ کی بات پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

”میں.....! لیکن میرے نہیں اپنے موبائل سے بات کرو اور مانگ آن کر کے..... تاکہ میں بھی

سنوں.....!“

”یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو.....!“ نوریہ نے فوراً الماری کھول کر اپنا موبائل نکالا اور مانگ آن کر کے

حاکم علی کا نمبر پیش کر دیا۔

”ہیلو.....!“ قدرے تاخیر سے حاکم علی بولا۔ لہجے میں نہ شناسائی تھی نہ ہمیشہ والی بے قراری۔

”میں ہوں نور.....!“ نوریہ نے کہا تو وہ حد درجہ جہنیت سے بولا۔

”جی فرمائیے.....!“ نوریہ نے حیران ہو کر نعمان کو دیکھا پھر اس کے اشارے پر کہنے لگی۔

”دیکھو مسٹر.....! انجان بننے کی کوشش مت کرو.....! تم گزشتہ کئی مہینوں سے میرا قابض کر رہے

ہو۔“

”ایک منٹ! کیا نام بتایا آپ نے اپنا.....؟“ ادھر سے حاکم علی نے ٹوک کر پوچھا۔

”نور! نور جہاں.....!“ اس نے پہلے دانت پیسے پھر نور جہاں پر زور دیا۔

نور کو نہیں جانتا اور فرض کریں اگر جانتا بھی ہوتا تو پریشان کیوں کرتا.....؟ آئی مین.....! جاننے والوں کو

پریشان تو نہیں کیا جاتا۔ دوسری بات یہ کہ میں کوئی نوجوان لڑکا نہیں ہوں اور نہ ہی فارغ ہوا کسی نازیبا

حرکتیں کرتا پھروں۔ آپ اگر میرے بارے میں جانتا چاہتے ہیں تو میرے آفس تشریف لے آئیے.....!

ایس ایچ اے، نام سنا ہوگا آپ نے.....؟ میں اس فرم کا بیجنگ ڈائریکٹر ہوں۔“

”جھوٹ کہہ رہے ہیں آپ.....!“ نعمان کو خود اپنی آواز کمزور لگ رہی تھی۔

”میں نے کہا ناں.....! میرے آفس تشریف لے آئیے.....! جھوٹ سچ ثابت ہو جائے گا۔

پھر کب آ رہے ہیں آپ.....؟“ حاکم علی انتہائی اعلیٰ ظرفی کا مظاہر کر رہا تھا۔ مقصد محض اسے مرعوب کرنا

تھا اور نعمان واقعی مرعوب ہو کر سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں اس سے کوئی غلط نمبر تو ڈائل نہیں ہو گیا۔

”ہیلو.....! ہیلو مسٹر.....!“ ادھر سے حاکم علی نے اسے پکارا تب چونک کر اس نے موبائل آف کر

دیا اور اپنے آپ میں اُلجھتا ہوا کمرے سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا کہ عقب سے رد اپکار کر بولی۔

”بھائی.....! اوپر کوئی نہیں ہے.....!“

”کیوں.....! نور یہ کہاں ہے.....؟“ اس نے واپس پلٹتے ہوئے پوچھا۔

”دادی کے کمرے میں اور چچی جان کو میں نے بڑے پاپا کی طرف جاتے دیکھا تھا۔“ ردانے بتایا

تو وہ یونہی اثبات میں سر ہلا کر دادی کے کمرے میں آ گیا۔

نوریہ دادی کے سر میں تیل لگاتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ان کے بالوں کی تعریف کر رہی تھی۔

”السلام علیکم دادی.....!“ اس نے سلام کیا تو دادی نے ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھتے ہوئے

جواب دیا۔

”وعلیکم السلام.....!“

”صرف ایک آدمی کو سلام کرنے کی کیا تک ہے.....؟ یہاں میں بھی موجود ہوں.....!“ نوریہ

نے فوراً اپنا احساس دلایا۔

”اچھا.....! تمہیں بھی السلام علیکم.....!“

”وعلیکم.....!“ نوریہ کے اُدھورے جواب پر وہ کہنے لگا۔

”صرف وعلیکم بتا ہے کہ کتے ہیں.....؟“

”پتا ہے.....! غیر مسلموں کو۔“ وہ کہہ کر شرارت سے ہنسی۔

”سن رہی ہیں دادی.....! یہ مجھے غیر مسلموں میں شمار کر رہی ہے۔“ نعمان نے اسے گھورتے

ہوئے دادی کا گھٹنا ہلا کر کہا۔

”کیا کر رہی ہے.....؟“ دادی غنودگی سے چونکیں۔

”تیل لگا رہی ہوں دادی.....!“ وہ فوراً بولی اور ان کے سر پر تیز تیز انگلیاں چلانے لگی۔

لیکن پھر دل بے قرار ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر کوئی مصروفیت ڈھونڈتی رہی پھر می سے کہہ کر باہر نکل آئی اور یونہی بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ کتنی تنہا ہے۔ یعنی اس کی کوئی ایسی دوست نہیں جس سے وہ اپنے دل کا احوال کہہ سکے۔

”ایک سردار کو ہی میں نے سب کچھ سمجھ لیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرا نہیں پھر بھی۔“ وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کرنے لگی تھی۔

”کیا پاگل پن ہے؟ لیکن میں کیا کروں؟ مجھے خود پر اختیار نہیں جیسے وہ کہتا ہے کہ اسے نور کے معاملے میں خود پر اختیار نہیں۔“

”نور! کون ہے یہ نور؟“ جانے کیا بات ہے اس میں کہ سردار حاکم علی جیسا گھمنڈی اس کے سامنے بے اختیار ہو گیا اور اسے محبت بھی ہو گئی وہ جو محبت پر یقین ہی نہیں رکھتا تھا۔

”ہاں! وہ دراصل سائنسی پھر راستے پر دھیان دیا تو چونک پڑی۔ اگلے موڑ پر حاکم علی کا ہنگامہ تھا اور یہاں سے واپس پلٹنا یا اس موڑ سے نظر سچا کر گزر جانا قطعی ناممکن تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر کڑھ کر رہ گئی اور پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ حاکم علی کے سامنے کھڑی تھی۔

”کیسے ہو سردار! کیا گاؤں میں دل لگ گیا تھا؟“ اس کے سامنے وہ نارمل ہو جاتی تھی۔

”نہیں! اپنے بس میں کہاں ہے؟“ حاکم علی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے آہ بھر کر کہا۔

”کب تک آہیں بھرتے رہو گے، اسے اپنا لویا بھول جاؤ۔“ نشی نے یوں کہا جیسے دونوں باتیں بہت آسان ہوں۔

”اپنا ہی تو چاہتا ہوں اور ایک دن اپنا کر رہوں گا۔“ حاکم علی کے لہجے میں عزم تھا۔

”ابھی بات ہے! یہ بتاؤ تمہارے پیرئس کیسے ہیں؟“ وہ بات بدل گئی۔

”اچھے ہیں اور بہت خوش کیونکہ انہوں نے میری شادی کر دی ہے۔“ وہ یوں ہی چونکا کر رہا تھا۔

”کیا واقعی؟“ نشی کے اندر چمن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

”ہاں! وہ ہنسا۔

”نہیں سردار! تم مذاق کر رہے ہو۔“ نشی نے گویا خود کو بہلانے کی کوشش کی۔

”مذاق نہیں نشی! اچھا کہہ رہا ہوں۔ اس لیے تو میں اتنے دن وہاں رہ گیا ورنہ تم جانتی ہو تیرے دن ہی چلا آتا ہوں۔“ حاکم علی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کتنی دیر اسے دکھتی رہی پھر تاسف سے بولی۔

”کمال ہے! تم نے شادی کر لی اور ہمیں بلایا بھی نہیں؟“

”کم آن نشی! یہ کوئی شادی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو میں نے اپنے پیرئس کی خوشی پوری کی ہے۔ خود میں اس سے بالکل خوش نہیں ہوں۔“ وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہاں تو مس نور جہاں! ابھی کچھ دیر پہلے میرے پاس ایک شخص کا فون آیا تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کی کزن نور کو پریشان کرنا ہوں تو غالباً آپ وہی نور ہیں اور میرا خیال ہے آپ دونوں کزنز مل کر یا تو مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں یا پھر۔“

”سٹ اپ! وہ چیخ پڑی تو نعمان نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر آف کر دیا۔

”یہ کیا بے وقوفی ہے!۔“

”نومی! وہ غصے سے کانپنے لگی۔

”نومی! وہ سمجھ گیا ہے کہ تم میرے پاس کھڑے اس کی باتیں سن رہے ہو اس لیے وہ۔“

”اچھا! اریلیکس ہو جاؤ۔“ نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا۔ پھر کہنے لگا۔

”غلطی ہو گئی! تمہیں ابھی فون نہیں کرنا چاہیے تھا دو تین دن بعد کرتیں تو شاید! خیر تم فکر مت کرو اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔“

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”ابھی دیکھو! جب اسے معلوم ہو گیا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے تو کیسے تمہیں پہچاننے سے ہی انکار کر دیا اور اُمید ہے آئندہ بھی نہیں پہچانے گا۔“ نعمان نے کہا تو وہ اُچھل پڑی۔

”ہاں نومی! یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“

”اسی لیے ایسی باتیں چھپائی نہیں جانتی ہیں، آئی سمجھ۔“ وہ اس کے بالوں کی لٹ سمجھ کر مسکرایا تھا۔

○○○

نشی نے حاکم علی کو فون کرنے کی غرض سے موبائل اٹھایا اور جب آن کیا تو حاکم کا منہج موجود تھا کہ میں کراچی آچکا ہوں، اور وہ جو اسے بہت مس کر رہی تھی اس سے ملنے کو بے قرار ہو گئی، اس تمام عرصے میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اتنے دنوں کے لیے کہیں گیا تھا۔ گوکہ اکثر وہ برئس کے سلسلے میں بیرون ملک بھی جاتا تھا اور ایک ہفتے میں ہی واپس بھی آ جاتا، اور گاؤں تو وہ کبھی تین دن سے زیادہ رہا ہی نہیں تھا اس بار اس نے پورے پچیس دن گزار دیئے تھے اور یہ پچیس دن جس طرح نشی نے گزارے تھے یہ وہی جانتی تھی۔ جب ہی اب اس کی آمد کا منہج دیکھ کر اس کا دل چل گیا تھا۔

اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ پھر بھی وہ اسی وقت اس کے پاس جانے کو تیار ہو گئی لیکن پھر اچانک احساس ہوا کہ وہ غلط کر رہی ہے اور یہ احساس اکثر اس کے اندر جاگتا تھا کہ وہ ایک ہرجائی شخص سے وفاداریاں نبھا کر خود اپنا ہی نقصان کر رہی ہے۔ پھر اس کے دل اور دماغ میں جنگ شروع ہو جاتی۔ کبھی دل جیت جاتا کبھی دماغ اور اس وقت دماغ حاوی ہو گیا تھا جب ہی اس نے اپنا جانا ملتوی کر دیا

”شٹ آپ سردار! تم بے وقوف نہیں حد سے زیادہ چالاک ہو۔“ سونیا نے چیخ کر کہا تو اس کی ہنسی کو ایک دم بریک لگ گئے۔ پھر انتہائی غضب ناک ہو کر بولا۔

”کیا چاہتی ہو تم؟“

”میں تم جیسے کنگل سے کیا چاہوں گی؟ جو شخص اپنے بچے کے ذمے داری نہیں اٹھا سکتا وہ کسی اور کو کیا دے سکتا ہے؟ تم مفلس ہو سردار! مفلس! اچھا ہوا تم نے اپنی اوقات دکھا دی! سونیا انتہائی غصے میں بول رہی تھی۔

حاکم علی دونوں باتوں کی مضامین سمجھنے یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی اسے اٹھا کر باہر پھینک دے گا۔

نشی اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی جبکہ سونیا بولے جا رہی تھیں۔

”اس خوش فہمی میں مت رہنا سردار! کہ میں تمہاری منتیں کروں گی۔ تم تسلیم کرو تم اپنے بچے کو۔ میں پال لوں گی اسے۔ ہاں! تمہارے بچے کو میں پالوں گی۔ تم کسی اور کا بچہ پالنا یہی ہوگا۔ یہی ہوگا۔“ سونیا انتہائی تنفر سے پیر پختی ہوئی چلی گئی۔ اس کے بعد یوں سناٹا چھا گیا جیسے وہاں کوئی ذی انفس موجود ہی نہ ہو۔

کتنی دیر بعد حاکم علی نے ذرا سی گردن موڑ کر نشی کو دیکھا پھر اس کے قریب آ کر بولا۔

”میں تم نے اس کی باتیں! نشی باتوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

”ارے! وہ ذرا سا ہنسنا۔

”تمہیں کیا ہوا؟ بے وقوف! ڈر گئیں کیا؟“

”تم اتنے برے کیوں ہو سردار! وہ تھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

”ہا ہا ہا! حاکم علی نے حسب عادت قہقہہ لگا یا تھا۔

○○○

سردار ہاشم علی نے حاکم سے ٹھیک کہا تھا کہ اب چاندنی کا یہاں دل نہیں لگے گا۔ گوکہ وہ اس کی جھولی میں کوئی حسین لحات نہیں ڈال گیا تھا بس جاتے جاتے ایک آخری بات ”اپنا خیال رکھنا“ اور وہ بھی شاید اس نے فارمیٹی بھائی تھی لیکن چاندنی کے لیے یہ بات جیسے زندگی بن گئی تھی۔ اس کی ساری کج ادائیاں بھلا کر وہ بس اسی بات میں خوش تھی۔

”اپنا خیال رکھنا!“ وہ گھنٹوں سوچتی اور اسے ہزار معنی پہناتی۔

اس وقت وہ سردیوں کی ہلکی ہلکی دھوپ میں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ حاکم علی کو گئے آج تیسرا دن تھا اس کی شادی میں آئے سب ہی مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ بس ایک بڑی آپاٹریا موجود تھیں اور وہ بھی آج جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ شینا ان کے ساتھ پیکنگ میں مصروف تھی اور اس کا کیونکہ اب کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا جب ہی یہاں آ بیٹھی تھی اپنے خیالوں میں غم۔ اُسے اطراف

”چلو کہیں باہر چلتے ہیں!“

”مجھے تمہاری منطق سمجھ نہیں آئی!“ وہ الجھ کر بولی۔

”سمجھ جاؤ گی! چلو اٹھو!“ حاکم علی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا پھر پوچھنے لگا۔

”کہاں چلیں!“

”میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے میں بس اب گھر جاؤں گی!“ نشی کو اچانک اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

”اتنی جلدی! اچھا بیٹھو! میں فضل دین سے چائے کا کہتا ہوں۔“ وہ کہہ کر جانے لگا تھا کہ

”اگاس ڈور سے سونیا کو داخل ہوتے دیکھ کر رک گیا اور خوشی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

”آہا سونیا! آؤ آؤ!“

”کیسے ہو؟“ سونیا نے قریب آ کر اسے پھر نشی کو دیکھ کر جملہ پورا کیا۔

”تم لوگ!“

”ٹھیک! بالکل ٹھیک ہیں ہم لوگ! بیٹھو! نشی! تم فضل دین سے چائے کا کہہ دو!“ حاکم علی نے سونیا کو جواب دیتے ہوئے اچانک نشی کو مخاطب کر کے کہا۔

”نہیں! میں چائے نہیں پیوں گی۔“ سونیا نے نشی کو جانے سے روک لیا۔

”کوئلڈ ڈرنک؟“

”جو چھینکس! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، نشی کی موجودگی میں کروں یا۔“ سونیا نے پوچھا تو وہ ہنس کر بولا۔

”نشی سے کوئی پردہ نہیں بلکہ میرا خیال ہے کسی سے بھی کوئی پردہ نہیں، کیوں نشی!“

”میں چلتی ہوں!“ نشی کو ان دونوں کی گفتگو سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

”نہیں! زکو ابھی!“ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”تم کہو سونیا! کیا بات کرنی ہے تمہیں؟“

”مجھے بچے سے متعلق بات کرنی ہے!“ سونیا نے فوراً کہا۔

”کون سا بچہ! وہ جسے تم مجھ سے منسوب کر رہی تھیں؟“ حاکم علی نے ناگواری سے پوچھا۔

”وہ تمہارا بچہ ہے سردار! اور تمہیں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی۔“ سونیا زور دے کر بولی۔

”تھکنگ! آگے بات کرو!“ وہ روڈی بولا تھا۔

”میں امریکا جا رہی ہوں نئی زندگی شروع کرنے اور میں چاہتی ہوں تم اپنا بچہ!“ سونیا کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ زور زور سے ہنسنے لگا پھر اسی ہنسی کے درمیان بولا۔

”تم نے نشی! سارے زمانے میں اسے ایک میں ہی بے وقوف نظر آیا ہوں۔“

”میں نہیں جانتا تمہارے دل میں میرے لیے کیا ہے اور تم مجھ سے کیا توقع کر رہی ہو..... میں یہ سب جانتا بھی نہیں جانتا کیونکہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں اور تم بھی سن لو.....! کبھی مجھ سے کوئی اُمید مت رکھنا..... میں تمہاری جھولی میں محبت تو کیا نفرت بھی نہیں ڈال سکتا۔“

”بھونکا.....! محبت نہ ہوتی تو مجھے اپنا خیال رکھنے کو کیوں کہتا.....؟“ وہ بڑبڑاتی تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے چونک کر پوچھا۔

”کون.....؟“

”میں ہوں.....!“ ادھر سے نذیب کی آواز سن کر اس نے فوراً دروازہ کھول دیا اور حیران ہو کر بولی۔

”تو.....!“ بے بے نے تو حینا کو بھیجے کا کہا تھا۔

”حینا چلی گئی.....!“ نذیب نے بتایا تو وہ مزید حیران ہوئی۔

”کہاں.....؟“

”اپنے کمر.....! ابھی میں نے سب کو جاتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ تو نے مجھے دروازے پر کیوں روک رکھا ہے.....؟“ نذیب نے جواب کے ساتھ ٹوکا۔

”میں کیوں روکو گی.....؟ تو آپ ہی کھڑی ہے..... اندر آ جا.....!“ وہ سامنے سے ہٹ گئی۔

”تو یہ تیرا کمرہ ہے.....!“ نذیب اندر آ کر اشتیاق سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

”سارے کمرے میرے ہیں..... آرام سے دیکھ لینا۔“ اس نے نذیب کا ہاتھ کھینچ کر اپنے ساتھ لے کر پڑھا لیا۔

”تیرے کمرے ہو گئے چاندنی.....! خیر.....! یہ بتا حاکم تجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گیا.....؟“

نذیب نے پوچھا اور اس سوال بلکہ شاید ہر سوال کے لیے وہ خود کو تیار کر چکی تھی جب ہی بڑے آرام سے بولی۔

”اس نے تو بہت کہا تھا ساتھ چلنے کو..... میں خود نہیں گئی۔“

”کیوں.....؟“

”ادھر میں اکیلی ہو جاتی ناں.....! وہ تو اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہے اس لیے میں نے منع کر دیا۔“ وہ جواب دے کر فوراً بات بدل گئی۔

”اچھا.....! یہ بتائیں دلہن بن کر کیسی لگ رہی تھی.....؟“

”مجھ سے کیا پوچھتی ہے.....؟ حاکم نے نہیں بتایا تجھے.....!“ نذیب نے اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر کہا۔

”وہ تو بہت تعریف کر رہا تھا.....!“ وہ ہلکا کر بولی۔

کاہوش ہی نہیں تھا جب آپاٹریا کا بیٹا ظفر اس کے پاس آ کر بیٹھا تب بھی وہ متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

”چاندنی.....!“ ظفر نے پکارنے کے ساتھ آہستہ سے اسے کوئی ماری۔ وہ بری طرح چونکی پھر ناگواری سے بولی۔

”نام کیوں لیتا ہے میرا.....!“

”ظاہر ہے.....! تو چھوٹی ہے مجھ سے پورے چار سال.....!“ ظفر نے چاروں انگلیاں اس کی آنکھوں کے سامنے کیں۔

”تو کیا ہوا.....؟ رشتے میں تو بڑی ہو گئی ہوں، ماما بن گئی ہوں تیری.....!“ اس نے جتا کر کہا۔

”اچھا.....!“ ظفر پہلے ہنسا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”تو خوش ہے ناں.....!“

”ہاں.....! بہت..... بہت زیادہ.....!“ وہ اترا کر بولی۔

”اور حاکم ماما.....! میرا خیال ہے وہ تو خوش نہیں ہیں۔“ ظفر اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”تیرا خیال بالکل غلط ہے ظفر.....! اور تجھے ہماری اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے.....؟ ہم خوش ہیں یا نہیں تجھے کیا.....؟“ وہ بگڑنے لگی۔

”تو اپنے کام سے کام رکھ نہیں تو میں آپا سے تیری شکایت کر دوں گی۔“

”کیا کہے گی.....؟“ وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

”سب کچھ کہہ سکتی ہوں.....!“ وہ غصے سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی اور پلٹ کر جانے لگی تھی کہ ظفر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

”بے بے.....! بے بے.....!“ وہ چلانے لگی تو ظفر اس کی کلائی چھوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”بے بے فوراً کمرے سے نکل کر آ گئیں۔“

”کیا ہوا چاندنی.....؟“ بے بے نے پوچھا تو وہ بھاگ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

”بے بے.....! ظفر کو سمجھالے، جنگ کرتا ہے مجھے.....!“ بے بے نے ایک نظر ظفر کو دیکھا پھر اس کا کندھا تھپک کر بولیں۔

”چل تو اوپر جا.....! میں حینا کو بھیجتی ہوں تیرے پاس.....!“

”جی.....!“ اس نے درزیدہ نظروں سے ظفر کو دیکھا پھر بھاگ کر بیڑھیاں پھلانگ آئی اور کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کتنی دیر وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی۔ جب دل ذرا قابو میں آیا تب چاروں طرف دیکھنے لگی۔ حاکم علی کے جانے کے بعد وہ آج اس کمرے میں آئی تھی۔ ایک دم اس کی باتیں یاد آئے لگیں، اس نے کہا تھا۔

وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکلے لگی تھی کہ موبائل کی ٹیون بجنے سے اسے واپس پلٹنا پڑا۔ اس کا خیال تھا رولی ہوگی جب ہی اس نے فوراً موبائل کان سے لگایا۔

”ہیلو.....!“

”سو تو نہیں رہ تھی.....؟“ دوسری طرف حاکم علی تھا۔ وہ بری طرح تلملا گئی۔

”بڑے طرم خان بنتے ہو.....! میرے کزن کے سامنے ساری طرم خانی دھری رہ گئی تہناری.....“

پچپا نے سے انکار کر دیا۔ بڑول.....! اور پوک.....! وہ جو منہ میں آیا کبھی چلی گئی۔

دوسری طرف وہ خاموشی سے منتظر ہوا اور جیسے ہی وہ خاموش ہوئی دھیرج سے بولا۔

”عجب لڑکی ہو.....! میں پہچانتا ہوں تو براماتی ہو اور نہ پہچانوں تو اور زیادہ براماتی ہو۔ اب تم ہی

بتاؤ میں کیا کروں.....؟“

”میں اپنے کزن کو فون دیتی ہوں وہی بتائے گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے.....؟“ وہ اس کی ڈھٹائی پر

مزید سلگ گئی۔

”ایک منٹ.....!“ وہ اسے ٹوک کر بولا۔

”تم اپنے کزن کو درمیان میں کیوں لا رہی ہو.....؟“

”وہی تم سے منٹ سکتا ہے..... اور دیکھو فون بند مت کرنا.....! میں اس کے پاس جا رہی ہوں.....“

وہی تم سے بات کرے گا۔“ وہ جلدی جلدی بول کر یہ ظاہر کرنے لگی جیسے واقعی جا رہی ہو۔

”اتنی رات کو.....؟ کیا وہ قریب رہتا ہے.....؟“ حاکم علی کا انداز ہنوز بڑسکون تھا۔

”تمہیں کیا.....؟ کہیں بھی رہتا ہو.....!“ وہ اب واقعی تیزی سے کمرے سے نکل آئی اور اسی رفتار

سے صحن عبور کر کے سیڑھیاں اترتے ہوئے بولی۔

”اب تمہیں جو بھی کہنا ہے اس سے کہنا.....!“

”میں تو کہہ دوں گا پھر تم برامت ماننا.....!“ حاکم علی اپنے آپ مغلوظ ہو کر بولا۔

”تم.....“ وہ دانت چیں کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ برآمدے میں بہنراو چاچو کو ٹپکتے دیکھ کر اس کی تو

جیسے جان ہی نکل گئی۔ فوراً موبائل آف کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا کیونکہ بہنراو چاچو لڑکیوں کے پاس موبائل

کے سخت خلاف تھے اور یہ تو اچھا ہوا انہوں نے دیکھا نہیں ورنہ اسی وقت لپکھ دیے کھڑے ہو جاتے۔

”چاچو.....! آپ سوئے نہیں.....!“ وہ ان سے کتر کر نہیں نکل سکتی تھی مجبوراً رکتا پڑا۔

”شہر میں کہاں خیندا آتی ہے.....!“ بہنراو چاچو کا اشارہ ڈھولک کی طرف تھا۔

”تو آپ منع کر دیں.....!“

”اب کیا منع کروں.....؟ دو چار دن کی بات ہے.....!“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

”تو تجھے اس کی تعریف پر شک ہے جو مجھ سے پوچھ رہی ہے.....؟“ زنب نے ٹوکا پھر پوچھنے لگی۔

”اچھا.....! اس نے منہ دکھائی میں کیا دیا ہے.....؟“

”کنگن.....!“ وہ اپنی کلائی دکھا کر بولی جس میں جڑاؤ کنگن بے بے نے یہ کہہ کر ڈالے تھے کہ اس

کی مرحومہ ماں کی نشانی ہیں۔

”ہائے.....! کتنے خوبصورت ہیں.....!“ زنب کنگن چھو کر دیکھنے لگی تب ہی بشیراں آ کر بولی۔

”چاندنی.....! بے بے بلا رہی ہے.....!“

”آ رہی ہوں.....!“ وہ اسے جواب دے کر زنب سے بولی۔

”چل زنب.....! کھانا کھالیں.....!“

”میں گھر جاؤں گی۔ اماں نے جلدی آنے کو کہا تھا۔“ زنب کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلی جانا.....! ابھی اتنی دیر تھوڑی ہوئی ہے۔“ وہ زنب کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی پھر اس کے ساتھ نیچے

آ گئی۔

”چاندنی.....!“ بے بے اسے دیکھتے ہی بولیں۔

”جا.....! اپنے بابا کی بات سن لے.....!“

”بابا کہاں ہیں.....؟“

”اپنے کمرے میں.....!“ بے بے نے بتایا تو وہ زنب کو رکنے کا کہہ کر سردار ہاشم علی کے کمرے

میں آ گئی۔

”جی بابا.....!“

”ادھر آ پتر.....! یہاں بیٹھ.....!“ سردار ہاشم علی نے اپنے برابر اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ

گئی۔

”حاکم بڑی جلدی چلا گیا.....!“ وہ کہہ کر پھر توجہ پیش کرنے لگے۔

”اصل میں بہت دن پہلے آ گیا تھا اس لیے جلدی جانا پڑا۔ ادھر اس کے کام کا حرج ہو رہا تھا اور

تجھے پتا ہے کیوں ساتھ نہیں لے گیا.....؟“

وہ کیا کہتی، خاموشی سے دیکھ گئی۔

”اکیلا رہتا ہے ناں.....! کہہ رہا تھا پہلے تو اپنی بے بے سے گھر داری سیکھ لے پھر تجھے لے جائے

گا اور پتر.....! تجھے کیا گھر داری سیکھنی ہے۔ ہانڈی روٹی، صفائی، تھرائی کے لیے تو تو کو موجود ہیں۔ میں تو

وقت کی پابندی سیکھ لے اور مہمانوں سے بات چیت، ان کی خاطر مدارت، جیسے شہری لوگ کرتے ہیں اسی

طرح تجھے بھی آنی چاہیے اور یہ تیرے لیے مشکل نہیں ہے۔ تو ماشاء اللہ.....! اس جماعتیں پڑھ چکی ہے۔“

سردار ہاشم علی اسے سمجھانے سے زیادہ شاید بہلار ہے تھے اور شاید وہ بہل بھی گئی تھی۔

وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکلے لگی تھی کہ موبائل کی ٹیون بجنے سے اسے واپس پلٹنا پڑا۔ اس کا خیال تھا رولی ہوگی جب ہی اس نے فوراً موبائل کان سے لگایا۔

”ہیلو.....!“

”سو تو نہیں رہ تھی.....؟“ دوسری طرف حاکم علی تھا۔ وہ بری طرح تلملا گئی۔

”بڑے طرم خان بنتے ہو.....! میرے کزن کے سامنے ساری طرم خانی دھری رہ گئی تہناری.....“

پچپا نے سے انکار کر دیا۔ بڑول.....! اور پوک.....! وہ جو منہ میں آیا کبھی چلی گئی۔

دوسری طرف وہ خاموشی سے منتظر رہا اور جیسے ہی وہ خاموش ہوئی دھیرج سے بولا۔

”عجب لڑکی ہو.....! میں پہچانتا ہوں تو براماتی ہو اور نہ پہچانوں تو اور زیادہ براماتی ہو۔ اب تم ہی

بتاؤ میں کیا کروں.....؟“

”میں اپنے کزن کو فون دیتی ہوں وہی بتائے گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے.....؟“ وہ اس کی ڈھٹائی پر مزید سلگ گئی۔

”ایک منٹ.....!“ وہ اسے ٹوک کر بولا۔

”تم اپنے کزن کو درمیان میں کیوں لا رہی ہو.....؟“

”وہی تم سے منٹ سکتا ہے..... اور دیکھو فون بند مت کرنا.....! میں اس کے پاس جا رہی ہوں.....“

وہی تم سے بات کرے گا۔“ وہ جلدی جلدی بول کر یہ ظاہر کرنے لگی جیسے واقعی جا رہی ہو۔

”اتنی رات کو.....؟ کیا وہ قریب رہتا ہے.....؟“ حاکم علی کا انداز ہنوز بڑسکون تھا۔

”تمہیں کیا.....؟ کہیں بھی رہتا ہو.....!“ وہ اب واقعی تیزی سے کمرے سے نکل آئی اور اسی رفتار

سے صحن عبور کر کے سیڑھیاں اترتے ہوئے بولی۔

”اب تمہیں جو بھی کہنا ہے اس سے کہنا.....!“

”میں تو کہہ دوں گا پھر تم برامت ماننا.....!“ حاکم علی اپنے آپ مغلوظ ہو کر بولا۔

”تم.....“ وہ دانت چیں کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ برآمدے میں بہنراو چاچو کو ٹپکتے دیکھ کر اس کی تو

جیسے جان ہی نکل گئی۔ فوراً موبائل آف کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا کیونکہ بہنراو چاچو لڑکیوں کے پاس موبائل

کے سخت خلاف تھے اور یہ تو اچھا ہوا انہوں نے دیکھا نہیں ورنہ اسی وقت لپکھ دینے کھڑے ہو جاتے۔

”چاچو.....! آپ سوئے نہیں.....!“ وہ ان سے کتر کر نہیں نکل سکتی تھی مجبوراً رکتا پڑا۔

”شہر میں کہاں خیندا آتی ہے.....!“ بہنراو چاچو کا اشارہ ڈھولک کی طرف تھا۔

”تو آپ منع کر دیں.....!“

”اب کیا منع کروں.....؟ دو چار دن کی بات ہے.....!“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

”تو تجھے اس کی تعریف پر شک ہے جو مجھ سے پوچھ رہی ہے.....؟“ زنب نے ٹوکا پھر پوچھنے لگی۔

”اچھا.....! اس نے منہ دکھائی میں کیا دیا ہے.....؟“

”کنگن.....!“ وہ اپنی کلائی دکھا کر بولی جس میں جڑاؤ کنگن بے بے نے یہ کہہ کر ڈالے تھے کہ اس

کی مرحومہ ماں کی نشانی ہیں۔

”ہائے.....! کتنے خوبصورت ہیں.....!“ زنب کنگن چھو کر دیکھنے لگی تب ہی بشیراں آ کر بولی۔

”چاندنی.....! بے بے بلا رہی ہے.....!“

”آ رہی ہوں.....!“ وہ اسے جواب دے کر زنب سے بولی۔

”چل زنب.....! کھانا کھالیں.....!“

”میں گھر جاؤں گی۔ اماں نے جلدی آنے کو کہا تھا۔“ زنب کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلی جانا.....! ابھی اتنی دیر تھوڑی ہوئی ہے۔“ وہ زنب کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی پھر اس کے ساتھ نیچے

آ گئی۔

”چاندنی.....!“ بے بے اسے دیکھتے ہی بولیں۔

”جا.....! اپنے بابا کی بات سن لے.....!“

”بابا کہاں ہیں.....؟“

”اپنے کمرے میں.....!“ بے بے نے بتایا تو وہ زنب کو رکنے کا کہہ کر سردار ہاشم علی کے کمرے

میں آ گئی۔

”جی بابا.....!“

”ادھر آ پتر.....! یہاں بیٹھ.....!“ سردار ہاشم علی نے اپنے برابر اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ

گئی۔

”حاکم بڑی جلدی چلا گیا.....!“ وہ کہہ کر پھر توجہ پیش کرنے لگے۔

”اصل میں بہت دن پہلے آ گیا تھا اس لیے جلدی جانا پڑا۔ ادھر اس کے کام کا حرج ہو رہا تھا اور

تجھے پتا ہے کیوں ساتھ نہیں لے گیا.....؟“

وہ کیا کہتی، خاموشی سے دیکھ گئی۔

”اکٹلا رہتا ہے ناں.....! کہہ رہا تھا پہلے تو اپنی بے بے سے گھر داری سیکھ لے پھر تجھے لے جائے

گا اور پتر.....! تجھے کیا گھر داری سیکھنی ہے۔ ہانڈی روٹی، صفائی، تھرائی کے لیے تو تو کو موجود ہیں۔ میں تو

وقت کی پابندی سیکھ لے اور مہمانوں سے بات چیت، ان کی خاطر مدارت، جیسے شہری لوگ کرتے ہیں اسی

طرح تجھے بھی آنی چاہیے اور یہ تیرے لیے مشکل نہیں ہے۔ تو ماشاء اللہ.....! اس جماعتیں پڑھ چکی ہے۔“

سردار ہاشم علی اسے سمجھانے سے زیادہ شاید بہلار ہے تھے اور شاید وہ بہل بھی گئی تھی۔

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بالکل بے دھیانی میں موبائل کان سے بٹایا تو ادھر حاکم علی شاید اس وقت سے بولے جا رہا تھا۔ اس کی آواز سے ہی لگ رہا تھا۔

”بتاؤ نور! کیا واقعی تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ یہ ڈھونڈو! یہ گیت!“

”کس کا فون ہے؟“ ردانے پوچھا۔

اس نے چونک کر موبائل آف کر دیا پھر ردا کو دیکھ کر بولی۔

”کسی کا نہیں! میں روبا کو کر رہی تھی۔“

”ارے ہاں! تمہاری دوست روبا نہیں آئی؟“ انیلا کو روبا یاد آ گئی۔

”کل آئے گی۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور نعمان کو چلنے کا اشارہ کیا۔

”جا کہاں رہی ہو۔! آکس کریم نہیں لوگی۔“ انیلا نے شاپر میں سے کون آکس کریم نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

”تھینک یو۔۔۔۔۔ صبح کھاؤں گی ابھی اسے فریزر میں رکھ دیتی ہوں۔“ اس نے نعمان کو جاتے دیکھ کر کہا اور فوراً اس کے پیچھے باہر آ گئی۔

”کیا بات ہے؟“ نعمان نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

”کمرے میں چلو۔! میں یہ رکھ کر آتی ہوں۔“ وہ کہہ کر ڈائمنگ کی طرف بڑھ گئی اور جلدی سے آکس کریم فریزر میں ڈال کر پھر نعمان کے کمرے میں آ گئی۔

”تجسس مت پھیلا یا کرو۔! جلدی بتاؤ۔! کیا بات ہے؟“ نعمان اسے دیکھتے ہی جھنجھلا کر بولا۔

”فون آیا تھا اسی لو فرکا۔!“ اس نے بغیر کسی تمہید کے کہہ دیا۔

”کب؟“

”ابھی۔! میرا مطلب ہے کوئی گھنٹہ بھر پہلے۔! اب یہ مت پوچھنا کہ کیا کہہ رہا تھا۔“

اس نے کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

”یہ تو پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے موبائل آن کیوں کیا؟“

”تم نے جو کہا تھا کہ اب وہ کبھی فون نہیں کرے گا اس لیے میں مطمئن ہو گئی تھی۔“ وہ آرام سے اسے الزام دے گئی۔ نعمان چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر بولا۔

”جاؤ۔! اب واقعی مطمئن ہو جاؤ۔!“

”کیا مطلب ہے تمہارا۔!“

”چاچا! ٹھیک ناراض ہوتے ہیں، لڑکیوں کے پاس موبائل ہو تو یہی سب ہوتا ہے۔“

خبردار۔! آئندہ اسے ہاتھ لگایا تو۔۔۔۔۔ نعمان نے موبائل اپنی الماری میں ڈال دیا پھر اسے دیکھا۔ وہ

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنی سانس بحال کی پھر تیز قدموں سے ہال کمرے میں آ گئی۔

مریم ڈھونڈو اور باقی لڑکیاں تالیاں پیٹ کر گارہی تھیں۔

”بلہا چھیل چھیلنا“

منجھو مورے

تھوڑا رنگ رنگیلا

تن دیورے

میں تو داری جاؤں

بلہاری جاؤں

لیا ساجن نے ہاتھوں میں ہاتھ میا میں تو پاہونی رے۔“

اسے دیکھ کر سب اور شوخی سے گانے لگی تھیں۔

اس نے جھک کر ردا سے سرگوشی میں نومی کے بارے میں پوچھا پھر گاؤں کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی

کیونکہ نومی ان لڑکیوں کی فرمائشی پر آکس کریم لینے گیا ہوا تھا۔

”میری دوروں سے آئی بارات۔“

لڑکیاں حلق پھاڑ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر انہیں سنتی رہی پھر اچانک کسی خیال کے تحت اس نے اپنی گود

میں رکھے موبائل پر حاکم علی کا نمبر پیش کر دیا۔

دوسری طرف حاکم علی نے فوراً اس کا فون ریسیو کیا لیکن ادھر سے ڈھونڈو اور گانے کی آواز آنے

لگی۔

لال دوپٹہ اڑ گیا رے میرا ہوا کے جھونکے سے

مجھ کو پیا نے دیکھ لیا ہائے رے دھونکے سے

نور یہ نے موبائل مٹھی میں دبا کر کان سے لگایا تو حاکم ہمیشہ کی طرح بے زاری سے پکار رہا تھا۔

”نور! ہیلو نور۔!“

وہ کچھ نہیں بولی واپس موبائل گود میں رکھ لیا تب ہی نعمان آکس کریم لے کر آ گیا تو وہ حاکم علی کو

سنانے کی غرض سے اونچی آواز میں بولی۔

”سنو۔! سب سے پہلے آکس کریم مجھے مٹنی چاہیے کیونکہ میں چارون کی مہمان ہوں۔“

”یہ اچھی دھونس ہے۔ گلا ہمارا خشک ہوا اور آکس کریم تم کھاؤ، ہرگز نہیں۔!“ انیلا نے نعمان کے

ہاتھ سے شاپر جھپٹ لیا۔

نعمان نے اسے دیکھ کر سسوری کے انداز میں کندھے اچکائے پھر پوچھنے لگا۔

”تمہارے لیے اسپیشل لے آؤں۔!“

بھی منہ پر خواب ہے تھے اور وہ ہمایوں کی منتظر تھی جسے دروازے پر اس کی بہن سعدیہ اور کزنز روک کر ٹیک کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ کتنی دیر تک وہ ان کی تکرار سنتی رہی پھر جب خاموشی چھا گئی تو اس نے سر جھکا لیا۔ چند لمحوں بعد دروازہ بند ہونے کی آواز آئی پھر ہمایوں کے قدموں نے دل میں پاپل مچا دی۔

”السلام علیکم.....!“ ہمایوں نے قریب بیٹھ کر سلام کیا۔ جواب میں اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔

”نور.....!“ ہمایوں نے دھیرے سے اس کا حنائی ہاتھ تھام لیا۔

”میری طرف دیکھیں.....!“ اس نے ذرا سی پلکیں اٹھائیں پھر اسی طرح سر اٹھایا لیکن اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔

”بہت خوبصورت ہیں آپ.....! میرے تصور سے بھی زیادہ.....!“ ہمایوں نے بے اختیار اسے سراہا پھر آہستہ سے اس کے ہاتھ کو جھکادے کر بولا۔

”میں جانتا ہوں آپ کیا سوچ رہی ہیں.....؟“

”کیا.....؟“ اس نے بے اختیار دیکھا۔ ہمایوں نے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ مچل رہی تھی تب وہ سمجھ گئی اے متوجہ کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا گیا ہے۔ فوراً نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

”ارے.....!“ وہ ذرا سانسہ۔

”کیا بہت برا ہوں میں.....؟“

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

”یوں نہیں.....! میری آنکھوں میں دیکھ کر بتائیں.....!“ ہمایوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے نیچے لے میں لے کر اصرار کیا تو اس نے پلکیں اٹھا دیں اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہمایوں اچانک ٹھوکر پھر اپنے آپ میں اٹھتا ہوا بولا۔

”میں نے شاید پہلے آپ کو نہیں دیکھا ہے.....!“

”کہاں.....؟“ اس کے اندر اشتیاق ابھرا۔

”کہاں.....!“ ہمایوں سوچ میں پڑ گیا۔

”میں اسی شہر میں رہتی ہوں.....! کہیں آتے جاتے دیکھا ہوگا۔“ وہ اپنی چوڑیوں پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

”کہیں آتے جاتے.....!“ وہ اسی طرح سوچتے ہوئے بولا۔

”نہیں.....! بہت قریب سے.....!“

”قریب سے.....!“ وہ حیران ہوئی۔

”ہاں.....! بہت قریب سے.....!“ وہ اب بغور اسے دیکھنے لگا پھر جیسے اچانک یاد آنے پر اسے جھکا لگا۔ وہ مضطرب سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے دُور صوفے پر جا بیٹھا۔

منہ پر کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

○○○

حاکم علی کسی طرح بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ نور کسی اور کی ہو رہی ہے۔ حالانکہ رات اس نے ڈھولک پر گیت اور اس کی آواز بھی سنی تھی جو وہ کہہ رہی تھی کہ میں چارون کی مہمان ہوں۔

”نہیں نور جہاں.....! تم کسی اور کی نہیں ہو سکتیں.....!“ وہ بار بار یہی بات دہرا رہا تھا اور اسی طرح بار بار اس کا نمبر بٹائی کر رہا تھا اور ہر بار اسے ایک ہی جواب مل رہا تھا۔

”نرائی لیئر.....!“

”کیا کروں.....؟ کہاں ڈھنڈوں اس چارون کی مہمان کو.....؟“ وہ ٹپٹنے لگا پھر اچانک ایک نئی راہ بھائی دی تو فوراً موبائل کمپنی فون کر ڈالا اور نور یہ کا نمبر بتا کر پوچھنے لگا۔

”یہ ہم کس کے نام سے ہے.....؟“

”نور یہ شیراز حسن.....!“ ادھر سے جواب آیا۔

”نور یہ.....! نور.....!“ اس نے دل میں دہرایا۔

”مجھے ان کا ایڈریس چاہیے.....!“

”سوری سر.....!“

”دیکھیں پلیز.....! میری بات سنیں.....! مس نور یہ کا موبائل آف ہے، میرا ان سے رابطہ نہیں ہو پارہا جبکہ مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنی ہے آپ پلیز.....! ان کا ایڈریس.....!“ اسے خود پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔

”سوری سر.....! ہمارے پاس ایڈریس نہیں ہے۔“ ادھر سے معذرت کے ساتھ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

”جھوٹا.....! ایک یہی نہیں سب جھوٹے ہیں..... وہ نور یہ شیراز حسن خود کو نور جہاں کہتی ہے..... اور کچھ بھی کہے..... میں اسے کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا..... میرے ہاتھ کی لکیروں پہ اس کا نام لکھا ہے..... اور وہ کسی اور کی ہو جائے..... نہیں.....! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا.....! میں یہ نہیں ہونے دوں گا.....! کبھی نہیں.....!“ وہ جنون میں جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ کبھی ٹھٹھا کبھی رُک جاتا۔ پھر اس پر بے بسی طاری ہونے لگی اور ایسے عالم میں وہ شراب کا سہارا لیتا تھا جو سارے غم بھلا دیتی تھی۔

○○○

چارون پلک جھپکتے گزر گئے اور نور یہ شیراز حسن اپنی کو اداں چھوڑ کر اس شخص کے ساتھ رخصت ہو گئی جسے ان نے دیکھا نہیں تھا، جانا نہیں تھا اور یہی اس کی خواہش تھی کہ کئی زندگی کی شروعات نئے لوگوں سے ہو۔ گو کہ اس کے اندر کچھ خدشے بھی تھے لیکن زیادہ وہ خوش تھی۔ ہر لڑکی کی طرح اس کی آنکھوں میں

مجھے واپس میرے گھر چھوڑ آئیں۔" وہ ترخ کر بولی۔

"ہوش میں ہیں آپ؟" اچھا بھی ہے کیا کہہ رہی ہیں؟" ہمایوں نے ٹوکا۔

"بیت اچھی طرح....." وہ اس کی طرف سے رخ موڑ گئی۔

"میرا خیال ہے ہمیں آرام سے بیٹھ کر بات کرنی چاہیے۔" ہمایوں چند لمحے اس کے سر ایلے کو دیکھتا

رہا پھر دھرج سے بولا۔

"نہیں..... میں اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں کروں گی۔" اس نے صاف منع کر دیا۔

"کیوں.....؟"

"کیونکہ آپ میرا یقین نہیں کریں گے۔ آپ کو اپنے سردار صاحب پر بھروسہ ہے، میں جو کچھ بھی

کہوں گی آپ سردار سے اس کی تصدیق یا تردید کروائیں گے اور یہ میری توہین ہوگی۔" وہ قدرے ٹک

کر پھر کہنے لگی۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا نہ کوئی گناہ جو میں خائف ہو کر صفائیاں پیش کرنے لکھڑی ہو جاؤں۔

مجھے کسی کے سامنے صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کے سامنے بھی نہیں۔ آپ کے دل میں جو

شکوک و شبہات ابھرے ہیں انہیں میں دُور نہیں کر سکتی کیونکہ آپ کو مجھ پر نہیں سردار پر بھروسہ ہے۔ اس

لیے آپ پہلے اس سے بات کریں پھر مجھ سے تصدیق یا تردید کروائیے گا۔"

"آپ نے اپنے آپ ساری باتیں فرض کر لیں.....!" ہمایوں نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔

"اپنے آپ.....!" وہ پھر بول گئی۔

"میں نے سردار کو جاننے سے انکار کیا، آپ کو یقین نہیں آیا..... میں نے کہا وہ میرا تعاقب کر رہا

ہے، آپ اس کا یقین تو کیا کرتے اُلٹا مجھے ان لڑکیوں میں شمار کر دیا جو اس کی وجاہت و امارت پر مرنے

ہیں۔ اس کے بعد میں کیا توقع رکھوں کہ میں جو کہوں گی....."

"پلیز.....!" ہمایوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"ریلیکس ہو جائیں.....! ہم اب اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔"

"جب تک اس موضوع کا فیصلہ کن اختتام نہیں ہو جاتا ہم اور کسی موضوع پر بھی بات نہیں کر سکتے۔

* آپ پلیز.....! مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ایز یو لانگ.....!" ہمایوں نے ناگواری چھپا کر ذرا سے کندھے اُچکائے اور کمرے سے جا گیا۔

اس نے دروازہ بند کر دیا۔



نور یہ رخصت ہوئی تو ساری افراتفری بھی دم توڑ گئی اور عجیب طرح کی خاموشی چھا گئی۔

ابھی سب جاگ رہے تھے لیکن وہ بھاگ دوڑ نہیں تھی۔ خاموشی سے پھیلاوا سمیٹا گیا پھر سب کزنز ہال

بارے میں کیا سننا چاہتا ہے اور وہ خود اسے کیسے جانتا ہے۔

"آخر یہ ہے کون سردار کا حکم ملی.....! کیا سارا شہر اس سے واقف ہے.....؟ اب اگر سامنے آیا تو

میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔" وہ انتہائی تنفر سے بڑبڑا رہی تھی کہ دروازہ کھلنے پر ہونٹ بھیج گئی۔ پھر آئینے

میں ہمایوں کو اندر آتے ہوئے دیکھا لیکن اس کی طرف پلٹی نہیں، چوڑیاں اُتارنے میں لگی رہی۔

"یاد آیا آپ کو.....؟" ہمایوں نے اس سے قدرے فاصلے پر رک کر بغیر اسے مخاطب کئے پوچھا۔

اس نے پہلے آخر چوڑی کلائی سے کھینچ کر دراز میں پھینکی پھر اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

"ہاں.....!"

"کیسے.....! کیسے جانتی ہیں انہیں؟" ہمایوں اس کے انداز سے قدرے ٹھنکا۔

"جانتی نہیں ہوں، بس ایک حادثے کے باعث اس سے سامنا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے اب

تک وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔" وہ جو کچھ دیر پہلے ہمایوں کی آمد سے حیا سے کٹی جا رہی تھی اب براہ

راست اسے دیکھ کر بولی۔

"آپ غلط کہہ رہی ہیں.....!" ہمایوں نے یقین سے اسے جھٹلادیا۔

"کیا غلط کہا میں نے.....؟" اسے خود پر قابو پانے میں انتہائی دُشوار تھا۔

"یہی کے سردار آپ کا تعاقب کر رہا ہے۔ میں بہت اچھی طرح بلکہ بہت قریب سے جانتا ہوں

انہیں۔ وہ کسی کو نہیں بلاتے، سب خود آتی ہیں، اپنی مرضی سے اور میں نے آپ کو بھی وہیں دیکھا تھا،

سردار کے گھر میں۔" ہمایوں کے اندر جانے لحاظ، حرکت تھا ہی نہیں پاشا کڈ ہو کر سب بھلا بیٹھا تھا۔

"آپ.....!" اس کا جیج داغ گھوم گیا تھا اگر سامنے کھڑا شخص اس کے مجازی ہونے کا شکیباز

نہ لے لے کھڑا ہوتا تو وہ اس کا منہ نوچ لیتی۔ مزید ستم ظریفی یہ کہ اس کے گھر میں اور ایسے روپ میں لکھڑی تھی

کہ جیج چلا بھی نہیں سکتی تھی۔ بشکل خود پر قابو پاتے ہوئے انتہائی تاسف سے بولی۔

"آپ مجھے ان لڑکیوں میں شمار کر رہے ہیں جو اس لوفر کی وجاہت و امارت پر مرنے ہیں.....!"

میں ہزار بار لعنت بھیج چکی ہوں اس پر....."

"پھر آپ اس کے گھر میں....." ہمایوں حد درجہ مشکوک تھا۔

"ہاں.....! میں گئی تھی اس کے گھر اور یہ آپ اسے پوچھنے گا کہ کیوں گئی تھی.....؟" اس نے

اب غصہ ضبط نہیں ہو رہا تھا۔

"سردار صاحب سے تو میں معلوم کر لوں گا اس سے پہلے میں آپ سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔"

ہمایوں کا حق جتنا غصہ ہو گیا۔

نہیں.....! ابھی میں نے یہ حق آپ کو نہیں دیا۔ آپ پلیز.....! اس کمرے سے چلے جائیں نہیں تو

”اکیلے کیوں؟ لڑکیاں تیار کھڑی ہیں اور قریب کی بات ہوتی تو وہ چلی بھی جاتیں۔“
جلدی آؤ۔۔۔۔۔! دادی کہتی ہوئی چلی گئیں۔
”یہ عجیب رواج ہے۔“ اس نے سر جھٹکا پھر دس منٹ میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ مریم اور دوا
ٹرے اٹھائے گاڑی کے پاس کھڑی تھیں جبکہ جویریہ اپنی ساڑھی کا پلو سیٹ کرنے میں لگی ہوئی تھی۔
”عباد بھائی بھی جارہے ہیں کیا؟“ اس نے جویریہ کو دیکھ کر پوچھا اور اس کے نفی میں سر ہلانے
پر ناراضگی سے بولا۔
”ہاں۔۔۔۔۔! بس ایک میں ہی ڈرائیور رہ گیا ہوں۔“
”ڈرائیور کی کیا بات ہے؟“ بھائی ہو۔۔۔۔۔! جویریہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی پھر اسے
دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟“
”صبح ہی صبح جو اٹھنا پڑا۔۔۔۔۔! اس سے پہلے عقب سے مریم بول پڑی۔ اس نے دیوہ میں مریم
اور دوا پر نظر ڈالی پھر اسپینڈ سے گاڑی جھکا دی اور تمام راستہ ان تینوں کو ہی تاکید کرتا رہا کہ وہاں زیادہ دیر
نہیں رکتا فوراً واپس آنا ہے اور وہ تینوں بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہیں لیکن آگے نوریہ کی ساس کے
سامنے سب بے بس ہو گئے۔ انہوں نے بہت اصرار سے انہیں ناشتے پر روک لیا۔
نعمان اندر ہی اندر جڑ بوزور ہوتا تھا اور وہ تینوں لڑکیاں نوریہ سے ملنے کو بے چین! کبھی پہلو بدلتیں،
کبھی ایک دوسرے کو اشارے کرتے نکلتیں۔

”تم لوگ چین سے نہیں بیٹھ سکتیں۔۔۔۔۔! آؤ خرنعمان نے جھنجھلا کر ٹوک دیا۔
”نور کو دیکھ کر ہی چین آئے گا۔۔۔۔۔! مریم نے کہا تو اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی۔ دل چاہا
کسی سے بھی کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلا جائے کہ وہ لڑکی جسے وہ ہمیشہ سے اپنا مانتا تھا وہ اپنی مرضی اپنی خوشی
سے کسی اور کی ہو گئی تھی اور اس کے پہلو سے لگ کر سامنے آنے والی تھی۔ وہ کہاں تک نظریں چرائے گا۔
اسی تصور سے ہی پریشان ہو کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
”ارے۔۔۔۔۔! جویریہ اس کے اٹھنے پر متوجہ ہو کر بولی۔
”تمہیں کیا ہوا؟“

”چلو بس۔۔۔۔۔! بہت ہو گیا۔۔۔۔۔! میرا مطلب ہے ہم خواہ مخواہ یہاں مہمان بن کر بیٹھے ہیں، گھر
والے بتائیں کہاں ہیں۔ جاؤ ردا۔۔۔۔۔! کہہ آؤ ان سے کہ ہم جارہے ہیں۔“ اس نے بات ختم کی تھی کہ
نوریہ کی ہند معدیہ آ کر بولی۔
”نوریہ بھائی وہیں ڈانگ روم میں ہیں۔“
آئیے۔۔۔۔۔! سعدیہ نے کہا تو جویریہ سب کو چلنے کا اشارہ کر کے چل پڑی۔ پھر ڈانگ روم میں

کمرے میں آ بیٹھے۔ ردا چائے بنا کر لے آئی اور رے درمیان میں رکھ کر بولی۔
”بھئی۔۔۔۔۔! سب اپنے اپنے کپ اٹھا لو۔۔۔۔۔!“ سب نے کپ اٹھالے تب بھی ایک کپ رہ گیا۔
”یہ کس کے لیے۔۔۔۔۔!“ شوبی سب کو یوں دیکھنے لگا جیسے کوئی رہ گیا ہو۔
”نور۔۔۔۔۔!“ نعمان بے ساختہ کہہ کر خود ہی ہنس پڑا۔
”ہاں۔۔۔۔۔! میں غلطی سے نور کے لیے بھی لے آئی۔“ ردا نے کہا تو اشعر فوراً بولا۔
”اب جا کے اسے دے بھی آؤ۔۔۔۔۔!“
”قریب ہوتی تو ضرور دے آتی۔۔۔۔۔!“

”اسے ہی شوق تھا دور جانے کا۔۔۔۔۔! ویسے اچھا ہی ہوا۔ اب شان سے آیا کرے گی اور ہم لوگ
اس کی خاطر مدارت بھی کیا کریں گے۔“ مریم محفوظ ہو کر بول رہی تھی۔
”ویسے لگ بہت پیاری رہی تھی۔۔۔۔۔!“
”مجھے تو بہاؤ بھی بہت اچھے لگے۔۔۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔۔۔! ماشا اللہ۔۔۔۔۔! جوڑی سچ رہی تھی اور دادی تو چاند سورج کی جوڑی کہہ رہی تھیں۔“
لڑکیاں ڈلباؤ لہن کی تعریف میں جو شروع ہوئیں تو پھر انہیں کوئی اور موضوع ہی نہیں ملا۔
نعمان بہت خاموشی سے سن رہا تھا پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ گوکہ کراچی
میں کوئی بھی موسم شدت سے نہیں اترتا لیکن دن اور راتیں ضرور چھوٹی ہوتی ہیں اور یہ دسمبر کی طویل
رات تھی، خاموش، آداس۔ کتنی دیر وہ خالی خالی نظروں سے اپنے کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ خود
اسے لگ رہا تھا جیسے اب اس کے پاس کرنے کو، سوچنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ ذہن بھی بالکل خالی سا ہو گیا
تھا۔ بس ایک دل تھا جو مسلسل دہائیاں دے رہا تھا۔

”سب قسمت کے کھیل میں۔۔۔۔۔!“ اس کی نظریں اپنی ہتھیلیوں پر جم گئیں۔
”میرے ہاتھ کی لکیروں میں کہیں اس کا نام نہیں ہے پھر اس کی محبت کیوں لکھی گئی۔۔۔۔۔؟ یہ بھی نہ
ہوتی تو آرام ہے اپنی زندگی جی لیتا، اب کیسے کٹے گی۔۔۔۔۔؟ یہ ایک طویل رات تو کٹ نہیں رہی۔۔۔۔۔؟“ وہ
بے پناہ آرزو کیوں میں گھر گیا۔ آنکھوں کے کنارے بھی جھپک گئے تھے۔ جب وہ لائٹ آف کر کے لیٹ
گیا اور دل کو سمجھاتے سمجھاتے آخر تھک کر سو گیا۔

صبح دادی نے آ کر اسے اٹھایا اور نوریہ کے سرال ناشتے جانے کو کہا تو وہ حیران ہو کر بولا۔
”اتنی صبح۔۔۔۔۔!“

”ناشتہ صبح ہی ہوتا ہے بچے۔۔۔۔۔! دوپہر میں نہیں ہوتا۔ چلو جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔۔۔۔۔!“
دادی نے ٹوکے ہوئے کہا۔

”لیکن دادی۔۔۔۔۔! میں اکیلا کیسے جاؤں گا۔۔۔۔۔؟“ وہ پریشان ہوا۔

سے کہا۔

”تو آپ رضائی لے لوں! بیٹر جلا نا ضروری ہے کیا.....؟“ وہ ہنوز جھنجھلا کر بولی شاید لحاف

میں سے لٹکانا نہیں چاہتی تھی۔

”میں نہیں بے وقت رضائی میں بیٹھ سکتی پھر ابھی مجھے نماز بھی پڑھنی ہے۔ چل اٹھ شاپاش.....!“

بے بے نے پکارا تو وہ لحاف پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر بیٹھ جلاتے ہوئے کہنے لگی۔

”گرمی پڑتی ہے تو آپ اسے چلا کر کمرہ ٹھنڈا کر لیتی ہو اور سردی میں بیٹر جلا کر گرم..... مجھے نہیں

اچھا لگتا۔“

”کیا اچھا نہیں لگتا.....؟“ بے بے نے تاحجئے ہوئے پوچھا۔

”اے سی اور بیٹر.....! دونوں اچھے نہیں لگتے۔ اب دیکھو کمرہ گرم ہو جائے گا تو پھر سردی کہاں پتا

چلے گی۔“

”تو تجھے ضرور سردی میں ٹھنڈا ہے.....!“ بے بے نے ٹوکا۔

”اب آپ کو کیا پتاؤں ہے بے.....! آپ نہیں سمجھو گی یہ موسم ہمارے لیے ہی تو بدلتے ہیں۔“

اس نے کہتے ہوئے دروازہ کھولا تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر تک چلا آیا۔

”کیا کرتی ہے چاندنی.....! ہند کر دروازہ.....!“ بے بے نے ڈانٹا۔

”آپ بیٹھو گرم کمرے میں.....! میں اوپر جا رہی ہوں۔“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی پھر بھاگ

کر بیڑھیاں پھلاتی کمرے میں آ کر پہلے لائٹ جلائی پھر دروازہ بند کر دیا۔ اتنی سی دیر میں اس کے ہاتھ

پاؤں ٹھنڈے برف ہو گئے تھے اور ذرا سامنے کھولتی تو دانت بھی بجتے لگتے اس لیے دانتوں کو مضبوطی سے

ایک دوسرے پر جمائے کچھ دیر تھیلیاں آپس میں رگڑتی رہی پھر ٹی وی آن کر کے لحاف میں گھس کر بیٹھ

گئی۔ پہلے بھی وہ ٹی وی دیکھتی تھی لیکن کیبل پر دوسرے چینل اس نے حاکم علی کے کمرے میں آ کر ہی دیکھے

تھے اور یہ اس کے لیے بالکل نئی چیز تھی بلکہ اسے کوئی اور ہی دنیا لگتی تھی۔ ٹیلی ویژن، فیشن، بے باکی اور جانے کیا

کچھ۔ جس سے وہ کچھ ذہن کی لڑکی بری طرح متاثر ہو رہی تھی۔ مختصر لباس میں ناچی لڑکیوں کو وہ حیرت

سے دیکھتی اور کچھ مناظر پر تو اس کی سانسیں رک جاتی تھیں۔ کتنے گانے اسے ازبر ہو چکے تھے اور وہ ساتھ

ساتھ گنگنا لگتی۔ بہر حال حاکم علی نے جو اس سے کہا تھا کہ اسے یہیں دل لگانا ہے اور دل لگانے کے

لیے جن جن چیزوں کی اس نے نشان دہی کی تھی۔ ٹی وی، سی ڈی پلیئر، کمپیوٹر وغیرہ تو ان میں اس کا دل

یوں لگا کہ نیم خوابیدہ ارمان بھی انگڑائیاں لینے لگتے تھے۔ اسکرین پر محبت کے مناظر دیکھتے ہوئے اس کا

دل چمکنے لگتا تو اس وقت وہ یہی سوچتی کہ حاکم علی اس کے پاس کیوں نہیں ہے۔ وہ اس سے اتنا انجان کیوں

ہے۔ اسے چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔

اس وقت فلم دیکھتے ہوئے اسے اچانک حاکم علی یاد آنے لگا اور اس کا دل چل گیا۔ پھر اٹھ اس نے

آ کر تینوں لڑکیاں باری باری نوریہ سے گلے ملیں اور اس کے کان میں سرگوشیاں بھی کیں جبکہ نعمان کوشش

کے باوجود اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور ہمایوں سے مل کر خاصے تکلف سے بیٹھ گیا۔

”نعمان بیٹا.....! کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے اپنا ہی گھر سمجھو.....!“ ہمایوں کی امی نے سب کو

دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہم لوگ اصل میں ناشتہ کر کے آئے ہیں بس چائے پی لیتے ہیں۔“ نعمان نے کہتے ہوئے مریم

کو کوئی ماری تو وہ فوراً اس کی تائید کرنے لگی۔

”جی آئی.....! ہم چائے پی لیتے ہیں۔“

”بیٹا.....! جب یہاں آ رہے تھے تو ناشتہ بھی ہمارے ساتھ ہی کر لیتے۔ نوریہ کو بھی آسانی ہو

جاتی۔ اب دیکھو کیسے شرمارہی ہے.....!“ آئی نے کہا تو اس نے بے اختیار نوریہ کی طرف دیکھا۔

فیروزی جھلملاتے دوپٹے کے ہالے میں میک آپ سے بے نیاز اس کا چہرہ بالکل ساٹ اور ہر احساس سے

عاری لگ رہا تھا اور وہ جو اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا بار بار اسے دیکھتا اور چیکنک رہا۔

”یہ اذیلین صبح کی ذہن تو نہیں ہے۔“ چائے کا آخری گھونٹ لے کر اس نے سوچا پھر جویریہ کو چلنے

کا اشارہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور ہمایوں کو دیکھ کر بولا۔

”بہیں اجازت دیجیے.....!“

”آپ لوگوں نے بہت تکلف کیا۔“ ہمایوں اٹھنے لگا تھا کہ وہ روک کر بولا۔

”پلیز.....! آپ ناشتہ کریں.....!“

”اوکے.....! شام میں ملاقات ہوگی۔“ ہمایوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”انشاء اللہ.....!“ وہ مسکرایا اور ان لڑکیوں سے پہلے ہی باہر نکل آیا۔

واپسی میں تینوں لڑکیاں مسلسل بولتی رہیں۔ انہیں نوریہ کی غیر معمولی خاموشی زیادہ کھل رہی تھی اور

اس پر تشویش بھی ظاہر کر رہی تھیں اور تشویش تو اسے بھی تھی لیکن بولا کچھ نہیں خاموش رہا تھا۔

○○○

سردی اپنے عروج پر تھی اور دو دن سے تو موسم بھی اُبر آلود تھا جب ہی وقت کا پتا ہی نہیں چل رہا

تھا۔ دوپہر کے دو بجے تھے اور چاندنی اس وقت بھی لحاف میں دبی بیٹھی تھی۔ بے بے البتہ ٹھنڈی ہوئی

کمرے میں آ جا رہی تھیں اور ہر بار اسے کچھ نہ کچھ کہہ جاتیں۔ اس کی سماعتوں سے ان کی آواز ضرور نکلتی

لیکن اس کے سامنے نہیں کہ وہ کیا کہہ گئی ہیں کیونکہ وہ اپنے ہی کسی خیال میں گم تھی۔

”چاندنی.....!“ اب بے بے نے اسے جھجلائی ہوئی آواز میں پکارا۔

”کیا ہے.....؟“ وہ اپنا خیال منتشر ہونے پر ان سے زیادہ جھنجھلائی تھی۔

”کوئی.....! کتنی بار کہا ہے اٹھ کر بیٹر جلا دے، کتنی ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔“ بے بے نے اب کے نرمی

○ ○ ○

”میرے خواب، میرے ارمان بدگمانی کی آگ میں راکھ کر دیئے جائیں اور میں ہونٹوں پر شرمیلی اسے مناسقت سے نفرت کی۔“

۱۰۵

ہوں، مجھے سب کا جیسا کہ میں نے کہا تھا، آواز نے بہت سہارا دیا جیسے پاتال سے کھینچ لیا تھا۔

کسی سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ دل بھر بھرا رہا تھا، آنکھوں میں بھی جھپن تھی۔ ڈرتا تھا کہیں بات کرتے ہوئے آنسو نہ چھلک جائیں اس لیے اپنے کمرے میں بند ہو جانا چاہتی تھی۔

”بیٹا..... تم نے کھانا تو ٹھیک سے نہیں کھایا ہوگا..... بھوک لگی ہو تو.....“ امی نے اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

”نہیں امی.....! میں نے کھالیا تھا۔“

”چائے پیو گی.....؟ ساتھ سردرد کی ٹیبلٹ بھی لے لینا۔“ امی نے اس کی تھکن محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں.....! میں سونا چاہتی ہوں۔ چائے پی لی تو پھر نیند کہاں آئے گی۔ آپ بھی سو جائیں تھک جی ہوں گی۔“ اس نے امی کے گلے میں بازو ڈال کر کہا۔

”خوش رہو.....!“ امی نے اس کی پیشانی چومی پھر زیور احتیاط سے رکھنے کی تاکید کر کے چلی گئیں۔

اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا پھر چیخ کر کے کمرے میں بیٹھ گئی اور چاہا کہ ٹھنڈے دماغ سے اس ساری صورت حال کو سو پے پھر کسی نتیجے پر پہنچے لیکن یہ کہاں ممکن تھا۔ وہ جتنا سو جی اس قدر ابھرتی جا رہی تھی یہاں تک کہ اس کا ذہن جھنجھنے لگا۔

○ ○ ○

”شکر ہے.....! سب ٹھیک ٹھاک بلکہ بہت اچھا ہو گیا، کوئی کی نہیں رہی اور شکر ہے کوئی بد مزگی بھی نہیں ہوئی۔“ ہمایوں کی امی شادی پر خوش اور اب اطمینان کا اظہار کر رہی تھیں۔

”ہاں امی.....! میری سہیلیاں بھی بھابی کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔“ سعدیہ نے کہتے ہوئے شرارت سے ہمایوں کو دیکھا لیکن وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”بھائی تو ابھی سے اُداس ہو گئے..... بھائی.....! کل آجائیں گی بھابی.....!“ سعدیہ نے پھر خوشی سے کہا۔

”پھر.....!“ وہ تیز لہجے میں کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تو سعدیہ نے پریشان ہو کر امی کو دیکھا وہ بھی حیران تھیں۔

”کیا بات ہے بیٹا.....! تھک گئے ہو کیا.....؟“

”صرف تھکا ہی نہیں ہوں ٹوٹ گیا ہوں.....!“ اس کا ضبط ٹوٹ رہا تھا۔

”ہائے.....! اللہ نہ کرے.....! ٹوٹیں تمہارے دشمن.....! کیسی باتیں کر رہے ہو.....؟“ امی نے دہل کر ٹوکا۔

”سوری.....!“ وہ ایک دم احساس کر کے کہنے لگا۔

”سچ نور.....! بہت پیاری لگ رہی ہو.....! اور یہ کیا پرانے زمانے کی ٹھری بنی ہوئی ہو۔ سر اُونچا کرو، آنکھیں کھولو، مودی بن رہی ہے۔“ جویریہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اُونچا کرنا چاہا لیکن وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

”بس جو جی.....! ایسی ہی ٹھیک ہے.....!“

”کوئی ٹھیک نہیں ہے.....!“ جویریہ نے زبردستی اس کا چہرہ اُونچا کر کے آنکھیں کھولنے پر اصرار کیا۔ اس نے ایک دم آنکھیں کھول دیں تو سامنے روش کے اختتام پر حاکم علی اور ہمایوں ایک ساتھ نظروں کے سامنے آ گئے۔ حاکم علی کے چہرے پر چمکتا ہوا غرور تھا اور کسی فاحش کی طرح گردن اکڑائے کھڑا تھا۔ اس کے برعکس ہمایوں کے ہر انداز سے شگفتگی چھلک رہی تھی اور اس کے سامنے شرمندہ بھی نظر آ رہا تھا جیسے قسمت نے سردار کی چھوڑی ہوئی چیز اس کی جھولی میں ڈالی ہو۔

پھر حاکم علی وہیں سے رخصت ہو گیا اور ہمایوں ڈھیلے ڈھالے قدموں سے اسٹیج کی طرف آنے لگا شاید اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا جب ہی اسٹیج کے قریب آ کر یوں چونکا جیسے پتا نہیں کہاں آ گیا ہو۔

”بارگیا یہ شخص.....! اپنے آپ سے بارگیا اور میں..... میں تقدیر سے مات کھا گئی۔“ اس کا دل ڈکھ سے بھر گیا، آنکھیں بھی دھندلا گئیں تو اس نے پھر سر جھکا لیا اور آخر تک اسی طرح بیٹھی رہی۔ اس کے پاس کون کون آ کر بیٹھا، کس نے کیا کہا، اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ میں اُبھتی ہوئی تھی یا ابھتی دوریاں سلجھانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ جب جویریہ نے اس کے بازو میں بازو ڈال کر اٹھایا تب بھی وہ غائب دماغی سے اسے پھر ہمایوں کی امی کو دیکھنے لگی۔

”تم ابھی ہمارے ساتھ چلو گی.....!“ جویریہ نے کہا۔

”ہاں بیٹا.....! کل پھر ہم تمہیں لینے آئیں گے.....!“ ہمایوں کی امی نے کہتے ہوئے اس کا گال تھپکا پھر سعدیہ سے پوچھنے لگیں۔

”ہمایوں کہاں ہے.....؟“

”وہ شاید اپنے دوستوں کو رخصت کر رہے ہیں.....!“ سعدیہ نے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”عجب لڑکا ہے.....! بلاؤ اسے.....! ذہن کے ساتھ گاڑی تک تو جائے.....!“

”کوئی بات نہیں آئی.....! ہم ادھر ہی تو جا رہے ہیں، چلو نور.....!“ جویریہ نے کہا تو وہ اس کے سہارے چل پڑی۔

ہمایوں، ذہنی کے ساتھ گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ اسے آتے دیکھا تو بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے بیٹھنے سے پہلے ہمایوں کو دیکھا شاید وہ کچھ کہے لیکن وہ نظریں چرا گیا۔ پھر گھر آتے ہی وہ تھکن اور سردرد کا بہانا کر کے امی کے ساتھ سیدھی اوپر آ گئی کیونکہ اس وقت وہ

علی اپنی کھوج پر دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔

”کس کی بات کر رہے ہو سردار.....؟“ نشی نے کچھ اُلجھتے ہوئے پوچھا۔

”وہی جو میری محبت ہے.....! میرا جنون ہے.....! نور.....! نور.....! رات میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا اس کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تھے۔ یقیناً وہ بہت روٹی ہوگی میرے لیے اور ابھی اسے اور بھی رونا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں.....! بس تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر میں اسے بہت ہنساکوں گا.....! ہنسنے سے ہی تو آنکھیں گلابی ہو جاتی ہیں۔“ وہ کسی حسین تصور میں کھو گیا تھا۔

نشی کے اندر بہت سوال اُٹ رہے تھے لیکن وہ اس کا تصور توڑنا نہیں چاہتی تھی جب ہی خاموش رہی۔ کتنے لمبے چپ چاپ سرک گئے پھر وہ خود ہی چونکا تو پہلے حیران ہوا پھر نشی کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”تم کیا سوچنے لگیں.....؟“

”میں کچھ نہیں سوچ رہی.....!“ نشی گہری سانس کھینچ کر گویا ہوئی۔

”تمہاری باتیں سن رہی تھی لیکن کچھ سمجھ نہیں سکی۔“

”میں وضاحت سے سمجھانا ہوں۔“ اس نے کہا تو نشی ذرا سانس کر بولی۔

”چھوڑو سردار.....! میں تمہیں ہی نہیں سمجھی تمہاری باتیں سمجھ کر کیا کروں گی.....؟“

”لیکن میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔“ وہ بھی ہنس کر بولا۔

”اور.....؟“ نشی نے نفی میں سر ہلایا۔

”تم بہت گہری ہو۔ میں واقعی تمہیں نہیں سمجھ سکتا۔“ اس نے سنجیدہ ہو کر اعتراف کیا پھر کہنے لگا۔

”خیر.....! میں تمہیں نور یہ کے بارے میں بتا رہا تھا۔“

”مت بتاؤ.....!“ نشی نے ایک دم ٹوٹ دیا۔

”مت کسی اور لڑکی کا نام لو، تمہاری شادی ہو چکی ہے، اب تمہیں سدھر جانا چاہیے سردار.....!“

”ہا ہا ہا.....!“ اس نے حسب عادت پہلے قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا۔

”سدھر تو گیا ہوں، جو چاہے قسم لے لو.....! جب سے نور یہ کو دیکھا ہے صرف اس کا ہو کر رہ گیا ہوں۔ میرے خیالوں میں، خوابوں میں، میری سوچوں میں صرف وہ ہے اور میری زندگی میں بھی صرف وہی آئے گی اور کوئی نہیں۔“

”اور چاندنی.....! وہ کیا تمہاری زندگی میں شامل نہیں ہے.....؟“ نشی کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

”نہیں.....! اگر وہ میری زندگی میں شامل ہوتی تو میرے ساتھ ہوتی۔ میں نے کبھی اسے غور سے دیکھا ہی نہیں چھوٹا تو ڈور کی بات ہے اور پھر میں اسے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔“ اسے چاندنی کا ذکر ہی ناگوار گزر رہا تھا۔

”واہ سردار.....! تمہارے لیے سب کچھ کتنا آسان ہے۔ بیوی کو وہیں چھوڑ دیا، سونیا کے پاس بچے

”سوری امی.....! میں اصل میں تھک گیا ہوں.....! ذہن کام نہیں کر رہا.....! چائیں کیا کہہ

گیا.....! آپ پریشان نہ ہوں۔“

”اکیلے بھی تو ہو.....! سارے انتظام بھی تمہیں خود کرنے پڑے۔“

”یہی بات ہے.....!“ وہ فوراً بولا۔

”چلو آرام کرو.....! سعدیہ.....! تم بھی اٹھو چلو کمرے میں.....!“ امی اُٹھتے ہوئے بولیں۔

”بھائی.....! چائے چاہیے تو بنا دوں.....!“ سعدیہ نے جاتے جاتے زک کر پوچھا۔

”نہیں.....! بس اب سوؤں گا۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کیا تو کمرے میں

رچی گلابیوں کی مہک واضح محسوس ہونے لگی اور جب بیڈ پر بیٹھا تو یوں لگا جیسے ابھی ابھی یہاں سے ذہن

اُٹھ کر گئی ہو۔

”میں نے تو بہت صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔ کبھی کسی کے ساتھ مذاق میں بھی دل لگی نہیں

کی۔ اسکول، کالج پھر ایم اے کے کرنے لندن گیا تو وہاں کی رنگینوں سے بھی متاثر نہیں ہوا کیونکہ میں نے

پوری ایمانداری سے اپنا ہر جذبہ اپنی شریک سفر کے لئے سنبھال کر رکھا تھا۔ اس لیے میں نے کبھی کسی کو

دھوکا نہیں دیا پھر میرے ساتھ دھوکا کیوں ہوا.....؟ میرے نصیب میں ایسی لڑکی کیوں لکھی گئی جس کا کوئی

کردار ہی نہیں۔“

”کیا میں ایسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتا ہوں.....؟ نہیں.....! کبھی نہیں.....! جب

میرے کردار پر کوئی دھبہ نہیں تو اس کا دامن بھی صاف ہونا چاہیے۔ ایسا ہی میرے نصیب میں لکھا ہے

جب ہی تو پہلے ہی مقام پر نور یہ شیراز حسن کی قلعی کھل گئی۔ اب وہ لاکھ اپنی صفائیاں پیش کرے میں اس کا

یقین نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے خود اسے سردار حاکم علی کے گھر میں دیکھا تھا اور پھر سردار بھی تو کہہ رہے

تھے کہ وہ ان کی کلوز فرینڈ ہے۔ دیکھتا ہوں وہ انہیں کیسے جھٹلاتی ہے.....؟“

”لیکن اب میں کیا کروں.....؟ امی اور سعدیہ اتنی خوش ہیں میں کیسے ان کی خوشی خاک میں ملا

دوں.....؟ نہیں.....! مجھے فوراً کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس سے امی کو صدمہ پہنچے۔ ابھی بھی وہ تپتی

پریشان ہوئی تھیں جب میں نے کہا کہ میں نوٹ گیا ہوں، مجھے خود پر قابو رکھنا چاہیے۔ ہاں.....! امی اور

سعدیہ کی خاطر کچھ عرصہ خاموش رہنا ہی بہتر ہے اور نور یہ شیراز حسن کو بھی برداشت کرنا پڑے گا،

ہونہ.....!“ اس کے اندر بے حد تنگی تھی اور ذہن صرف وہ سوچ رہا تھا جو اس نے دیکھا تھا۔ ایک بار بھی یہ

خیال نہیں آیا کہ کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کوئی چیز دیکھنے میں کچھ اور پرکھنے میں کچھ اور ہوتی ہے۔

○ ○ ○

حاکم علی بہت خوش تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ نشی دونوں بازو سینے پر لپٹے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

”وہ مل گئی نشی.....! میں نے پالیا اسے.....! کھوج لیا.....! اب وہ مجھ سے نہیں بھاگ سکتی۔“ حاکم

”بتا دو۔۔۔ اس کی شادی میں دیکھا اسے۔۔۔“ نشی اب قدرے جھنجھلائی تھی۔

”اسی کی۔۔۔ انور یہ کی شادی تھی۔۔۔“ وہ جیسے انگارے چبا کر بولا۔

”کیا۔۔۔ انور یہ کی شادی۔۔۔“ نشی اچھل پڑی۔

”ہاں۔۔۔ لیکن میں اس شادی کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔۔۔ اچاڑ کے رکھ دوں گا اسے۔۔۔

پرو دیکھنا وہ میرے پاس ہی آئے گی۔“ اس کے خطرناک ارادوں پر نشی کانپ گئی۔

”نہیں سردار۔۔۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔۔۔“

”کوئی نہیں روک سکتا مجھے نشی۔۔۔ تم بھی ایسی کوشش مت کرنا۔۔۔“ وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

”یہ بہت گری ہوئی حرکت ہوگی سردار۔۔۔ اوہ لڑکی جب تمہیں پسند ہی نہیں کرتی تو تم کیوں اس

کے پیچھے پڑے ہو۔۔۔ اور اب تو اس کی شادی بھی ہو گئی ہے، اسے اپنی زندگی گزارنے دو۔۔۔“ نشی

اس کے منع کرنے کے باوجود سمجھانے سے باز نہیں آئی۔

”ہونہ۔۔۔ وہ میری ہے صرف میری۔۔۔ اور یہ تم سے کس نے کہا کہ وہ مجھے پسند نہیں

کرتی۔۔۔؟ محبت کرتی ہے وہ مجھ سے۔۔۔ اتنی کہ اس روئے زمین پر کبھی کسی نے کسی سے نہیں کی ہوگی۔

یہ خود اس نے مجھ سے اعتراف کیا تھا پھر جب میں اس کی خاطر بیوی چھوڑ آیا ہوں تو وہ میری خاطر شوہر

کیوں نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔؟ چھوڑنا پڑے گا اسے۔۔۔“ وہ غصے میں بولنے لگا۔

نشی چند لمحوں کے بعد اسے اس جنونی کو دیکھتی رہی پھر اپنا پرس اٹھا کر بس اسی قدر بولی۔

”میں چلتی ہوں۔۔۔“

”پھر آؤ گی ناں۔۔۔“ اس نے فوراً پوچھا۔

”جائیں۔۔۔“ نشی تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ حاکم علی پھر قہقہے لگانے لگا۔

○ ○ ○

دینی انتشار نے اسے پیار کر ڈالا تھا۔ صبح جب امی اسے ناشتے کے لیے بلانے آئیں تو وہ بخار میں

بے سدھ پڑی تھی۔

”نور۔۔۔! اٹھو گی نہیں بیٹا۔۔۔“ امی نے کہتے ہوئے کھڑکی سے پردے ہٹائے پھر اس کے بازو

پر ہاتھ رکھتے ہی پریشان ہو گئیں۔

”الٹی خیر۔۔۔! کیا ہوا میری بچی کو۔۔۔؟ نور۔۔۔ انور۔۔۔! اسے بلایا پھر بھاگ کر ڈیڈی کو بلا

لائیں۔

”دیکھیں تو کتنا تیز بخار ہو رہا ہے اسے۔۔۔! ڈیڈی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی

متو ش ہو گئے پھر پوچھنے لگے۔

”رات ٹھیک تھی۔۔۔؟“

چھوڑ دیا۔“ نشی نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا پھر بھی وہ اس کا طنز سمجھ گیا لیکن یکسر انجان بن کر پوچھنے لگا۔

”ارے ہاں۔۔۔! سو نیا پلٹی گئی کیا۔۔۔؟ وہ جو امریکہ جا رہی تھی۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔! تیار یوں میں لگی ہے۔ ایک روز وہ مجھے رابی سینٹر میں نظر آئی تھی۔ بچہ بھی اس کی گود

میں تھا۔“ نشی شاید اسے بچے کا احساس دلانا چاہتی تھی اور وہ بہت شارب تھا ہر بات سمجھ بیٹا تھا لیکن یوں

ظاہر کرتا جیسے سمجھا ہی نہیں۔ اس وقت خوبصورتی سے بات بدل گیا۔

”نشی۔۔۔! تم میری واحد دوست ہو۔۔۔! میری مدد کرو گی۔۔۔!“

”کس سلسلے میں۔۔۔؟“ نشی سو نیا کا خیال جھٹک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”وہی نور۔۔۔ نور یہ کے معاملے میں۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔ تم اسے آمادہ کرو مجھ سے

ملنے پر۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔! صرف ایک بار۔۔۔! پھر میں خود اسے اپنی محبت کا یقین دلا دوں گا۔“ حاکم

علی کے لہجے میں بے قراری کے ساتھ عاجزی سم آئی تھی۔ نشی کو نور یہ پر شک آنے لگا۔

”جانے کون ہے وہ جس کے لیے سردار اپنی حاکمیت بھول جاتا ہے۔“

”بولو۔۔۔! میری مدد کرو گی ناں۔۔۔!“ حاکم علی نے پھر اصرار سے پوچھا تو وہ چونک کر کہنے لگی۔

”ہاں۔۔۔! لیکن پہلے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ تو۔۔۔ کون ہے۔۔۔؟ کہاں رہتی ہے اور تم

سے کیوں گریز کر رہی ہے۔۔۔؟“

”گریز۔۔۔! وہ اس کی آخری بات پر ٹھٹھا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

”شاید اس لیے کہ وہ مجھے سمجھ نہیں پارہی۔“

”نہیں سردار۔۔۔! میرا خیال ہے وہ تمہیں سمجھ چکی ہے جب ہی۔۔۔“ نشی کی صاف گوئی پر وہ اندر

ہی اندر جڑ ہونے لگا۔

”خیر۔۔۔! یہ بتاؤ۔۔۔! وہ رہتی کہاں ہے۔۔۔؟ بلکہ مجھے شروع سے پوری تفصیل بتاؤ۔۔۔! تم نے

اسے کب، کہاں دیکھا۔۔۔؟ پھر کتنی ملاقاتیں ہوئیں، وغیرہ وغیرہ۔۔۔“ نشی نے پوچھا۔

”بتاؤں گا۔۔۔! سب بتاؤں گا لیکن ابھی نہیں۔۔۔!“ وہ نشی میں سر ہلانے لگا۔

”اچھا۔۔۔! کل رات تم نے اسے کہاں دیکھا۔۔۔؟“ نشی کے اندر تجسس جاگ اٹھا تھا۔

”ایک شادی میں۔۔۔!“ وہ سرسری انداز میں بتا کر سرگريٹ سلگانے لگا پھر اسے دیکھ کر بولا۔

”پوچھو گی نہیں کس کی شادی۔۔۔؟“

”یہ غیر ضروری سوال ہے۔۔۔؟“ نشی نے بے نیازی سے کہا۔

”کی سوال اہم ہے۔۔۔!“ وہ زور دے کر بولا۔

”پوچھو۔۔۔!“

”ایک سو چار بخار ہو رہے تھیں.....! رات میں نے کہا بھی تھا ٹیبلٹ لے لو.....! اگر اس وقت لے لیتیں تو یہ حالت نہ ہوتی۔“ امی کی بات سن کر وہ خاموش ہو گئی۔

”بس.....! اب تم اسے پریشان نہ کرو.....! ڈیڈی نے امی کو نوک دیا۔

”بیٹا.....! آپ میڈیسن لے کر آرام کرو.....!“

”نوی بیٹا.....! تم جو یہ کہہ رہے ہو.....! رات کے کھانے کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کے سسرال والے لینے آئیں گے تو.....! امی نعمان کو مخاطب کر کے بولیں تو ڈیڈی نے پھر نوک دیا۔

”نہیں.....! اس حالت میں یہ نہیں جاسکتی۔ تم اس کی ساس کو فون کر کے کہہ دو کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”تو وہ خود آ کر دیکھ لیں گی.....! میں انہیں آنے سے تو منع نہیں کر سکتی۔“

”آ نے تو منع مت کرو اس کی طبیعت کا بتا دو.....!“ ڈیڈی بھنجلاتے ہوئے چلے گئے۔

”ان مردوں کو کسی بات کا کچھ پتا نہیں ہوتا بس اپنی چلاتے ہیں۔ نوی.....! تم اسے دوادے دو۔

”بیٹا.....! میں ذرا فون کر لوں۔“ امی اٹھ کر چلی گئیں، وہ گم صم بٹھی تھی۔

”اے.....! نعمان اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر بولا۔

”جہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے.....!“ وہ اسے دیکھنے لگی، بولی کچھ نہیں۔

”کیا سوچنے لگیں.....!“ نعمان نے پھر نوکا۔

”کچھ نہیں.....! تم جلدی دوادو پھر میں لینوں گی، مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا۔“ وہ سر جھٹک کر بولی۔

”ہاں.....!“ نعمان چیر کر کھینچ کر بیٹھ گیا پھر ٹیبلٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”کیسے تھیں ہوا کیا ہے.....؟“

”بخار.....! ایک سو چار.....!“ اس نے کہہ کر ٹیبلٹ منہ میں رکھ لی اور اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پانی سے نکل لی۔

”یہ تو مجھے بھی پتا ہے، ڈاکٹر کو میں ہی لے کر آ یا تھا۔“ وہ اس کی ہتھیلی پر دوسری ٹیبلٹ رکھ کر بولا۔

”پھر.....؟“

”پھر یہ کہ بخار کسی وجہ سے ہی ہوا ہوگا.....؟“ وہ اب اسے دیکھ کر بولا۔

”تمہارے خیال میں کیا وجہ ہو سکتی ہے.....؟“ وہ اٹا اس سے پوچھنے لگی۔

”میں کچھ نہیں کہہ سکتا.....!“

”اور میرے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے لیکن ابھی مجھ میں ہمت نہیں ہے، میں تھک گئی ہوں۔ تم پلیز.....! جاؤ میں سوؤں گی۔“ اس کے لہجے میں عاجزی سٹ آئی تھی۔

”اوکے.....!“ وہ افسردگی سے مسکرایا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

”ہاں.....! بس سر درد کا کہہ رہی تھی، میں نے کہا بھی تھا کہ چائے کے ساتھ سر درد کی ٹیبلٹ لے لو لیکن.....“

”میں نوی سے کہتا ہوں ڈاکٹر لے آئے۔“ ڈیڈی امی کی بات پوری ہونے سے پہلے کہتے ہوئے چلے گئے۔

”نور.....! نور.....!“ امی پھر اسے پکارنے کے ساتھ کبھی اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتیں، کبھی اس کا بازو ہلاتیں۔ ان کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا پھر ڈاکٹر کے آنے تک انہوں نے کتنے جتن کر ڈالے لیکن نور یہ نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ ڈاکٹر نے زیادہ تشویش ظاہر نہیں کی تھی یہی بتایا کہ ہمدی لگ جانے سے بخار ہوا ہے اسی حساب سے انجکشن لگایا اور دو امی دے کر تائید کی کہ پہلے اسے کچھ کھلا پلا دیا جائے۔

”کیسے کچھ کھلاؤں.....؟ یہ اٹھ ہی نہیں رہی.....!“ ڈاکٹر کے جاتے ہی امی نے کہا۔

”چائے کے ساتھ بسکٹ لے آؤ.....! میں اٹھاتا ہوں اسے.....!“ ڈیڈی انہیں بھیج کر نور یہ کے پاس بیٹھ گئے اور اسے پکارنے لگے۔

”نور.....! نور بیٹا.....! اٹھو.....!“ نور یہ نے کسمسا کر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

”نور بیٹا.....! آپ کی امی پریشان ہو رہی ہیں، آنکھیں کھولو.....!“ اب انہوں نے اس کا ہاتھ ہلا کر تیز آواز میں کہا۔ نور یہ نے ذرا سی آنکھیں کھولیں اور سامنے ڈیڈی کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئی۔

”کیا ہوا ڈیڈی.....؟“

”کچھ نہیں.....! اٹھو ناشتہ کرو.....!“ ڈیڈی نے فوراً تشویش ظاہر نہیں کی اور وہ اٹھنے کی سعی میں نڈھال ہو گئی۔

”نہیں اٹھ سکتی ڈیڈی.....! کمر میں درد ہو رہا ہے.....!“

”عجیب فیشن ہیں.....! سردیوں میں بھی کھلے آسمان تلے ٹھہا دیتے ہیں.....! یہ نہیں کہ گرم شال اوڑھادیں۔“ ڈیڈی نے اس کے پیچھے نلکے سیدھا کر کے اسے بٹھایا۔

امی چھوٹی ٹرے میں چائے کا کپ اور بسکٹ رکھ کر لے آئیں۔ ان کے پیچھے نعمان میڈیسن لئے آ گیا اور کارڈز ٹیبل پر رکھ کر بتانے لگا کہ کون سی دوا کس وقت دینی ہے۔

”یہ میڈیسن.....؟“ وہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

”ہاں بیٹا.....! ابھی ڈاکٹر صاحب آئے تھے، چلو پہلے آپ کچھ کھالو.....!“ ڈیڈی کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو امی ان کی جگہ بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھ سے اسے بسکٹ کھلاتے ہوئے بولیں۔

”پریشان کر دیا تم نے.....!“

”جی.....!“ وہ چونک کر امی کو دیکھنے لگی۔

”میں نے کیا کیا ہے.....؟“

گے۔ یہ دوسری بات کہ آپ کو کسی پرواہ نہ ہو۔“ ہمایوں نے اب قدرے دھیرج سے کہا۔
”میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔“ وہ ہنوز نرمی تھی۔

”ایزبولا نک.....!“ وہ کندھے اچکا کر خاموش ہو گیا تو قدرے توقف سے وہ پوچھنے لگی۔
”آپ کا سردار حاکم علی کے ساتھ کیا رشتہ ہے.....؟“

”کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ میں ان کی فرم میں جی ایم کی پوسٹ پر ہوں اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میں نے آپ کو ان کے گھر میں دیکھا تھا۔“ ہمایوں نے جواب کے ساتھ جتنا بھی دیا تو وہ کیونکہ آریا پار سوچ چکی تھی، اس لیے بظاہر بے نیازی سے بولی۔

”دیکھا ہوگا.....!“
”چلیں.....! آپ یہ بتا دیں کہ آپ ان کے گھر کیا کرنے گئی تھیں.....؟“ ہمایوں اس کی بے نیازی سے بری طرح سلگ گیا تھا۔

”کوئی فائدہ نہیں.....! آپ یقین نہیں کریں گے۔ یوں بھی ہمایوں.....! مجھے صفائیاں پیش نہیں کرنیں، کیونکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا اور سچائی وہی ہے جو میں نے اولین لمحوں میں بیان کر دی تھی کہ ایک حادثے کے باعث میرا سردار حاکم علی سے سامنا ہوا۔ اس کے بعد سے وہ میرا تعاقب کر رہا ہے جبکہ میں نے ہمیشہ اسے منہ توڑ جواب دیا۔ اس بات کے گواہ کچھ اور لوگ بھی ہیں لیکن میں انہیں درمیان میں نہیں لاؤں گی۔ آپ چاہیں تو سردار حاکم علی کو میرے سامنے لے آئیں۔ پھر دیکھیں میں کیسے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالتی ہوں۔“ تنفر سے بولتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ہمایوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکنا چاہا لیکن وہ خاموش نہیں ہوئی۔

”میں تو ات بھی اس کا حلیہ بگاڑ سکتی تھی جب وہ مجھے کلوز فرینڈ کہہ رہا تھا۔ بس مہمانوں کا خیال کر کے مجھے ضبط کرنا پڑا لیکن آئندہ میں کسی کا خیال نہیں کروں گی۔“

”پلیز.....! ریلیکس ہو جائیں.....! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ ہمایوں نے اب نرمی سے نوک کا توہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ کچھ وقت خاموش کی نذر ہو گیا پھر ہمایوں نے پوچھا۔
”دوالی آپ نے.....؟“

”ہوں.....!“ اس کا روٹھا انداز دل میں اترنے والا تھا۔ ہمایوں کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی تب ہی دروازے پر پہلے دستک ہوئی پھر سب لڑکیاں اندر آ گئیں۔ ہمایوں کی بہن سعدیہ بھی تھی اور وہ سب سے پہلے بیڈ پر چڑھ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

”اللہ.....! بھابی.....! آپ بیمار کیوں ہو گئیں.....؟ نظر لگی ہے آپ کو.....! رات آپ اتنی پیاری جو لگ رہی تھیں۔“

”چلو.....! پہلے اسے یہ کھلاؤ.....!“ جویریہ نے ٹرے سے سعدیہ کو تھماتے ہوئے کہا۔

”تیز بخار کے باعث واقعی اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں چلن اور سانسوں میں بے پناہ تپش تھی۔ سر بھی درد کر رہا تھا اس لیے اس نے کچھ بھی سوچنے سے گریز کیا اور کبل اچھی طرح پلیٹ کر سو گئی۔ کچھ دوا کا اثر بھی تھا کہ جلدی نیند آ گئی۔

پھر وہ بہت دیر تک سوئی تھی۔ اس دوران یقیناً سب اس کے کمرے میں آئے گئے ہوں گے لیکن اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ بہر حال جب اٹھی اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ پہلے اس نے لینے لینے ہی اس پاس دیکھا پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب طبیعت قدرے بہتر لگ رہی تھی۔ بھوک کا احساس تو نہیں تھا البتہ چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ کسی کے اس طرف آنے کا انتظار کرنے لگی پھر تھک کر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو اس نے بے اختیار سر اٹھایا۔

سامنے ہمایوں تھا۔ وہ بلا ارادہ اسے دیکھ گئی۔
”کیسی طبیعت ہے.....؟“ ہمایوں نے بیڈ کے قریب آ کر پوچھا۔ یکسر اجنبی انداز تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔

”مجھے رات ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ.....“ ہمایوں اُدھوری بات کر کے خاموش ہو گیا۔
”بیٹھ جائیں.....!“ اس نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

”تھیک یو.....!“ وہ بیٹھ گیا، تب وہ پوچھنے لگی۔
”کیسے آتا ہوا.....؟“

”ظاہر ہے جب تک آپ میری منکوحہ ہیں تب تک تو آنا پڑے گا۔“ ہمایوں نے ذرا سے کندھے اچکا کر کہا۔

”جب تک..... گویا فیصلہ ہو چکا.....!“ اس نے دکھ سے سوچا پھر تاسف سے بولی۔
”ذنیاداری کے لئے.....!“

”ہوں.....!“
”لیکن میں یہ سب نہیں کر سکتی..... نہ میں کروں گی۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔

”کیا مطلب.....؟“ ہمایوں کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔
”پہلے آپ بتائیں کیا چاہتے ہیں.....؟“ اس نے بھی پیشانی پر شکنیں ڈال کر پوچھا۔

ہمایوں چند لمحوں سے دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔
”میں چاہتا ہوں کہ جب تک میں سچائی نہ جان لوں، میں ذنیاداری بھائی پڑے گی کیونکہ فوراً کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے دونوں خاندان متاثر ہوں گے۔“

”میرے خاندان کو چھوڑیں، آپ صرف اپنی بات کریں۔“ اس نے ٹوک دیا۔
”آپ جذباتی ہو رہی ہیں نوریہ.....! اور نہ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ متاثر آپ کے گھر والے ہوں

”نہیں جوجی! میں کچھ نہیں کھاؤں گی، بس مجھے چائے دے دو۔“ وہ جویریہ کو دیکھ کر بولی۔

”چائے بھی مل جائے گی، پہلے کچھ کھا لو پھر تمہیں دوا بھی لینی ہے۔“

”نہ بعد میں، پہلے چائے!۔“ وہ منت سے بولی۔

”ہمایوں آپ ہی سمجھائیں اسے!۔“ جویریہ نے ہمایوں سے کہا۔

”اوتھ!۔ جب یہ آپ کی بات نہیں مان رہیں تو میری کہاں سنیں گی!۔“ ہمایوں نے

خوبصورتی سے دامن بچایا۔

”آپ کہہ کر تو دیکھیں!۔“ ردا اور مریم پیچھے پڑ گئیں۔

”چلیں نور!۔ پہلے کچھ کھالیں!۔“ ہمایوں کے لہجے میں اچانک کیسا مان سمٹ آیا تھا اس کا

دل ڈولنے لگا۔ پھر لاکھ اس نے اس کی نفی کرنی چاہی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ سعدیہ نے نوالہ بتایا تو اس

نے بے اختیار منہ کھول دیا۔

”دیکھا!۔“ ردا اور مریم نے شرارت سے ہمایوں کو دیکھا تو وہ جھینپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”ارے!۔ آپ کہاں جا رہے ہیں!۔“ بیٹھیں میں چائے لارہی ہوں!۔“ جویریہ اس کے

اٹھنے پر فوراً بولی۔

”ہاں!۔“ بیٹھیں ہمایوں بھائی!۔ اور نہ یہ کھانا چھوڑ دے گی۔“ مریم نے بھی اسے روکنا چاہا۔

”نہیں چھوڑیں گی!۔“ وہ کہہ کر چلا گیا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ سے کہیں اس

کے منہ سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے اور نور یہ سمجھ کر اندر ہی اندر جزبہ زبہ ہونے لگی۔

”ہاں نور!۔ اب بتاؤ!۔“ دہنی مون پر کہاں جانے کا پروگرام بنا!۔“ ہمایوں کے جاتے ہی

مریم نے اسے مخاطب کر کے پوچھا تو اس سے پہلے سعدیہ بول پڑی۔

”پہلے بھابی کی طبیعت تو ٹھیک ہو جائے!۔“

”ہاں تو میں نے پروگرام پوچھا ہے اس پر عمل ظاہر ہے اس کی طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد ہی

ہوگا۔“ مریم کی بات پر سعدیہ خاموش ہو گئی۔

”بتاؤ نور!۔ کہاں کا پروگرام بنا!۔“ اب ردا نے پوچھا تھا۔

”کہیں کا نہیں!۔“ اس نے سیدھے سادے انداز میں جواب دیا۔

”یعنی کوئی ملا نہیں تھا۔“

”کیوں!۔“ ردا اور مریم ایک ساتھ بولیں۔

”جسکی دیکھو!۔ میں اس وقت اپنی طبیعت کی وجہ سے سخت بے زار ہو رہی ہوں اس لئے مجھ سے

کسی اچھے جواب کی توقع مت رکھو۔ پلیز جوجی!۔ مجھے چائے دے دو میرا سر پھنا جا رہا ہے۔“ آخر

میں وہ جھنجھلا گئی۔

”بس ابھی لائی!۔“ جویریہ فوراً اٹھ کر چلی گئی۔

”آپ لیٹ جائیں بھابی!۔ میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔“

”ہاں نور!۔ لیٹ جاؤ!۔“ ردا اور مریم ہیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئیں۔

”ارے نہیں!۔“ اتم لوگ بیٹھو میں چائے پی کر لیٹوں گی۔“ اس نے اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرتے

ہوئے کہا پھر سعدیہ سے پوچھنے لگی۔

”ای بھی آئی ہیں!۔“

”جی!۔ میں انہیں لے کر آئی ہوں۔ کہہ رہی تھیں جب آپ اٹھ جائیں تو میں انہیں بلاؤں۔“

سعدیہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”عجب سا لگ رہا ہے، مجھے ان کے پاس جانا چاہیے تھا۔“ وہ ایمانداری سے بولی۔

”آپ کی طبیعت جو ٹھیک نہیں ہے۔“ سعدیہ کہتی ہوئی چلی گئی تو مریم برا سامنے بنا کر اس سے

بولی۔

”بور کر کے رکھ دیا تم نے!۔“

”میں جان بوجھ کر تو بنا نہیں پڑی۔“ وہ دوٹھے لہجے میں بولی۔

”لگتا ہے نیا گھر، نئے لوگ اس نہیں آئے!۔“ ردا کا انداز چھیڑنے والا تھا پھر جی وہ نظریں

چراگئی تھی۔

○○○

وہ دادی کی گود میں سر رکھ لیتا تھا۔ دادی تسبیح پڑھنے کے ساتھ دھیرے دھیرے اس کے بالوں

میں اٹگلیاں بھی پھیر رہی تھیں۔ پھر جب تسبیح پڑھ چکیں تب اس کا سر ہلا کر پوچھنے لگیں۔

”کیا بات ہے!۔“ اتنے چپ چپ کیوں ہو!۔“

”کس سے بات کروں!۔“ آپ تو تسبیح میں لگی ہیں۔“ وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

”پڑھ چکی، اب بولو!۔“ دادی نے تسبیح اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر ایک طرف رکھ دی۔

”کیا بولوں دادی!۔“ مجھے تو آپ کی گود میں نیند آنے لگی تھی۔“ وہ جمائی لینے لگا۔

”چلو بیٹو!۔“ نیند آ رہی ہے تو اپنے کمرے میں جاؤ!۔“ دادی نے اسے دھکیلنا چاہا لیکن وہ ڈرا

بھی نہیں ہلا، مزید آنکھیں بند کر لیں۔

”نومی!۔“ دادی نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر زور سے اس کا سر ہلایا۔

”اٹھ کر بیٹھو!۔“ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے!۔“

”کیا بات!۔“ وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگا۔

”نور یہ کیسی ہے!۔“ بخار اُترا کہ نہیں!۔“ دادی نے پوچھا۔ ان کے انداز میں جوتشویش تھی

نور یہ سیاہ گرم شال لپیٹے اس کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نور یہ.....!“ وہ دو قدم آگے آ کر بولا۔

”تم یہاں.....! آئی مین! تمہیں اس وقت یہاں میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔“

”کیوں.....؟“

”یہ ٹھیک نہیں ہے.....! اگر کسی نے دیکھ لیا تو.....“ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے اسے دھکیل کر

دروازہ بند کر دے۔

”کیسی باتیں کر رہے ہو نور! میں پہلی بار تو تمہارے کمرے میں نہیں آئی۔ ہمیشہ جب بھی

نہیں آنے سے پریشان ہوئی تمہارے پاس چلی آئی اور پہلے تو کبھی تم نے نہیں ٹوکا۔“ وہ حیرت میں بھر کر

بول رہی تھی۔

”پہلے کی بات اور تھی اب تمہاری شادی ہو چکی ہے۔“ وہ جھنجھایا کر اسے کیسے سمجھائے۔

”تو کیا ہوا.....؟ شادی ہو جانے سے پچھلے سارے رشتے ٹاٹے ٹوٹ جاتے ہیں کیا.....؟ نہیں

نوی.....! پرانے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے البتہ نئے رشتوں کا بھروسہ نہیں ہوتا، جانے ٹوٹ جائیں.....!“

اس کے لہجے میں آزر و گیامت آئی تھی۔

”یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟“ وہ اندر سے پریشان ہو گیا۔

”غلط تو نہیں کہہ رہی.....!“

”اچھا بس.....! زیادہ فضول بولنے کی ضرورت نہیں ہے، بیٹھنا چاہتی ہو تو بیٹھ جاؤ.....!“ نعمان

نے دو ٹوک کہا۔

”نہیں.....! اگر تمہیں اچھا نہیں لگ رہا تو میں چلی جاتی ہوں۔“ وہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

لیکن نعمان سامنے آ گیا اور بے اختیار اس کے کندھے تھام کر بولا۔

”کبھی کبھی تم عاجز کر دیتی ہو۔ چلو بیٹھو اور بتاؤ.....! نیند کیوں نہیں آ رہی.....؟“

اس سے وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا جاننا چاہتی ہیں جب ہی ذہن کو تیار رکھ کر بولا۔

”بالکل تو نہیں اتر آکر ضرور ہو گیا ہے.....!“

”بات دات کر رہی ہے.....؟“

”جی.....!“

”شادی سے خوش تو ہے ناں.....؟“ دادی اصل میں شاید یہی پوچھنا چاہتی تھیں۔

”یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا.....!“ وہ بہت معصومیت سے بولا۔

”پوچھنے کی کیا بات ہے.....! چہرے سے ہی پتا چل جاتا ہے۔“ دادی جھجھلا کر بولیں۔

”مجھے چہرے پڑھنے نہیں آتے۔ صبح وہ نیچے آئے گی تو آپ خود دیکھ لیجیے گا بلکہ آپ تو اس سے

پوچھ بھی سکتی ہیں کہ وہ خوش ہے کہ نہیں۔“ وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں بول رہا تھا ورنہ خود اس کے

اندر یہی آشوب تھی۔

”ہاں.....!“ دادی جان کی سوچ میں پڑ گئیں۔

وہ چند لمحے ان کے بولنے کا انتظار کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”بس.....! زیادہ نہ سوچیں دادی.....! سو جائیں آرام سے.....!“

”ہیں.....! تم کہاں جا رہے ہو.....؟“ دادی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”اپنے کمرے میں سونے جاؤں.....؟“ اس نے بتا کر پوچھا۔

”ہاں.....! یہ لائٹ بند کر دو اور دروازہ بھی بند کرتے ہوئے جانا۔“ دادی نے کیستے ہوئے کہا تو

اس نے پہلے انہیں لحاف اوڑھ لیا پھر لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آیا۔

کورڈور میں ٹھنڈک زیادہ تھی۔ اس نے دونوں بازو سینے پر لپیٹ لئے اور قدموں کی رفتار تیز کر

کے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے ایک دم میز ہیوں کے پاس رک گیا۔ سرد، خاموش رات میں میز ہیوں

کے وسط میں جتا دم بلب بڑا خوب ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہا ایک ایک میز ہی پر قدم رکھتا

ہوا اوپر جائے اور بس ایک نظر نور یہ کو دیکھ کر واپس لوٹ آئے۔ یہ کوئی عجیب خواہش نہیں تھی نہ ہی انہونی۔

لیکن اب وہ پرانی ہو چکی تھی اس لیے اپنی خواہش پر وہ افسردگی سے مسکرایا پھر سست روی سے چلتا ہوا اپنے

کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھیک کرکڑ گیا اور حیرتوں میں گھر کر مشکل اس قدر کہہ سکا۔

”نور.....! تم.....!“

”ریلیکس.....! ریلیکس.....! میں کچھ سوچتا ہوں۔“ وہ ٹپکنے لگا۔

نور یہ کی نظریں اس کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔

”ایسا کرتے ہیں.....!“ کچھ دیر بعد نعمان رک کر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ پھر اسے دیکھ کر

کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے میں ہمایوں سے بات کرتا ہوں، میں انہیں بتاؤں گا کہ تم وہاں کیسے گئی تھیں۔“

”نہیں.....! تمہیں ہمایوں سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے سختی سے منع کیا۔

”کیوں.....؟“

”بس نہیں.....!“ وہ غصے سے بولی۔

”لیکن نور.....! ایسے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ضد اور غصے میں تو بات اور بگڑتی چلی جائے گی اور اپنے

طور پر تو شاید تم نے بگاڑ بھی لی، وہ تو ہمایوں سمجھ دار ہیں جو فوری اقدام سے گریز کر رہے ہیں۔“ نعمان نے

دھیرج سے ٹوکتے ہوئے کہا۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔

”دیکھو.....! شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے کہ آج ہوئی، کل ختم.....! تمہیں جوش سے

نہیں جوش سے کام لینا ہے۔ اگر تم یہ چاہ رہی ہو کہ ہمایوں خود سے حقیقت جان لیں تو پھر انہیں جان لینے

دو..... لیکن یہ فوراً نہیں ہو سکتا، وقت لگے گا اس میں کیونکہ وہ سردار حاکم کو زیادہ جانتے ہیں اور سردار یہ دعویٰ

کر گیا ہے کہ تم اس کی کلوز فرینڈ ہو۔ معاف کرنا نور.....! اگر ہمایوں کی جگہ میں ہوتا تو ایسی صورت حال

میں میری نظروں میں بھی تم ہی مشتبہ نظر تیں۔

”تمہارا دماغ خراب ہے.....! میں خواہ مخواہ تم سے مشورہ کرنے آ گئی۔“ وہ ناراضگی سے اٹھ کر

جانے لگی لیکن نعمان نے اس کا ہاتھ کھینچ کر بٹھا دیا۔

”میرا نہیں تمہارا دماغ خراب ہے جو صرف اپنا سوچ رہی ہو اور کسی کا خیال ہی نہیں۔ بتا ہے ابھی

دادی مجھ سے کیا پوچھ رہی تھیں.....؟ نور یہ کو بخار کیوں ہوا.....؟ وہ شادی سے خوش ہے کہ نہیں.....؟ ذرا

جا کر دیکھو کتنی فکر مند ہیں وہ.....!“ نعمان دبے لہجے میں غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

”تو میں انہیں چند دن کی خوشی کیوں دوں.....؟ آخر کو یہی ہوتا ہے۔“ وہ تڑخ کر بولی۔

”کچھ نہیں ہوتا.....! انشاء اللہ.....! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمایوں اگر سردار حاکم کو قریب سے

جاننے ہیں تو وہ جلد ہی یہ بھی جان جائیں گے کہ وہ کتنا جھوٹا اور مکار ہے۔ تم خدا کے لیے منفی انداز سے

مت سوچو.....!“ نعمان نے آخر میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”میں کیا کروں.....؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ ہاتھوں میں چہری چھپا کر رو پڑی۔

”مائی گا.....! روتی کیوں ہو.....؟“ وہ جھجھلا گیا۔

”تو اور کیا کروں.....؟ تم لوگوں کے نزدیک میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یعنی میں ہمایوں کے

”میں..... میں بہت پریشان ہوں نومی.....! میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو نعمان پریشان ہو گیا۔

”رو نامت نور.....! مجھے بتاؤ.....! کیا بات ہے.....؟ کیا اچھا نہیں ہوا.....؟ بولو.....!“

”اس لوہری وجہ سے.....“ وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے ابھی اسی قدر بولی تھی کہ وہ بے

صبری سے پوچھنے لگا۔

”کیا مطلب.....؟ اس نے وہاں بھی تمہیں فون کیا تھا.....؟“

”فون نہیں.....! وہ خود آ گیا تھا۔ نومی.....! ہمایوں جانتے ہیں اسے اور پہلے ہمایوں نے ہی مجھ

سے اس کے بارے میں پوچھا کہ میں سردار کو کیسے جانتی ہوں.....؟ وہ مجھے اس کے گھر میں دیکھ چکے

تھے۔“ اس نے رک رک کر بتایا اور نعمان کا ججج ذہن ماؤف ہو گیا۔ بس آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے جا

رہا تھا۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ میں جب اس گھر میں گئی تھی تو وہاں دو آدمی تھے۔ ایک مجھے دیکھتے

ہی چلا گیا تھا، وہی ہمایوں تھے، ہمایوں چغٹائی! اس کی فرم میں کام کرتے ہیں اور شادی کی رات ہی

اچانک انہیں یاد آ گیا کہ انہوں نے مجھے اپنے پاس کے گھر میں دیکھا تھا۔“ وہ بتاتی چلی گئی۔

نعمان سنانے میں کھڑا تھا۔

”اب بتاؤ.....! میں کیا کروں.....؟ تمہیں پتا ہے مجھے جھوٹ اور منافقت سے نفرت ہے، میں ہر

گز بھی پوز نہیں کر سکتی جبکہ ہمایوں کا کہنا ہے کہ وہ فوراً کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔“ اس نے مزید کہا تو اب

نعمان کو جھجکا لگا۔

”ک..... کیا مطلب.....! کیسا فیصلہ.....؟“

”مجھے نہیں پتا.....!“ وہ اس کی غائب دماغی پر چڑ کر بولی۔

”اچھا.....! یہاں بیٹھو.....!“ نعمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا پھر دھیرج سے سمجھاتے

ہوئے کہنے لگا۔

”دیکھو.....! یہ ٹھیک ہے کہ تم ہمایوں کو جھٹلا نہیں سکتی تھیں کیونکہ انہوں نے خود تمہیں وہاں دیکھا تھا

لیکن انہیں اصل بات تو بتاؤ کہ تم وہاں پہنچی کیسے.....؟ بلکہ تم نے اسی وقت کیوں نہیں بتایا اسے.....؟“

”کیونکہ انہیں یقین ہے کہ سردار کے پاس اچھی لڑکیاں نہیں جاتیں اور انہوں نے مجھے بھی ایسی

ویسی لڑکی سمجھ لیا تھا اس لیے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے صاف کہہ دیا کہ میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں

گی، جو پوچھنا ہے سردار سے جا کے پوچھیں اور وہ کیا پوچھیں گے جب سردار نے ہی ان کے سامنے مجھے

اپنی کلوز فرینڈ کہہ دیا۔ اس کے بعد تو انہیں اور یقین ہو گیا ہوگا کہ میں.....“ بولتے ہوئے اس کے لہجے سے

غصہ ظاہر ہو رہا تھا اور آخر میں تو یوں جیسے وہ پھٹ پڑنے کو تھی کہ جب ہی نعمان نے نوک دیا۔

”میں چتا ہوں.....!“

”اچھی بات ہے.....!“

”خدا حافظ.....“ وہ باہر نکل آیا تو نئی پریشانی ساتھ تھی کہ نوریہ کو کیسے لائے گا.....؟ کیونکہ وہ صاف لفظوں میں کہہ چکی تھی کہ وہ دنیا دھوئے کو پوزیشن کر سکتی اور نہ کرے گی۔

”عجیب مشکل ہے.....!“ وہ واقعی خود مشکل میں محسوس کر رہا تھا۔ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اسنے دنوں بعد آفس آیا تھا کام بھی بہت جمع، باہر کتنی دیر فائلوں کو اٹھاتا اور پختیار ہا پھر کمپیوٹر آن کیا تھا کہ سردار حاکم علی کا بلاوا آ گیا۔ وہ فون طر پرودہ سے مل گیا۔ ”میں آج ہی نہیں سکا بس اٹھ کر چل پڑا اور ہمیشہ کی طرح سردار حاکم کے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو جواب نہ ملا۔“ وہ موٹا سی۔ ۱۱۔

”وکیلہ مسٹر چغتائی.....! کیسے ہیں آپ.....؟“

”فائن.....! تھینک یو.....!“ وہ زبردستی مسکرایا۔

”بہت جلدی آفس آ گئے آپ.....! آئی میں شادی کے بعد.....؟“ سردار حاکم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے یوں کہا جیسے ”تبی جلدی دلہن سے آگئے۔“

”بس سر.....! اصل میں پہلے بھی تو اسنے دن چھٹی پر رہا ہوں ایک سیڈنٹ کی وجہ سے۔“

”ہاں.....! کافی نقصان ہو گیا۔ خیر.....! کوئی بات نہیں آپ آگئے ہیں تو مجھے اُمید ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ حاکم علی نے نقصان جتا کر فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

”جی.....! میں کوشش کروں گا کہ جلدی سارے نقصان کی تلافی ہو جائے۔“

”گڈ.....! اور ہاں.....! آپ کو یاد ہے میں نے آپ کے ساتھ ایک پروجیکٹ ڈسکس کیا تھا، وہ بچنے والا.....! حاکم علی نے یاد دلایا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

”بس سر.....! میں نے آرکیٹیکٹ سے بات کر لی تھی، کیا اس پر فوری کام شروع کرنا ہے.....؟“

”اگر میں آرکیٹیکٹ کے کام سے مطمئن ہو گیا تب.....! آپ اسے نقشہ ڈیزائن کرنے کا کہہ دیں باقی کام ڈیزائن دیکھنے کے بعد، اوکے.....!“

”جی بہتر ہے.....!“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو حاکم علی جیسے اچانک یاد آنے پر کہنے لگا۔

”ہاں مسٹر چغتائی.....! اصل بات تو میں بھول ہی گیا.....! میں آپ کو ڈیزائن پر انوائٹ کرنا چاہ رہا ہوں.....! آپ کی شادی کا ڈیزائن.....! آج رات ٹھیک رہے گا.....؟“

”ہاں.....! آج رات ٹھیک رہے گا.....! اگر سائے بیٹھا شخص اس کا پاس نہ ہوتا تو وہ صاف منع کر دیتا اور ہاں تو وہ کسی صورت نہیں بھرتا چاہتا تھا جب ہی بہت سنبھل کر بولا۔

”سوری سر.....! آج ہم نہیں اور انوائٹ ہیں.....!“

”چلیں.....! ایک ایڈ پڑھ لیتے ہیں، اوکے.....!“ حاکم علی کے ہونٹوں پر شاطرانہ مسکراہٹ

گھر میں رہ کر اس دن کا انتظار کروں کہ کب میری پارسائی کا تعین کر کے وہ مجھے اپناتے ہیں یا دوسری صورت میں کب مجھے نکالا ملتا ہے۔ نہیں نومی.....! میں ایسی گری پڑی نہیں ہوں اس سے پہلے کہ ہمایوں مجھے اپنانے یا رجیکٹ کرنے کی بات کریں میں انہیں ہزار بار رجیکٹ کرتی ہوں۔ کہہ دینا تم سب سے کہ مجھے دوبارہ اس گھر میں نہیں جانا، بس یہ میرا فیصلہ ہے۔“ وہ غصے میں بولتی ہوئی حتیٰ فیصلہ سنا کر بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ نعمان سنائے میں کھڑا رہ گیا۔

○○○

ہمایوں جب سے نوریہ کے پاس سے ہو کر آیا تھا تب سے ذہنی کش مکش کا شکار تھا۔ یعنی وہ لڑکی نہ تو سردار حاکم علی سے خائف تھی نہ اسے آئندہ کا کوئی خوف تھا اور ایسا تو جب ہوتا ہے جب انسان اپنے ضمیر کی عدالت میں سرخرو کھڑا ہو۔ پھر کل جس طرح وہ غصے میں بولتی چلی گئی تھی کہ سردار حاکم علی اس کا تعاقب کرتا رہا ہے اور وہ اسے منہ توڑ جواب دیتی رہی ہے تو اس وقت ہمایوں کو یہی لگا تھا جیسے وہ بچ کھڑی ہو۔ اس کے اندر کوئی ڈر خوف نہیں تھا اور نہ وہ دنیا دکھاوے کو منافقت پر آمادہ تھی۔ بہر حال نوریہ کے رویے نے ہمایوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن مسئلہ وہی تھا کہ وہ سردار حاکم علی کو بھی قریب سے جانتا تھا اس لیے اس کا ذہن بار بار جھٹک جاتا۔ یعنی نوریہ کا یقین کرتے کرتے اچانک سردار حاکم کو سوچنے لگتا تو پھر نوریہ پر سے اعتبار اٹھنے لگتا۔ عجیب صورت حال تھی۔ متضاد سوچوں کے باعث اس کا ذہن بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ اس وقت ناشتے کی ٹیبل پر وہ ذہنی طور پر حاضر نہیں تھا۔ اس کی امی نے ایک دوبار جاننے کیا کہا۔ اس نے سنائی نہیں تب سعدیہ شوقی سے اسے مخاطب کر کے بولی۔

”بھائی.....! امی کچھ کہہ رہی ہیں۔“

”کیا.....؟“ اس نے چونک کر پہلے سعدیہ پھر امی کو دیکھا۔

”میں یہ کہہ رہی ہوں بیٹا.....! کہ آج نوریہ کو لے آؤ.....!“ امی نے کہا تو وہ بہت سنبھل کر بولا۔

”جی امی.....! ابھی تو میں آفس جا رہا ہوں۔“

”آفس جاؤ گے.....؟“ امی نے تعجب کا اظہار کیا شاید اس لیے کہ آج اس کی شادی کو تیسرا دن تھا۔

”جی.....! پہلے ایک سیڈنٹ کی وجہ سے بھی تو کتنی چھٹیاں ہو گئی تھیں اب مزید نہیں کر سکتا۔“ اس نے کہتے ہوئے اپنی ریسٹ وائچ پر ناخن دیکھا۔

”اچھا.....! تو پھر شام میں واپسی پر اسے لیتے آنا۔ آس پاس کی خواتین خاص طور سے دلہن دیکھنے آتی ہیں۔ اگر اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہو تب بھی لے آنا، یہیں ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔“ امی نے اس کے عذر کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔

”جی بہتر ہے.....!“ وہ بڑبڑاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

ارادہ ہی فوراً پوچھ گئی۔

”تم امریکا کب جا رہی ہو؟“

”نیکسٹ ویک! میری سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔“ سونیا نے بتا کر کافی کامگ ہونٹوں سے لگایا اور بے نیاز نظر آنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اس کی آنکھوں سے بے چینی اور دکھ صاف چھلک رہا تھا۔

پھر ایک دم گم رکھ کر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔
”سنوئی! ایک بات کہوں! برامت ماننا! سردار کی دوستی چھوڑ دو! وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔“

”میں جانتی ہوں! وہ بھی دکھ سے بولی۔“

”پھر کیوں اس سے ملتی ہو؟ مت ملا کرو ورنہ وہ تمہیں بھی میری طرح تباہ کر دے گا۔“ سونیا کا انداز جھنجھوڑنے والا تھا۔

”ابھی تو وہ کسی اور کو تباہ کرنے پر تلا ہے۔“ اس کے لہجے میں دکھ کے ساتھ تاسف بھی سمٹ آیا تھا۔

”کے؟“

”تم نہیں جانتیں اسے! نور نام ہے اس کا۔ خیر چھوڑو! یہ بتاؤ تمہارا بچہ کیسا ہے؟“

اس نے موضوع بدلا۔

”ٹھیک ہے! مزے میں ہے کیونکہ ابھی اسے نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔“ وہ توجہ بڑا ہوگا تب اپنی اصلیت جان کر خود اپنے وجود سے شرمندہ ہوگا۔“ آخر میں سونیا کے ہونٹوں پر طنز بھری ہنس ابھر گئی تھی۔

”تو کیا تم اسے؟“ وہ جانے کیوں بہم گئی تھی۔

”ہاں! میں اسے سب کچھ بتا کر دھتکار دوں گی۔ پھر وہ جانے اور اس کا باپ! سونیا کے اندر انتقامی آگ تلک رہی تھی جس کی تیش اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

”نہیں سونیا! یہ زیادتی ہوگی، آئی مین سردار کے کئے کی سزا اس کے بچے کو دینا ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ اپنی نرم دلی سے مجبور ہو کر بولی۔

”چلو! تم یہ مانتی ہو کہ وہ سردار کا بچہ ہے؟“ سونیا زور اسافنی۔

”صرف سردار کا ہی نہیں تمہارا بھی! تمہیں اس کے لئے صرف ماں بن کر سو پنا چاہیے اور تمہیں سمجھتی ہوں ماں اپنے بچے کے لیے ہمیشہ اچھا ہی سوچتی ہے۔“ اس نے کہا تو سونیا ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”سورئی نشی! میں اس سلسلے میں کوئی یکچہ نہیں سن سکتی۔ ماں، ماں، ماں! ساری ذمے داریاں ماں ہی کے کھاتے میں کیوں ڈالی جاتی ہیں؟ باپ آرام سے بری الذمہ کیوں ہو جاتا

تھی۔“ جی! ہاں اس کے کمرے سے نکلا تو دل چاہا آفس سے ہی نکل جائے۔ کتنی دیر لابی میں کھڑا رہا پھر سست روی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

○○○

نشی اپنے دل سے مجبور تھی گو کہ سردار حاکم علی کا ترنا کی نہیں تھا لیکن اس سے دور ہونے پر بھی آمادہ نہیں تھا اور اس کے معاملے میں اپنے دل کی بے اختیاری پر اب وہ کڑھنے لگی تھی۔

”میں کیوں اس کے پاس جاتی ہوں؟ کیوں؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کتنا فطرت اور کتنا گرا ہوا ہے اور اب تو وہ حد سے گزر گیا ہے۔ کتنے آرام سے دوسروں کی زندگیوں تباہ کرنے پر تلا ہے۔ اس کے اندر ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا شخص ہے؟ سمجھانے کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ شاید اس کے اندر احساس نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ بہر حال میں اب اس سے نہیں ملوں گی جب تک وہ اپنی گھناؤنی حرکتوں سے باز نہیں آ جاتا۔ میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔“ نشی نے خود کو یاد دلاتے ہوئے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی موڑ لی۔ وہ یونہی بے مقصد سڑکوں پر دوڑا رہی تھی۔ ذہنی انتشار کراتے ہوئے بے چین کرتا تھا۔ کبھی وہ بالکل تباہ ہو جاتا جانتی تھی اور کبھی جھپٹ میں گم۔ اسی طرح بھٹکتے بھٹکتے آخر اسے یونہی بے چین کرتا تھا۔

”کبھی وہ بالکل تباہ ہو جاتا جانتی تھی اور کبھی جھپٹ میں گم۔ اسی طرح بھٹکتے بھٹکتے آخر اسے یونہی بے چین کرتا تھا۔“

تھک کر وہ اس شخص کے سامنے جا کھڑی ہوتی جس کے پاس نہ جانے کی قسمیں کھا رہی ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ مکمل طور پر اس کی نفی کرنے پر تہی ہوئی تھی۔ جہاں دیکھتی تھی کہ یہ راستہ اس کے گھر کی طرف جاتا ہے وہیں گاڑی موڑ لیتی۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ یہی کر رہی تھی اور جب تھک گئی تو گاڑی پارک کر کے شاپنگ مال میں داخل ہو گئی۔ گو کہ اسے کچھ خریدنا نہیں تھا بس اپنا دھیان بنانے کی خاطر شو کیسوں میں نئی اشیاء دیکھتی پھر آگے بڑھ جاتی اور جب یہاں سے اکتا کر نکل رہی تھی کہ سونیا سے سامنا ہو گیا۔

”ہائے! سونیا نے باقاعدہ اس کا راستہ روک لیا اور قد رے طنز یہ پوچھا۔

”اکیلی نظر آ رہی ہو؟“

”میں اکیلی ہی ہوتی ہوں! وہ سمجھ گئی سونیا کا اشارہ سردار حاکم کی طرف ہے، جب ہی زور دے کر بولی۔

”اور تمہارا سردار کہاں ہے؟“ سونیا پھر بھی باز نہیں آئی۔

”سردار کسی کا نہیں ہے سونیا! تم بھی اچھی طرح جانتی ہو! وہ ہر امانے بغیر بولی۔

”ہاں! سونیا نے گہری سانس لی پھر کہنے لگی۔

”اگر تم جلدی میں نہیں ہو تو چلو وہاں کہنے میں بیٹھتے ہیں۔“

”چلو! وہ تو یوں بھی خود سے فرا چاہ رہی تھی جب ہی سونیا کے ساتھ کہنے میں آ بیٹھی اور بلا

”مجھے تو واقعی فرق نہیں پڑتا لیکن تمہیں ضرور فرق پڑے گا۔“ سونیا نے کندھے اچکا کر کہا۔

”مجھے..... مجھے کیا فرق پڑے گا.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”کیوں نہیں..... تم ان میرے ہو..... لوگوں کو اس کے بارے میں کیا بتاؤ گی اور جب تمہاری شادی ہوگی تب اس بچے کا کیا کر دو گی.....؟ نہیں.....! تم خواہنا وہ جہ بانی ہو رہی ہو۔“ سونیا نے اسے سمجھا کر ٹوکا بھی۔

”میں جذباتی نہیں ہو رہی سونیا.....! بس تم بچہ مجھے دے دو۔“ اس نے جیسے ایک دم فیصلہ کر لیا۔

”اور جیسا تم چاہتی ہو میں سردار کو اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گی۔ باقی ساری ذمہ داری میری ہے۔“ سونیا اس پر نظریں جما کر آہستہ آہستہ ٹہنی میں سر ہلانے لگی۔

”پلیز سونیا.....!“

”احق قانہ باتیں مت کرو ٹی.....! خواہنا وہ اپنے لیے مسائل کھڑے کر دو گی اور پھر تم اس بچے کا کرو گی کیا.....؟“ سونیا اس کی منت سے جھنجلا گئی تھی۔

”کچھ بھی کروں.....! بس تم اسے مجھے دے رہی ہو، اگر تم نہیں دو گی تو جس یتیم خانے میں ڈالو گی میں وہاں سے لے آؤں گی۔“ اس کے حتمی انداز پر سونیا نے کندھے اچکا کر پھر پوچھنے لگی۔

”اپنے مٹی ڈیڑی سے کیا کیو گی.....؟“

”یہ میرا مسئلہ ہے.....!“

”اچھا.....! یہ تو بتا دو کہ تم اسے کیوں لینا چاہتی ہو.....؟ صرف بچے سے ہمدردی یا اس کے باپ.....؟“ سونیا نے حتمی خیر انداز میں بات اُدھوری چھوڑ دی تو وہ جڑ بڑھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلو.....! میں ابھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔“

”ارے.....! تم تو واقعی سنجیدہ ہو لیکن میں پھر کہوں گی کہ اچھی طرح سوچ لو.....! دیکھو تم غلطی کر رہی ہو ٹی.....! سونیا اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

”اور وہ جو فیصلہ کر چکی تھی اس سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔“

○○○

بے بے کو اب تشویش ہونے لگی تھی کہ حاکم علی جو شادی کر کے گیا تھا ایک مہینہ ہونے کے بعد بھی لوٹ کر آیا تھا نہ فون کرتا تھا۔ جبکہ ان کے خیال میں تو اب اسے بھاگ بھاگ کر آنا چاہیے تھا کیونکہ یہاں اس کی ذمہ داری اور اولین دنوں میں تو بندے کو ذمہ داری کے علاوہ اور کچھ یاد ہی نہیں رہتا۔ پھر حاکم علی کیسے بھلائے بیٹھا تھا، یہ واقعی تشویش کی بات تھی۔ پہلے انہوں نے چاندنی سے پوچھا کہ حاکم کا فون تو نہیں آیا اور اس کے انکار پر سردار ہاشم علی کے پاس آئیں اور بغیر تمہید کے کہنے لگیں۔

”حاکم کو گئے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ کوئی خبر خبری نہیں اس کی فون بھی نہیں آیا۔“

”ہے.....؟ بچہ دونوں کے باہمی تعلق سے ہی وجود میں آتا ہے۔“

”تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن.....“

”بس.....! جب میری بات ٹھیک ہے تو پھر لیکن لیکن کا سوال مت اٹھاؤ.....!“ سونیا نے اسے ٹوک دیا تو وہ جڑ بڑھ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”تم شاید برا مان گئیں.....!“ سونیا نے پھر اسے ٹوکا۔

”نہیں.....! میں تمہاری کیفیت سمجھتی ہوں، بس مجھے اس بچے پر ترس آ رہا ہے۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا پھر پوچھنے لگی۔

”تم بچے کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہو.....؟“

”نہیں.....!“ سونیا ٹہنی میں سر ہلانے لگی۔

”پھر.....؟ آئی مین.....! تمہارے بچہ جس کے پاس رہے گا.....؟“

”نہیں.....! یتیم خانے میں ڈال جاؤں گی۔“ سونیا نے جتنے آرام سے کہا وہ اسی قدر شکد ہوئی تھی۔ الفاظ حلق میں انک گئے جبکہ نظروں میں وہ گول منوں خوبصورت سا بچہ آسایا تھا۔

”مجھے یہی کرنا چاہئے ٹی.....! یہی کروں گی۔ میں لوڑ کلاس کی کوئی عام سی لڑکی نہیں ہوں جو بچہ چھاتی سے چھٹائے رکھوں اور اس کی آبیاری میں خود پر زندگی کے دروازے بند کر دوں، نہیں.....! میں اپنی زندگی جیوں گی۔“ سونیا بولے جا رہی تھی اور وہ ساکت بیٹھی اسے دیکھنے لگی۔

”نئی زندگی میری منتظر ہے۔ امریکا میں میرا سیکنڈ کزن بقی بار مجھے پر پوز کر چکا ہے۔ میں اسی کے پاس جا رہی ہوں۔ وہاں اس سے شادی کر لوں گی اور یہ تم سردار کو بتا دینا لیکن اسے بچے کے بارے میں مت بتانا، سن رہی ہو نا.....!“ سونیا نے آخر میں اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

”ہاں.....!“ اس کے سینے سے ہاں کی صورت گہری سانس خارج ہوئی پھر پوچھنے لگی۔

”سردار کو بچے کے بارے میں کیوں نہ بتاؤں.....؟“

”جب وہ اسے تسلیم ہی نہیں کرتا تو پھر بتانے کا فائدہ.....؟ تم بس قدرت کے کھیل دیکھو.....!“

سردار حاکم علی کا بچہ یتیم خانے میں پلے گا، ہا.....!“ سونیا کی آنکھیں آنے والے کسی وقت کو سوچ کر چمک اٹھیں۔

”سونیا.....!“ وہ ایک دم اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

”ایسا مت کرو پلیز.....! اگر تمہیں اور سردار کو بچے کی ضرورت نہیں ہے تو اسے مجھے دے دو۔“

”کیا.....؟“ سونیا نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ جھڑائے۔

”ہاں سونیا.....! پلیز.....! بچے کو اپنے انتظام کی جھنٹ مت چڑھاؤ۔“ وہ منت سے کہنے لگی۔

”پھر تمہیں کیا فرق پڑتا ہے.....؟ بچہ یتیم خانے میں رہے یا میرے پاس.....!“

”ابھی تو تیرے بابا جا رہے ہیں اگلے ہفتے۔ شاید ان کے ساتھ آجائے۔ کاروبار بھی تو اتنا پھیلا لیا ہے اس نے۔“ بے بے سردار ہاشم علی کی باتیں دہراتے ہوئے ان ہی کی طرح نظریں چرانے لگی تھیں۔ پھر اپنی چادر اٹھا کر بولیں۔

”میں مرشد سائیں کے پاس جاتی ہوں، تو بھی چل.....!“

”میں.....!“ چاندنی شش و پنج میں پڑ گئی۔

”چلی چل ناں.....! دُعا بھی لے لینا.....!“ بے بے نے اصرار کیا۔

”اچھا.....! چلتی ہوں.....!“ وہ بھاگ کر اپنی چادر اٹھالائی اور راستے میں کہنے لگی۔

”بے بے.....! مرشد سائیں سے تعویذ لے لینا.....!“

”کس لیے.....؟“

”حاکم کے لیے کہ وہ شہر چھوڑ کر یہاں آئے.....!“ اس نے کہا تو بے بے دھیر دھیر سے بولیں۔

”ناں.....! میں نے ایک بار پہلے کہا تھا مرشد سائیں سے، انہوں نے منع کر دیا، کہنے لگے جہاں

انسان کا داند پانی لکھا ہوتا ہے وہ وہیں رہتا ہے۔ زبردستی بلانا اچھا نہیں ہوتا۔“

”تو پھر اب آپ ان سے کیا کہنے جا رہی ہو.....؟“ چاندنی مایوس ہوئی تھی۔

”دُعا کے لیے کہوں گی.....!“ بے بے نے کہا تو وہ خاموش ہو رہی اور مرشد سائیں کے سامنے

جا کر بھی خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ بے بے ہی ان سے حال احوال کہتی رہیں پھر آخر میں اس کی

طرف اشارہ کر کے بولیں۔

”بیاد تو کر دیا ہے اس کا.....! پر حاکم اسے ساتھ نہیں لے گیا۔“

”کیوں.....؟“ مرشد سائیں اسے دیکھنے لگے۔

”کمتر ہاتھ وہاں کام زیادہ ہے، یہ گھر میں اکیلی نہیں رہ سکتی اس لیے یہیں چھوڑ گیا۔“

”یہ غلط بات ہے.....! شادی کی ہے تو دسے داری بھی نبھائے، اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔“

اب حاکم آئے تو اسے اس کے ساتھ بھینچنا سمجھیں.....!“ مرشد سائیں نے جانے یہ بات کس خیال کے

تحت کئی تھی وہ بہر حال خوش ہو گئی کیونکہ جانتی تھی کہ بے بے اور بابا بھی ان کی بات رد نہیں کر سکتے۔

”اگر حاکم لے جانے پر تیار نہ ہو تو ہاشم علی سے کہنا اسے اس کے پاس چھوڑ آئے۔“ مرشد سائیں

پھر زور دے کر بولے۔

”جو حکم سائیں.....!“ بے بے ہاتھ جوڑ کر بولیں پھر اسے اشارہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ اسی

خاموشی سے ان کے ساتھ حجرے سے باہر نکل آئی۔

”تو بھی کچھ بولا کر.....! ایسے لوگ بن کے بیٹھ جاتی ہے۔“ بے بے کے ٹوکنے پر وہ روٹھے لہجے

میں بولی۔

”مصرف ہوگا.....!“ سردار ہاشم علی نے محض ان کے اطمینان کو سرسری انداز میں جواب دیا۔

”پہلے بھی مصرف ہوتا تھا۔ اب ایسی کون سی مصرفیت آگئی ہے جو فون کرنے کی فرصت بھی نہیں

ملتی اسے۔“ بے بے کو ان کا سرسری انداز نہیں بھایا تھا۔ ناراضگی سے بولیں۔

”تو تو آپ کر.....! اس کے انتظار میں کیوں بیٹھی ہے کہ وہی فون کرے.....؟“ سردار ہاشم علی

نے کہا تو وہ ہنوز ناراضگی سے بولیں۔

”مجھے نہیں آتا فون ملانا.....!“

”چاندنی سے کہہ.....! اسے تو آتا ہے اور کیا پتا وہ چاندنی کو فون کرتا ہو.....! تو خواہو اور پریشان

ہو رہی ہے۔“ سردار ہاشم علی غالباً ابھی اس مسئلے میں الجھتا نہیں چاہتے تھے۔

”پریشانی کی بات ہے.....! وہ چاندنی کو بھی فون نہیں کرتا۔ میں نے پوچھا ہے اس سے.....“

اور ابھی تو میں نے پوچھا ہے کل کو وہ مجھ سے پوچھے گی۔“ بے بے نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔ گویا

انہیں احساس دلانے کی کوشش کی۔ انہیں احساس تو تھا پھر بھی تیز لہجے میں بولے۔

”کیا.....! کیا پوچھے گی چاندنی.....!“

”کہی کہ دونوں کی بیانی کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا اس کا خاند.....!“ بے بے کا انداز اب سوچتا ہوا

تھا۔ جیسے اپنے آپ سے بول رہی ہوں۔

”اب نہیں وہ کہیں گیا۔ پہلے سے وہیں رہ رہا ہے اور تجھے پتا تو ہے وہ گاؤں میں نہیں رہ سکتا۔“

انگلینڈ سے آیا ہے۔ اب گاؤں اچھا نہیں لگتا اسے۔“ سردار ہاشم علی نے قدرے بھجلا کر کہا تھا بے بے

اچھنبے سے بولیں۔

”تو کیا بیوی بھی اچھی نہیں لگتی اسے.....؟“

”یہ میں نے کب کہا.....؟“ سردار ہاشم علی نظریں چرا گئے، پھر سمجھانے لگے۔

”دیکھ.....! خواہو وہ ہم نہ کیا کر.....! مجھے پتا ہے حاکم علی کا۔ شہر میں بڑا کاروبار پھیلا ہوا ہے

اس لئے..... پھر میں اگلے ہفتے چکر لگاؤں گا اس کے پاس، تو فکر نہ کر.....!“

”فکر تو رہتی ہے.....!“ بے بے بوڑھائی ہوئی ان کے پاس سے اٹھ کر آئیں تو آگے چاندنی

منظر کھڑی تھی کیونکہ بے بے نے پہلے اس سے حاکم علی کے فون کا پوچھا تھا جب ہی اسے سمجھ جگ لگ گئی

تھی۔

”کیا ہوا بے بے.....! کیا کہہ رہے ہیں بابا.....! ان کے پاس فون آیا.....؟“

”ہاں.....! آیا تھا.....!“ بے بے کو اس کا دل رکھنے کی خاطر جھوٹ بولنا پڑا۔

”کیا بات ہوئی.....! کب آ رہا ہے حاکم.....؟“ اب تو وہ براہ راست پوچھ سکتی تھی پھر بھی جھجک

گئی۔

”آپ تو میری اپنی ہو بے بے! آپ سے نہیں بولوں گی تو کس سے بولوں گی.....؟“
”اب حاکم سے کیا بولنا! تیرے بابا سے کہوں گی اگلے ہفتے شہر جا رہا ہے تو تجھے بھی ساتھ لیتا جائے، مرشد سائیں کا حکم ہے!“ بے بے نے اس کے دل میں پھول کھلا دیئے تھے اور اس کے پاؤں بھی زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی وہ۔

○○○

دونوں وقت مل رہے تھے اور ایسے وقت جانے کیوں سارا ماحول آرزوگی کی لپیٹ میں محسوس ہوتا ہے۔ مؤذن کی آواز میں بھی سوز کے ساتھ عاجزی سمٹ آتی ہے۔
”نماز کی طرف آؤ.....!“
”بھلائی کی طرف آؤ.....!“

اس نے آنکھیں بند کر کے پوری اذان سنی پھر وضو کر کے جاہ نماز بچھائی۔ اس وقت نماز پڑھنے سے اسے بہت سکون ملا تھا، دل ٹھہر سا گیا تھا۔ جب دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو صرف اتنا کہا۔
”میرے اللہ.....! میری راہنمائی فرما اور مجھے رسوائی سے بچا۔ ابھی وہ جاہ نماز لپیٹ رہی تھی کہ نعمان ہلکی سی دستک دے کر اندر چلا آیا اور اسے دیکھ کر بلا ارادہ مسکرایا، پھر پوچھنے لگا۔
”نماز پڑھ چکی ہو یا پڑھنے جا رہی ہو.....؟“
”پڑھ چکی ہوں!“ اس نے بتایا تو وہ کرسی کھینچ کر بولا۔
”پھر تو میں بیٹھ سکتا ہوں.....!“

”ضرور بیٹھو! لیکن کوئی نصیحت مت کرنا.....!“ وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔
”تو بہ کرو.....! میں کیا نصیحت کروں گا.....؟ مجھے تو خود نصیحتوں کی ضرورت ہے۔“ وہ اس کی سنجیدگی سے اندر ہی اندر ٹھنکا ضرور لیکن بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر ہنساجی، پھر پوچھنے لگا۔
”اب تمہاری طبیعت کیسی ہے.....!“
”ٹھیک ہوں.....!“

”تو چلو دادی کے پاس.....! بہت یاد کر رہی ہیں تمہیں.....!“ وہ فوراً کھڑا ہو گیا جیسے وہ فوراً چل پڑے گی۔

”نہیں.....! ابھی ہمایوں آنے والے ہیں۔“ وہ رُخ موڑ کر بولی۔
”تمہیں لینے.....!“ وہ بے اختیار پوچھ گیا تو وہ ایک دم اس کی طرف پلٹ کر بولی۔
”میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی، سمجھے.....! تمہیں شوق ہے تو تم چلے جانا.....!“
”ہاہاہا.....!“ وہ ہنسنے لگا۔

”بند کرو ہنسنا! اور جاؤ یہاں سے.....! میں اس وقت اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ

دانت چیس کر بولی۔

”ہاں.....! یہ تم نے اچھی بات کی، شاباش! ہمایوں سے ہنسنے ہٹنا اور اگر وہ ساتھ چلنے کو کہیں تو منع مت کرنا۔“ وہ جلدی جلدی بولتا ہوا بھاگ گیا تو وہ سلگ کر اسے گالیاں دینے لگی۔ پھر ناغم دیکھا سات بج چکے تھے۔ تب وہ کمرے سے نکل آئی۔ امی ڈیڈی لاؤنچ میں بیٹھے تھے۔ اس نے سلام کیا تو جواب کے ساتھ ڈیڈی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔

”کیسی طبیعت ہے بیٹا.....!“

”اب تو میں بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں ڈیڈی.....!“ وہ قصداً مسکرائی۔

”گڈ.....!“

”تمہاری سانس کا فون بھی آیا تھا۔ بہت پوچھ رہی تھیں تمہیں.....!“ امی نے بتایا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

”ہمایوں کا کیا بتایا تم نے.....! ابھی آرہا ہے.....؟“ ڈیڈی نے امی سے پوچھا۔

”ہاں.....! آفس سے سیدھا ادھر ہی آئے گا۔“

”پھر کھانا تیار ہے.....!“

”سب تیار ہے بس روٹی ڈالنی ہے۔“ امی نے کہا تو وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”روٹی میں ڈال دیتی ہوں امی.....!“

”ارے کس جینا! تمہاری طبیعت آپسے ہی ٹھیک نہیں ہے پھر اب تو تم مہمان ہو.....! بیٹھو آرام سے.....!“ امی کی دوسری بات پر وہ جزبہ ہو کر بولی۔

”کوئی مہمان نہیں ہوں۔ پہلے بھی میں آپ کی بیٹی تھی اب بھی آپ کی بیٹی ہوں۔“

”یہ تو بالکل ٹھیک کہا میری بیٹی نے.....!“ ڈیڈی نے ہنس کر کہا تب ہی ہمایوں دروازے میں آ کر ٹوک گیا تو امی اسے دیکھ کر بولیں۔

”آؤ بیٹا! رُک کیوں گئے.....؟“

”السلام علیکم.....!“ ہمایوں نے آگے آ کر سلام کیا تو ڈیڈی نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔ پھر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے نوریہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بھی بٹھا دیا۔

”اور بیٹا! کیسے ہو.....؟ گھر میں سب ٹھیک ہیں.....؟“ ڈیڈی ہمایوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”جی.....! اللہ کا شکر ہے! آج امی کا اصرار تھا کہ آفس سے واپسی پر نوریہ کو لے کر آؤں۔“ ہمایوں نے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔ نوریہ کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر ابھر آئی تھی۔

”چلیں گی نا آپ.....! ہمایوں نے اب براہ راست اس سے پوچھا تو وہ جو یہ کہتی رہی تھی کہ وہ دنیا دکھاوے کو بھی پوز نہیں کر سکتی اور نہ کرے گی تو اب اسے احساس ہوا کہ امی ڈیڈی کے سامنے ایک دم نہیں

”جی ہاں آپ.....!“ ہمایوں نے اس کی حیران آنکھوں میں جھانکا۔

”سوری ہمایوں.....!“ وہ پیچھے ہٹتی ہوئی کہنے لگی۔

”میں مانتا ہوں.....!“ ہمایوں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”جب مانتے ہیں تو پھر مجھے کسی بات پر مجبور مت کریں.....؟“

”میں صرف ریگولٹ کر سکتا ہوں۔ آپ پلیز.....! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ معاملہ بیشک میرے اور آپ کے درمیان ہے لیکن اس سے دو خاندان بھی جڑے ہیں۔ ہمیں ان کا خیال کرنا چاہیے۔“ ہمایوں نے دھیرج سے پھر اسے احساس دلانے کی کوشش کی تو اب وہ خاموش ہو رہی کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے خود اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ امی پاپا کے سامنے فوراً یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ ہمایوں کے ساتھ نہیں جائے گی۔

”کیا سوچتے لگیں آپ.....!“ ہمایوں نے اس کی خاموشی پر ٹوکا۔

”کچھ نہیں.....!“ وہ بلا ارادہ بولی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

”ٹھیک ہے.....! ابھی میں آپ کے ساتھ چل رہی ہوں لیکن کب تک وہاں رہوں گی یہ میں خود طے کروں گی۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے، یعنی آپ بااختیار ہیں میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے کسی بھی اقدام سے ہمارے بزرگوں کو دکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔“ ہمایوں نے اس کی آمادگی پر اطمینان سے ہو کر کہا۔

”ہوں.....! ابھی تو ہمارے بزرگ کھانے پر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ بے ساختہ کہہ کر ذرا سا مسکرائی۔

”اوہ سوری.....! میں بس ابھی ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔“ ہمایوں فوراً واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

کہہ دینا کتنا مشکل ہے۔

”بھئی.....! یہ تو آتے ہی چلنے کی بات کرنے لگے، پہلے کھانا.....!“ ڈیڈی نے امی کو دیکھا۔

”میں لاتی ہوں.....!“ امی اٹھ کر چلی گئیں تو ڈیڈی پھر ہمایوں سے بولے۔

”بیٹا.....! آپ منہ ہاتھ دھو لو پھر کھانے کے بعد جانے کی بات کرنا۔“

”جی.....!“ ہمایوں اٹھ کر اسے دیکھنے لگا تو ناچار وہ بھی کھڑی ہو گئی اور اسے کے ساتھ اپنے

کمرے میں آتے ہی واش روم کی طرف اشارہ کر دیا۔

”آپ چلیں گی ناں.....!“ ہمایوں نے واش روم کی طرف جاتے جاتے اچانک پلٹ کر پھر

پوچھا۔

”نہیں.....!“ وہ اب آرام سے کہہ گئی۔

”کیوں.....؟“ ہمایوں اس کے انکار سے پریشان ہوا تھا۔

”آپ بار بار میرے منہ سے کیا سنتا چاہتے ہیں.....؟ جبکہ مجھے اب کچھ نہیں کہنا اور بہتر یہ ہے کہ

آپ بھی کچھ نہ کہیں اور اپنے طور پر جو بھی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کر ڈالیں.....!“ وہ زور سے انداز میں کہہ کر

جانے لگی کہ ہمایوں تیزی سے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

”مجھے کوئی فیصلہ نہیں کرنا.....!“

”کیا مطلب.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”جو فیصلہ کریں گی آپ کریں گی، لیکن پلیز ابھی نہیں.....!“ ہمایوں نے اختیار اسے سونپ کر انتہا

کیا۔

”میں.....!“ اس کی آنکھوں میں حیرت سم آئی تھی۔

کھڑا ہو گیا۔

”یہ ہے میری مصروفیت.....!“ نشی نے بچے کو گدگداتے ہوئے کہا تو وہ یونہی حیران حیران سا

بولی۔

”یہ..... کس کا ہے؟“

”اب تو میرا ہے.....!“ نشی بچے کے ساتھ خوش ہو رہی تھی۔

”کیا مطلب.....؟“ اسے نشی کے ہونٹوں پر کھلکھلاتی مسکراہٹ بہت بری لگ رہی تھی۔

”مطلب کو چھوڑو سردار.....! یہ بتاؤ کیسا ہے میرا بیٹا.....! پیارا ہے ناں.....! دیکھتا ہمارے پاس

آنے کو بچل رہا ہے۔“ نشی اس کے قریب آنے لگی کہ وہ ٹوک کر بولا۔

”نہیں.....! مجھے بچے کو میں لینے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔“

”ارے.....!“ نشی بے ساختہ زور سے ہنسی، پھر بچے کو اکریں بٹھا کر کہنے لگی۔

”بچے کو لینے کے لیے تجربے کی نہیں محبت کی ضرورت ہوتی ہے اور تم نے تو ابھی محبت کی پہلی سیرھی

پر قدم رکھا ہے سردار.....!“

”اوں ہوں.....! پہلی سیرھی میں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں، اب تو آخری سیرھی پر کھڑا ہوں۔“ وہ

سمجھ گیا تھا کہ نشی کا اشارہ نور پور کی طرف ہے جب ہی جتا کر بولا تھا۔

”اچھا.....! پھر اب کیا ارادہ ہے؟“ نشی نے قصداً دلچسپی ظاہر کی ورنہ اندر سے وہ بہت

خائف تھی۔

”ارادہ نیک ہے.....! پھر کسی وقت فرصت سے بتاؤں گا تم بتاؤ.....! کب آرہی ہو.....؟ یا اس

مصروفیت نے تمہیں سب بھلا دیا ہے۔ میں..... میری دوستی.....!“ وہ خود کو روکتے روکتے بھی شکوہ کر گیا۔

”نہیں.....! میں کچھ نہیں بھولی.....! بس ذرا یہ بچہ مجھ سے، اس گھر سے مانوس ہو جائے پھر میں

اپنی اسی روٹین پر آ جاؤں گی ابھی تو سب کام چھوڑے بیٹھی ہوں، لکھنا لکھنا ابھی۔“ نشی نے کہا اور اس کے

خاموش رہنے پر خود ہی بچے کے بارے میں بتانے لگی۔

”یہ میری سیکنڈ کزن کا بچہ ہے اور وہ بیچاری کچھ ایسے حالات کا شکار ہو گئی کہ اسے اپنے پاس نہیں

رکھ سکتی تھی۔ وہ تو مجھے بھی دینے کو تیار نہیں تھی لیکن میں زبردستی لے آئی اسے۔ کتنا کیوٹ ہے ناں.....!“

”ہوں.....!“ وہ قصداً راسا مسکرایا پھر پوچھنے لگا۔

”اور اس کا باپ.....! وہ کہاں ہے؟“

”اس نے دوسری شادی کر لی ہے، وہی پرانی کہانی ہے۔“ نشی نے گہری سانس کھینچ کر یوں

کہا کہ اچانک اسے اس موضوع پر بات نہ کرنی چاہتی ہو۔

”اس کا نام کیا ہے؟“ حاکم علی بچے کو دیکھتے ہوئے بلا ارادہ پوچھ گیا۔

حاکم علی نشی کو فون کر کے تھک گیا تھا۔ وہ یا تو فون ریسیو ہی نہیں کرتی تھی یا پھر بہت جلد ظاہر

کرتے ہوئے مختصر بات کر کے موبائل آف کر دیتی۔ پتا نہیں کن کاموں میں مصروف تھی۔ پہلے تو خواہ کتنی

ہی مصروفیت ہو وہ ہمیشہ اس کے بلانے پر چلی آتی تھی لیکن اب وہ ہفتوں سے وہ بالکل غائب تھی جس پر

حاکم علی کو اب تشویش ہونے لگی تھی کیونکہ دوسرے معاملات اور دوسروں کے ساتھ وہ خواہ کیسا ہی نشی

کے ساتھ بہر حال سنہیر تھا اور صرف اسے ہی دوست مانتا تھا۔ اپنی ہر بات اسی کے ساتھ شیئر کرتا، اس

وقت وہ اسے بہت مس کر رہا تھا۔ پہلے اس کا نمبر ڈرائی کیا اور جواب موصول نہیں ہوا تو اسی وقت اس کے گھر

چل پڑا۔ حقیقتاً اس کی طرف سے وہ خاصا فکر مند ہو گیا تھا جب ہی اس کے سامنے آتے ہی تشویش سے

پوچھنے لگا۔

”نشی.....! تم ٹھیک تو ہو.....؟“

”ہاں.....! کیوں.....؟ کیا تمہیں کسی نے میرے بارے میں کوئی غلط اطلاع دے دی ہے.....؟“

آئی مین.....! میرے مرنے کی۔“ نشی نے اسے اپنے لئے خوش دیکھ کر اپنے اندر انجانی خوشی محسوس کی۔

”شٹ اپ.....! کہاں غائب ہوا تھے دن سے.....؟“ حاکم علی نے رعب سے پوچھا۔

”گھر پر ہی ہوتی ہوں.....! نشی کی بے نیازی پر وہ سلگ کر بولا۔

”گھر پر ہوتی ہو تو میرا فون ریسیو کیوں نہیں کرتیں؟ پتا ہے میں دن میں کتنی بار تمہارا نمبر پیش

کرتا ہوں۔“

”ارے.....! ابھی دو دن پہلی ہی تو تم سے بات ہوئی ہے۔ خیر چھوڑو.....! یہ بتاؤ کیا پیٹہ

ہے.....؟ چائے، کافی یا کولڈ ڈرنک.....!“ نشی نے گویا اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

”کچھ نہیں.....!“ وہ روٹھا ہوا تھا۔

”کم آن سردار.....! مجھے اصل میں آج کل فون کرنے اور سننے کی فرصت نہیں ملتی اس لیے میں

موبائل آف رکھتی ہوں۔ آئی ایم سوری.....! تمہیں پریشانی ہوئی۔“ نشی نے سفاکانہ انداز میں کہا۔

”فرصت نہیں ملتی.....؟ ایسی کون سی مصروفیت ڈھونڈ لی ہے تم نے.....؟“ اس نے چھپتے ہوئے

لہجے میں پوچھا۔

”ڈھونڈی نہیں بس مل گئی۔ بڑی خوبصورت مصروفیت ہے۔“ نشی کی آنکھیں چمکنے لگی۔

”مجھے نہیں بتاؤ گی.....؟“ حاکم علی نے اپنا لہجہ دوستانہ بناتے ہوئے کہا۔

”صرف بتاؤ گی ہی نہیں دکھاؤں گی بھی.....!“ نشی کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔

وہ کندھے اچکا کر سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھنے لگا جس میں ایک لڑکی ہاتھ میں شمع لیے کھڑی تھی

اور ابھی وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ

نشی آ گئی۔ اس کے بازوؤں میں ساتھ آٹھ ماہ کا صحت مند سرخ و سفید بچہ دیکھ کر وہ بلا ارادہ اپنی جگہ سے

کیا کرتے ہیں؟“

”اچھا سن تو۔۔۔۔۔! جاوید کی اماں بھی آئی تھی۔“ زنب نے اپنا ہاتھ کھینچ کر بتایا۔

”تیری شادی کی بات کرنے؟“ اس نے فوراً پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔! میرے اماں ابانے کہا ہے سوچ کر جواب دیں گے اور ابھی تک سوچ ہی رہے ہیں۔“

زنب نے دوسری بات پر برا سامنہ بنایا۔

”تو تو کیا چاہتی ہے، بے سوچے سمجھے تیرا بیاہ کر دیں۔“ وہ اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

”پاگل ہے تو۔۔۔۔۔! زباؤ سوچا سمجھا دہاں جاتا ہے جہاں بالکل غیر اور پرانے لوگ ہوں۔ جاوید تو

سامنے ہی رہتا ہے اور اماں ابانے کے سامنے ہی بڑا ہوا ہے۔“ زنب نے بڑی عقل مندی کی بات کی۔

”یہ تو ٹھیک کہتی ہے۔۔۔۔۔! چل میں تیری اماں سے کہوں گی جلدی تیرا بیاہ کر دیں۔“ چاندنی نے

اس کی تائید کر کے کہا پھر خود ہی اچھل کر بولی۔

”ہائے! نہیں زنب۔۔۔۔۔! اتنی جلدی نہ بچاؤرنہ میں تیرے بیاہ میں نہیں آسکوں گی۔“

”کیوں۔۔۔۔۔! تو کیوں نہیں آسکے گی۔“ زنب نے یک دم تیز ہو کر پوچھا اور اس کے ہونٹوں

پر شرمیں مسکراہٹ کھیلنے لگی

”بتاناں۔۔۔۔۔!“ اب زنب نے اس کا بازو زور سے بلایا۔

”وہ میں۔۔۔۔۔ میں جارہی ہوں ناں شہر۔۔۔۔۔! حاکم کے پاس۔۔۔۔۔!“ اس نے اسی طرح لباتے

ہوئے بتایا تو زنب اچھل پڑی۔

”ہائے سچ۔۔۔۔۔! کب جارہی ہے؟ حاکم خود آ رہا ہے تجھے لینے۔۔۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔۔۔! بابا جائیں گے تو میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔ یہ۔۔۔۔۔ یہ ساری تیاری میں اسی لیے تو

کر رہی ہوں۔“ وہ کہتی ہوئی پھر سوٹ کیس کے پاس آکھڑی ہوئی۔

”کیا کیا ہے جارہی ہے۔۔۔۔۔!“ زنب قریب آ کر سوٹ کیس کا جائزہ لینے لگی۔

”کب جائے گی تو۔۔۔۔۔!“ اس نے قریب ہو کر پوچھا۔

”وہ اصل میں بابا کو زمینوں پر کچھ کام ہیں۔ وہ غنم لائیں پھر مجھے لے جائیں گے۔“

”یہ تو اچھی بات ہے۔۔۔۔۔! پر میں تیرے بغیر کیسے رہوں گی۔۔۔۔۔!“ زنب اُداس ہونے لگی۔

”جاوید کو بلالینا۔۔۔۔۔!“ وہ شرارت سے بولی۔

”چل ہٹ۔۔۔۔۔! وہ کوئی فارغ تھوڑا ہی ہے جو میرے بلانے پر بھاگا چلا آئے گا اور ابھی تو کہہ کر

گیا ہے کہ وہ مہینے بعد آئے گا۔ اس کا سینٹھ اتنی جلدی چھٹی نہیں دیتا۔“

”خیر۔۔۔۔۔! وہ مہینے گزرنے میں کیا پتا چلتا ہے۔۔۔۔۔!“ اس نے کہتے ہوئے سوٹ کیس بند کیا اور

تھکیت کر ایک طرف رکھ دیا پھر زنب کو دیکھ کر بولی۔

”ولی۔۔۔۔۔! احمد ولی۔۔۔۔۔!“ نشی نے وا کر کے قریب کھٹے ٹیک کر بیٹھے ہوئے بتایا۔

”میں نے رکھا ہے اس کا نام۔۔۔۔۔! اچھا ہے ناں۔۔۔۔۔!“

”ہوں۔۔۔۔۔!“ وہ اب جیسے اکتا گیا تھا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! میں چلتا ہوں۔۔۔۔۔!“ وہ ناٹم دیکھتے ہوئے بولا۔

”پھر آؤ گے۔۔۔۔۔!“ نشی ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”تم کیا چاہتی ہو۔۔۔۔۔!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”سچ کہوں سردار۔۔۔۔۔! مجھے تمہارا آنا اچھا لگا پھر بھی میں تم سے بار بار آنے پر اصرار نہیں کروں گی۔

بس جب تمہارا دل چاہے۔۔۔۔۔!“ نشی نے صاف گوئی سے کہا۔

”اور میں تم سے کہوں گا۔ دل نہ چاہے تب بھی آ جانا، اوکے۔۔۔۔۔!“ یہ کہہ وہ کرباں نکل آیا۔

اچانک اسے نشی پر غصہ آنے لگا تھا شاید اس لیے کہ وہ ایک بچے کو اس پر ترجیح دے رہی تھی اور یہ وہ

کہاں گوارا کر سکتا تھا۔

○ ○ ○

چاندنی کو بے بے نے یقین دلادیا تھا کہ اس بار سردار ہاشم علی شہر جائیں گے تو اسے بھی ساتھ لے

جائیں گے اور اسے تیاری کر رکھنے کو بھی کہا تھا جب ہی وہ بہت خوش تھی۔ روزانہ سوٹ کیس تیار کرتی، یعنی

ایک دن جو سوٹ اس میں بھرتی اگلے دن انہیں رجیکٹ کر کے پھر نئے سرے سے دوسرے سوٹ منتخب کر

کے سوٹ کیس تیار کرتی۔ اس وقت بھی وہ اسی کام میں مصروف تھی ساتھ ساتھ گنگا بھی رہی تھی کہ زنب

اسے پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور پہلی نظر میں سوٹ کیس دیکھ کر پرچنے لگی۔

”پہلے تو بتاتے دن سے کہاں غائب تھی۔۔۔۔۔!“ اس نے کہا تو زنب لپکا کر بولی۔

”وہ جاوید آیا ہوا تھا ناں۔۔۔۔۔!“ اس لیے میں تیرے پاس نہیں آئی۔“

”اوہو۔۔۔۔۔! تو یہ ٹھٹھٹ ہیں، ملاقات بھی ہوئی اس سے کہ نہیں۔۔۔۔۔!“ وہ سوٹ کیس چھوڑ کر زنب

کے قریب چلی آئی۔

”ہاں۔۔۔۔۔! روز ہی ملے آتا تھا۔ یہ چوڑیاں دیکھ اس نے خود پہنائی ہیں مجھے۔۔۔۔۔!“ زنب نے

اپنی کلائی اس کے سامنے کر کے بتایا تو وہ چوڑیوں پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

”سچ۔۔۔۔۔! تجھے شرم نہیں آئی اس سے۔۔۔۔۔!“

”آئی تھی۔۔۔۔۔! جب اس نے چوڑیاں پہنا کر میرا ہاتھ چوما تب بہت شرم آئی تھی۔“ زنب بتاتے

ہوئے اب بھی شرماری تھی۔

”ہائے۔۔۔۔۔! تیرا ہاتھ چوما۔۔۔۔۔!“ چاندنی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اندر دل ڈولنے لگا تھا۔

”زبئی۔۔۔۔۔! ایسا تو میں فلموں میں دیکھتی ہوں، ہاتھ چومتے ہیں، ناپتے گاتے ہیں اور پتا نہیں کیا

اسے ہمایوں کے گھر آئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ مختصر افراد پر مشتمل یہ گھرانہ حقیقتاً آئینہ دل گھرانہ تھا۔ ہمایوں کی امی محبت کرنے والی مہربان خاتون تھیں نہ اسے کسی بات پر روکتی تو کہیں نہ بے جا کتہ چینی کرتی تھیں۔ اسی طرح سعدیہ بھی تھی۔ ہمایوں کے ساتھ گو کہ اس کا رویہ اجنبیوں جیسا تھا پھر بھی گھر کا نظام دیکھتے ہوئے وہ ضرور جان گئی تھی کہ وہ ایک ذمے دار اور دیانتدار شخص ہے۔ اگر حاکم علی درمیان میں نہ آتا تو وہ یقیناً اس دیانتدار شخص کی ہم سفری پر ناز کرتی جیسے اگر ماں بہن کی خوشی کا خیال تھا تو اسے بھی تحفظ دے رہا تھا۔ بہر حال وہ جو اول روز سے غصے اور ضد میں آ کر تہیہ کر چکی تھی کہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہے گی اور ہمایوں سے بھی شکی ہوگی تھی تو اب اسے اپنا رویہ غلط لگنے لگا تھا۔ شاید اس لئے کہ اب وہ غصے اور جوش کی بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے لگی تھی۔ اب اسے ہمایوں پر رحم بھی آنے لگا تھا کہ اس شخص کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی، جس نے اپنی نئی زندگی کے بارے میں جانے کی کیا کیا سوچ رکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنی ذات سے ہٹ کر ہمایوں کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ اس کی نند سعدیہ یہ پکار کر بولی۔

”بھابی! فون ہے!“

”کون ہے؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔

”آفس سے ہے۔“ بھابی بات کریں گے۔“ سعدیہ کارڈ لیس اسے تھا کر چلی گئی۔

”ہیلو!“ وہ کچھ فروس ہو گئی تھی کہ ہمایوں جانے کیا کہیں گے لیکن دوسری طرف آپریٹنگ۔

”آپ مسز ہمایوں!“

”جی!“

”پلیز! ہولڈ کریں۔“ اس کے ساتھ ہی ہولڈ کی مخصوص ٹون بجنے لگی۔ پھر چند لمحوں بعد حاکم علی کی آواز آئی۔

”کیسی ہونور یہ۔“

”یا اللہ۔“ اس نے گھبرا کر اپنے اطراف دیکھا پھر بمشکل ضبط سے بولی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”واقعی! تم ٹھیک ہو۔“ پھر تمہارا شوہر مجھ سے غلط بیانی کیوں کر رہا ہے؟ آئی مین!

میں پچھلے دو ہفتوں سے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہا ہوں اور وہ مسلسل یہ کہہ رہا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ حاکم علی نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

”اس سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ تمہارے گھر نہیں آنا چاہ رہا۔“

”اور تم! کیا تم بھی نہیں آنا چاہتیں؟“ حاکم علی نے ڈھٹائی سے پوچھا۔

”یہ فضول سوال کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟“ وہ تھکے سے اکھرنے لگی۔

”اور تمہیں جرات کیسے ہوئی یہاں فون کرنے کی؟“ ہمایوں اگر تمہاری فرم میں جاب کرتے

”جل چھت پر چلتے ہیں۔!“

”ہاں جل۔!“ نئب اس کے ساتھ چل پڑی۔

چھت پر قدم رکھتے ہی معطومت ہوانے ان کا استقبال کیا کیونکہ سردیوں کے بعد بہار رنگ دکھا رہی تھی۔ ایک طرف لائن سے رکھے کلموں پر ٹوٹ کر نکھار آیا تھا۔ وہ نئب کا ہاتھ پکڑے منڈیر کے پاس آ کھڑی ہوئی اور زور لہلاتے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”ایک بات بتاؤں زینی۔!“ مجھے حاکم کے پاس جانے کی خوشی تو ہے لیکن پتا نہیں کیوں ڈر بھی لگ رہا ہے۔“

”ڈر کیوں؟“

”بس۔!“ یہ خیال آتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر کہیں ناراض نہ ہو۔!“ وہ اپنا غلہ زبان پر لے کر آئی لیکن پھر خود ہی خائف بھی ہو گئی، جب ہی بات بنانے لگی۔

”وہ اصل میں میرے طور طریقے شہری لوگوں جیسے نہیں ہیں نا۔!“ اور آپ جناب بھی مشکل ہی سے میری زبان پر آتا ہے۔“

”تو کیا ہوا۔!“ آہستہ آہستہ سب سیکھ جائے گی اور جب شہر میں رہے گی تو شہری لوگوں جیسے طور طریقے بھی سیکھ لے گی۔“ نئب نے لا پرواہی سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”میں نے غلط کہا ہے کیا؟“ نئب نے اس کی خاموشی پر ٹوکا۔

”نہیں۔!“ تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔!“ بس میں ہی کچھ دہری ہو گئی ہوں۔“

”جل حاکم تیرے سارے داہے دُور کر دے گا۔“ نئب کی شوخی پر وہ قصداً مسکرائی تھی۔

○○○

نور یہ ہمایوں کے ساتھ آ تو گئی تھی لیکن اب اسے ہر قدم پر ڈشوار یوں کا سامنا تھا۔ کیونکہ اس کی فطرت میں بناوٹ نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ سے جیسی تھی ویسی ہی نظر آتی تھی۔ اس نے کبھی کسی موقع پر یا معاملے میں مصطفیٰ بھی خود پر خوں چڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہ صرف اس کا دعویٰ نہیں تھا کہ اسے جھوٹ اور منافقت سے نفرت ہے، حقیقتاً وہ ان باتوں سے ڈرتی تھی جب ہی اب بہت پریشان ہو گئی تھی کہ ہر قدم پر جھوٹ اور بناوٹ کا سہارا لینا تھا اور صرف ہمایوں کے گھر ہی نہیں ای ڈیڈی کے سامنے بھی وہ پوز کرنے پر مجبور تھی۔ گو کہ بہت زیادہ خوش نظر آنے کی کوشش نہیں کرتی تھی بس یہ کہ وہ ناخوش نہیں ہے اور کسی کے بھی پوچھنے پر اتنا کہنے پر اکتفا کرتی کہ ابھی تو میں سسرال والوں کو سمجھنے میں لگی ہوئی ہوں۔ زیادہ نعمان ہی سوال جواب کرتا تھا کیونکہ وہ تمام حالات سے واقف تھا اس لئے اس کی طرف سے فکر مند رہتا تھا کہ کہیں وہ غصے میں کوئی غلط قدم نہ اٹھالے۔ بہر حال وہ اب کچھ محتاط ہو گئی تھی۔ ہمایوں کے سامنے ہی ای ڈیڈی سے ملنے جاتی اور اسی کے ساتھ واپس آ جاتی تھی۔

”بہت اصرار سے بلا رہے ہیں سردار صاحب.....! اور میں صرف آپ کی وجہ سے منع کر رہا ہوں کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں کسی مقصد کے تحت آپ کو ان کے سامنے لے جا رہا ہوں۔“
”میں ایسا کچھ نہیں سمجھوں گی اور یہ بھی سن لیں کہ میں اس شخص سے خائف نہیں ہوں، سامنا کر سکتی ہوں اس کا۔“ اس کے مضبوط لہجے پر ہمایوں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

○○○

”نشی..... انٹی.....! جب مجھے دوست کی ضرورت ہوتی ہے تب تم کہاں چلی جاتی ہو.....؟“ حاکم علی نشی کو دیکھ کر بولا تو اس کی سانسوں سے آتی ناگوار مہک سے نشی کو چکر سا آ گیا۔ فوراً پیچھے ہٹ کر بولی۔
”سردار پلیز.....! مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا۔“
”کیا.....! کیا برداشت نہیں ہوتا.....؟“ وہ اپنی سرخ آنکھیں اس پر جما کر بولا۔
”تم نے ڈرنک کی ہے ناں.....! جاؤ پہلے برش کرو اور شاہرہ لو.....!“ نشی ناگواری سے کہہ کر ڈور جلا

پٹھنی۔

”بہت نازک مزاج ہو تم.....! اچھا.....! جانا مت میں بس ابھی آیا.....!“ وہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
”مائی گاڈ.....!“ اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے نشی نے تاسف سے سر ہلایا پھر ٹیبل سے میگزین اٹھا لیا۔ کچھ دیر بعد حاکم علی فریش ہو کر آیا تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگی۔

”دیکھو سردار.....! میں سیر سیٹلی کہہ رہی ہوں کہ اگر تم ان حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے تو میں سچ سچ تم سے دوستی ختم کر دوں گی۔“

”میں باز آ سکتا ہوں.....! بلکہ تو بہ بھی کر لوں گا اگر تم میری مدد کرو.....!“ اس نے کہا تو نشی نے فوراً پوچھا۔

”کس سلسلے میں.....؟“
”نوریہ کے سلسلے میں.....! میری شادی کرادو اس سے.....!“ حاکم علی نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔

”فارگاؤ سیک سردار.....!“ نشی چیخ پڑی۔
”میں ایک شادی شدہ لڑکی سے کیسے تمہاری شادی کر سکتی ہوں.....؟ اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ایسا سوچ کیسے رہے ہو.....؟ یہ صرف جرم ہی نہیں گناہ بھی ہے۔“

”محبت کرتا ہوں میں اس سے.....! اور محبت گناہ نہیں ہے۔“ وہ بھی زور دے کر بولا۔
”لے شک محبت گناہ نہیں ہے لیکن کسی کی بیوی کے ساتھ.....“

”وہ کسی کی نہیں ہے صرف میری بیوی بننا ہے اسے اور میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا“

”جس تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان سے اپنی ہر جائز ناجائز بات منوالو گے.....!“
”کم آن یار.....! میں تم دونوں کی شادی کی خوشی میں ڈر دینا چاہ رہا ہوں.....! اس میں ناجائز کیا ہے.....؟“ حاکم علی پر اس کی باتوں کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

”ناجائز تمہاری خواہشات ہیں جن کا اظہار کر کے تم نے اپنے کردار کو سخ کر دیا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ تمہارا سرے سے کوئی کردار ہی نہیں ہے۔ پتا نہیں تمہارے جنم دینے والے کیسے ہیں.....؟“ جنہوں نے تمہیں بے لگام چھوڑ دیا ہے.....! انتہائی قابل نفرت ہو تم.....!“ اس نے فون بٹن دیا اور تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کے اندر ایک آگ سی دھک اٹھی تھی بس نہیں چل رہا تھا اس شخص کو جلا کر رکھ کر دے جو یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ کتنی دیر ادھر سے ادھر منتقلی رہی پھر شاہرہ لے کر سو گئی۔ اس وقت اس کا سو جانا ہی بہتر تھا کیونکہ ذہن بری طرح جھج رہا تھا۔ سونے سے کم از کم اس اذیت سے نجات مل گئی تھی۔ پھر رات میں جب ہمایوں اسے شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکلنے لگا تب وہ اسے پکار کر بولی۔

”ہمایوں.....! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے.....!“
”ہوں.....!“ ہمایوں نے رک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر پلٹ کر صوفے پر جا بیٹھا گویا سکون سے اس کی بات سننا چاہتا تھا۔

”وہ..... میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آج دن میں آپ کے پاس سردار حاکم کا فون آیا تھا۔“
وہ ساری ہمتیں یکجا کر کے روانی سے کہہ گئی اور وہ جو سکون سے سننا چاہتا تھا یکنکت اس کا سارا سکون درہم برہم ہو گیا۔

”کیا کہہ رہے تھے سردار صاحب.....!“ بڑی وقتوں کے بعد وہ بول پایا۔
”یہ آپ ان ہی سے پوچھ لیجئے گا.....!“ وہ کہہ کر اس کی طرف سے رخ موڑ گئی۔
”نور.....!“ ہمایوں اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

”مجھے سردار صاحب نے کچھ نہیں پوچھا اگر آپ بتادیں تو.....“
”وہ کہہ رہا تھا کہ وہ آپ کو ڈر پر انوائٹ کرنا چاہتا ہے اور آپ منع کر رہے ہیں۔“ اس نے جلدی سے کہہ کر گویا جان چھڑانی چاہی۔

”تو وہ آپ سے میری شکایت کر رہے تھے.....!“ ہمایوں ذرا سا ہنسا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔
”آپ کا کیا خیال ہے مجھے ہامی بھر لینی چاہیے.....؟ آئی مین.....! وہ ہم دونوں کو انوائٹ کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”نہیں کیا کہہ سکتی ہوں.....؟ جیسے آپ مناسب سمجھیں.....!“ وہ قصداً بے نیازی سے بولی۔
”ہوں.....!“ ہمایوں چند لمحے سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

”ہوئی کوئی مجبوری.....! جیسے لڑکیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔“ وہ سانسے ٹھیل پر ٹانگیں سیدھی کرتا ہوا بڑے آرام سے بولا۔

”چلو.....! میں مان لیتی ہوں لیکن شادی ہو جانے کے بعد کیا اب بھی وہ تمہاری محبت کا دم بھرتی ہے اور تمہارے پاس آنا چاہتی ہے؟“ نشی طریقے سے اسے گھیرنا چاہتی تھی لیکن وہ بہت شاطر تھا۔

”میں یہ سب نہیں جانتا.....!“

”تو اس سلسلے میں، میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں، آئی مین.....! میں اس کے پاس جاؤں گی اور اس سے معلوم کروں گی کہ.....“ نشی کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ بول پڑا۔

”نہیں.....! وہ تمہیں کچھ نہیں بتائے گی.....!“

”کوشش تو کر لینے دو.....!“

”میں نے کہا ناں نہیں.....!“ وہ سختی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”پھر تم مجھے سے کیسی مدد چاہتے ہو.....؟“ نشی پھر بھی باز نہیں آئی۔

”بتاؤں گا.....! وقت آنے پر بتاؤں گا.....!“ پہلے اس نے اپنے کسی دھیان میں کہا پھر نشی کو دیکھ کر مسکرایا۔

○ ○ ○

”بے بے.....! بابا شہر کب جائیں گے.....؟ مجھے لے بھی جائیں گے کہ نہیں.....؟“ چاندنی اب صبح شام بے بے سے یہی سوال کرتی تھی اور بیچاری بے بے اسے یقین دلاتے دلاتے عاجز آگئی تھیں۔

جب ہی اس وقت چکر لائیں۔

”مجھے نہیں پتا.....! جا کر بابا سے پوچھ لے.....!“

”میں نہیں پوچھتی.....! مجھے ڈر لگتا ہے ان سے.....!“ وہ منہ پھلا کر بولی۔

”ڈرنے کی کیا بات ہے.....؟ کھانسیں جائیں گے وہ تجھے.....!“

”آپ بھی ڈانٹتی رہتی ہو.....! انہیں پوچھوں گی میں ان سے..... اور اب آپ سے بھی نہیں پوچھوں گی۔“ وہ ناراضگی سے کہہ کر ریزہ ریزہ پھٹکتی ہوئی اوپر آگئی اور کمرے میں بند ہو کر رونے لگی۔

چندی عمر میں کیسے کیسے خواب سجائے تھے اس نے جن میں رنگ بھرنے کی بجائے سیاہی بھری گیا تھا وہ ظالم۔

”حاکم ایسا کیوں کر رہا ہے.....؟ کیوں مجھے چھوڑ کر چلا گیا.....؟ کیا میں اسے اچھی نہیں لگتی.....؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ شہر میں ہی کسی لڑکی کو پسند کرتا ہو.....؟ نہیں نہیں.....! یہ نہیں ہو سکتا۔ بابا اس کے پاس جاتے تو رہتے ہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو ضرور انہیں بھی پتا ہوتا۔ پھر وہ کبھی میری شادی حاکم سے نہ کرتے۔“ وہ روتے ہوئے سوچتی، کڑھتی اور پھر خود کو تسلی بھی دے رہی تھی۔ یونہی شام پھر رات ہو

جب تک اس کے تمام جملہ حقوق اپنے نام نہیں لکھوا لیتا۔ تم اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتیں تو مت کرو، مجھے گناہ ثواب بھی مت سمجھاؤ.....!“ وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

”تو میرے سامنے اس کا ذکر بھی مت کیا کرو.....!“ نشی نے بھی ٹوک دیا۔

”یہ ممکن نہیں ہے نشی.....! اس کے نام سے تو میری صبح شام ہوتی ہے۔“ وہ اب دھیرج سے بولا تھا۔

”پھر جو تمہارا دل چاہے کرو.....! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔“ نشی اکتا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلو چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ.....! وہ بچہ مانوس ہو گیا تم سے.....؟“ حاکم علی نے اس خیال سے کہ کہیں وہ چلی نہ جائے موضوع چینیج کر دیا۔

”ہاں.....! مجھ سے اور می ڈیڈی سے بھی۔ پتا ہے ابھی جب میں آ رہی تھی تو وہ میرے ساتھ آنے کو پھیل رہا تھا۔“ نشی بچے کا ذکر کرتے ہوئے خوش ہو گئی تھی۔

”کبھی لے مت آنا اسے.....!“ وہ بے اختیار کہہ گیا۔

”کیوں.....! تمہیں بچے اچھے نہیں لگتے.....؟“ نشی نے حیرت سے پوچھا۔

”زیادہ نہیں.....! اصل میں میں نے کبھی بچوں کو غور سے دیکھا ہی نہیں۔“

”پھر تو میں ضرور لے کر آؤں گی اسے، تاکہ تمہیں پتا چلے کہ دنیا کا حسن بچوں کی بدولت ہے۔“

نشی نے جوش سے کہا۔

”ہوگا.....! میری دنیا تو صرف.....!“ اس نے نور یہ کا نام نہیں لیا لیکن جس انداز سے مسکرایا اس سے لاشی سمجھ گئی تھی۔

”خدا کے لیے سر دار.....! اپنے آپ پر رحم کرو۔ جو چیز تمہاری نہیں اس کے حصول کا مت سوچو۔ ویسے بھی تم اب کچھ نہیں کر سکتے۔“ نشی عادت کے مطابق پھر اسے سمجھانے سے باز نہیں آئی۔

”سب کچھ کر سکتا ہوں میں.....! سب کچھ.....! اور اب تو سمجھو وہ میری دسترس میں ہے۔ جب چاہوں اسے اٹھا کر لے آؤں، کہو تو ابھی.....!“ حاکم علی کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ نشی سہم گئی۔

”نہیں سر دار.....! دھاندلی مت کرنا.....!“

”دھاندلی.....!“ حاکم علی نے حسب عادت زوردار قبضہ لگایا پھر جیسے اپنے آپ سے محفوظ ہو کر بولا۔

”دھاندلی تو کرنی پڑے گی.....! محبت میں سب جائز ہے.....!“

”اچھا.....! ایک بات بتاؤ.....! کیا وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے.....؟“ نشی نے بہت سنبھل کر پوچھا۔

”ہاں.....! میں نے شاید تمہیں بتایا تھا کہ اس نے اقرار کیا تھا۔“ وہ فوراً بولا۔

”پھر وہ کسی اور کی کیسے ہو گئی.....؟“

”تو باتیں ہی ایسی کرتا ہے.....! مجھے غصہ آ جاتا ہے۔“ وہ غیر محسوس طریقے سے دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

”چل تویتا.....! کیسی باتیں کیا کروں.....؟“ ظفر اس کے دھیرج سے بولنے پر خوش ہو گیا۔
”ابھی نہیں بتا سکتی.....! ابھی مجھے بھوک لگی ہے، دوپہر سے میں نے کچھ نہیں کھایا۔“ اس نے کہا تو ظفر بیٹھانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

”اوہو.....! میں تو بھول ہی گیا کہ میں تجھے کھانے کے لیے بلائے آیا تھا۔ چل نیچے بے بے انتظار کر رہی ہے۔“ اور وہ تو یوں بھی بھاگنا چاہ رہی تھی فوراً چل پڑی لیکن جیسے ہی دروازے تک پہنچی وہ پھر سامنے آ گیا۔

”سن.....! حاکم ماما کے لیے جی کوروگ نہ لگا، وہ پکا ہر جاتی ہے۔“
”دیکھ ظفرے.....! تو مجھے جو مرضی کہہ دے پر حاکم کو کچھ مت کہنا اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے حاکم کے خلاف درغلا لے گا تو یہ تیری بھول ہے۔“ وہ بہت ضبط سے بولی۔

”میں درغلا نہیں رہا، سچ بتا رہا ہوں تجھے.....! ادھر شہر میں حاکم ماما کے پاس بہت لڑکیاں آتی ہیں۔ بسب ہی تو اس کا وہیں دل لگا ہوا ہے۔“ ظفر نے رازداری کے انداز میں بتایا۔
جھوٹ بولتا ہے تو.....! وہ غصے سے چیخی۔

”نہیں نہیں.....! جھوٹ نہیں بول رہا، جو چاہے قسم لے لے.....! میں نے خود دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے۔“ ظفر یقین سے کہہ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔
”مجھے تیرا اعتبار نہیں.....!“

”نہ کر میرا اعتبار.....! تو جا رہی ہے ناں.....! خود جا کر دیکھ لینا.....!“
”اگر حیرت بات جھوٹ ہو تو.....؟“

”جو چور کی سزا دہ میری.....! پر اگر سچ ہوا تو پھر وعدہ کر مجھے سے دوستی کرے گی.....! کر وعدہ.....!“ ظفر نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے سامنے پھیلا یا جسے دیکھتے ہوئے اس کا دل ڈوبنے لگا، آنکھیں بھی دھندلا گئی تھیں۔

○○○

وہ ریسورکھ کر چلی تو سعد یہ نے یونہی پوچھ لیا۔

”کس کا فون تھا بھابی.....!“

”ہمایوں کا.....!“ اس کا ذہن ہمایوں کی باتوں میں الجھا ہوا تھا جب ہی دھیرے سے بولی۔

”کیا کہہ رہے تھے بھائی.....! دیر سے آئیں گے.....؟“ سعد یہ نے پھر پوچھا۔

”نہیں.....! جلدی آئیں گے.....! کہہ رہے تھے ان کے ہاس کے گھر ڈنر پر جانا ہے میں تیار

مہنی۔ بشر اسے کھانے کے لیے بلائے آئی تو اس نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ پھر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔
اس کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔ شدت گریہ سے آنکھیں بھی سرخ اور بھاری ہو گئی تھیں اور ٹی وی کی اسکرین پر ٹھہر بھی نہیں رہی تھیں لیکن اسے دھیان تو بٹانا ہی تھا، کرنے کو اور تو کچھ بھی نہیں تھا۔ جب ہی آنکھوں میں جلن ہونے کے باوجود اس نے ٹی وی آف نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد ایک دم دروازہ کھول کر ظفر اندر آیا تو وہ اسے دیکھ کر غصے سے بولی۔

”کیا ہے.....! ایسے منہ اٹھائے اندر کیوں چلا آیا مجھے.....؟“
”کیوں.....! میرے مامے کا کمرہ ہے۔“ ظفر بدتمیزی سے بولا۔

”اور میں کون ہوں.....؟“ اس نے مزید تیز ہو کر پوچھنے سے زیادہ ظفر کو باور کرائنا چاہا، لیکن وہ مامی کہنے کی بجائے ڈھٹائی سے ہنس کر بولا۔

”چاندنی.....!“
”چاندنی نام ہے میرا.....! میں تجھ سے رشتہ پوچھ رہی ہوں۔“ وہ ایسے ہی بھری بیٹھی تھی۔ اندر کا غبار کہیں تو کھٹکا تھا۔

”کیا لگتی ہوں میں تیرے مامے کی.....؟“
”یہ میں مامے سے پوچھ کر بتاؤں گا.....! تو بتانا تجھے غصے میں کیوں ہے.....؟ اور تیری تو آنکھیں

بھی لال ہو رہی ہیں، روئی ہے کیا.....؟“ وہ بولا ہوا بیڈ کے قریب آ گیا تو وہ ایک دم چھلانگ مار کر دوسری طرف اتر گئی اور ہنوز غصے سے بولی۔

”تجھے کیا.....! میں روؤں یا نہوں.....!“
”یہ تو میرے ساتھ اتنا غصہ کیوں کرتی ہے.....؟ آرام سے بات نہیں کر سکتی.....!“

”نہیں.....! مجھے آرام سے بات کرنی نہیں آتی۔ میں سب کے ساتھ ایسے بولتی ہوں۔ تجھے نہیں اچھا لگتا تو مت بات کیا کر مجھ سے.....!“ وہ بولتی ہوئی بیڈ کے نیچے سے اپنی چپلیں نکالنے لگی۔

”تیرے لیے تو میں یہاں آتا ہوں اور تجھ سے بات نہ کروں.....! یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟“
ظفر نے کہا تو وہ مسک کر بولی۔

”دیکھ ظفر.....! اگر تو ایسی باتیں کرنے سے باز نہ آیا تو اب میں بابا سے تیری شکایت کر دوں گی۔“
”بابا سے کیوں.....؟ اپنے میاں سے کرنا.....! پر تیرا میاں تو تجھے پوچھتا ہی نہیں.....! تو ہی

زبردستی اس کے ساتھ رشتہ جوڑتی ہے۔“ ظفر کی بات پر اسے شدید دھچکا لگا جب ہی فوراً کچھ کہہ نہیں سکی۔
”ایسا کر مجھ سے دوستی کر لے.....!“ ظفر نے پھر کہا تو وہ مشکل سنجل کر بولی۔

”دشمنی تو نہیں ہے میری تجھ سے.....!“
”پھر مجھ سے لڑتی کیوں ہے.....؟“

”جا تو رہی ہوں لیکن اگر وہاں اس نے کوئی بد تمیزی کی تو.....!“ اس نے خدشہ ظاہر کیا۔
”تو ہمایوں خود سنجال لیں گے.....! تمہیں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں ہے اور تم ایسا کرو وہاں
جانے سے پہلے ہمایوں کو اصل صورت حال بتا دو.....! یعنی تم کس طرح مجبوری کے عالم میں اس کے گھر
گئی تھیں یا تم انہیں بتا چکی ہو.....؟“
”نہیں.....! میں نے کچھ نہیں بتایا.....!“ وہ کچھ الجھ کر بولی۔

”تو اب ضرور بتا دو.....! یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، سمجھیں.....!“

”میں نہیں سمجھ رہی.....!“

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو نور.....! ہمایوں صحیح معنوں میں تمہارا دفاع اس وقت کر سکیں گے
جب انہیں اصل بات معلوم ہوگی، سن رہی ہوناں.....!“

”اچھا ٹھیک ہے.....! میں فون بند کر رہی ہوں، شاید ہمایوں آرہے ہیں۔“ اس نے موبائل آف
کر دیا اور نعمان کی آخری بات سوچتی ہوئی آئینے کے سامنے آ کر اپنا جائزہ لینے لگی۔

چند لمحوں بعد ہمایوں کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر رُک گیا۔ نیوی بلیو جارجٹ کی
سازھی میں اسے کسے دراز سراپے کی دلکشی نمایاں ہو گئی تھی۔ میچنگ جیولری، ہلکا میک اپ اور پشت پر کھلے
گھیرے سیاہ بال، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ پتا نہیں وہ خود سے آگاہ تھی یا نہیں۔ بظاہر
یہی لگتا تھا جیسے اس نے کبھی خود کو دیکھا ہی نہیں جب ہی بے نیازی نظر آتی تھی۔ ابھی بھی بے نیازی سے
پلو سنبھالتی ہمایوں کی طرف ہلکی سی بے بسی سے دیکھ کر کچھ زروں سی ہو گئی۔

”چلیں.....!“ ہمایوں اپنی محویت سے چونک کر بولا۔

”جی.....!“ اس نے جلدی سے نشو و نما اٹھایا اور اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

”جب ہم خواب سجاتے ہیں تو ایک طویل شاہراہ جہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی نہ کوئی موڑ، ایک
دوسرے کا ہاتھ تھامے ہم محبت کی اس طویل شاہراہ پر چلتے چلے جاتے ہیں اور کبھی لیتے ہیں کہ حقیقت میں
بھی ایسا ہی ہوگا لیکن حقیقت کتنی مختلف ہوتی ہے موڑ ہی موڑ اور ہر موڑ پر خدشہ کہ جانے اب کیا ہو۔“ وہ
شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اچانک نعمان کی بات یاد آنے پر سیدھی ہوٹھی اور کن اکھیوں
سے ہمایوں کو دیکھ کر کہنے لگی۔

”ہمایوں.....! میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں سردار حاکم کے گھر کیسے گئی تھی.....؟“

ہمایوں نے ذرا سی گردن موڑ کر ایک نظر اسے دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں تو قدرے رُک کر وہ خود ہی
بتانے لگی۔

”میں اپنی دوست رونی کی رتھ ڈے میں جا رہی تھی۔ میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ میں خود اپنی گاڑی
ڈرائیو کر رہی تھی کہ ایک موڑ پر اچانک ایک آدمی نے مجھے روک لیا اور دیکھا کہ ڈرائیونگ سیٹ سے بٹنے کو کہا تو

رہوں۔“ اس نے اب بہت سنبھل کر بتایا۔

”ہاں کے گھر.....! پھر تو بھالی آپ کی تیاری زبردست ہونی چاہیے.....! کیا پہنیں گی.....؟“
”تم بتاؤ.....! کیا پہنوں.....؟“ اس نے اُلٹا سعدیہ سے پوچھا۔

”سازھی.....! سازھی آپ پر بہت سوٹ کرتی ہے۔ پتا ہے میں نے اپنی دوستوں سے کہہ رکھا
ہے کہ سازھی صرف میری بھالی کے لیے بنی ہے۔“ سعدیہ نے خاصے جو شیک انداز میں کہا۔
”اچھا.....!“ وہ بے ساختہ ہنس کر بولی۔

”تم کہتی ہو تو سازھی باندھ لوں گی.....!“

”لیکن بالوں کو باندھنے کی زحمت مت کیجیے گا.....! پتا ہے اگر میرے بال آپ کی طرح ہوتے تو
میں اترائی اترائی پھرتی۔“

”اسی لیے نہیں ہیں.....!“ وہ بے ساختہ بولی۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں.....! خیر.....! آپ نے بالوں کو کھلا چھوڑنا ہے۔“

”اچھی بات ہے.....!“ وہ سعدیہ کا گال تھپک کر اپنے کمرے میں آگئی اور جب تیار ہونے لگی تو
پریشان ہو گئی کہ اسے حاکم علی کے سامنے جانا ہے۔ ہمایوں سے تو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اس شخص سے
ڈرتی نہیں ہے اور ڈرتی تو وہ واقعی نہیں تھی۔ بس اس بات سے خائف ہو رہی تھی کہ وہ ہمایوں کے سامنے
جانے کیا کہہ ڈالے۔

”اب اگر اس نے کوئی الٹی سیدھی بات کی تو میں ہرگز اس کا لحاظ نہیں کروں گی۔“ اس نے سوچا
پھر موبائل اٹھا کر نعمان کو فون کر ڈالا۔

”خیر سے میری یاد آگئی.....!“ نعمان نے چھوٹے ہی کہا۔

”اس وقت کوئی فضول بات نہیں ہوگی، بس سنجیدگی سے میری بات سنو اور بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا
چاہیے.....؟“ اس نے ٹوک کر کہا تو ادھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”ہاں.....! کہو کیا بات ہے.....؟“

”بات یہ ہے کہ ہمایوں کے پاس وہی لوفر، اس نے آج ہمیں ڈنر پر انوائٹ کیا ہے اور میں ہمایوں
کے ساتھ جا رہی ہوں۔“ اس نے بات شروع کی تھی کہ نعمان بول پڑا۔

”خبردار.....! تم مت جانا.....! صاف منع کرو۔“

”نہیں نومی.....! میں اگر منع کروں گی تو ہمایوں یہی سمجھیں گے کہ میرے دل میں چور ہے جبکہ میں
ان سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس شخص کا سامنا کر سکتی ہوں، ڈرتی نہیں ہوں اس سے.....! میری اس بات
پر ہی انہوں نے اس کی دعوت قبول کی ہے۔“ اس نے جلدی جلدی بتایا تو نعمان چڑ کر بولا۔

”تو پھر جاؤ.....! شوق سے جاؤ.....!“

”ہیں.....!“ وہ چونک کر رُکا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”کیا کہا تم نے.....؟“

”تم نے شاید مجھے ڈنر پر بلایا تھا.....!“ نشی نے کچھ طنز سے اسے یاد دلایا۔

”شاید نہیں.....! یقیناً.....!“ وہ خوش دلی سے بولا۔

”پھر یہ سب کیا ہے.....؟ آئی مین.....! مجھے بٹھا کر بھول کیوں گئے ہو.....؟“ نشی نے کچھ الجھ کر کہا۔

”لجھے میں ناراضگی بھی نہیں۔“

”میں تو خود کو بھی بھول رہا ہوں یار.....!“

”ہاں.....! لگ رہا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی.....؟“ نشی کا انداز ہنوز تھا۔ حاکم علی نے

گہری سانس کھینچ کر پہلے گلاس والے سے گیت پر نظر ڈالی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

”میں تمہیں سربراہ ازدیٹا چاہ رہا تھا لیکن خیر.....! اب بتا دیتا ہوں کہ نوریہ بھی ڈنر پر آ رہی ہے۔“

”واقعی.....؟“ نشی بے حد حیران ہوئی۔

”واقعی.....! میں نے اسے بھی انوائٹ کیا ہے، بس آنے والی ہوگی۔“ اس کے حواسوں پر صرف

نوریہ سوار تھی جب ہی اس کے ساتھ ہمایوں کا نام نہیں لیا۔

”اچھا.....!“ نشی کی حیرت نہیں ٹوٹی تھی۔

”ہاں نشی.....! میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ تم اسے دیکھو.....! جب دیکھو گی تب تمہیں میری

محبت، میرے جنون پر حیرت نہیں ہوگی اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم مجھے گناہ ثواب سمجھانا بھی چھوڑ دو

گی بلکہ مزید اُکساؤ گی کہ میں.....“

”رُک کر وار.....! شاید وہ آ رہی ہے.....!“ نشی نے گلاس والے سے گیت کی طرف اشارہ کیا جہاں

سے وائٹ کروٹا اندر داخل ہو رہی تھی۔

”ہاں وہی.....! وہی ہے.....! تم ایسا کرو بیٹھ جاؤ.....! میں..... میں بھی بیٹھ جاتا ہوں۔“ وہ بوکھلا

رہا تھا اور اس کا یہ ردِ پُ نشی کے لیے بالکل نیا تھا۔

”مائی گاڈ سر وار.....! تم یہ کیسی حرکتیں کر رہے ہو.....؟“ نشی ٹوکنے کے ساتھ گرنے کے انداز میں

صوفے پر بیٹھ گئی تو وہ بھی بیٹھ کر گارسلگاتے لگا۔

چند لمحوں بعد نوریہ کو ہمایوں کے ساتھ اندر آتے دیکھ کر نشی آواز دبا کر بولی۔

”سر وار.....! وہ لوگ آ گئے ہیں.....!“

”السلام علیکم.....!“ ہمایوں نے سلام کیا تو وہ سر اُٹھا کر دیکھنا اسے چاہتا تھا لیکن نظریں نوریہ

پر یوں جانتھیں کہ ہٹنا بھول گئیں۔

”السلام علیکم.....!“ نوریہ نے جڑبڑھتے ہوئے نشی کو دیکھ کر سلام کیا تو وہ فوراً اٹھ کر اس کے

میں خوفزدہ ہونے کے باوجود بہت تیزی سے دوسرے دروازے سے اُتر کر بھاگ پڑی اور بھاگتے

بھاگتے مجھے جو گیت کھانا نظر آیا میں اس میں داخل ہو گئی تھی۔ اب یہ میری بد قسمتی کہ وہ سردار حاکم کا گھر تھا

مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کون ہے اور کیا شخص ہے.....؟ اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت اس نے مجھ سے کوئی

بد تمیزی بھی نہیں کی تھی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ ہونے والا حادثہ بتایا پھر وہاں سے نکل کر کوفون کیا جو

آ کر مجھے لے گیا تھا۔“ اس نے خاموش ہو کر ہمایوں کو دیکھا جس کی نظریں وینڈ اسکرین پر جمی تھیں لیکن

سارا دھیان اسی کی طرف تھا جو اسے بھی محسوس ہو رہا تھا جب ہی وہ مزید گویا ہوئی۔

”میں اور میرے گھر والے سب اس بات پر خوش تھے کہ میری جان بچ گئی اور کتنی عجیب بات ہے

کہ وہاں سے تو میں بچ گئی لیکن سردار میرے پیچھے پڑ گیا۔ میں نے اسے بہت دھکا مارا لیکن وہ کسی طرح باز

نہیں آیا۔ تب میں نے نوری کو اس کے بارے میں بتا دیا لیکن وہ چاہے کیسا شخص ہے جو.....“ اس کے اندر

اُبال اُٹھنے لگا تھا۔ دانت پیس کر بولی۔

”میرا دل چاہتا ہے اسے شوٹ کر دوں.....!“

”ریلیکس.....!“ ہمایوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر آہستہ سے دہرایا۔

”آپ کو اندازہ نہیں ہے اس نے مجھے کتنا پریشان کیا۔“ اسے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

”میں سمجھ سکتا ہوں.....! آپ پلیز.....! ریلیکس ہو جائیں.....!“ ہمایوں نے دھیرج سے کہتے

ہوئے اس کا ہاتھ تھپکا پھر ایک جگہ گاڑی روکی اور اُتر کر اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آیا۔

”تھینک یو.....!“ اس نے فوراً بوتل کھول کر منہ سے لگالی۔ چند لمحوں کے بعد کولڈ ڈرنک کے پڑ سکون

ہوئی تو ہمایوں سے نظریں جدا کر بولی۔

”آپ یہ مت سمجھئے گا کہ میں اپنی صفائی پیش کر رہی ہوں۔ بس مجھے سچائی بتانا تھی سو بتا دی.....!“

”آپ نہ بتاتیں تب بھی.....“

”کیا تب بھی.....؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔

”کچھ نہیں.....! ہمایوں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے دھیرے سے آگے بڑھا دی۔

○ ○ ○

حاکم علی بہت بے قراری سے ٹہل رہا تھا، کبھی رُک کر اپنی ریٹ وائچ پر ناظم دیکھتا، کبھی گلاس والے

سے گیت پر نظر ڈالتا پھر ٹہلنے لگتا۔ وہ جتنا بے قرار تھا اسی قدر خوش، اور یہ دونوں کیفیات اس کے اُنگ

اُنگ سے چمک رہی تھیں جبکہ نشی صوفے پر آرام وہ انداز میں بیٹھی پچھلے پندرہ منٹ سے اسے دیکھنے جا

رہی تھی اور انتظار میں تھی کہ وہ کب اپنی بے قراری اور خوشی کے راز سے پردہ اٹھاتا ہے لیکن جب وہ آمادہ

نظر نہیں آیا تب نشی اُکٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے پکار کر بولی۔

”سر وار.....! آخر تم مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہو.....؟“

”کیا سمجھتے ہو تم خود کو؟ کس بات کا زعم ہے تمہیں؟ تم جو بھی ہوا اپنے لیے ہوا دوسرے کے لیے تم جیسے لوگوں کو جو تے کی نوک پر رکھتی ہوں میں! نور یہ اس کا گریبان کھینچتے ہوئے انتہائی غصے سے جومت میں آیا بولے جارہی تھی۔

”نور! نور! پلینز!“ ہمایوں نے پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچا تو حاکم علی کی شرٹ کے سارے بٹن ٹوٹ کر اسے عریاں کر گئے جبکہ وہ خود سنانے میں کھڑا تھا۔

نشی اپنی جگہ حیران یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔

”چھوڑیں ہمایوں! آج مجھے اس سے پوچھ لینے دیں کہ یہ آخر چاہتا کیا ہے؟ کیوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہے؟“ وہ ہمایوں کے بازوؤں میں پھل کر اپنا آپ جھڑانے کی سعی کرتے ہوئے پھر حاکم علی پر زبانی۔

”بولو سردار! کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ! تمہارا مقصد کیا ہے؟ اور جو بھی مقصد ہو تم سن لو! میں نفرت کرتی ہوں تم سے! تمہارے ہر عمل سے! اس روئے زمین پر سب سے زیادہ قابل نفرت ہو تم! صرف تم!“ اس کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اور لہجے کا زہر وہاں موجود ہر شخص کو ہی نہیں درود پوار کو بھی محسوس ہو رہا تھا۔

”پانی!“ نشی کو اور کچھ نہیں سوچا تو گلاس میں پانی بھر کر نور یہ کے پاس آ گئی۔

”پانی پی لیں!“

”ہونہ!“ نور یہ نے حقارت سے صرف سر ہی نہیں جھٹکا ہاتھ مار کر گلاس بھی گرا دیا۔ پھر ہمایوں سے پوچھنے لگی۔

”آپ اپنے پاس کے ساتھ ڈنر کریں گے یا میرے ساتھ چلیں گے؟“

ہمایوں نے پہلے سنانے میں کھڑے حاکم علی کو دیکھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر چل پڑا اور جب ان کی گاڑی گیٹ سے نکل گئی تب نشی آہستہ سے حاکم علی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

قریب چلی آئی اور سلام کا جواب دینے کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔

”کیسی ہیں آپ!“

”بالکل ٹھیک!“ نور یہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

”پلینز! تشریف رکھیں!“ نشی نے دونوں کو بیٹھنے کے لیے کہا اور حاکم علی کی محویت توڑنے کی خاطر قصد اس کے اور نور یہ کے درمیان کھڑی ہو کر کہنے لگی۔

”میں اپنا تعارف کروا دوں! میرا نام نشی ہے! میں سردار کی دوست ہوں اور اس وقت تو میں بھی آپ کی طرح یہاں مہمان ہوں!“

”نور! نشی! مہمان نہیں ہو!“ حاکم علی کافی حد تک سنبھل چکا تھا۔ نشی کا بازو تھام کر اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہنے لگا۔

”مہمان صرف یہ ہیں! مسٹر ہمایوں چغتائی اینڈ نور یہ! آپ ابھی تک کھڑے ہیں مسٹر چغتائی! پلینز! تشریف رکھیں!“

”ٹھیک ہو!“ ہمایوں نے بیٹھتے ہوئے نور یہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی ساتھ بٹھالیا تو یکفخت حاکم علی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اور براہ راست نور یہ کو مخاطب کر کے بولا۔

”نور! میرا خیال ہے مسٹر چغتائی کو تم پر اعتبار نہیں ہے اس لیے انہوں نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا ہے کہیں تم بھاگ نہ جاؤ!“

”آف!“ اتنی تذلیل! نور یہ کا خون کھول اٹھا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ہمایوں نے اس کا ہاتھ دبا کر روک دیا اور مسکرا کر حاکم علی سے بولا۔

”یہی بات ہے!“

”ہا ہا ہا!“ حاکم علی نے مخصوص قہقہہ لگایا۔

”سردار!“ نشی اس صورت حال سے پریشان ہو گئی تھی۔ فوراً بات سنبھالنے کی غرض سے بولی۔

”یہ مذاق کی باتیں بعد میں! چلو پہلے کھانا!“

”ہاں!“ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی! پہلے کھانا! چلیں مسٹر چغتائی! لیکن پلینز اب آپ نور یہ کا ہاتھ مت پکڑیے گا! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں یہ بھاگے گی نہیں!“ حاکم علی نے

کیدنگی کی انتہا کر دی تھی اور نور یہ اب کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ ایک دم ہمایوں سے ہاتھ چھڑا کر انہیں اور اسی تیزی سے حاکم علی کا گریبان پکڑ کر کھینچ لیا۔

”تم انتہائی گھٹیا اور کمینے! تمہاری جرأت کیسے ہوئی مجھ پر ایک کرنے کی؟“

”نور! نور!“ ہمایوں نے اسے پکڑنا چاہا لیکن وہ بے قابو ہو چکی تھی۔

گا۔ بہر حال کتنی دیر وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بار بار نور یہ کوبھی دیکھتا رہا، جس کا اندرونی انتشار چہرے پر جھلک رہا تھا اور وہ بھی خود پر قابو پانے کی سعی میں مصروف تھی۔ کبھی بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ہلکے سے سر کو جھٹکا دیتی، کبھی انگلیاں مروڑنے لگتی اور اس کی طرف دیکھنے سے گریز بھی کر رہی تھی۔

”نور.....!“ وہ اس کے سامنے کولڈ ڈرنک رکھ کر بولا۔

”آئی ایم سوری.....! مجھے سرداری کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے تھی۔“

وہ کچھ نہیں بولی۔ کولڈ ڈرنک اٹھا کر دو تین گھونٹ حلق سے اتارے پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”آئی ایم سوری نور.....!“ ہمایوں نے پھر کہا۔

”لیکن مجھے کوئی افسوس نہیں ہے.....! مجھے اس کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔“ وہ اس کی طرف

دیکھنے بغیر بولی۔

”ہاں.....! آپ نے جو کیا ٹھیک کیا.....! میں آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں.....!“ ہمایوں نے

کہا تو وہ ایک دم اسے دیکھنے لگی۔

”وہ اسی سلوک کا مستحق تھا.....!“ ہمایوں کی مسکراہٹ نے کافی حد تک اسے سہارا دیا تھا۔

”بس.....! اب اس موضوع کو ختم کریں.....! میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔“

”اوکے.....! یہ بتائیں کھانے میں کیا پسند کریں گی.....؟“ ہمایوں نے مینو کارڈ اٹھاتے ہوئے

پوچھا۔

”کچھ نہیں.....!“

”کیا مطلب.....؟“

”ابھی بھوک نہیں ہے.....! گھر چلیں بلکہ اگر آپ مجھے ڈیڈی کے گھر چھوڑ دیں تو..... آئی

مین.....! میں ابھی وہاں جانا چاہتی ہوں اور کچھ دن وہیں رہوں گی۔“ اس نے کہا تو ہمایوں گہری سانس

کے ساتھ بولا۔

”اوکے.....! اینز بولا نک.....!“

”تھینک یو.....!“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمایوں نے اسے چلنے کا اشارہ کیا پھر بل پے کر کے اس

کے پیچھے باہر آ گیا۔

اسے اچانک نور یہ کا اپنے ڈیڈی کے گھر جانا سمجھ نہیں آیا تھا۔ پریشان تو نہیں تھا لیکن سوچ میں

ضرور پڑ گیا تھا جب ہی تمام راستہ خاموشی میں کٹا پھر ڈیڈی کے گھر بھی وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھا بس چائے

پینے تک رکا پھر اجازت لے کر نکلا تو وہ اسے سی آف کرنے دروازے تک آگئی جس پر وہ کچھ حیران ہوا

اور ایک دم اس کی طرف پلٹ کر پوچھ گیا۔

”کب تک یہاں رہنے کا پروگرام ہے.....؟“

”بیٹھ جاؤ سردار.....!“

”ہوں.....!“ حاکم علی یوں ہی سناٹے میں گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ اب نشی نے اس کا کندھا دایا تو وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر اس سے

پوچھا۔

”وہ..... وہ نور یہ کہاں ہے.....؟“

”چلی گئی اپنے شوہر کے ساتھ.....!“ نشی نے گویا اس پر جتایا پھر اس سے ہٹ کر سنگل صوفے پر

جا بیٹھی۔ انداز ایسا تھا جیسے بس کھیل ختم ہو گیا۔

”چلی گئی.....! تم نے جانے کیوں دیا اسے.....؟ روکا کیوں نہیں.....؟“ وہ اب ہوش میں آ کر

جھجلائے لگا تھا۔

”کم آن سردار.....! وہ میرے نہیں تمہارے مہمان تھے اور معاف کرنا.....! تم نے اپنے مہمانوں

کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔“ نشی نے ناگواری سے ٹوکا۔

”کیا.....! کیا اچھا نہیں کیا.....! تم نے دیکھا نہیں میں نے اس کے لیے کتنا اہتمام کر رکھا ہے،

یہاں سے وہاں تک یہ ساری سچاوت اسی کے لیے کی گئی ہے اور وہ.....“

”اور وہ ٹھوکر مار کر چلی گئی.....!“ نشی نے بات پوری کرتے ہوئے اسے تاسف سے دیکھا۔

”ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اسے.....!“ وہ ایک دم اپنے پیچھے صوفے پر ڈھے گیا پھر جب بولا تو اس

کے لہجے میں عجیب سی بے بسی اور بیچارگی سمٹ آئی۔

”وہ ایسا کیوں کر رہی ہے.....؟ ہر موڑ پر مجھے اسی طرح ٹھوکر مار کر نکل جاتی ہے، کیوں.....؟

کیوں.....؟“

”کیونکہ وہ تم سے نفرت کرتی ہے.....!“ نشی مسلسل حوصلہ شکن جواب دے کر اسے احساس دلانا

چاہ رہی تھی کہ وہ غلط کر رہا ہے لیکن وہ بجائے احساس کرنے اور سمجھنے کے پھر اکھڑ گیا۔

”اس کی نفرت ہی تو مجھے چیلنج کرتی ہے، اُکساتی ہے اور جب تک میں اس کی نفرت کو محبت میں نہ

بدل لوں نہ خود چین سے بیٹھوں گا نہ اسے چین سے رہنے دوں گا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔“ اس کا ذمہ پھر

انتہا پر تھا۔ نشی ایک ننگ اسے دیکھ گئی۔

○○○

حاکم علی کے گھر سے نکل کر ہمایوں اسے ایک رہنورث میں لے آیا۔ ایک تو اسے ریلیکس کرنے

کی خاطر دوسرے گھر میں اس کی امی اور سہیل کو معلوم تھا کہ وہ لباس کی دعوت میں گئے ہیں اس لیے جلدی

واپسی پر وہ سوال جواب کر سکتی تھیں جس کے لیے وہ تیار نہیں تھا کیونکہ نور یہ اگر غصے میں تھی تو وہ بھی بے حد

ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ حقیقت اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ سردار حاکم علی انہیں گھریلا کر اس طرح بی بیو کرے

”ہوگی.....! مجھے اس کے ماضی سے کوئی غرض نہیں ہے۔“

”تو حال کی بات کر لیتے ہیں مسٹر چغتائی.....! میں اب بھی اس سے محبت کرتا ہوں.....! کیا آپ کو اس سے بھی کوئی غرض نہیں.....!“ حاکم علی پھر ڈھٹائی اور کینٹینی پر اتر آیا۔

”مجھے اور میری بیوی کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے لیے یہی بہت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے وفادار ہیں اور ہیں گے۔ آپ مجھے اس سے بدظن کرنے کی فضول کوشش کر رہے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا اس سے آپ کو کیا حاصل ہوگا.....؟“ ہمایوں کے تاسف پر وہ غصے سے بولا۔

”نوریہ.....! میں نوریہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں اور کر کے رہوں گا.....!“

”شٹ آپ مسٹر حاکم علی.....! میں بہت لحاظ کر رہا ہوں آپ کا.....! بار بار میری بیوی کا نام لے کر آپ میری غیرت کو لگا کر رہے ہیں۔ وہ میری عزت، میری ناموس ہے اور آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ میں اپنی ناموس کی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔

تاؤ گنڈ بائے.....!“ ہمایوں آخر کہاں تک ضبط کرتا غصے سے چیخ کر کھڑک مار کر نکل آیا۔

○ ○ ○

دو پہر واصل رہی تھی۔ جب چاندنی سردار ہاشم علی کے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی تب ذرا سا سرائو بچا کر کے نظریں گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”بیٹھ جا پتر.....! آرام سے بیٹھ.....! تیرا اپنا گھر ہے.....!“ سردار ہاشم علی نے بیٹھے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کو کہا پھر فضل دین کو پکارا تو فوراً ہی وہ بھاگا آیا۔

”جی صاب.....!“

”حاکم کب آتا ہے دفتر سے.....؟“ انہوں نے پوچھا۔

”شام میں.....! کبھی رات بھی ہو جاتی ہے صاب.....!“ فضل دین اب صاف اُردو بولنے لگا

تھا۔

”اچھا.....! یہ حاکم کی ڈلہن ہے.....! اسے اس کا کمرہ دکھا اور یہ اس کا سامان بھی کمرے میں پہنچا دے۔ جا پتر.....! کمرے میں جا کے آرام کر، تھک گئی ہوگی۔“ انہوں نے فضل دین کو ہدایت دے کر اسے ہی مخاطب کر لیا تو وہ خاموشی سے فضل دین کے پیچھے چل پڑی۔

”ٹھیک ہے بی بی جی.....!“ فضل دین اس کا سوٹ کیس رکھ کر بولا۔

”کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں.....!“

”نہیں بس.....!“ وہ اس قدر بولی اور اس کے جاتے ہی دروازہ بند کر لیا پھر چادر اُتار کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہر شے سے ہلکا گلابی رنگ جھلک رہا تھا۔ پردے، صوفے، کاشن، کارپٹ اور بیڈ شیٹ بھی اسی رنگ کی تھی۔ خود اسے یہ رنگ بہت پسند تھا اس لیے وہ یہ سوچ کر خوش ہو گئی کہ شاید حاکم کو اس کے

”بس.....!“ وہ اسی قدر کہہ سکی۔

”کیا بس.....؟“ وہ اس کے منہ سے جانے کیا سننا چاہتا تھا، چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر خود ہی دھیرے سے بولا۔

”زیادہ دن نہیں.....! میں جلد ہی لینے آؤں گا، اوکے.....!“

”ہوں.....!“ وہ آہستہ سے اثبات میں سر ہلا کر اندر چلی گئی اور وہ باہر نکل آیا۔ پہلے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا پھر گھر آ کر کچھ دیرانی اور سعدیہ کے ساتھ بیٹھا۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں آ گیا۔ اب اسے کچھ نہیں سوچنا تھا کیونکہ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ جب ہی اسی وقت بیٹھ کر ریزائن لیٹر تیار کیا اور اگلے دن آفس جاتے ہی اس نے حاکم علی کے سامنے رکھ دیا۔

”واٹ از دس.....!“ حاکم علی نے لیٹر پر نظر ڈالے بغیر پوچھا۔

”مائی ریوینشن.....!“ وہ اطمینان سے بولا۔

”وائے.....!“ حاکم علی نے پیشانی کی کھیر سے دیکھا۔

”میں ریزائن بتانے کا پابند نہیں ہوں.....!“ اس نے کہا تو حاکم علی ایک دم نیپل پر ہاتھ مار کر اٹھ کھڑا ہوا اور زور دے کر بولا۔

”پابند ہیں مسٹر چغتائی.....! آپ پابند ہیں کیونکہ آپ فرم کے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔“

”میں اس خلاف ورزی کا جرمانہ ادا کروں گا۔“ اس کے ٹھوس لہجے پر حاکم علی چند لمحے دیکھتا رہا پھر بیٹھے ہوئے سامنے اشارہ کر کے بولا۔

”بیٹھ جائیں مسٹر چغتائی.....! بیٹھ کر بات کریں بلکہ میری بات سنیں.....! آپ کو میرے اور نوریہ کے معاملے.....“

”ایکسکوز می سر.....!“ ہمایوں فوراً ٹوک کر بولا۔

”نوریہ میری بیوی ہے اور اس کا کسی کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں ہے۔“

”میں کسی کی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں۔“ حاکم علی نے اپنی اہمیت بتائی۔

”آپ زبردستی خود کو منوانا چاہ رہے ہیں سر.....! جبکہ اس کے نزدیک آپ کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔“ ہمایوں اب اس کا لحاظ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”یہ آپ کیا جانیں مسٹر چغتائی.....!“ حاکم علی نے اس کا مسخرہ اڑایا۔

”آپ کی زندگی میں وہ اب آئی ہے جبکہ مجھ سے برسوں کی شناسائی ہے۔“

ہمایوں کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی لیکن وہ ضبط کا دامن نہ چھوڑنے کا خود سے عہد کر کے آیا تھا۔ جب ہی خود پر قابو پا کر بولا۔

ماننے کو تیار نہیں تھا۔

”کیوں ضد کی تم نے.....! بہت شوق تھا تمہیں یہاں آنے کا، بولو.....!“ وہ کیا بولتی، ہاتھوں میں

چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

”ہاں سنس.....!“ وہ پیر پختا واش روم چلا گیا اور جب چہنچ کر کے نکلا تو وہ دوپٹے کے پلو سے

آنسو پونجھ رہی تھی۔

”بند کرو یہ رونا دھونا.....! اور سن لو.....! تمہیں یہاں نہیں رہنا.....! بابا واپس جائیں گے تو تم بھی

ان کے ساتھ جاؤ گی، سمجھیں.....! اب جاؤ.....! منہ دھو کر باہر آؤ.....! بابا انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ اسے

واش روم کی طرف دھکیل کر کمرے سے نکل آیا۔

پھر کھانے کے بعد اس کے لاکھ اصرار پر بھی سردار ہاشم علی رُکنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ جانے وہ کیا

سوچ کر آئے تھے یقیناً ان کا مقصد چاندنی کو اس کے پاس چھوڑنا تھا اور یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر وہ کچھ دن رہ

گئے تو پھر حاکم زبردستی چاندنی کو ان کے ساتھ واپس بھیج دے گا اور وہ تو ابھی بھی یہی چاہ رہا تھا لیکن سردار

ہاشم علی نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا اور دوبارہ جلدی آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ تب وہ چاندنی کی

طرف سے بے نیاز ہو گیا کیونکہ اب اس پر چہنچنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جو ابادہ رونے لگی اور اسے

روتی ہوئی لڑکیاں زہر لگتی تھیں۔

○ ○ ○

نور یہ حاکم علی کے خوف سے آزاد ہو گئی تھی جب ہی خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی اور اب

اس نے خود کو کمرے تک محدود بھی نہیں رکھا تھا۔ صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوتے ہی امی سے کہہ کر نیچے

داوی کے پاس چلی آئی کیونکہ اب اسے پوز نہیں کرنا تھا۔ پہلے کی طرح بے اختیار دادی کے گلے میں جھول

گئی۔

”ارے.....! تم کب آئیں.....؟“ دادی اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پوچھنے لگیں۔

”رات کو آئی تھی دادی.....! اس وقت آپ نماز پڑھ رہی تھیں، میں سیدھی اوپر چلی گئی پھر جلدی

سو بھی گئی تھی، جب ہی آپ کے پاس نہیں آ سکی۔ خیر.....! اب تو آ گئی ہوں ناں.....!“ وہ صفائی پیش کر

کے پھر ان سے لپٹ گئی۔

”اچھا.....! میری گردن تو چھوڑو.....!“ دادی نے اس کے بازو ہلائے تو وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔

”بہت جلدی تنگ پڑنے لگتی ہیں آپ.....!“

”جھک نہیں پڑتی بیٹا.....! اب بوڑھے بدن میں دم نہیں ہے۔ خیر.....! تم سناؤ.....! تمہارے

سرال میں سب لوگ کیسے ہیں.....؟“ دادی کے پوچھنے پر وہ ہنس کر کہنے لگی۔

”میرا سرال کوئی اتنا لمبا چوڑا تو نہیں ہے دادی.....! ایک ساس ایک نندارو دونوں اچھی ہیں۔“

آنے کی خبر مل گئی ہوگی اور خاص اس کے لیے اس نے کمرے کو یہ رنگ دیا ہوگا۔ بڑا خوش کن خیال تھا۔ اس

کا دل کھلکھلانے کو چاہنے لگا۔ دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر گول گول گھومتے ہوئے وہ بیڈ پر جاگری

اور نیکے میں منہ چھپا کر ہنسنے لگی اور یونہی ہنستی خود سے باتیں کرتے ہوئی۔ جبکہ سردار ہاشم علی وہیں لاؤنج

میں ہی صوفے پر دراز ہو گئے تھے کیونکہ ان کا رُکنے کا ارادہ نہیں تھا، بس حاکم علی کے انتظار میں تھے کہ اس

سے مل کر جانا چاہتے تھے اور وہ شام ڈھلنے سے کچھ پہلے آیا تھا۔

”بابا.....!“ وہ انہیں صوفے پر دراز دیکھ کر خاصا جھجھلایا۔

”آپ یہاں کیوں لیٹے ہیں.....؟ آرام سے کمرے میں.....“

”بس بچہ.....! بس.....! زیادہ غصہ نہ کیا کر.....!“ سردار ہاشم علی نے ٹوکتے ہوئے اٹھ کر اسے

گلے لگایا پھر اپنے ساتھ بٹھا کر کہنے لگے۔

”تمہ سے ملنے کو بیٹھا ہوں.....! بس.....! ابھی واپس جاؤں گا.....!“

”کیا مطلب.....! ابھی آئے ہیں، ابھی جانے کی بات کرنے لگے.....؟ کسی کام سے آئے ہیں

یا صرف مجھ سے ملنے.....؟“ حاکم علی نے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولے۔

”صرف تمہ سے ملنے.....!“

”بس تو پھر جانے کی بات نہ کریں.....! کچھ دن رہیں میرے پاس.....! یوں بھی آج کل میں

بہت تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔ اگر آج آپ نہ آتے تو شاید اگلے دو چار دن میں میں آپ کے پاس

آ جاتا.....!“ حاکم علی اچانک شکست خوردہ سا نظر آنے لگا۔

”تیری تنہائی کا خیال کر کے ہی تو آیا ہوں.....! اب اکیلا نہیں رہے گا تو.....!“ سردار ہاشم علی اندر

ہی اندر خوش ہوئے کہ اسے خود تنہائی کا احساس ہونے لگا ہے جب ہی اس کی شکست خوردگی محسوس کرنے

کے باوجود نظر انداز کر گئے اور اس کا کندھا تھپک کر بولے۔

”جا.....! منہ ہاتھ دھو کے کپڑے بدل لے پھر کھانا کھاتے ہیں۔“

”جی اچھا.....! اور ہاں.....! آپ اس وقت نہیں جائیں گے۔“ وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ فضل

دین کو کھانا لگانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور جیسے ہی لائٹ آن کی بیڈ پر بے خبری کی نیند کے مزے

لیتی چاندنی کو دیکھ کر تھکنے کے ساتھ ہی سردار ہاشم علی کی بات سمجھ میں آئی کہ اب تو اکیلا نہیں رہے گا۔

”مائی گاڈ.....!“ وہ جھنجھلا گیا اور غوراً بڑھ کر بے دردی سے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

”میں نے تمہیں یہاں آنے سے منع کیا تھا پھر کیوں آئی ہو.....؟“ وہ اس کے نیند سے اٹھنے کا

خیال کئے بغیر خاصے خون خوار لہجے میں بولا۔

”وہ.....! بس.....! بابا.....!“ وہ کانپنے لگی۔

”بابا پر الزام مت رکھو.....! تمہارے کہنے پر وہ تمہیں لے کر آئے ہوں گے۔“ وہ کوئی اندر سننے،

”اتنی جلدی نہیں.....!“

”پھر.....!“ دوسری طرف حاکم علی تھا۔ گو کہ سمجھ گیا تھا کہ یہ بات اس سے نہیں کہی گئی پھر بھی یوں

بولتا جیسے وہ اسی سے مخاطب ہو اور وہ اس کی آواز سننے ہی سلگ گئی۔

”ابھی بھی تمہارے ہوش ٹھکانے نہیں آئے.....! لگتا ہے تمہیں اپنی بے عزتی کروانے کا بہت

شوق ہے..... اتنا ایسا کرو بیچ پورا ہے پر ننگے ہو جاؤ.....!“

”بابا بابا.....!“ حاکم علی مخصوص قہقہہ لگا کر بولا۔

”تم جتنی دلیر ہو.....! تمہارا میاں اتنا ہی بزدل.....!“

”خبردار.....! جو ہایوں کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو.....“ وہ چیخی۔

”ریٹیکس.....! ریٹیکس.....! میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارا میاں میری نوکری کیوں

چھوڑ گیا ہے.....؟ کیا تم نے اسے مجبور کیا تھا.....؟“ حاکم علی نے پوچھا اور کیونکہ اس کے علم میں یہ بات

نہیں تھی جب ہی کچھ حیران اور خوش بھی ہوئی لیکن اس پر جتا کر بولی۔

”وہ خود بہت جھینس ہے.....! فیصلے کر سکتا ہے اور یہ فیصلہ تو اسے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔“

”اچھا.....! تو اب وہ کیا کرے گا.....؟“ حاکم علی کا انداز ایسا تھا جیسے سارے شہر میں ایک وہی ان

داتا ہو۔

”تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے.....! اور اب بس.....! ختم کر دیو یہ سلسلہ.....! میں تمہاری

آواز نہیں سننا چاہتی۔“

”اور میں جب تک تمہاری آواز نہ سن لوں تو.....“

”شٹ آپ.....!“ اس نے فوراً لائن کاٹ کر موبائل لاٹ کر دیا اور غصے سے بڑبڑانے لگی۔

”عجب سر پھرا آ دی ہے، منہ کی کھانے کے بعد بھی باز نہیں آ رہا۔ میں ہایوں سے..... نہیں.....!“

اب میں ہایوں کو نہیں بتاؤں گی۔ بیچارے پہلے ہی اتنے پریشان رہے ہیں اب انہیں مزید پریشان نہیں

کروں گی۔ انہوں نے میری وجہ سے اس کی جاب چھوڑ دی اور یقیناً یہ سوچ کر اطمینان سے ہوں گے کہ

اب کبھی حاکم علی ہماری زندگی میں مداخلت نہیں کرے گا۔ ان کا اطمینان قائم رہنا چاہیے۔ میں کبھی اس لوہے

کا ذکر نہیں کروں گی۔“ وہ ہایوں کو اطمینان دینے کا سوچ کر خود بھی اطمینان سے ہو گئی تھی۔

○○○

چند دنوں میں ہی چاندنی آگئی تھی کیونکہ یہاں کوئی نہیں تھا جس سے وہ بات کر سکتی۔ حاکم علی صبح

کا گیا شام اور کبھی رات میں لوٹتا تو سیدھا اپنے کمرے کا رخ کرتا۔ اگر اس سے سامنا ہوتا بھی تو یکسر نظر

انداز کر جاتا۔ وہ سارا دن کمروں میں چکراتی بھی سو جاتی۔ اب اس کا ٹی وی دیکھنے کا بھی دل نہیں چاہتا

تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حاکم علی اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہا ہے۔ وہ اگر اسے پسند نہیں

”تمہارے ساتھ اچھی ہیں.....؟“ اب دادی نے رازداری سے پوچھا۔

”جی.....! میرے ساتھ بھی اچھی بلکہ بہت اچھی ہیں.....!“

”شکر ہے.....! بڑی فکر تھی مجھے.....! غیر لوگوں میں جا رہی ہو، پتا نہیں کیسے ہوں.....؟“ دادی

نے اپنے خدشوں کا اظہار کیا۔

”اور مجھے فکر نہیں.....! شوق تھانی زندگی، نئے لوگ.....!“ اس نے سوچا پھر پوچھنے لگی۔

”دادی.....! میرے جانے کے بعد آپ کے سر میں تیل کون لگاتا ہے.....؟“

”بس.....! ایک دو بار نوئی کو شوق چرایا تھا۔“ دادی نے بتایا تو وہ اٹھ کر تیل کی بوتل اٹھالائی اور ان

کے بال کھولتے ہوئے بولی۔

”اب نوئی جاب سے بھی تو لگ گیا ہے نا.....!“

”ہاں.....! اللہ کا شکر ہے.....! بڑا مخلصی لڑکا ہے۔ نوکری کے ساتھ پڑھائی بھی کر رہا ہے اور باپ

کی ڈانٹیں بھی سنتا ہے۔“

”کیا مطلب.....! ابھی بھی ہنزا چاچو مطمئن نہیں ہیں۔ آخر وہ چاہتے کیا ہیں.....؟ کیسا دیکھنا

چاہتے ہیں اسے.....؟“ اس نے حیرت کے اظہار کے ساتھ پوچھا۔

”پتا نہیں کیا چاہتا ہے.....؟“ دادی پر اس کی نرم انگلیوں کے مساج سے ہمیشہ کی طرح فوراً غنودگی

طاری ہونے لگی تھی۔

”آپ کو بھی نہیں پتا.....! میرا مطلب ہے آپ تو ماں ہیں ہنزا چاچو کی، پراہم سمجھتی ہوں گی۔“

اس نے کہا تو دادی بیزاری سے بولیں۔

”کرے بیٹا.....! وہ اپنے باپ پر گیا ہے۔“

”دادا.....! کیا دادا بھی ایسے تھے غصے والے.....؟“ اس نے بہت زیادہ تعجب کا اظہار کیا۔

”ہاں.....! جوانی میں ایسے ہی تھے پھر بعد میں نرم پڑ گئے۔“ اب غنودگی کے باعث دادی رُک

رُک کر بول رہی تھیں۔ جب ہی وہ خاموش ہو گئی پھر انہیں سلا کر اوپر آئی تو امی اسے دیکھتے ہی بولیں۔

”بیٹا.....! تمہارا موبائل بار بار بج رہا ہے.....! مجھے تو دیکھنا بھی نہیں آتا۔“

”ہایوں.....!“ اس کے اندر یکفخت خوشگوار احساس جاگا۔ ساعتوں نے جیسے ابھی ابھی اس کی

سرکوشی سنی تھی۔

”میں جلد ہی لینے آؤں گا.....!“

”جلد ہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج ہی.....!“ وہ اپنے آپ اترا تھی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی

تھی کہ پھر موبائل بجے لگا۔ اس نے فوراً بڑھ کر موبائل اٹھالیا اور آن کر کے کان سے لگاتے ہی بے اختیار

بولی۔

تھی تو اس کے ساتھ شادی کیوں کی، کوئی زبردستی تو نہیں تھی، وہ تو اپنی بات منوانا چاہتا تھا پھر صاف منع کیوں نہیں کر دیا۔ یہ بات وہ دن میں کتنی بار سوچتی تھی لیکن کوئی ایسا جواب نہیں سوچتا تھا جس سے وہ مطمئن ہو سکے۔ بہر حال اس وقت وہ بہت بیزاری پہلے کردوں میں پکراتی رہی پھر لان میں نکل آئی اور چیئر پر بیٹھ کر بیک پر سر رکھ دیا۔ آسمان عجیب سا لگ رہا تھا۔ کچھ نیلا سا، اس کی آنکھوں میں جھپکنے لگی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کیاری کی طرف بڑھ رہی تھی کہ گیٹ سے داخل ہوتی گاڑی کو دیکھ کر رُک گئی اور جب نئی کو اترتے دیکھا تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ یہیں کھڑی رہے یا اندر چلی جائے۔ ابھی اس شش و پنج میں تھی کہ نئی اس کے پاس آگئی اور سر تاپا اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”تم کون ہو.....؟“

”جی..... چاندنی.....!“ وہ نئی سے بھی خائف ہو رہی تھی۔

”ہاؤ سوٹ.....!“ نئی یکدم شفاف ہو گئی تھی۔

”کب آئیں.....؟ سردار نے تمہارے آنے کا نہیں بتایا.....!“

”آ..... آپ مجھے جانتی ہو.....؟“ وہ حیران تھی۔

”ہاں.....! سردار نے بتایا تھا کہ وہ تم سے شادی کر کے آیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ تم اتنی پیاری

ہو۔“ نئی کو اس کی موقفی صورت پر بے پناہ پیار آیا۔ بے اختیار اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ زور سے ہو گئی۔

”ہے کہاں سردار.....! ابھی آیا نہیں آفس سے.....؟“ نئی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا

پھر پوچھنے لگی۔

”آپ کون ہو.....؟“

”میں.....؟ میرے بارے میں سردار نے تمہیں نہیں بتایا.....!“

”چاندنی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

”میں اس کی دوست ہوں۔ کچھ غلط مت سمجھنا.....! صرف دوست.....!“ نئی نے کہا تو وہ اسے

دیکھ کر رہ گئی۔

”کیسا لگ رہا ہے تمہیں یہاں آ کر.....؟“ نئی نے اس کی خاموشی توڑنے کی خاطر پوچھا۔

”اچھا نہیں لگ رہا.....!“ اس کی سادگی اور صاف گوئی پر نئی بے ساختہ ہنس دی۔

”یہاں کوئی ہے ہی نہیں.....! بہت اکیلا پن ہے۔ میرا جی گھبراتا ہے۔“ وہ رو دینے کو ہو گئی تو نئی کو

اس پر ترس آیا۔ اس کا ہاتھ تمام کرتلی دینا چاہتی تھی کہ حاکم علی آ گیا۔ اس نے ان دونوں کو نہیں دیکھا تھا

جب ہی گاڑی سے اتر کر سیدھا اندر جا رہا تھا کہ نئی نے پکار لیا۔

”سردار.....! ہم یہاں ہیں.....!“

حاکم علی نے پہلے گردن موڑ کر دیکھا پھر اسی طرف آ گیا اور چاندنی کو دیکھ کر بولا۔

”تم اندر جاؤ.....!“

”کیوں.....؟ یہ بیجاری پہلے ہی تنہائی کا شکار ہے۔“ نئی نے فوراً ٹوک کر چاندنی کی طرف فداری کی

لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی پھر اس سے بولا۔

”سنا نہیں تم نے.....؟ اندر جاؤ.....!“ چاندنی گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

”یہ کیا حرکت ہے.....؟“ نئی کو بہت برا لگا تھا تو کتنے ہوئے کہنے لگی۔

”بیوی ہے تمہاری.....! تمہیں اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ پھر اتنی سادہ اور معصوم

ہے۔“

”تو کیا کروں.....؟ سر پر ہٹالوں.....!“ وہ بگڑ کر بولا۔

”ہے تو وہ اسی قابل کہ سر پر، پگلوں پہ ہٹایا جائے لیکن تمہارے سر پر تو وہ فوراً یہ سوار ہے۔ وہ شادی

شدہ لڑکی جس نے تمہاری ذمیاں اُڑا دیں اور معاف کرنا سردار.....! چاندنی کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی

نہیں ہے۔ چاہیں تمہیں کیا نظر آتا ہے اس میں.....؟“

”جو تم نہیں دیکھ سکتیں.....!“ وہ اس کی کڑی باتوں کے جواب میں آرام سے بولا۔ جس سے نئی

سنگ گئی۔

”سب دیکھ سکتی ہوں میں.....! سب سمجھ سکتی ہوں.....! تمہاری عقل پر پردے پڑے ہیں۔“

”کم آن یار.....! ابھی آفس سے آیا ہوں، کچھ تو خیال کرو.....!“ وہ آکٹا کر بولا۔

”خیال کرنے والی موجود ہے۔ تم اسے موقع تو دو پھر دیکھو کیسے خیال کرتی ہے تمہارا.....!“ نئی

نے چاندنی کا احساس دلایا۔

”شٹ آپ.....!“ وہ دھیرج سے ٹوک کر لان چیئر پر جا بیٹھا۔ نئی پہلے وہیں کھڑی اسے دیکھتی

رہی پھر خود پر قابو پا کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔

”ایک بات بتاؤ سردار.....! چاندنی میں کیا کمی ہے.....؟ قدرت نے بڑی فرصت سے اور بڑے

پیارے بنایا ہے اسے پھر ابھی کم سن بھی ہے۔ تم اسے جس رنگ میں ڈھالنا چاہو گے ڈھل جائے گی۔ پھر

کیوں اسے انور کر رہے ہو.....؟“

”اوہ گاڈ.....! تم اگر کوئی اور بات نہیں کر سکتیں تو پلیز.....! خاموش ہو جاؤ.....!“ وہ اب عاجز ہو

کر بولا تھا۔

نئی ہونٹ سمیٹ کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو قدرے رُک کر وہ ایک دم اٹھا اور نئی کا ہاتھ پکڑ کر اسے

بھی اٹھا دیا۔

”چلو کہیں باہر چلتے ہیں.....!“

آپ بھی ایسے ہی چھوڑ کے آگئے ہوا ہے۔“

”کسی جنگل میں نہیں چھوڑ آیا۔ اس کے خاندن کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں اور اب وہی اس کا گھر ہے، وہیں رہنا ہے اسے، تو خواہ مخواہ کی ہمدردی نہ جتا اس کے ساتھ۔“ ”سردار ہاشم علی نے بڑا کر کہا۔“

”کیوں نہ جتاؤں۔۔۔۔۔ میری اپنی دھی ہے۔ ایسے بلک بلک کر رو رہی تھی۔“ بے بے کا ابھی بھی کلیجہ جل رہا تھا۔

”کیا کہا اس نے۔۔۔۔۔! رونے کی کوئی وجہ بھی بتائی ہوگی۔۔۔۔۔؟“ ”سردار ہاشم علی نے نروٹھے انداز میں پوچھا۔

”نہیں بتائی۔۔۔۔۔! بس یہی کہے جا رہی تھی کہ مجھے واپس بلاو۔۔۔۔۔!“ بے بے نے بتایا تو وہ ناگواری سے بولے۔

”کیوں۔۔۔۔۔! ادھر کیا تکلیف ہے اسے۔۔۔۔۔؟“

”ام کیلی گھر رہی ہوگی۔ پہلی بار ہم سے دُور گئی ہے، پھر حاکم کا مزاج آپ کو بتا ہے۔ پتا نہیں اس سے کس طرح بات کرتا ہوگا۔۔۔۔۔؟“

”تو فکر نہ کرو۔۔۔۔۔! تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر آپ ہی سیٹ ہو جائے گی اور ہاں۔۔۔۔۔! اکیلی گھبراہٹ ہے تو بوجھنے کو بھیج دے اس کے پاس۔۔۔۔۔!“ ”سردار ہاشم علی اب قدرے نرم پڑ کر بولے تھے۔

”بوجھنے تو چلی جائے گی پر ابھی تو اس کا پتا کرو کس حال میں ہے۔۔۔۔۔! مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئے گی۔“ بے بے کی منت پر سردار ہاشم علی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کی تسلی کے لیے موبائل اٹھا کر حاکم علی کا نمبر پیش کیا تو کتنی دیر بعد اس کی لڑکھرائی ہوئی آواز آئی۔

”کون ہے۔۔۔۔۔؟“

”میں ہوں۔۔۔۔۔! تیرا باپ۔۔۔۔۔!“ ”سردار ہاشم علی اس کی آواز سے سمجھ کر تیز لہجے میں بولے۔

”ہاں۔۔۔۔۔! کیا ہوا۔۔۔۔۔؟“ ”ادھر وہ ہوش میں نہیں تھا۔

”تو بتا۔۔۔۔۔! تیرے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟ چاندنی کہاں ہے؟“ ”سردار ہاشم علی نے غصے سے پوچھا اور وہ ہوش میں کہاں تھا جو اس پر اثر ہوتا، ہنوز سابقہ انداز میں بولا۔

”چاندنی۔۔۔۔۔! کون چاندنی۔۔۔۔۔! میں نے تو عرصہ ہوا چاندنی نہیں دیکھا۔ پتا ہے کیوں نہیں دیکھا۔۔۔۔۔؟ چڑاتا ہے مجھے۔۔۔۔۔! میری کھڑکی میں آکر چڑاتا ہے۔۔۔۔۔! میں نے ساری کھڑکیاں بند کر دی ہیں۔“

”حاکم علی۔۔۔۔۔!“ ”سردار ہاشم علی پوری قوت سے دھاڑے تھے کہ بے بے نے دل تھام کر پوچھا۔

”کیا ہوا حاکم کے ابا۔۔۔۔۔!“

”بد ذات ہے۔۔۔۔۔! پتا نہیں کیا کیا بک رہا ہے۔۔۔۔۔؟“ ”وہ پہلے غصے سے بولے پھر بے بے کی

”نہیں۔۔۔۔۔! میں اب گھر جاؤں گی۔۔۔۔۔!“ ”نشی نے اپنا ہاتھ جھڑانا چاہا۔

”وہیں سے چھوڑ دوں گا، چلو۔۔۔۔۔!“ ”وہ زبردستی اسے کھینچتا ہوا لے گیا اور ادھر گلاس وال سے گلی چاندنی کی آنکھیں دھندلا گئیں جبکہ ساعتوں میں ظفر بولنے لگا تھا۔

”حاکم ماما کے لیے جی کو روگ نہ لگا۔۔۔۔۔! وہ پکا ہر جائی ہے۔“

”ہر جائی۔۔۔۔۔! ہر جائی۔۔۔۔۔! ہر جائی۔۔۔۔۔!“ اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا ہر قطرہ دہائی دینے لگا تھا۔ وہ پریشان ہوئی، گھبرائی پھر بے بے کو فون کر ڈالا اور ان کی آواز سننے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”چاندنی۔۔۔۔۔! چاندنی۔۔۔۔۔! دھیے۔۔۔۔۔! کیوں رو رہی ہے۔۔۔۔۔؟“ بے بے اس کے رونے سے پریشان ہو کر پکارے گئیں۔

”چاندنی پتر۔۔۔۔۔! کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔؟ بول چاندنی۔۔۔۔۔! کیوں روتی ہے۔۔۔۔۔؟“

”میں مرجاؤں گی بے بے۔۔۔۔۔!“ ”وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

”ہائے۔۔۔۔۔! رت نہ کرے۔۔۔۔۔! مریں تیرے دشمن۔۔۔۔۔!“ بے بے بڑپ گئیں۔

”کیا ہوا ہے تجھے۔۔۔۔۔! حاکم کہاں ہے۔۔۔۔۔؟“

”مجھے نہیں پتا۔۔۔۔۔!“

”اچھا تو روناں۔۔۔۔۔! میں تیرے بابا سے کہتی ہوں وہ حاکم کا پتا کرتے ہیں۔“ بے بے نے تسلی دی تو وہ اور بھگ گئی۔

”کونئی ضرورت نہیں اس کا پتا کرنے کی۔۔۔۔۔! بس آپ مجھے واپس بلاو۔۔۔۔۔! میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے بلاو بے بے۔۔۔۔۔! مجھے بلاو۔۔۔۔۔!“ آخر میں وہ ٹوٹ گئی تھی۔

”ہائے چاندنی۔۔۔۔۔! میری دھی۔۔۔۔۔!“ بے بے بھی رونے لگیں۔ بس نہیں چل رہا تھا کیسے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیں۔ وہ ان ہی کی آغوش میں تو پروان چڑھی تھی۔ اس کی ہچکیاں ان کا دل ہلا رہی تھیں۔ چاندنی سے مزید کچھ بولا نہیں گیا۔ کچھ دیر بے بے کی پکار سنتی رہی پھر ریسور رکھ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

○○○

بے بے کو کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ جلتے پیر کی لمبی کی مانند چکراتی پھر رہی تھیں۔ ان سے تو کبھی چاندنی کی معمولی سی ناراضگی برداشت نہیں ہوئی تھی کہاں اس کا ہچکیوں سے رونا۔ پتا نہیں ایسا کیا ہوا تھا اس کے ساتھ جو وہ یوں ٹوٹ کر رو رہی تھی۔ بے بے اپنے آپ سوچتی، قیاس کرتی رہیں اور پھر جیسے ہی سردار ہاشم علی آئے، وہ تیزی سے ان کے پیچھے کمرے میں چلی آئیں اور بغیر تہدید کے شروع ہو گئیں۔

”حاکم کے ابا۔۔۔۔۔! چاندنی کا فون آیا تھا۔ بڑا رو رہی تھی۔ میرا تو کلیجہ پھاڑ کے رکھ دیا کملی نے۔“

اور اسے احساس تھا کہ اس نے بھی نوریہ کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ جلد بازی کا مظاہرہ کر کے وہ اس کے جذبات کو نہیں پہنچا گیا تھا۔ جانے وہ لڑکی اپنے ساتھ کیسے کیسے خواب لے کر آئی تھی۔ وہ اس کے خوابوں کو سوچ کر نہ صرف مسکرایا بلکہ تعبیر دینے کا وعدہ کرنے اسی وقت اس کے پاس چلا آیا۔ اس کا ارادہ اسی وقت اسے اپنے ساتھ لے آنے کا تھا لیکن آگے وہ بالکل اکیلی کھڑی تھی اور اسے دیکھ کر نروں بھی ہو گئی۔

”آپ.....؟“

”ہوں.....!“ وہ غیر معمولی خاموشی محسوس کر کے پوچھنے لگا۔

”امی ڈیڈی نہیں ہیں کیا.....؟“

”نہیں.....! وہ ایک شادی میں گئے ہیں، آپ بیٹھیں.....!“ وہ کہتے ہوئے سوچ بورڈ کی طرف پڑھ گئی اور تمام غیر ضروری لائسنس آن کر کے گویا رات کو دن کرنے کی سعی کی اور دن تو نہیں ہوا البتہ کمرہ بہت زیادہ روشن ہو گیا تھا۔

”آپ نہیں گئیں.....! آئی مین.....! شادی میں.....؟“ ہمایوں نے یونہی پوچھ لیا۔

”نہیں.....! آپ بیٹھیں.....!“ مختصر جواب کے ساتھ اس نے پھر بیٹھنے کو کہا۔

”بیٹھ جاؤں گا، آپ کا فیصلہ سننے کے بعد.....!“ ہمایوں نے کہا تو وہ فوراً کھجی نہیں۔

”کیا مطلب.....؟“

”مطلب.....! اب کیا ارادہ ہے؟ میرے ساتھ چلیں گی.....! آئی مین.....! چند دنوں کے لیے نہیں ہمیشہ کے لئے.....!“ وہ پوچھ کر اندر سے کچھ خائف سا ہو گیا تھا کہ جانے وہ کیا جواب دے اور وہ سر جھکا کر دھیرے سے بس اسی قدر بولی۔

”ابھی.....! ابھی تو امی ڈیڈی.....“

”ہوں.....!“ ہمایوں کے اندر ڈھیروں اطمینان اُتر آیا۔ کچھ نہ کہہ کر بھی اس نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ جب ہی مسکرا کر پوچھنے لگا۔

”کب تک آجائیں گے وہ لوگ.....؟“

”شادی میں گئے ہیں، دیر تو ہو ہی جائے گی۔ آپ ان کے آنے تک بیٹھ سکیں تو.....“

”بیٹھ تو سکتا ہوں لیکن امی اور سعدیہ.....! آپ جانتی ہیں امی جب تک میرے آنے کا اطمینان نہ کریں سوتی نہیں ہیں۔“ ہمایوں نے کہا، پھر چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا تو وہ ناگہی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔

”تھینک یو نور.....! میں ڈر رہا تھا کہ آپ مجھے مایوس نہ لوں گے.....!“ ہمایوں نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ بہت زیادہ نروس ہو کر سر جھکا گئی۔

پریشانی دیکھ کر فوراً الجھ بدل گئے۔

”ابھی نیند میں تھا، صبح بات کروں گا اس سے.....!“

”اور چاندنی.....! چاندنی کا نہیں بتایا اس نے.....؟“ بے کا دھیان چاندنی میں اٹکا تھا۔

”ہاں بتایا.....! سو رہی ہے، وہ بھی سو رہی ہے، جا تو بھی سو جا.....! خواہ خواہ پریشان ہو جاتی ہے۔“ سردار ہاشم علی نظریں چرا کر بول رہے تھے۔

”اچھا.....! صبح میری بھی بات کر دینا حاکم سے اور ہاں.....! بوجھتے کب جائے گی.....؟“

بے بے جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

”بھجوا دوں گا دو چار دن میں، اس سے کہہ تیاری کر رکھے۔“ سردار ہاشم علی کہتے ہوئے لیٹ گئے۔

بے بے گو کہ سادہ مزاج خاتون تھیں لیکن وہی بات کہ بال ڈھوپ میں سفید نہیں کئے تھے۔ وقت نے انہیں بہت کچھ سکھایا سمجھایا تھا۔ وہ باتیں جو کتابوں میں نہیں ملتیں وقت نے سمجھائی تھیں۔ حاکم علی ان کی اولاد تھا خواہ کتنا بھی ان سے دُور کسی پھر بھی وہ اس سے واقف تھیں۔ اسی طرح چاندنی کو بھی سمجھتی تھیں اور دونوں کے لیے ان کے دل میں ایک جیسی محبت تھی۔ جبکہ سردار ہاشم علی بیٹے کے مقابلے میں چاندنی کو نظر انداز کر رہے تھے۔ جب ہی اس کے رونے بلکنے کا سن کر ان پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ اٹنا انہیں سمجھاتے لگے کہ چاندنی کے ساتھ ہمدردی نہ جتا اور یہ ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ چاندنی ابھی کم سن اور زمانے کے چلن سے نا آشنا ہے جبکہ حاکم علی دُنیا دیکھ چکا تھا اور ضرور اس کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی تھی جب ہی سردار ہاشم علی غصے سے چلا رہے تھے۔ بے بے سے چھپا گئے کہ وہ نیند میں تھا۔

”کلی سمجھتے ہیں مجھے.....! ادھر حاکم چھپا تا ہے ادھر اس کا باپ.....! اور میں چپ رہتی ہوں تو سمجھتے ہیں میں نے ان کی باتوں کا یقین کر لیا۔ جمونے ہیں دونوں، مجھے پتا ہے دونوں جمونے ہیں اور اپنی چاندنی کے لیے میں ان کے جھوٹ کا یقین نہیں کروں گی۔ پتا نہیں کس حال میں ہے میری بچی.....! اللہ میری چاندنی کو صبر دے.....!“ بے تمام رات کڑھتی اور جموی پھیلا پھیلا کر چاندنی کے لیے دُعا میں مگنی رہیں۔

○○○

ہمایوں نے حاکم علی کی جاب چھوڑ دی تھی تو اب اسے نئے سرے سے کہیں اپلائی کرنا تھا لیکن وہ اس کے لیے زیادہ فکر مند نہیں تھا کیونکہ ایک تو اس کے دو تین اچھی فرمز کے نیٹنگ ڈائریکٹرز کے ساتھ بہت اچھے مراسم تھے، دوسرے وہ اسے اپنے ہاں جاب کی آفر بھی کر چکے تھے۔ وہ کسی بھی وقت ان سے مل سکتا تھا لیکن اس نے سوچا کہ کتنی جاب سے پہلے اسے نوریہ کو شہر سے یا ملک سے باہر گھمانے پھرانے لے جانا چاہیے یعنی نئی مومن۔ اور یہ اس کا حق بھی تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک وہ اور نوریہ دونوں ہی مسلسل فینشن میں رہے تھے۔ ابتدائی دنوں کا خوبصورت تصور حاکم علی کی فضول اور نازیبا حرکات کی نذر ہو گیا تھا

محبت ہو۔ میں چاہتا ہوں آج کی رات تم میری محبت کو دل سے محسوس کرو۔“ وہ محبت سے چور سجھ میں بول رہا تھا۔ پھر اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ کر گویا محبت کی مہر ثبت کی اور پلٹ کر سیڑھیاں پھلاٹک آیا۔

○ ○ ○

وہ کھلی چھت پر کھلے آسمان تلے کھڑی بار بار اپنی پیشانی چھو رہی تھی۔ جہاں وہ اپنی محبت کی مہر ثبت کر گیا تھا اور ہر بار دھڑکنوں کو نیا احساس مل رہا تھا۔ پہلے سے زیادہ حسین، اسی طرح اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھل رہی تھیں۔ اطراف کا ہوش بھی نہیں تھا جب نعمان نے دبے پاؤں آ کر اس کے کان کے پاس ”ہاؤ“ کی آواز نکالی تو وہ اچھلنے کے ساتھ چیخ پڑی۔

”نومی کے بچے!“

”ابھی کہاں! ابھی تو بہت دیر ہے۔ پہلے لڑکی ڈھونڈی جائے گی پھر شادی ہوگی پھر نکاحیں جا کر۔“ وہ اپنے انداز سے شروع ہو گیا تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

”بس! خدا کے لیے! فضول کیوں کرنا چھوڑ دو!“

”چھٹی نہیں ظالم!“ وہ گنگٹایا پھر شرارت سے پوچھنے لگا۔

”کیا بات ہے! ہمایوں ابھی بڑے خوش گئے ہیں یہاں سے۔ کوئی گڈ نیوز ہے کیا!“

”مائی گاڈ! نومی! تم بہت ہی بد تمیز ہو!“ وہ سمجھ گئی اس کا اشارہ کس طرف ہے جب

ہی دانت نہیں کر بولی۔

”اس میں بد تمیزی کی کیا بات ہے! میں نے ہمایوں کی خوشی کا سبب پوچھا ہے۔ کوئی لاشی

واثری نکلی ہے کیا!“ وہ فوراً انجان بن کر انتہائی سادگی سے بولا۔

”ہاں! ہم دونوں باہر جا رہے ہیں۔“ وہ بھی مزید الجھنا ترک کر کے فوراً بولی۔

”جتنی مون!“ نعمان کی شرارت پر اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا لیکن سنبھل کر بولی۔

”اتنے عرصے بعد کون سا سنی مون! ہم یونہی گھومنے جا رہے ہیں۔“

”اچھا! کب!“ نعمان اب سنجیدہ ہو گیا۔

”بس! جیسے ہی دیر اٹے گا۔“ وہ تاثر بدل گئی۔

”تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے!“

”فرسٹ کلاس!“

”تو اب شادی کر لو!“ اس لڑکی کے ساتھ جس کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ وقت آنے پر

بتاؤں گا۔“ اس نے یاد دلایا تو نعمان جھنجھلا کر کہنے لگا۔

”یا اللہ! یہ تم لڑکیاں اتنی کریزی کیوں ہوتی ہو!“ ہر بات میں جلدی، یہ ہو گیا ہے تو اب

یہ بھی ہو جانا چاہیے، جاب ہوگئی اب شادی کر لو، تم لوگ شادی سے ہٹ کر کچھ نہیں سوچ سکتیں!“

”میں کل آ جاؤں گا۔“ یا جب تم کہو۔!“ ہمایوں نے اس کی ٹھوڑی چھو کر تکلف کی دیوار گرا

دی پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”پتا ہے میں نے کیا سوچا ہے کہ ہم کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر گھوم پھر آئیں! تم بتاؤ۔!“

کہاں جانا پسند کرو گی۔“

”میرے خدا۔!“ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”بتاؤ فوراً! تاکہ میں فوراً ویزے کے لیے اپلائی کر دوں۔!“ ہمایوں نے اس کا ہاتھ دھپاتا تو

وہ ہشکل بولی۔

”مجھے نہیں پتا۔!“

”چلو! پھر ایسا کرتا ہوں کہ جہاں کا ویزا آسانی سے اور جلدی ملنے کی امید ہوگی وہیں کے

لیے اپلائی کر دیتا ہوں کیونکہ میں اب جلدی اپنے اور تمہارے خوابوں کو تعبیر دینا چاہتا ہوں۔“ وہ آخر میں

اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں چائے لاتی ہوں۔!“

”اوں ہوں۔!“ ہمایوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جانے سے روک دیا پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بس! اب چلتا ہوں اور ہاں! میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ میں نے ہر دار حاکم کو

ریزا سن دے دیا ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔!“ وہ بے اختیار کہہ گئی۔

”تم! تم کیسے جانتی ہو۔!“ ہمایوں نے تعجب کا اظہار کیا۔

”بس! میں نے سوچا تھا کہ آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے پھر جانے کیوں مجھے یقین سا ہو گیا۔“ وہ

بات بتا گئی۔

”چلو! تمہارا یقین سچ ہو گیا۔ اب بتاؤ! تمہیں لینے کب آؤں۔!“

”میں کیا بتاؤں۔!“

”چلو! میں بتا دیتا ہوں! کل آؤں گا اسی وقت! ٹھیک!“ ہمایوں کے ہونٹوں

میں دل فریب مسکراہٹ دہنی تھی۔

اس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی سیڑھیوں تک آ گئی۔

”بس! تم یہیں زکو! میں چلا جاؤں گا۔“ وہ کہہ کر دو اسٹیپ اتر گیا پھر اچانک جانے کیا

خیال آیا ایک دم پلٹ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔

”نور! میری طرف سے اگر تمہارے دل میں کوئی اندیشہ باقی رہ گیا ہو تو اسے بھی نکال پھینکنا

اور یہ یقین رکھنا کہ میں نے اپنے دل کی حکمرانی صرف تمہیں سونپی ہے، صرف تمہیں! تم میری اولین

”رات ان کا ایسا کوئی پروگرام تھا بھی نہیں۔ صبح ہی کسی دوست کا فون آیا بس اسی وقت انہوں نے تیاری کر لی۔ کہہ رہے تھے وہاں پہنچتے ہی آپ کو فون کریں گے۔“

”اچھی بات ہے اور امی ٹھیک ہیں۔“ اسے مزید کریدنا اچھا نہیں لگا جب ہی بات بدل گئی۔

”جی..... آپ کب آئیں گی؟“

”آ جاؤں گی.....! جلدی آؤں گی، اوکے.....!“ اس نے فون رکھ دیا پھر سوچ میں پڑ گئی۔

”ہمایوں اچانک اسلام آباد کیوں گئے ہیں؟“

○ ○ ○

نشی خاص طور سے چاندنی سے ملنے آئی تھی کیونکہ وہ سادہ اور معصوم لڑکی اسے بہت اچھی لگی تھی اور وہ حیران تھی کہ اتنی پیاری لڑکی کو چھوڑ کر حاکم علی کسی اور کے لیے تڑپتا چلتا ہے اور اس بات کے لیے اسے حاکم علی پر جتنا غصہ تھا اتنا ہی چاندنی پر پیار کے ساتھ رحم بھی آ رہا تھا کہ آخر اسے کس بات کی سزا مل رہی ہے۔ بہر حال اس وقت وہ یہ سوچ کر آئی تھی کہ حاکم علی کی غیر موجودگی میں چاندنی کے ساتھ ڈھیروں باتیں کرے گی لیکن چاندنی اسے دیکھتے ہی بھاگ کر کمرے میں بند ہو گئی۔ اس کی اس حرکت پر وہ محظوظ ہو رہی تھی کہ عقب سے فضل دین کے سلام کرنے پر پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

”سردار صاحب اپنے کمرے میں ہیں.....!“ فضل دین نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

”کیا مطلب.....! سردار آج آفس نہیں گیا؟“

”گئے تھے، جلدی آ گئے.....! آپ کے لیے چائے لاؤں.....؟“ فضل دین نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

”نہیں.....! میں پہلے سردار سے مل لوں.....!“ وہ کہتی ہوئی حاکم علی کے کمرے کی طرف آ گئی اور بینڈل پر ہاتھ رکھا تھا کہ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ حاکم علی کھڑکی کے قریب کھڑا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

نشی نے بھض اسے چونکا نے کی خاطر دھیرے سے قدم آگے بڑھایا لیکن اگلا قدم اٹھنے سے پہلے ہی وہ ٹھٹک گئی۔ حاکم علی جانے کس سے اور کس کے بارے میں کہہ رہا تھا۔

”بس.....! جہاں بھی نظر آئے ختم کر دو اسے.....!“

○ ○ ○

”اور تم لوگ کیا سوچتے ہو.....؟“ وہ تڑخ کر بولی۔

”اور بھی غم ہیں زمانے میں شادی کے سوا.....!“ نعمان نے گہری سانس کھینچ کر کہا پھر اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔

”ہوں گے.....! میں ابھی اس پر کوئی بحث نہیں کروں گی کیونکہ میرا موڈ بہت اچھا ہے۔ بہت خوشگوار، ایسا لگ رہا ہے جیسے احساسات کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ رنگوں، روشنیوں سے نئی خوبصورت زندگی میرے دل پر دستک دے رہی ہے، کیا کروں.....!“ وہ بولتے ہوئے کھوی گئی تھی آخر میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”سب دروازے کھول دو.....!“ وہ اس کے چہرے پر اترے ان گنت رنگ دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا تھا۔

”ہوں.....!“ وہ کھل کر مسکرائی پھر کہنے لگی۔

”آؤ.....! اندر چلو.....! امی ڈیڈی پتا نہیں کب آئیں گے؟“

”نہیں.....! بس میں اب سونے جا رہا ہوں، صبح آفس جانا ہے، اوکے.....! گڈ نائٹ ایڈ سوپٹ ڈریمنز.....!“ نعمان وہیں سے پلٹ کر بیڑھیاں اتر گیا اور وہ گنگنائی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

”میں چاہتا ہوں آج کی رات تم میری محبت کو دل سے محسوس کرو۔“ ہمایوں جاتے جاتے کہہ گیا تھا اور رات کے اختتامی پہر تک وہ اسے ہی سوچتی رہی تھی۔ گزشتہ سے ہٹ کر آنے والے دنوں کا تصور اپنے اندر بے پناہ خوبصورتیاں لیے ہوئے تھا۔ وہ ہمایوں کی سنگت میں نئے خواب سجائے بنا کر سو گئی۔

پھر صبح وہ بہت دیر سے اٹھی۔ ڈیڈی آفس جا چکے تھے۔ امی دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور وہیں اسٹول پر بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے امی کو بتایا کہ آج ہمایوں اسے لینے آئیں گے۔

”ہاں.....! ہمایوں کا فون بھی آیا تھا، تم سو رہی تھیں۔ میں نے اٹھانے کو کہا تو اس نے منع کر دیا۔“ امی نے بتایا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

”کیا کہہ رہے تھے؟“

”یہی کہا کہ وہ پھر فون کرے گا، کچھ غلط میں لگ رہا تھا۔“ امی نے کام میں مصروف رہ کر بتایا۔

”اچھا.....! میں فون کر لیتی ہوں.....!“ وہ کپ رکھ کر لابی میں آ گئی اور گھر کے نمبر ڈائل کئے تو دوسری طرف سعدیہ نے فون اٹھایا۔

”ہمایوں کہاں ہیں.....؟“ اس نے سعدیہ کی آواز سننے ہی بے اختیار پوچھ لیا۔

”بھائی اسلام آباد گئے ہیں.....!“ سعدیہ نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

”خیر بیت.....! رات تو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔“

”کیوں! کیوں میری نہیں ہو سکتی..... کیا صرف اس لئے کہ اس کا شوہر زندہ ہے.....؟ وہ ہمیشہ تو زندہ نہیں رہے گا۔“ وہ پھر اڑ گیا۔

”اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے.....؟“ نشی نے چہیتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
”مجھے نوریہ کے حصول تک زندہ رہنا ہے۔“ وہ گردن اکڑا کر بولا۔
”انتہا زعم اچھا نہیں ہوتا سردار! خدا سے ڈرو.....! کہیں اگر پکڑ ہو گئی تو.....“
”اوہ مائی گاڈ! تمہیں تو موقع ملنا چاہئے.....! فوراً لپکھ کر دینے کھڑی ہو جاتی ہو۔“ حاکم علی نے استہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔
”اچھا.....! ایک بات بتاؤ.....! ابھی تم فون پر کسے ختم کرنے کی بات کر رہے تھے.....؟“ نشی کا ذہن اسی بات میں الجھا ہوا تھا، سنبھل کر پوچھا۔

”کب.....! میں نے کب ایسی بات کی.....؟“ وہ بکسرانجان بن گیا۔
ابھی جب میں کمرے میں آئی تو تم یہی بات کر رہے تھے کہ جہاں بھی نظر آئے ختم کر دو اسے۔ کس کے بارے میں کہہ رہے تھے.....؟“ نشی اس سے اگلوآنے پر مصر ہو گئی۔
”وہ.....! حاکم علی پہلے ہتھیار لگا کر ہٹا پھرتا ہے لگا۔“
”آفس سے فون تھا۔ سائٹ پر کہیں سانپ نکل آیا، میں اُسی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔“
”اچھا.....! نشی اُس کی شریر نظروں سے نظریں چرا کر بولی۔
”خیر.....! آپ بتائیں.....! کیا پروگرام ہے.....؟ کب چلیں گے.....؟“
”تم فاضل دین سے چائے کا کھو.....! میں چیچ کر کے آتا ہوں پھر چائے پی کر چلیں گے.....! حاکم علی پروگرام بنا کر وارڈروب کی طرف بڑھ گیا تو وہ جاتے جاتے اچانک کسی خیال سے پٹ کر بولی۔
”سنو سردار.....! ایک بات مانو گے.....!“

”میں نے کب تمہاری کوئی بات مانی ہے.....؟“ وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔
”مالتے تو نہیں ہو، پھر بھی پہلے تمہیں وعدہ کرنا پڑے گا۔“ نشی نے کہا تو وہ پورا اُس کی طرف گھوم کر پوچھنے لگا۔

”ایسی کیا بات ہے.....؟“
”پہلے وعدہ کرو پھر بتاؤں گی.....!“
”اور اگر میں وعدہ نہ کروں تو.....“

”تو پھر جانے دو.....!“ وہ کندھے اچکا کر جانے لگی کہ حاکم علی تیزی سے اُس کے سامنے آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر بولا۔
”وعدہ.....!“

نشی نے خود کو سہارا دینے کے لئے دروازہ تھام لیا تب ہی حاکم علی موبائل آف کر کے پلٹا اور اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔

”نشی.....! تم کب آئیں.....؟“
”اب.....! ابھی.....! اُس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔
”چلو اچھا ہوا تم آگئیں.....! میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ تمہیں فون کر کے آنے کو کہوں.....!“ وہ کہتا ہوا اُس کے قریب آ گیا پھر مسکرا کر پوچھنے لگا۔
”تمہیں کیا الہام ہوا تھا کہ میں اس وقت گھر پر ہوں گا.....؟“
”ہوں.....! نشی نے سنبھل کر اثبات میں سر ہلایا پھر پوچھنے لگی۔
”چاندنی کہاں ہے.....؟“
”ہوگی یہیں کہیں.....! حاکم علی کی بے نیازی پر وہ تاسف سے گویا ہوئی۔
”کتنے افسوس کی بات ہے.....! تم نے اس لڑکی کو بالکل اکیلا کر دیا ہے جبکہ وہ کوئی اتنی سمجھدار بھی نہیں ہے۔“

”سنو.....! تم اس معاملے میں مذہبی پڑو تو اچھا ہے.....! حاکم علی ٹوک کر کہا۔
”میں آج کل میں اُسے واپس گاؤں چھوڑ آؤں گا.....! وہاں وہ اکیلے نہیں ہوگی۔“
”تمہارے بغیر وہ ہر جگہ اکیلے ہوگی۔ خواہ اُس کے گرد کتنے ہی چاہنے والے ہوں، تم نہیں ہو گے تو اُسے جچا اچھا نہیں لگے گا۔ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے سردار.....! نشی زچ ہو کر بولی۔
”سمجھتا ہوں.....! سب سمجھتا ہوں لیکن اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں جو اس کی طرف بلکہ اب کسی کی طرف بھی مائل ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ بس نوریہ کی رٹ لگا رکھی ہے۔“ وہ بھی عاجز ہو کر بولا۔
”جبکہ یہ طے ہے کہ وہ تمہاری نہیں ہو سکتی.....! نشی نے کندھے اچکا کر بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔

پہنچتے ہی اُسے فون کرے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ شام ہو رہی تھی اور ابھی تک اس کا فون نہیں آیا تھا۔ نور یہ کواب پریشانی کے ساتھ طرح طرح کے وہم ستانے لگے تھے۔ زیادہ اُس کا دھیان حاکم علی کی طرف جارہا تھا کہ اُس نے ہمایوں کو اپنی جانب پر مجبور کر کے کسی کام سے اسلام آباد بھیج دیا ہوگا۔ بہر حال ان ہی واہموں کے ساتھ وہ مسلسل خود بھی ہمایوں کے موبائل پر ٹرائی کر رہی تھی لیکن اُس کا رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ کبھی موبائل آف ملتا کبھی میٹ ورک بڑی اور ہر بار مایوسی کے ساتھ اُس کی پریشانی اور اندیشوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ای کتنی دیر سے اُسے فونٹ کر رہی تھیں آخر پوچھ ہی لیا۔

”نور بیٹا..... اتم کچھ پریشان لگ رہی ہو..... کیا بات ہے.....؟“

”وہ..... امی! ہمایوں..... اُن کا فون نہیں آیا.....“ اُس نے کہا تو امی ہنس کر بولیں۔

”تو بیٹا..... اس میں پریشانی کی کیا بات ہے..... تم خود کرو.....!“

”میں کب سے ٹرائی کر رہی ہوں، چاہتا تھا کہ موبائل آف کر کے بیٹھے ہیں یا کیا ہے.....؟“ وہ اب کوفت میں مبتلا تھی۔

”مجھے تو اس موبائل کی سمجھ نہیں آتی۔ جب وقت پر بات نہیں ہو سکتی تو پھر ایسے فون کا کیا فائدہ.....؟ خیر..... اتم فکر مت کرو۔ ہمایوں ضرور کسی کام میں پھنس گیا ہوگا۔“ امی نے اُسے تسلی دی۔

”یہی بات ہوگی، پھر بھی اُنہیں فون تو ضرور کرنا چاہئے تھا۔“ وہ روئے لہجے میں بولی تھی۔

”اچھا..... اتم اس فکر میں مت بیٹھو.....! جاؤ.....! اپنا دھیان بناؤ.....! جو یہ کہ پاس چلی جاؤ.....!“ ان کے مشورے پر وہ منہ بنا کر بولی۔

”اوں.....! جوجی اس وقت کچن میں مصروف ہوتی ہیں، ٹھیک سے بات بھی نہیں کرتیں۔“

”تو بیٹا.....! مریم بھی تو ہے.....!“ امی نے کہا تب ہی فون کی بیل بج اٹھی تو اُس نے بھاگ کر ریسپونڈر اٹھالیا۔

”السلام علیکم.....!“ دوسری طرف ہمایوں تھا اور وہ خفا تھا۔ سلام کا جواب بھی نہیں دیا، بے اختیار خفگی کا اظہار کرتی۔

”یہ کیا طریقہ ہے ہمایوں.....!“ ایک تو آپ بتا کر نہیں گئے پھر فون بھی نہیں کیا۔“

”اسی لئے نہیں کیا.....!“ ہمایوں نے دھیرے سے کہا لیکن وہ بھی نہیں۔

”کیا مطلب.....؟“

”دیکھنا چاہتا تھا تم شکایت کیسے کرتی ہو.....؟ لڑتی کیسے ہو.....؟ خفا کیسے ہوتی ہو.....؟“ ہمایوں مھوڑا انداز میں کہہ گیا اور وہ ایک دم زور سے بولیں۔

”بہت خراب ہیں آپ.....! چاہے میں جس سے پریشان ہو رہی ہوں۔“

”سوری.....! میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں تھا۔“ ہمایوں اب سنجیدہ ہو کر بتانے لگا۔ بس ایسا

”پکا والا ناں.....! یعنی مردوں والا.....!“ نشی نے اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اُسے دیکھا۔

”بالکل.....! تم اپنی بات کہو.....! نہ مانوں تو یہیں شوٹ کر دیتا۔“ حاکم علی ایک دم بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ تب وہ اُس کا اعتبار کر کے بولی۔

”ہم چاندنی کو بھی ساتھ لے چلیں گے.....!“

”کہاں.....؟“ حاکم علی نے بلا ارادہ اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

”کلب.....! اور دیکھو منع مت کرنا.....! تم وعدہ کر چکے ہو۔“ وہ فوراً بولی اور حاکم علی ہونٹ بھیج کر پھر وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔

”میں چاندنی کو تیار کروں.....؟“ نشی نے اُس کی خاموشی سے اندر ہی اندر خائف ہو کر پوچھا۔

”ہمارے ہاں کی عورتیں.....“ حاکم علی نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”مجھے صرف ہاں یا ناں میں جواب دوسرا.....!“

”وعدہ لے کر تم نے مجھے پابند کر دیا ہے۔ اب میں یہی کہہ سکتا ہوں تمہاری مرضی.....!“ وہ کہہ کر

واش روم میں بند ہو گیا اور نشی بھاگی ہوئی چاندنی کے کمرے میں آگئی۔

چاندنی بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی تھی۔ نشی کو دیکھ کر فوراً اٹھ گئی۔

”ایسے کیوں اکیلی پڑی رہتی ہو.....! چلو کہیں باہر گھومنے چلتے ہیں.....!“ نشی نے کھڑکیوں سے

پردے سینٹے ہوئے کہا۔

”باہر.....!“ چاندنی ڈر کر بولی۔

”ہاں.....! سردار نے کہا ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ.....! پھر باہر چلتے ہیں۔“ نشی نے جگے

پھلکے انداز میں اُس کا حوصلہ بڑھایا لیکن اُسے یقین نہیں آیا۔

”حاکم نے کہا ہے.....؟“

”ہاں بھی.....! اُس نے کہا ہے، میں تمہارے کپڑے نکالتی ہوں۔“ نشی نے کہتے ہوئے اُس کی

وارڈروب کھول لی جس میں زیادہ تر جھلملاتے ہوئے سوٹ تھے۔ ان ہی میں سے ڈھونڈ کر اس نے ایک

ہلکا سا سوٹ نکالا اور اسے جلدی تیار ہونے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

پھر حاکم علی کے ساتھ چائے پیتے ہوئے وہ قصداً ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی تاکہ اُس کا دھیان

چاندنی کی طرف نہ جائے اور جب وہ چائے پی کر اٹھا تب وہ بھاگ کر چاندنی کو اُس کے کمرے سے لے

آئی جسے دیکھتے ہی حاکم علی کی پیشانی پر ناگوار کی لکیریں ابھر آئیں لیکن کیونکہ وہ وعدہ کر چکا تھا اس لئے

کچھ کہنا نہیں اور ان دونوں سے پہلے ہی تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

نور یہ کا سارا دن انتظار میں کٹ گیا کیونکہ سعدیہ نے اُسے ہمایوں کا میسج دیا تھا کہ وہ اسلام آباد

اُس نے بتایا تو روٹی کی چیخ نکل گئی۔

”کیا..... اوہ وہاں کیسے پہنچ گیا.....؟ ہمایوں کو تو بتائیں چلا.....؟“

”سب پتا چل گیا انہیں.....! تم آؤ تو بتاؤں گی، فون پر نہیں بتا سکتی، ڈیڈی آنے والے ہیں، کب آؤ گی.....؟“ آخر میں اُس نے پوچھا تو روٹی دانت پیس کر بولی۔

”پکی چار سو بیس ہو تم.....! جس پھیلا کر پوچھتی ہو کب آؤ گی تاکہ میں منع ہی نہ کر سکوں۔“

”کل صبح سے آ جاؤ.....! سارا دن میرے ساتھ رہنا.....!“

”جی نہیں.....! زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بس جب فرصت ملے گی آ جاؤں گی، ابھی تو اتنا تھکاؤ کہ تم ٹھیک ہونا.....!“ روٹی ایک سانس میں بول رہی تھی۔

”ہاں.....! اور اب سب ٹھیک ہونے والا ہے۔“ وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔

○ ○ ○

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی اور کلب کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ چاندنی کے لئے یہ سب کچھ نیا اور حیران کن تھا۔ حقیقتاً اُس کی سانسیں زک ہوئی تھیں اور اُسے گھن بھی آ رہی تھی۔ جو بھی اُس کے قریب سے گزرتا شراب کی ناگوار مہک سے اُسے الٹا کی آنے لگی۔ دل چاہتا تھا کہ باہر کی کھلی فضا میں چلی جائے لیکن اُس میں چلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ ناگوں میں جیسے جان ہی نہیں رہی تھی۔ بس ایک تک حاکم علی کو دیکھے جا رہی تھی جو لڑکیوں کے جھرمٹ میں راجا اندر بنا سب پر نوازشیں لٹا رہا تھا اور اس پل وہ اُسے خود سے بہت دور لگا۔ صدیوں کی مسافرتیں طے کر کے بھی وہ جیسے اُس تک نہیں پہنچ پائے گی۔ یہ خیال اُسے بار بار آ رہا تھا اور اُس کا تنہا سا دل اپنی پہلی محبت کی زسوائی پر تڑپ تڑپ کر رہ رہا تھا۔ نئی بھی اُسے چھوڑ کر جانے کہاں چلی گئی تھی۔ وہ اس کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی تب ہی کوئی اُس کے قریب چیر پڑے کر بولا۔

”ہیلو سوئیٹی.....!“ وہ چونک کر اُسے دیکھتے ہی ڈر سی گئی۔

”کب سے اکیلی بیٹھی ہو.....! کوئی پارٹنر نہیں ہے تمہارے ساتھ.....!“ اُس شخص نے کہا تو اُس کے منہ سے آتی بدبو سے وہ مزید پریشان ہو گئی۔

”تو پر اہلم.....! میں ہوں ناں.....! آؤ میرے ساتھ.....!“ اُس شخص نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ایک دم کھڑکی ہو کر چینی۔

”حاکم.....!“

”سروا حاکم مست ہو رہا ہے، نہیں سنے گا وہ.....!“ اُس شخص نے کہتے ہوئے اُس کی کلائی تھام لی تو وہ اور زور زور سے چیختی گئی۔ اُس کی چیخوں پر حاکم علی تو متوجہ نہیں ہوا البتہ نئی بھاگی آئی تھی۔

”کیا ہوا چاندنی.....!“

ہے کہ یہاں آتے ہی میرا موبائل کہیں گر گیا پھر مصروفیت کچھ ایسی تھی کہ میں فون نہیں کر سکا۔ آئی میں.....! میں نے جان بوجھ کر تمہیں تنگ نہیں کیا، پھر بھی سوری.....!“

”اب یہ بھی بتا دیں اچانک اسلام آباد کس سلسلے میں جانا ہوا.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”جواب کے سلسلے میں آیا ہوں، رات میرے ایک دوست کا فون آیا تھا۔ اُس نے ایک وکیلسی بتائی اور فوراً آنے کو کہا تو میں نے سوچا یہ چانس مس نہیں کرنا چاہئے۔ یوں بھی وہ شہر نہیں راس نہیں آ رہا۔ پھر ہو سکتا ہے ہماری نئی زندگی کی شروعات یہاں سے لکھی ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے ناں.....!“ ہمایوں نے تفصیل بتا کر اُس سے پوچھا۔

”بتائیں.....! آپ یہ بتائیں پھر کیا رہا.....؟ آئی میں.....! جواب کا.....؟“ وہ اُس کی بات کا جواب دینے سے کتر گئی۔

”امید تو ہے.....! باقی جو اللہ کو منظور ہوگا۔“

”اللہ بہتر کرنے والا ہے اور ہمیں بہتری ہی کی امید کرنی چاہئے، بہر حال اب واپسی کب ہے.....؟“

”جب تم کہو.....! ابھی آ جاؤں.....!“ ہمایوں کے لہجے میں شوق تھی۔

”وہ بات کیا کریں جس پر اختیار ہو.....!“ اُس نے ذرا سانس کر لیا۔

”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو.....! خیر.....! دو تین روز میں آ جاؤں گا، کیا لاؤں تمہارے لئے.....؟“

”بس.....! آپ آ جائیں.....!“ اُس نے بے اختیار کہا اور کریڈل پر ہاتھ رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا لیکن پھر فوراً ہی تیل بجتے لگی تو وہ یہی سمجھی کہ ہمایوں اس کی بات کے جواب میں کچھ کہیں گے اور اُس سے مزید کچھ کہلوانا چاہیں گے۔ جب ہی کریڈل سے ہاتھ ہٹا کر بولی۔

”بس.....! جو کہنا تھا کہہ دیا.....!“

”کیا کہہ دیا.....؟ میں نے تو کچھ نہیں سنا.....!“ دوسری طرف اُس کی دوست روٹی تھی۔

”ہائے روٹی.....!“ وہ اچھل پڑی۔

”بس بس.....! زیادہ جوش دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آواز سن لی تو ہائے روٹی.....! اور نہ تمہیں تو جب سے شادی ہوئی ہے تو فیش ہی نہیں ہوئی۔“ روٹی تارنگی سے بولتی چلی گئی۔

”میری بات تو سنو روٹی.....! یار.....! میں بہت کراؤں اس کا شکار رہی۔ یقین کرو.....! مجھے اپنا ہوش نہیں تھا۔“ اُس نے ہنسنے لگا۔

”کیا مطلب.....! ابھی تمہاری شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے.....! کیا سسرال والے بہت ظالم ہیں.....؟“

اُسے نشی پر بھی اعتبار نہیں تھا، جب ہی اُس کا دل کانپنے جا رہا تھا کہ اب پتا نہیں کرے میں کون آئے گا۔ وہ کبھی ہوئی نظروں سے مسلسل دروازے کو دیکھے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جیسے ہی دروازہ کھلا وہ بے اختیار اُچھل کر کھڑی ہو گئی لیکن پھر نشی کو دیکھ کر دوبارہ اسی انداز میں بیٹھ گئی۔

”اے...! تم سوئی نہیں؟“ نشی نے پوچھا تو وہ نشی میں سر ہلا کر بولی۔

”مجھے نیند نہیں آرہی اور ڈر بھی لگ رہا ہے۔“

”ڈر کیوں؟ کیا مجھ سے ڈر رہی ہو؟“ نشی بچے کو اٹھلائی تھی اس کے لئے بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے پوچھنے لگی۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے بچے کو دیکھنے لگی۔

”ڈر مت...! کم از کم میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی، آؤ...! یہاں لیٹ جاؤ...! نشی بچے کو لٹا کر اُس کے پاس چلی آئی اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔

”یہ بچہ تمہارا ہے؟“ اُس نے بیڈ کے قریب رک کر پوچھا۔

”میرا ہی سمجھو...! نشی ذرا سانس لی تھی۔

”اور تمہارا شوہر کہاں ہے؟“

”وہ یہاں نہیں ہوتا، باہر ہوتا ہے، امریکہ...! نشی نے محض اُس کے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر جھوٹ بول کر گویا اُسے مطمئن کیا۔

”جب ہی...! وہ جانے کس خیال کے تحت بولی، نشی چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

”کیا جب ہی؟“

”تم اتنی رات تک گھر سے باہر رہتی ہو، کوئی پوچھنے والا جو نہیں ہے۔“ اُس کی صاف گوئی پر نشی بے ساختہ ہنس پڑی، بولی کچھ نہیں۔

”ایک بات پوچھوں؟“ قدرے توقف سے اس نے نشی کا ہاتھ ہلا کر کہا۔

”ضرور پوچھو...! نشی پھر اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ حاکم نے مجھے باہر چلنے کو کہا ہے؟ وہ تو ناراض تھا، مجھ سے بات ہی نہیں کی، تم زبردستی مجھے لے گئی تھیں ناں؟“ اُس نے پوچھا تو گہری سانس کھینچنے ہوئے نشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”کیوں...! کیوں لے گئی تھی تم مجھے وہاں؟ حاکم کی اصلیت دکھانے؟“ چاندنی کی اس بات پر کتنی دیر تک نشی اُسے دیکھتی رہ گئی۔ غالباً اُسے اس سیدھی سادی اور کم عمر دیہاتی لڑکی سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

”بتاؤ ناں...! چاندنی نے پھر اس کا ہاتھ ہلایا تو وہ اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

”یہ...! اُس کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہہ نکلے۔ اس شخص کی طرف اشارہ کیا تو نشی اُسے مخاطب کر کے بولی۔

”روہیل پلیز...! اس کا ہاتھ چھوڑو...!“

”ابھی تو میں نے صرف ہاتھ پکڑا ہے...! روہیل کینٹکی سے ہنس۔

”سٹ اپ روہیل...! تم جانتے نہیں یہ کون ہے؟“ نشی نے جھٹکے سے اُس کی گرفت سے چاندنی کی کلائی چھڑاتے ہوئے کہا۔

”یہاں کوئی کسی کو نہیں جانتا ناں ڈیر...! پھر بھی سب اپنے ہیں۔ ویسے یہ حسین چڑیا آئی کہاں سے؟ پہلے تو کبھی اسے نہیں دیکھا...! روہیل نے کہتے ہوئے پھر چاندنی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ فوراً نشی کے پیچھے چھپ کر بولی۔

”حاکم کو بلاؤ...! مجھے یہاں سے لے چلو...!“

”ہاں...! چلو...! نشی اُس کا ہاتھ پکڑ کر حاکم علی کے پاس آگئی اور اُونچی آواز میں اُسے مخاطب کر کے بولی۔

”سرور...! چاندنی پریشان ہو رہی ہے، گھر چلو...!“

”ابھی تو رات باقی ہے...! حاکم علی ہوش میں نہیں تھا۔

”اچھا سنو...! میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں...! نشی نے پھر زور سے کہا لیکن حاکم علی نے کوئی توجہ نہیں دی تب وہ چاندنی کو لے کر باہر آگئی۔

”وہ حاکم...! چاندنی ہچکچوں سے رو رہی تھی۔

”اُس کی فکر چھوڑو...! تم بیٹھو گاڑی میں...! نشی نے گاڑی کا لاک کھول کر اُسے بٹھایا اور ڈرائیونگ پر آگئی اور گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

”تم پلیز...! ارونا بند کرو...!“

”آپ مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟“ چاندنی نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے پوچھا۔

”اپنے گھر کیوں؟“ چاندنی پھر پریشان ہو گئی۔

”کیونکہ سردار اب صبح ہی آئے گا۔ تم اکیلی خواہ خواہ پریشان ہوتی رہو گی۔ اس لئے ابھی میرے ساتھ سونا پھر صبح سردار آکر تمہیں لے جائے گا یا میں خود چھوڑ آؤں گی، سمجھیں...! نشی نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز کر رکھا تو وہ خاموش ہی رہی اور بقیہ راستہ خاموشی میں گزرا۔ پھر گھر آتے ہی نشی اُسے سیدھا اپنے کمرے میں لے آئی اور لینے کا کہہ کر خود پتا نہیں کہاں چلی گئی۔

چاندنی لینے کی بجائے صوفے پر سٹ کر بیٹھ گئی کیونکہ وہ اندر سے بہت خوفزدہ تھی اور سچ تو یہ ہے کہ

کہنے لگی۔

”حاکم کہہ رہا ہے، وہ اسی وقت گاؤں جا رہا ہے، تمہیں لے کر.....!“ وہ کچھ نہیں بولی، خاموشی سے ہاتھوں سے بال ٹھیک کرنے لگی۔

”تم جانا چاہتی ہو.....؟“ نشی نے پوچھا۔

”ہاں.....! یہاں رہ کر کیا کروں گی.....؟“ وہ سادگی سے بولی۔

”حاکم کو اپنا احساس دلانا.....!“ نشی نے کہا تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

”بہت مشکل بلکہ شاید ناممکن ہے اور یہ تم بھی جانتی ہو، پھر کیوں زور دے رہی ہو.....؟“

”کیونکہ میں چاہتی ہوں حاکم علی تمہارا ہو کر رہے، صرف تمہارا.....!“ نشی نے ایماندارانہ طور پر کہا۔

”وہ کسی ایک کا نہیں ہو سکتا، اچھا میں چلتی ہوں.....!“ اس نے کہا کہ فوراً دروازے کی طرف قدم بڑھائے، پر کسی خیال کے تحت ٹک گئی اور پلٹ کر نشی کو دیکھنے لگی۔

”کیا بات ہے.....؟“ نشی کو وہ شش و پنج میں لگی۔

”ایک بات پوچھوں.....! اچھا تو گی.....؟“ اس نے کہا تو نشی نے کچھ ٹھک کر اثبات میں سر ہلادیا۔

”یہ کچھ حاکم کا ہے نا.....!“ وہ پوچھتے ہوئے آزدہ تھی اور نشی دنگ رہ گئی۔

”مان لو.....! کیونکہ یہ بالکل حاکم پر گیا ہے، اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کی پیشانی.....“

”بس.....! اچھا ہو جاؤ چاندنی.....!“ نشی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”میں تو چپ ہو جاؤں گی، اس کے نقش کیسے بدلیں گے.....؟ حاکم نے شادی کی ہے تم سے.....؟“ اس نے نشی پر جتا کر پوچھا۔

”نہیں.....! اور یہ بچہ بھی میرا نہیں ہے.....! میری دوست کا ہے اور حاکم کا اس سے کوئی تعلق نہیں.....! تم خواہ مخواہ بدگمان مت ہو.....!“ نشی نے سنبھل کر صفائی پیش کی پھر دروازہ کھول کر بولی۔

”چلو.....! حاکم انتظار کر رہا ہے.....!“

وہ دست ردی سے نشی کے پیچھے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو حاکم علی انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور نشی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اوکے نشی.....! میں ابھی گاؤں جا رہا ہوں، کچھ دن وہیں رہوں گا۔“

”پھر چاندنی کو لے کر آؤ گے.....؟“ نشی نے بلا ارادہ ہی پوچھ لیا۔

”نہیں.....! یہ یہاں رہنے کے قابل نہیں ہے، چلو چاندنی.....!“ اس نے چاندنی کو سختی سے مخاطب کیا۔ وہ سرجھکائے اس کے پیچھے چل پڑی۔

”بے شک.....! میرا یہی مقصد تھا چاندنی.....! لیکن تم اس بات کو غلط انداز سے لے رہی ہو یعنی میں تمہیں تمہارے حاکم کی اصلیت نہیں ایکٹوئیز دکھانا چاہتی تھی۔ میں چاہتی ہوں تم دیکھو اور سمجھو کہ حاکم کیسی زندگی گزارتا ہے اور اگر تمہیں اس کے ساتھ چلنا ہے تو تمہیں بھی خود کو اس کے رنگ میں ڈھلانا ہوگا۔

اپنے اندر ہمت بیدار کرو اور ہائی سوسائٹی مودو کرنے کے آداب سیکھو.....!“

”کس کے لئے.....؟“ چاندنی کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

”اپنے حاکم کے لئے.....!“ نشی نے اس کا ہاتھ دبایا۔

”حاکم میرا نہیں ہے۔ میں نے جان لیا ہے۔ حاکم بھی میرا نہیں ہو سکتا۔“ چاندنی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

”ارے.....! بے وقوف ہو تم.....! ایسا کیوں سوچ رہی ہو.....؟ تمہیں حاکم کو اپنا کرنا ہے اور تم کر سکتی ہو کیونکہ تم اس کی بیوی ہو۔ دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں ہو جن سے وہ کھلونے کی طرح کھیلا اور دل بھر جانے پر روند کر آگے بڑھ جاتا ہے۔“ نشی نے اس کی گلایاں تمام کر چھوڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو اس نے کھلونا بھی نہیں سمجھا.....!“ وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

”تمہیں کیوں کھلونا سمجھے گا.....؟ تم بیوی ہو اس کی۔ شرعی، قانونی حق رکھتی ہو اس پر۔ اپنا حق جتنا اور لینا سیکھو۔ پھر تمہاری تو بیک بھی مضبوط ہے۔ حاکم کے ماں باپ تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری حیثیت بھی کسی طرح حاکم سے کم نہیں ہے۔ برابری کا دعویٰ کر سکتی ہو تم.....!“ نشی کا بس نہیں چل رہا تھا اسی وقت اسے ہر لحاظ سے مضبوط کر کے حاکم علی کے مقابل کھڑا کر دے لیکن وہ ساری باتیں ایک ساتھ کہاں سمجھ سکتی تھی۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی تب نشی کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

”کاش.....! تم اتنی کم عمر نہ ہوتیں۔ اب تو وقت ہی تمہیں سمجھائے گا۔ خیر.....! اب رونا بند کرو اور سو جاؤ.....!“ نشی کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور زیر پاؤں کا دم بلم بلم جلا کر ٹوب لائٹ آف کر دی پھر آکر لیٹ گئی اور کچھ دیر میں سو بھی گئی۔ جبکہ اس کی نیند ہی اڑ گئی تھی۔ دل پر کیسی کیسی قیامتیں گزر رہی تھیں یہ وہی جانتی تھی۔ اگر بے بے کے پاس ہوتی تو ان کی گود میں سر رکھ کر تڑپ تڑپ کر روتی۔ اب نیچے میں منہ چھپائے گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ معاد میان میں سو یا بچہ جج کر دیا تو وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نشی بے خبر سو رہی تھی۔ اس نے پہلے بچے کو تھپک کرسلانے کی کوشش کی پھر گود میں اٹھایا تو بچہ چپ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اسے جھلانے کے ساتھ بھی اس کی ناک پونچھتی، کبھی ہونٹ کبھی آنکھیں اور اس طرح اس کی دھڑکنیں کبھی تیز ہوتیں کبھی معدوم ہونے لگتیں۔ پھر وہ اسے بازوؤں میں لے کر لیٹ گئی اور اس کے ساتھ خود بھی سو گئی۔

اور کیونکہ رات کے اختتامی مراحل میں وہ سوئی تھی اس لئے صبح آنکھ ہی نہیں کھلی۔ بہت دن چڑھا آیا تھا جب نشی نے اسے اٹھا کر حاکم علی کے آنے کا بتایا تو وہ اٹھ کر واش روم چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر آئی تو نشی

ہمایوں کا خاصہ اُمید تھا کہ اسے اسلام آباد میں نہ صرف جابل جائے گی بلکہ عنقریب ڈیوٹی بھی جوائن کرنی پڑے گی اور اس بات سے جہاں وہ خوش تھا وہاں اسے یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ وہ نور سے باہر جانے کی بات کر چکا تھا اور ابھی یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ وہ یا تو جابل کرنا یا اپنی مون پر نکل جانا اور کیونکہ وہ جذباتی نوجوان نہیں تھا پھر اسے اپنی ذمے داریوں کا بھی احساس تھا اس لیے اس نے جابل کو ترجیح دی اور فی الحال باہر جانا ملتوی کر کے ایک نیا پروگرام بنا ڈالا اور اسی وقت نور یہ کوفون کیا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

”آپ آگئے؟“

”کیاں؟“ وہ اس کی بے قراری سے مظلوظ ہو رہا تھا۔

”نہیں! اور ابھی میں اپنے ٹکٹ کینسل کروا رہا ہوں۔“ اس نے کہا تو اب وہ کچھ حیران ہوئی۔

”کیوں؟“

”کیونکہ یہاں کا موسم بہت خوبصورت ہے اور اگر ایسے موسم میں تم ساتھ ہو تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔ آئی مین! تم یہاں آ جاؤ! یہاں سے پھر ہم سوات کا قان وغیرہ چلیں گے، کیاں خیال ہے؟“

”ہمایوں نے پروگرام بنا کر اسے پوچھا تو وہ دھیرے سے بولی۔

”جیسے آپ کہیں!“

”ہاں! بس تم آ جاؤ! صبح معلوم کرو جو بھی فلائٹ ہے پھر سیٹ کنفرم ہوتے ہیں مجھے فون کر دینا، اوکے!“ وہ اس کی آمد کے خیال سے خوش محسوس کر رہا تھا۔

”لیکن یہ سب... آئی مین! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ جانے کیا معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔

”میں سب سمجھا دوں گا، بس تم آ جاؤ!“ اس کے ذمے معنی انداز پر ادھر وہ غالباً بیٹش ہو گئی تھی جب ہی کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا تو وہ ہنس پڑا۔ پھر گھر فون کر کے اس نے اپنی امی کو اپنے وہاں مزید قیام کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ وہ نور یہ کو بلا رہا ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے وقت کا نفاذ واقعی مشکل

نور یہ، روپی کے آنے سے خوش ہو گئی تھی۔ اتنے دنوں بلکہ مہینوں بعد اسے اچھی دوست اور ہمارا ساتھی کی رفاقت میسر آئی تھی تو وہ اس کے ساتھ اپنے کمرے میں بند ہو گئی اور شادی کے بعد کے تمام حالات اسے بتائے۔ روپی حیرت سے سنتی رہی تھی، آخر وہ کہنے لگی۔

”اللہ کرے!...! ہمایوں کی اسلام آباد میں جابل ہو جائے تو پھر وہ وہیں شفٹ ہو جائیں گے۔“

”نہیں نور!...! یہ ٹھیک نہیں ہے!...! اب جبکہ ہمایوں تمہارے ساتھ ہیں تو تمہیں یہیں رہ کر باقاعدہ اس کا مقابلہ کرنا چاہئے تاکہ ایسے لوگوں کو سبق ملے کہ وہ بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔“ روپی نے جوش سے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو!...! لیکن خواہ خواہ کی ٹینشن، بندہ دوسرے کاموں سے بھی رہ جاتا ہے اور پھر میں تمہیں بتاؤں روپی!...! وہ چین سے بیٹھنے والا نہیں ہے، عجیب جنونی شخص ہے۔ مجھے ابھی بھی اس کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔ پتا نہیں کب کیا کر ڈالے!...!“

”کچھ نہیں کر سکتا!...! فضول میں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ روپی نے ٹوکا۔

”میں فضول میں نہیں ڈر رہی روپی!...! تم نے اس کی ڈھٹائی نہیں دیکھی، کس دھڑلے سے ویسے والے روز اسٹیج پر چلا آیا، پھر اپنے گھر بلا کر... یقین کرو!...! میں ابھی بھی سوچ کر کانپ جاتی ہوں۔“

اس نے بھر بھری لی۔

”کم آن یار!...! جو ہونا تھا ہو گیا!...! بھول جاؤ سب اور اب آنے والے دنوں کو سوچو!...!“

روپی نے اس کا ہاتھ دبایا پھر پوچھنے لگی۔

”ہنی مون نور کتنے دنوں کا ہے؟“

”پتا نہیں!...! اگر ہمایوں کی اسلام آباد میں جابل ہو گئی تو پھر شاید باہر کا پروگرام رہ جائے گا۔“

خیر! مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں ہمایوں جلدی سیٹ ہو جائیں کیونکہ یہاں بھی میں عملی کر رہی ہوں کہ میری وجہ سے ان کی جابل گئی۔ وہ کچھ عجیب سے احساس میں گھر گئی تھی۔

○○○

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔۔۔۔!“ روٹی اچھل کر بولی۔
”کیوں۔۔۔۔۔! اس میں دماغ ٹھیک یا خراب ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔۔۔؟ ماشاء اللہ۔۔۔۔۔! اتنا ہیڈ سم ہے میرا کزن۔۔۔۔۔!“ اس نے اترا کر نعمان کی تعریف کی۔
”تو وہ ہیڈ سم تمہیں نظر کیوں نہیں آیا۔۔۔۔۔؟ جبکہ وہ تمہیں پسند بھی کرتا تھا۔“ روٹی نے نعمان کے پسند کرنے پر زور دیا۔
”نہیں روٹی۔۔۔۔۔! ہمارے درمیان پسند و ناپسند کا کوئی معاملہ نہ تھا نہ ہے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔
”اچھا بابا۔۔۔۔۔! تم اتنا سیریس مت لو۔۔۔۔۔!“ روٹی نے موضوع ختم کرنا چاہا۔
”لیکن تمہیں سیریس ہونا پڑے گا کیونکہ میں مذاق نہیں کر رہی، سمجھیں۔۔۔۔۔!“
”سوچنا ضرور۔۔۔۔۔! انوی اچھا لڑکا ہے۔۔۔۔۔!“ اس نے پھر اصرار سے کہا تو روٹی ہاتھ جوڑ کر بولی۔
”اچھا بھئی۔۔۔۔۔! سوچ لوں گی لیکن تم خدا کے لیے ابھی اس سے کچھ مت کہنا۔۔۔۔۔!“
”نہیں۔۔۔۔۔! تمہارے سوچنے اور پھر ہائی مہرنے کے بعد اس سے بات کروں گی۔۔۔۔۔!“ وہ کہہ کر شرارت سے ہنسی لیکن پھر اپنی بات پر قائم نہیں رہی اور روٹی کے جاتے ہی نعمان کے پاس بھاگی آئی۔
”نومی۔۔۔۔۔! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ اس کے انداز میں حد درجہ بے صبری تھی جب ہی نعمان کچھ ٹھیک کر پوچھنے لگا۔
”خیریت تو ہے۔۔۔۔۔؟“
”ہاں ہاں۔۔۔۔۔! سب خیریت ہے۔ بس تم وعدہ کرو میری بات کو مذاق میں نہیں اڑاؤ گے۔۔۔۔۔!“
”نہیں اڑاؤں گا۔۔۔۔۔! تم کہو۔۔۔۔۔!“ نعمان کو اب تجسس ہوا تھا۔
”وہ میری دوست روٹی ہے ناں۔۔۔۔۔! تم اس کے ساتھ شادی کر لو۔۔۔۔۔!“ وہ بغیر کسی تمہید کے کہہ چکی وہ بھی یوں جیسے یہ کام ابھی کرنے والا ہو۔
”بابا بابا۔۔۔۔۔!“ نعمان بے ساختہ زور سے ہنسا پھر ہنستا چلا گیا۔
”نومی کے بچے۔۔۔۔۔!“ وہ دانت چیس کر بولی۔
”میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا۔۔۔۔۔!“
”لطیفہ۔۔۔۔۔! ہاں۔۔۔۔۔! یہ لطیفہ ہی تو ہے۔۔۔۔۔!“ وہ ہنسی کے درمیان بولا۔
”انتہائی فضول ہو تم۔۔۔۔۔! میں اب کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔“ وہ ناراض ہو کر جانے لگی کہ نعمان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
”ارے ارے۔۔۔۔۔! ناراض کیوں ہوتی ہو۔۔۔۔۔؟ میں تمہاری بات پر تو نہیں ہنس رہا۔“
”پھر۔۔۔۔۔؟“

ہو گیا تھا۔

○○○

”تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا، سب کچھ اس لو فرکی وجہ سے ہوا ہے۔ ویسے نور۔۔۔۔۔! میں حیران ہوں تم میں ایسی کیا خاص بات ہے جو بندہ بالکل ہی پاگل ہو گیا۔۔۔۔۔؟“ آخر میں روٹی نے ہلکے پھلکے انداز میں اس کے بازو میں چنگلی کاٹ کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
”بس یونہی ہنستی رہو اور اب خدا کے لیے۔۔۔۔۔! کچھ کھلا پلا دو۔۔۔۔۔! اکب سے بھوکی پیاسی بیٹھی ہوں۔“ روٹی نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا، پھر تکیہ کھینچ کر لیٹ گئی۔
”سوری یار۔۔۔۔۔! اب اتوں میں مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ خیر۔۔۔۔۔! اب لیٹو مت۔۔۔۔۔! چلو کھانا کھاتے ہیں۔ پھر میں تمہیں اچھی سی چائے پلاؤں گی۔“ اس نے اٹھتے ہوئے روٹی کا ہاتھ کھینچ کر اسے بھی اٹھا دیا۔
پھر کھانے کے دوران روٹی اس کی آئندہ زندگی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے مسلسل اسے چھیڑتی رہی جس سے وہ ریٹیکس ہو گئی تھی۔ اس کے بعد چائے بنا کر وہ پھر روٹی کو اپنے کمرے میں لے آئی اور اب دونوں اپنے طالب علمی کے زمانے کو یاد کر رہی تھیں۔ طالب علمی کا سنہرا دور کبھی نہیں بھولتا، انسان خواہ اپنی زندگی میں کتنا خوش، کتنا مطمئن ہو پھر بھی اس دور کے لوٹ آنے کی شدت سے تئیرا کھتا ہے۔ شاید اس لیے کہ بے فکری، آزادی اور ہر امتحان کی پہلے سے آگاہی! جبکہ پریکٹیکل لائف میں امتحان آزمائش بن کر آتا ہے اور وہ بھی بغیر بتائے جب ہی انسان بوکھلا جاتا ہے لیکن جوان آزمائشوں پر ثابت قدم رہتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ بہر حال اس وقت کو یاد کرتے ہوئے اچانک روٹی کو نعمان کا خیال آیا تو پوچھنے لگی۔
”سنو۔۔۔۔۔! تمہارا وہ کزن کیسا ہے۔۔۔۔۔؟“
”کون۔۔۔۔۔! نومی۔۔۔۔۔! ہاں ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! اس نے بھی میرا بڑا ساتھ دیا لیکن وہ جھنجھلا تا بہت ہے۔“ اس نے بتایا تو روٹی ہنس کر بولی۔
”تمہاری حماقتوں پر جھنجھلا تا ہوگا۔ کیا کر رہا ہے آج کل۔۔۔۔۔؟“
”جواب۔۔۔۔۔! اور ابھی برسوں میں نے اس سے کہا کہ اب شادی بھی کر لو تو گھر گیا کہ تم لڑکیوں کو ہر بات کی جلدی ہوتی ہے۔“ اس نے اب محفوظ ہو کر نعمان کی بات دہرائی پھر ایک دم کسی خیال سے روٹی کا ہاتھ تھام کر پوچھنے لگی۔
”سنو۔۔۔۔۔! تمہیں کیسا لگتا ہے۔۔۔۔۔؟“
”کون۔۔۔۔۔؟“ روٹی ابھی نہیں تھی۔
”نعمان۔۔۔۔۔! میں نومی کا پوچھ رہی ہوں تمہاری بات چلاؤں اس سے۔۔۔۔۔؟“ نور نے شوفی سے کہا۔

”شوق نہیں تھا تو منع کر دیتا۔ چاندنی کے لیے کیا کمی تھی؟“

”مجھے بھی کمی نہیں ہے۔ رکھیں اسے اپنے پاس اور تم بھی سنو چاندنی! خبردار! آئندہ اپنی منگوں شکل لے کر میرے پاس مت آنا۔“ وہ آخر میں اس پر چلایا اور تیزی سے بڑھیاں بھلا لگتا ہو اُپر چلا گیا۔

”دماغ پھر گیا ہے اس کا، کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے، میں اس کے بابا سے بات کروں گی۔“ اپنے آپ بولتے ہوئے بے بے کی نظر چاندنی پر پڑی۔ اس کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا۔

”ہائے چاندنی! میری دھی! بے بے نے اسے کھینچ کر سینے سے لگایا تو وہ یوں ٹوٹ کر روئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا، بے بے کبھی اسے بازوؤں میں بھرنے کی کوشش کرتیں، کبھی اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتیں، پھر بشیراں کو پکار کر پانی لانے کو کہا۔ فوراً ہی بشیراں پانی لے آئی تو بے بے نے پہلے اس کے منہ پر چھینے مارے پھر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ساتھ ساتھ پچھارتی بھی جاری تھیں۔

”نہرو۔! میری دھی! نہرو۔! اچھا ہوا تو آگئی، تیرے بغیر میرا بھی دل نہیں لگتا۔“ چاندنی کچھ نہیں بولی۔ پانی پی کر اٹھی اور جا کر پلنگ پر لیٹ گئی تو بے بے اس کے سر ہانے آ بیٹھیں اور اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔

”بے بے۔! کتنی دیر بعد وہ بے بے کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

”میں اب کبھی شہر نہیں جاؤں گی اور حاکم سے بھی کبھی بات نہیں کروں گی۔ اس کے سامنے بھی نہیں جاؤں گی پردہ کروں گی اس سے۔“

”گلی! امیاں سے پردہ کرے گی؟“ بے بے اس کی آخری بات پر بے ساختہ ہنس کر بولیں۔

”نہیں ہے وہ میرا میاں! ادھر شہر میں پتا نہیں کس کس کامیاں بنا پھرتا ہے۔“ وہ تڑخ کر بولی۔

”یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟“ بے بے پریشان ہو گئیں۔

”ٹھیک کہہ رہی ہوں بے بے! یہاں تو بڑا شریف بنا پھرتا ہے، کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا اور ادھر شہر میں صرف لڑکیوں سے دیتی ہے۔“ وہ تحفہ سے بول رہی تھی۔ بے بے نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”بس! چپ کر جا چاندنی!۔“

”چپ کرانا ہے تو گلابا کر مار ڈالو مجھے!۔“ وہ پھر رونے لگی۔

”تجھے مار ڈالوں تو آپ کیسے جیوں گی میری جھلی دھی!۔“ بے بے اسے پچھارتے ہوئے پھر بازوؤں میں بھرنے لگی تھیں کہ حاکم علی دروازے میں آ کھڑا ہوا اور غصے سے کہنے لگا۔

”اپنے آپ پر ہنس رہا ہوں۔ خیر! تم بتاؤ! کیا کہہ رہی تھیں؟“ نعمان بمشکل خود کو سنجیدہ ٹھاہر کر پایا۔

”کچھ نہیں!۔“ وہ ہنوز روٹھی ہوئی تھی۔

”کم آن یار!۔“ نعمان نے اسے کھینچ کر ہٹایا پھر کہنے لگا۔

”تم میری شادی کی بات کر رہی تھیں تو بے وقوف!۔ تمہیں سوچنا چاہیے کہ میں ابھی روزگار سے لگا ہوں۔ اتنی جلدی شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ پھر یہ میرے اختیار میں بھی نہیں ہے۔ اللہ سلامت رکھے میرے ماں باپ کو، جیسا وہ چاہیں گے اور میرا خیال ہے امی ابو پہلے ردا کی شادی کرنا چاہیں گے، یہی مناسب ہے۔“

”بالکل!۔! یہی مناسب ہے۔ میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا کہ فوراً سر پر سہرا بجالاؤ!۔“ وہ اب اپنی خجالت مٹانے کو بولی۔

”چلو!۔! جب بھی سہرے کے پھول کھلنے کا وقت آئے گا تب میں پہلے تمہاری دوست کے بارے میں سوچوں گا۔ بشرط تب تک اس کی شادی نہ ہوئی ہو، ٹھیک!۔! وہ واقعی سنجیدہ ہو گیا تھا اور نور یہ کے پاس اب کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

○ ○ ○

حاکم علی نے تمام راستے چاندنی سے کوئی بات نہیں کی تھی اور اب چاندنی کو بھی اس کی بے اعتنائی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بالکل بے حس ہو چکی تھی۔ شاید دکھ کی انتہا پر اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی تھی۔ یہ اس کے لیے بڑا دکھ تھا کہ وہ شخص جسے اس نے اپنا سب کچھ مان لیا تھا وہ اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں ہو سکا تھا۔ گو کہ وہ بہت زیادہ حقیقت پسند نہیں تھی بلکہ ابھی تو اسے حقیقت اور فریب میں کچھ زیادہ تیز بھی نہیں تھی البتہ یہ وہ جانتی تھی کہ حاکم علی کے مقابلے میں وہ بہت کمزور ہے اور شاید اسی لیے اس نے اپنی بارمان لٹی تھی اور اس بار کو جیت میں بدلنے کے جتن وہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ بھی وہ جانتی تھی جب ہی سارے ہتھیار ڈال کر آ زردہ بیٹھی تھی اور حاکم علی کو تو وہ ہمیشہ ایسی ہی لگتی تھی روئی ہوئی۔ جب ہی اس نے محسوس نہیں کیا بلکہ وہ دوسرے سے اس کے وجود سے ہی منکر تھا، البتہ جب گھر میں داخل ہوا تب ایک دم اس کی کلائی تھام لی اور بڑی بے رحمی سے اسے بے بے کے سامنے دھکیل کر غصے سے کہنے لگا۔

”جب میں نے کہا تھا کہ اسے نہیں رہنا ہے تو پھر یہ میرے پاس کیوں آئی؟ کیوں بھیجا آپ نے اسے میرے پاس؟“

”تو اور کس کے پاس بھیجتی؟“ تجھ سے شادی ہوئی ہے اس کی۔“ بے بے یوں بھی ان دنوں چاندنی کی محبت میں سب سے نالاں تھیں، جب ہی انیس حاکم علی پر غصہ آ گیا۔

”آپ لوگوں کے کہنے پر میں نے اس سے شادی کی، مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔“ وہ مزید دھاڑا۔

”تو اور کس کے پاس بھیجتی؟“ تجھ سے شادی ہوئی ہے اس کی۔“ بے بے یوں بھی ان دنوں چاندنی کی محبت میں سب سے نالاں تھیں، جب ہی انیس حاکم علی پر غصہ آ گیا۔

”آپ لوگوں کے کہنے پر میں نے اس سے شادی کی، مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔“ وہ مزید دھاڑا۔

”تو اور کس کے پاس بھیجتی؟“ تجھ سے شادی ہوئی ہے اس کی۔“ بے بے یوں بھی ان دنوں چاندنی کی محبت میں سب سے نالاں تھیں، جب ہی انیس حاکم علی پر غصہ آ گیا۔

”آپ لوگوں کے کہنے پر میں نے اس سے شادی کی، مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔“ وہ مزید دھاڑا۔

”نہیں ہوں گی اور ابھی بھی میں غافل نہیں تھی آپ ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔“ اس نے یقین سے کہا۔

”کیا.....! کیا سوچ رہی تھیں میرے بارے میں.....؟“ ہمایوں نے فوراً پوچھا۔
”یہی کہ آپ اکیسے کیسے رہیں گے.....؟ پر اہم ہوگی آپ کو کھانے وغیرہ کی بھی.....“ اس نے کہا تو وہ پڑ سوچ انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

”ہوں.....! ہوگی تو لیکن مجبوری ہے.....! اس لیے تو میں کہہ رہا ہوں کہ دعا کرنا جلدی گھر مل جائے۔“

”انشاء اللہ.....! مل جائے گا اور آپ ایک وعدہ کریں.....!“ اس نے کہا تو ہمایوں نے فوراً اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

”جو چاہے اور جتنے چاہے وعدے لے لو.....!“

”بہت سارے نہیں.....! بس ایک وعدہ.....! آپ کبھی مجھ سے بدگمان نہیں ہوں گے۔“ اس نے کہتے ہوئے ہمایوں کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”وعدہ.....!“ وہ اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

”یہی وعدہ تم بھی کرو.....!“

”نہیں.....!“ وہ شرارتاً ہنس کر بولی۔

”میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کروں گی.....!“

”کیوں.....؟“ وہ گھورنے لگا۔

”کیونکہ سنا ہے مردوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔“

”یہ تم نے ٹھیک سنا ہے.....!“ ہمایوں اس کے شریر انداز پر محظوظ ہو کر بولا۔

”گویا آپ اعتراف کر رہے ہیں.....!“ اس نے آنکھیں دکھائیں۔

”میں تمہیں جھٹانا نہیں چاہتا.....!“ اب ہمایوں اسے تنگ کر رہا تھا۔

”آپ جھٹلا سکتے بھی نہیں کیونکہ یہی سچ ہے.....!“ وہ روٹھ گئی۔

”یہ بے ایمانی ہے نور.....! مذاق تم نے شروع کیا تھا پھر میری بات کا برا کیوں مانتی ہو.....؟“

ہمایوں نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا لیکن وہ ہنوز روٹھے لہجے میں بولی۔

”نہیں.....! کام کرنے دیں ورنہ فلائیٹ مس ہو جائے گی۔“

”اوہو.....!“ ہمایوں نے فوراً ٹائم دیکھا۔

”جلدی کرو یا.....! بہت کم وقت رہ گیا ہے..... میں عکسی کے لیے فون کرتا ہوں..... تم تیار ہو.....“

”ہاں.....!“

”بے ہے.....! اسی کے ساتھ لاڈ کرتی رہیں گی، میرا کوئی خیال نہیں، چائے تک نہیں پوچھی کسی نے.....“ پھر آگے آکر چاندنی کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”یہ کیوں رو رہی ہے.....؟“

چاندنی نے فوراً تنکلی کھینچ کر منہ پر رکھ لیا تو بے اس خیال سے کہ کہیں حاکم علی اس پر غصہ نہ کرے فوراً اٹھتی ہوئی بولیں۔

”چل تو جا چا کے.....! میں تیرے لیے چائے بھیجتی ہوں، کچھ کھائے گا بھی.....؟“

”نہیں.....! بس چائے بھیج دیں.....!“ وہ کہہ کر واپس چلا گیا تو بے چاندنی کا کندھا ہلا کر بولیں۔

”چل تو بھی بس کر چاندنی.....! رو رو کر خود کو ہلکان نہ کر.....! اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لے میں تیرے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔“

”مجھے نہیں کھانا کچھ بھی، اسی کو کھلاؤ جا کر.....!“ چاندنی نے چادر کھینچ کر مرہٹک تان لی تو بے چاندنی ہوتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

○ ○ ○

زندگی ایسا ایک بہت خوبصورت لگنے لگی تھی۔ نور یہ اور ہمایوں دونوں ایک دوسرے کی شگفت میں بہت خوش تھے۔ گزشتہ دنوں کی ساری باتیں بھلا کر حال میں مست دونوں خوبصورت وادیوں میں بہت انجوائے کر رہے تھے اور یہ وقت جیسے پر لگا کر اڑا تھا۔ وہاں سے کال آگئی پہلی تاریخ سے اسے ڈیوٹی جوائن کرنا تھی اور پہلی تاریخ میں صرف پانچ دن تھے۔ تب واپسی کی تیاری کرتے ہوئے وہ اس سے کہنے لگا۔

”نور.....! اب تمہارے ہمار ہنا بہت مشکل ہوگا۔ دعا کرنا جلدی گھر وغیرہ کا انتظام ہو جائے۔“

”ہو جائے گا.....!“ وہ پیکنگ میں مصروف تھی، اسی مصروف انداز میں کچھ بے نیازی سے بولی تو وہ اس کے قریب چلا آیا۔

”کیا ہو جائے گا.....؟“

”ہیں.....!“ وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

”وہی.....! جو آپ کہہ رہے ہیں.....!“

”کیا کہہ رہا ہوں میں.....؟“ وہ شریر مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر اسے دیکھنے لگا۔

”مجھے نہیں پتا.....!“ وہ زرخ موڑنے لگی تھی کہ ہمایوں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

”سنو.....! میں تمہارے ساتھ بہت لمبی عمر بتانا چاہتا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے غافل نہ ہو۔“

بھی اسی گھر میں ہوئی ہے۔ آس پاس کے سب لوگ جاننے والے اور بہت اچھے ہیں۔“ امی نے اسے اطمینان دلایا پھر کہنے لگیں۔

”چلو! یہ تم آتے ہی کیا مسئلے کر بیٹھ گئے؟ جاؤ! نہادھو کر فریش ہو! میں سعدیہ سے چائے کا کہتی ہوں یا کھانا کھاؤ گے؟“

”نہیں! کھانا تو ابھی نہیں! بس چائے! وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔“

نوریہ کیلے بالوں میں برش کر رہی تھی اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

”کیا رہا! آئی مین! امی جانے پر تیار ہوئیں؟“

”نہیں! کہہ رہی ہیں سعدیہ کی شادی تک بیٹیں رہیں گی۔ خیر! انہیں میں منالوں گا، یہ بتاؤ! ابھی تمہارا کیا پروگرام ہے؟“ ہمایوں نے واٹر روب کھولتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو کیسے پتا کہ میرا کوئی پروگرام ہے!“ وہ حیرت سے بولی۔

”تو اور کسے پتا ہوگا؟“ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”جناب! پھر تو آپ کو پروگرام کا بھی پتا ہونا چاہیے!“ وہ یوں بولی جیسے اگر اسے پتا نہیں ہوگا تو مذاق اڑائے گی۔

”اوکے! میں شاور لے لوں پھر تمہیں تمہارے ڈیڈی کے گھر لے جاؤں گا!“ وہ مسکرا کر بولا۔

”مائی گاڈ! آپ تو! نوریہ نے اچھل کر اس قدر کہا تھا کہ وہ اس کی ناک چھو کر بولا۔

”دل کی بات جان لیتا ہوں اور صرف تمہارے دل کی!“

”اچھا! زیادہ اتر آئیں نہیں! جلدی شاور لے کر آئیں!“ وہ اسے دھکیل کر کمرے سے نکل گئی۔ پھر چائے کے بعد امی سے اجازت لے کر دونوں گھر سے نکلے تو اس وقت ان دونوں کو یہی

لگ رہا تھا کہ شادی کے بعد وہ پہلی بار یکے جا رہے ہیں۔ ہمایوں اسے چھینر رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر شریکیں مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ کوئی جواب بھی نہیں سوچ رہا تھا جب ہی شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ اسلام آباد جتنا پتہ سکون تھا یہاں اتنی ہی افراتفری۔ وہ غیر ارادی طور پر دونوں شہروں کا موازنہ کرنے لگی تھی کہ اپنے چہرے پر بے نام سی پیش محسوس کر کے اس نے چونک کر دیکھا۔ برابر والی گاڑی میں بیٹھا حاکم علی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ بری طرح سلگ گئی اور فوراً چہرہ موڑ کر کن

اکھیوں سے ہمایوں کو دیکھنے لگی کہ کہیں اس نے تو حاکم علی کو نہیں دیکھا لیکن وہ ٹریفک جام پر جھنجھلا رہا تھا، تب اس نے غیر محسوس طریقے سے اپنی طرف کا گلاس چڑھا دیا اور سامنے سے کیسٹ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ جبکہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ یہاں سے خیریت سے نکل جائے کیونکہ اب وہ اپنی زندگی پر اس کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔

”ہوں! اس نے سوٹ کیس بند کر دیا پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔“

”میں بل بے کر کے آتا ہوں، تم جب تک اپنا موڈ ٹھیک کرو!“ ہمایوں کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

000

پُر فضا مقامات اور پھر ہمایوں کی سنگت نے اسے مزید نکھار دیا تھا۔ وہ واقعی بہت خوش تھی اور اندرونی خوشی اس کے چہرے پر چھلکنے لگی تھی۔ ہمایوں کی امی نے بے ساختہ اس کی بلائیں لیں اور سعدیہ تو اس سے پلٹ گئی۔

”ماشاء اللہ! بھابی! اسلام آباد کی فضا آپ کو بڑی راس آئی ہے۔ ایمان سے بہت پیاری ہو گئی ہیں۔“

”اچھا! وہ جھینپ سی گئی۔“

”اگر کچھ دن اور رہیں تو پتا نہیں کیا سے کیا ہو جاتیں!“ سعدیہ کو اس پر بہت پیارا رہا تھا۔

”اب کچھ دن نہیں بلکہ ہم مستقل وہیں رہیں گے۔“ ہمایوں نے کہا تو امی پوچھنے لگیں۔

”کیا مطلب؟“

”وہاں میری جاب ہو گئی ہے امی! پہلی تاریخ سے مجھے ڈیوٹی جوائن کرنی ہے پھر میں گھر وغیرہ کا انتظام کر لوں تو آپ سب وہیں آ جائے گا۔“ ہمایوں نے امی کے پاس بیٹھ کر انہیں بتایا۔

”یہ تو بہت مشکل ہے!“ امی سوچتے ہوئے بولیں۔

”کیا مشکل ہے؟“

”بیٹا! میں اپنا گھر کیسے چھوڑ دوں؟ پھر سعدیہ کے ایک دو اچھے رشتے آئے ہوتے ہیں انہیں بھی دیکھنا ہے اور تمہیں یہ بیٹھے بٹھائے اسلام آباد جاب کی کیا سوچھی؟ یہاں ماشاء اللہ! اچھی جاب ہے تمہاری!“ امی نے نہ جانے کی توجیح کے ساتھ کہا۔

”نہیں امی! میں نے آپ کی پریشانی کے خیال سے آپ کو بتایا نہیں تھا، میری یہاں والی جاب ختم ہو چکی ہے اور میں اسلام آباد جاب کے سلسلے میں ہی گیا تھا اور یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ فوراً ہی کال آ گئی ورنہ آپ کو پتا ہے جاب آسانی سے نہیں ملتی۔“ ہمایوں دھیرج سے بول رہا تھا۔

”چلو! یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ جاب مل گئی اور جہاں تک ہم سب کے وہاں جانے کی بات ہے تو بیٹا! سعدیہ کی شادی تک تو میں کہیں نہیں جاسکتی البتہ نوریہ کو تم گھر کا انتظام کر کے لے جانا۔“ امی نے کہا تو وہ الجھ گیا۔

”لیکن امی! آپ اور سعدیہ اکیلی کیسے رہیں گی؟“

”مجبوری ہے! پھر فکر کی کوئی بات نہیں، ہم برسوں سے یہاں رہ رہے ہیں بلکہ سعدیہ تو پیدا

”نہیں.....!“

”تو پھر تو آ کیوں گئی.....؟ رہتی اس کے پاس.....!“ ظفر کی اس بات کا اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تو چیخ کر بولی۔

”بے بے.....! ظفر آیا ہے.....! بلا اسے اپنے پاس.....!“

”جھوٹی ہے تو.....! کی جھوٹی.....!“ ظفر اس سے کہتا ہوا اندر چلا گیا۔

”سارے جھوٹے ہیں یہاں.....! کوئی سچا نہیں ہے.....!“ وہ زہر خند سے بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اب اسے حاکم علی کا انتظار نہیں تھا تو جیسے زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔ سارا دن بولائی بولائی پھرتی اور بے بے کو بھی منہ نہ لگاتی۔ شاید حاکم علی کی بے وفائی کا بدلہ وہ بے بے سے لے رہی تھی۔ جس کام کو وہ کہتیں منع کر دیتی اور جس کام سے وہ منع کرتیں یہ کرنے کھڑی ہو جاتی۔ بے بے کو اس کی ان حرکتوں سے دکھ ہوتا لیکن وہ اس کی کیفیت بھی سمجھ رہی تھیں جب ہی زیادہ روک ٹوک نہیں کر رہی تھیں بس اندر ہی اندر کڑھتی رہتیں۔ کسی وقت پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ ایک دم تھکے سے اکھڑ جاتی کیونکہ اب اسے بے کا پیار بھی دکھاوا لگتا تھا۔

”بس بے بے.....! یہ لاؤ پیار اپنے حاکم کے ساتھ کیا کرو.....! مجھے نہیں اچھا لگتا.....!“ بدتمیزی سے کہتی۔

”تو تجھے کیا اچھا لگتا ہے.....؟“ اس وقت بے بے نے عاجزی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں.....! بس میرا دل چاہتا ہے زہر کھا کر مر جاؤں.....!“ اس نے تڑخ کر جواب دیا۔

”میرے تیرے دشمن.....! پتر.....! ایسے نہیں دل چھوٹا کرتے، ہمت پکڑ، چل تجھے مرشد سائیں کے پاس لے چلوں.....!“ بے بے نے اسے پکارتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جاتی.....!“ وہ اچھل کر بولی۔

”تیرے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔“

”بس.....! اب آپ کو میرا برا بھلا سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”وہیے.....! کیا ہو گیا ہے تجھے.....! کیوں مجھے تنگ کرتی ہے.....؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تیرا.....!“ بے بے رونے لگیں تو وہ جوان کی آخری بات کا جواب دینے جاری تھی ہونٹ بھیج کر چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

”میں جانتی ہوں حاکم نے تیرا دل توڑا ہے۔ پر تو اس کا بدلہ مجھ سے کیوں لے رہی ہے.....؟“

بے بے روتے ہوئے پولیس۔

”اگر مجھے پتا ہوتا کہ وہ اتنا بد ذات ہے تو میں کبھی تیرا پیادہ اس کے ساتھ نہ کرتی۔ تیرے لیے کمی

چاندنی اس گھر میں پروان چڑھی تھی اور حقیقتاً اس نے اس گھر کو اپنا گھر سمجھا تھا۔ بے بے نے اسے جان جیسی محبت دی تھی جب ہی تو وہ ان کے ساتھ لاڈ کرتی تھی، ان کی مانتی اور اپنی منواتی آئی تھی پھر جب حاکم علی کے ساتھ اس کی شادی کی بات ہوئی تب اس کی زندگی بڑی خوبصورت موڑ پر آ گئی تھی۔ اس کی عمر کی لڑکی نے بڑے سہانے خواب سجالے تھے لیکن ان کی تعبیر اتنی بھیاںک ہوئی، یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ حاکم علی بہت غصے والا ہے اور کاش کہ اس میں ایک صرف یہی غامی ہوتی تو وہ صبر کر لیتی اور اس اُمید میں رہتی کہ کبھی تو اس کے مزاج میں نرمی آئے گی اور اب وہ اُمید باندھے بھی تو کس بات کی؟ حاکم علی کی شخصیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو اس کے دل میں آس جگاتا۔ وہ بے انتہا پیوس اور متفر ہو چکی تھی۔ صرف حاکم علی سے ہی نہیں اس گھر سے بھی۔ جب ہی اکھڑی اکھڑی رہنے لگی تھی۔ مزاج میں چڑچڑاہٹ آ گیا تھا۔ بے بے بات کرتیں تو انہیں بھی کاٹ کھانے کو دوڑتی اور ملازموں کی تو ہر وقت شامت آتی رہتی۔ اس وقت وہ کسی بات پر بشیراں پر چلا رہی تھی کہ ظفر ایک دم اس کے سامنے آ گیا۔

”اوئے.....! اتنا غصہ.....! حاکم ماما کا اثر آ گیا ہے کیا.....؟“

”تو بکواس بند کر.....! اور ہٹ جا سامنے سے.....!“ وہ مزید تیز ہو کر ظفر سے بولی۔

”کیوں.....! مار ڈالے گی کیا اسے.....!“ ظفر نے بشیراں کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں جو بھی کروں، میری مرضی.....!“ غصے سے اس کا چہرہ لال بھوکا ہو رہا تھا۔

”اوئے ہوئے.....! بڑی مرضی چلائی آ گئی ہے.....! اور کیا کیا سکھ کے آئی ہے وہاں سے.....؟“

نہیں.....! پہلے یہ بتاؤ اتنی جلدی واپس کیسے آ گئی.....؟“ ظفر کو اچانک اس کی جلد واپسی ٹھنکی۔

”میں یہاں رہوں یا وہاں.....! تجھے کیا.....؟ اور تو ہوتا کون ہے پوچھنے والا.....؟“ اس کے غصے کا ظفر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

”میں بہت کچھ ہو سکتا ہوں اگر تو میرا ساتھ دے تو.....!“

”دیکھ ظفر.....! میں نے تیرا بہت لحاظ کر لیا.....! اب میں بابا سے کہتی ہوں جا کر.....!“ وہ

کہہ کر تیزی سے چلتی تھی کہ ظفر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

”کیا کہے گی بابا سے.....!“

”تیری ایک ایک بات بتاؤں گی اور پھر تیرا یہاں داخلہ بند کروادوں گی۔“ وہ جھٹکے سے اپنی کلائی

چھڑا کر بولی۔

”بابا سے کہلوانے کی کیا ضرورت ہے.....؟ تو کہہ دے گی تو میں نہیں آؤں گا پر پہلے تجھے ماننا

پڑے گا کہ حاکم ماما ہر جاتی ہے، ہے ناں.....!“ ظفر نے بڑے اصرار سے اس کی تائید چاہی لیکن اس نے

خفتی سے جھٹلایا۔

”تمہاری بات ٹھیک ہے..... لیکن جب اسے معمولی چیزوں کو ترسنا پڑے گا تب دیکھنا اسے میری قدر ہوگی اور وہ میرے پاس خود آئے گی.....!“ حاکم علی نے اس کی تائید کر کے بھی اپنی بات پر زور دیا۔

”چنانچہ تم کوئی دنیا میں رہتے ہو.....؟ خیر..... اب اس موضوع کو ختم کرو.....!“ نشی ہمیشہ کی طرح اکتا کر بولی۔

”میرے پاس اور کوئی موضوع نہیں ہے۔“ حاکم علی نے چیخ کر بیک پر یوں سر رکھ دیا جیسے اب کوئی بات نہیں کرے گا۔

نشی کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر اسے مخاطب کر کے بولی۔

”سنو سردار.....! مجھے کبھی اپنے گاؤں لے چلو.....!“

”کیوں.....؟“ وہ بیک سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

”دیکھنا چاہتی ہوں کھیت، کھلیان، کچے کچے راستے اور تمہاری حویلی! میرے لکھے کوئی تحریک ملے گی۔“ نشی نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا.....! لے چلوں گا کبھی، لیکن اپنی حویلی میں نہیں لے جا سکتا۔ شور مچ جائے گا۔ بے بے دبا با کہیں گے یہ کسے اٹھالائے.....!“ وہ کہہ کر خود ہی ہنسا۔

”پھر کہاں لے جاؤ گے.....؟“ نشی جڑ بڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

”رقبہ، فارم ہاؤس، گیسٹ ہاؤس اور بہت جگہیں ہیں۔“

”لیکن مجھے حویلی دیکھنے کا شوق ہے۔“ وہ بے اختیار بولی اور اس کے نفی میں سر ہلانے پر کہنے لگی۔

”تم اپنے ساتھ مت لے جانا.....! ڈرائیور سے کہنا پھر میں چاندنی کی دوست کی حیثیت سے حویلی چلی جاؤں گی۔“

”چاندنی.....!“ حاکم علی کی پیشانی پر لکیریں کھینچ گئی۔

”ہاں.....! چاندنی مجھے پہچانتی تو ہے۔ اگر میں خود کو اس کی دوست کہوں گی تو وہ انکار نہیں کرے گی۔“

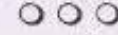
”وہ انکار نہیں کرے گی لیکن میں منع کر رہا ہوں تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بیک دم روڈ ہو گیا۔ نشی اسے دیکھتی رہ گئی۔



جانے ان کے مقدر میں ڈوریاں کیوں اور کب تک لکھی گئی تھیں۔ پہلے حاکم علی مسئلہ بنا رہا اور اب روزگار کی وجہ سے ہمایوں اسلام آباد چلا گیا تھا۔ گو کہ اس کا ارادہ جلدی رہائش کا انتظام کر کے نو ریہ کو بلانے کا تھا اور پندرہ دن میں اس نے گھر کا انتظام کر بھی لیا تھا لیکن ادھر اس کی بہن سعدیہ کی نسبت ملے ہوئی تو پھر امی نے نو ریہ کو روک لیا، کیونکہ ادھر سے جلدی شادی کا تقاضا تھا اور ظاہر ہے تیاری وغیرہ میں

تھوڑا سی تھی، پر ان باپ بیٹے کو تو جاگیر کی پڑی تھی کہ اگر تیری شادی کہیں اور ہوگئی تو تیری جاگیر بھی چلی جائے گی۔“ بے بے سادگی اور اس کی محبت میں وہ راز فاش کر گئیں جو وہ خود سے شاید کبھی نہ جان پاتی۔

”تو اصل قصہ یہ ہے.....! حاکم علی نے مجھ سے نہیں میری جاگیر سے شادی کی ہے.....!“ وہ سنائے میں آ گئی۔



حاکم علی نو ریہ کو بھولا تو نہیں تھا لیکن جب وہ کہیں نظر آ جاتی تو اور شدت سے یاد آئے لگتی تھی۔ اس کا جنون بڑھ جاتا اور پھر اسے حاصل کرنے کے نئے پلان سوچنے لگتا۔ ابھی کچھ دن پہلے وہ اسے ہمایوں کے ساتھ گاڑی میں نظر آئی تھی تو اس دن سے وہ بس اسے ہی سوچ رہا تھا۔ اس دوران کتنی بار اس کے موبائل پر فون کرنے کی کوشش کی لیکن ادھر سے ہر بار اس نے لائن کاٹ دی تھی جس کا مطلب تھا کہ اب وہ اس کے در سے اپنا موبائل آف نہیں رکھتی اور لائن کاٹ کر گویا اس کے منہ پر ٹھانچہ مارتی ہے اور حقیقتاً اسے یہ ٹھانچہ نہ صرف محسوس ہوتا بلکہ بے حد مشتعل کرتا اور مزید ضد دلانا تھا لیکن اس وقت وہ نشی کے سامنے اس کی تعریف کر رہا تھا۔

”وہ بہت خوبصورت ہوگئی ہے نشی.....! اس کے چہرے پر بے انتہا نکھار تھا۔“

”جولو کیاں اپنی شادی سے خوش ہوتی ہیں وہ یونہی نکھر جاتی ہیں۔“ نشی اسے احساس دلانے سے باز نہیں آتی تھی۔

”تمہارا مطلب ہے وہ خوش ہے.....! اس دو ٹکے کے آدمی کے ساتھ.....؟ نہیں.....! نہیں نشی.....! وہ اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اس کی خواہشات تو کیا ضرورتیں پوری کرنے کے قابل بھی نہیں ہے وہ.....!“ حاکم علی کے اندر کی تپش اس کے لہجے سے واضح محسوس ہو رہی تھی۔

”یہ تم سے کس نے کہا.....؟“

”کون کہے گا.....؟ میں جانتا نہیں ہوں کیا.....! اس کے پاس جاب بھی نہیں ہے اور اب اسے جاب ملے گی بھی نہیں۔ میری نوکری چھوڑ کر وہ کسی اور کاملازم نہیں ہو سکتا۔ میں اسے کہیں ملازم نہیں ہونے دوں گا، نیور.....!“ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

”بس کرو سردار.....! ان باتوں سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“ نشی نے تانسف سے کہا۔

”مجھے صرف نو ریہ کو حاصل کرنا ہے.....!“ وہ اڑ کر بولا۔

”اور یہی تم نہیں کر سکتے.....!“ نشی بے اختیار اس پر ہنسی پھر کہنے لگی۔

”دیکھو سردار.....! اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ ضروریات پوری نہ ہونے پر نو ریہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی جائے گی تو یہ تمہاری بھول ہے کیونکہ نو ریہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے۔ وہ اگر مادہ پرست ہوتی تو تمہیں کیوں ٹھکراتی.....؟ تم تو اسے دنیا کی ہر آسائش دے سکتے تھے۔“

نور یہی کوئی اور سعدیہ کی مدد کرتی تھی اور نور یہ اس بات سے شاک نہیں تھی بلکہ اسے خود بھی یہی مناسب لگ رہا تھا جبکہ ہمایوں سخت جھنجھلا رہا تھا۔ اس وقت فون پر اس سے اُلجھ رہا تھا۔
”تمہیں بہت شوق ہے بازاروں کے چکر لگانے کا۔ سعدیہ خود بھی اپنی شاپنگ کر سکتی تھی۔ اس کام میں وہ باسٹر ہے۔“
”ہاں..... لیکن وہ اکیلی کیسے جاسکتی ہے.....؟ امی تو اس کے ساتھ بار بار جانے سے رہیں۔“
اس نے رساں سے کہا۔

”میں کچھ نہیں جانتا.....! بس تم آ جاؤ.....!“ اس کے روٹھے انداز پر وہ ہنس پڑی۔
”کم آن ہوئی.....! بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔“

”دو مہینوں میں پورے ساٹھ دن ہوتے ہیں اور ساٹھ دن تھوڑے نہیں ہوتے۔ یہاں ایک ایک پل کا شائبہ لگ رہا ہے، تم نہیں آؤ گی تو میں آ جاؤں گا۔“ ہمایوں نے کہا۔
”آ جاؤں.....!“ وہ بے اختیار بولی۔

”کیسے آ جاؤں.....! اپنی جاب ہے، تین مہینے پورے ہونے سے پہلے چھٹی بھی نہیں ملے گی۔ پتا نہیں سعدیہ کی شادی میں بھی آسکوں گا کہ نہیں۔“ وہ اب غصے سے بول رہا تھا۔
”کیا مطلب ہے آپ کا.....! بہن کی شادی میں نہیں آئیں گے.....؟“
”نہیں خیر.....! ایک ہی تو بہن ہے میری اور میں اس کا صرف بھائی ہی نہیں باپ بھی ہوں۔“ وہ پل پل موڑ بدل رہا تھا۔

”مجھے اسے باپ بن کر رخصت کرنا ہے۔ ویسے نور.....! سعدیہ خوش تو ہے ناں.....!“
”ہاں.....! اور امی بھی خوش ہیں۔“ اس نے اسے اطمینان دلایا۔

”اچھی بات ہے.....! تم بھی امی کو میری کی محسوس مت ہونے دینا.....! میرا خیال ہے میں شادی تک ہی آسکوں گا اور ہاں.....! دیکھو یہاں سے جو چیزیں منگوانی ہوں ان کی لسٹ لکھ کر دینا، سمجھیں.....!“

”سب سمجھ گئی.....! اب اجازت دیجئے سعدیہ تیار کھڑی ہے۔ آئی مین.....! ابھی ہمیں جیولر کے پاس جانا ہے۔“ اس نے سعدیہ کو ٹپکتے دیکھ کر کہا۔

”ایک آخری بات.....! میں جب آؤں تو تم میرے لیے یوں تیار ہونا جیسے.....“
”ہوئی پلیز.....! میں فون رکھ رہی ہوں۔“ اس نے کہہ کر فون رکھ دیا پھر بھاگ کر سعدیہ کے پاس آ کر بولی۔

”سوری.....! وہ تمہارے بھائی.....!“

”پتا ہے.....! آپ کے بغیر اُداس ہوں گے۔“ سعدیہ نے ہنس کر چھیڑا۔

”اچھا چلو.....!“ وہ سعدیہ کو جھکیل کر تیز قدموں سے باہر آ گئی۔

”بھابی.....! ایک بات کہنی ہے.....!“ وہ جیسے ہی گاڑی مین روڈ پر لائی سعدیہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”وہ کھیل ہیں ناں.....! انہوں نے بھی آنے کو کہا ہے۔“

”کیا.....!“ وہ اُچھل کر بولی۔

”تم نے منع نہیں کیا اسے.....!“

”کیا تھا.....! لیکن وہ بھابی.....! پلیز.....! آپ امی کو نہیں بتائیے گا۔“ سعدیہ کی لجاجت پر وہ بے شکل بنی روک کر بولی۔

”بہت بری بات ہے.....! اب شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔“

”پورے دو مہینے.....! یعنی ساٹھ دن.....!“ سعدیہ نے کہا تو وہ چکر کر بولی۔

”یا اللہ.....! یہ تم بہن بھائی دونوں کا حساب فوراً لگا لیتے ہو۔“

”اچھا.....! آپ امی کو تو نہیں بتائیں گی ناں.....!“ سعدیہ اس کا بازو دبائے لگی۔

”بتاؤں گی کہ تمہارے منگیتر صاحب سے صبر نہیں ہوا۔“ اس نے کہا لیکن اس کی مسکراہٹ سے سعدیہ کو اطمینان ہو گیا تھا۔ جب ہی بظاہر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ وہ دیو مرمر میں اسے دیکھتی رہی پھر جب مطلوبہ جگہ گاڑی روکی تو سامنے سکیل کو پہلے سے موجود پا کر کہنے لگی۔

”منسو.....! مجھے کباب میں ہڈی بنانا اچھا نہیں لگتا۔ تم جاؤ.....! میں یہیں بیٹھوں گی لیکن دیکھو

زیادہ دیر مجھے انتظار مت کرانا۔“

”لیکن آپ یہاں بیٹھ کر کیا کریں گی.....! میرا خیال ہے آپ جیولری دیکھ لیں.....!“ سعدیہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتے کھولتے رہ گئی۔

”جیولری کیا دیکھنی ہے، بس سیٹ تیار ہو تو لیتی آنا، رسید لے جاؤ.....!“ اس نے پرس سے نکال کر رسید سعدیہ کو تنہا ہی پھر خود ہی اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ اتر کر اسی طرف چل پڑی جہاں سبیل کھڑا تھا۔

اسے یاد آیا شادی سے پہلے جب ہمایوں کا ایکسڈنٹ ہوا تھا تو وہ بھی اسے دیکھنے ہاسٹل گئی تھی لیکن پھر اسے دیکھے بغیر ہی لوٹ آئی تھی۔ اس وقت کو یاد کرتے ہوئے وہ سعدیہ اور سبیل کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی کہ معایوں لگا جیسے کوئی جاتے جاتے پلٹا ہو۔ اس نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا تو وہ حاکم علی تھا اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے، پھر پلٹ کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے فوراً گلاس چڑھا دیا اور دروازے بھی لاک کر دیئے لیکن اگلے پل وہ اس کے شیشے پر انگلی مار کر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے سننے کی کوشش نہیں کی اور رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”اگر حاکم کو چاہل گیا تو.....!“

”تو چل جائے.....!“ اس نے بے بے کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

”کوئی پرواہ نہیں ہوگی اسے.....! میں کچھ بھی کرتی پھروں، وہ کبھی نہیں پوچھے گا اور اگر پوچھے تو

مجھے بتانا میں جواب دوں گی اسے.....!“

اس کے بعد بے بے کیا کہہ سکتی تھیں۔ اس کی دیدہ دلیری پر کڑھتی رہتیں اور بات صرف زنب کے گھر تک جانے کی نہیں تھی، وہ اس کے ساتھ اور بھی جہاں دل چاہتا نکل جاتی، کبھی نہر کنارے، کبھی کھیتوں میں اور لڑکیوں کے ساتھ مل کر آنکھ چھوٹی کھیلتی، کبھی کنویں کی منڈ پر پر جانتی تھی، اس کی عمر بھی تو ایسی ہی تھی۔ بہر حال اس وقت بھری دوپہر میں وہ زنب کے ساتھ نہر کنارے جا نکل تھی، گھنے پیڑوں کی چھاؤں میں برا سکون تھا۔

”ایک بات تو بتا چاندنی.....!“ زنب نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔

”حاکم کی کوئی بات نہ کرنا.....!“

”تو اور کس کی بات کروں؟ تو کیوں نہیں بتاتی اس کے بارے میں؟ کیا کیا ہے اس نے

تیرے ساتھ.....؟ بتانا چاندنی.....! تو اتنے شوق سے شہر گئی تھی پھر آ کیوں گئی.....؟“ زنب اسے جھنجھوڑنے لگی۔

”مجھ سے کیوں پچھاتی ہے.....؟ میرے ساتھ تو سارے راز و نیاز کرتی ہے پھر یہ کیوں چھپا رہی

ہے.....؟“

”میں کچھ نہیں چھپا رہی، بس شہر میں میرا دل نہیں لگا۔“ وہ جیسے عاجز ہو کر بولی۔

”یہ بات نہیں ہے چاندنی.....! تو جھوٹ بول رہی ہے۔“ زنب نے کہا تو وہ ایک دم گھٹنوں پر سر

رکھ کر دوپڑی۔

”ہائے رہا.....!“ زنب نے گہری سانس کھینچی پھر اسے چپ کرانے لگی لیکن اس کے آنسو تھمنے کا

نام نہیں لے رہے تھے پھر اسی طرح روتے ہوئے اس نے زنب کو سب بتا دیا۔ اسے زیادہ دکھ اس بات کا

تھا کہ حاکم علی کے دل میں اس کے لیے رتی برابر گنجائش نہیں تھی اور وہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

زنب اتنی دیر حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھاتی رہی پھر اسی حیرت سے بولی۔

”پر چاندنی.....! تو تو اتنی سوئی ہے، کیا شہر کی لڑکیاں تجھ سے بھی زیادہ سوئی ہوتی ہیں.....؟“

”جانتی.....! حاکم کو لگتی ہوں گی سوئیاں۔“ وہ جمل کر بولی۔

”تو نے بے بے اور بابا کو نہیں بتائے اس کے لچھن.....؟“

”سب بتا ہے انہیں.....! پہلے سے پتا ہے اس لیے مجھے اس کے پلے باندھا کیونکہ میرا کوئی نہیں

ہے جو ان سے پوچھ سکے، لاوارث ہوں میں.....!“ وہ پھر رونے لگی۔

”نور.....! نور.....! میری بات سنو.....!“ وہ اب اونچی آواز میں بولا اور وہ اگر پریشان ہوئی بھی

تو بالکل غماہ نہیں کیا۔ یوں بنی رہی جیسے اس کی موجودگی سے یکسر لاعلم ہو۔ مزید ہاتھ بڑھا کر کیسٹ بھی

آن کر دیا۔

حاکم علی کچھ دیر مسلسل شیشہ ناک کرتا رہا۔ جب وہ کسی طرح متوجہ نہیں ہوئی تب شاید مایوس ہو کر

بٹ گیا تھا۔

اور اسے جب یقین ہو گیا کہ وہ جا چکا ہے تب پہلے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا پھر سکون کا سانس

لیتے ہوئے کیسٹ آف کیا تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ ان دنوں کیونکہ ہمایوں بار بار اسے فون کر رہا تھا

اس لیے اسے کوئی دوسرا خیال ہی نہیں آیا فوراً ریسیو کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگا لیا۔

”یہ تم اچھا نہیں کر رہی نور.....!“ حاکم علی کی آواز سن کر بلا ارادہ ہی اس کے سینے سے گہری

سانس خارج ہو گئی جسے وہ اپنے معنی کر کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں تم خوش نہیں ہو لیکن خوشیاں تم سے دور نہیں ہیں۔ تمہارے دروازے پر دستک

دے رہی ہیں تم دروازہ کیوں نہیں کھولتیں.....؟ ایک بار انہیں اندر تو آنے دو پھر دیکھو تمہاری زندگی میں

کیسی بہا آتی ہے۔“

اس نے ہنسی سے مونہٹ بھیج کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا اور نہ جواب میں کہنے کو بہت کچھ تھا۔

”سن رہی ہوتا نور.....! دیکھو میں تمہیں حقیقت سمجھا رہا ہوں۔ وہ شخص ہمایوں تمہیں کچھ نہیں

دے سکتا۔ اس کی محبت بھی فریب ہے، مت اس کے فریب میں آؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔“ وہ بولتا چلا جا رہا

تھا جانے کیا کیا۔ بالآخر وہ ٹوک کر کہنے لگی۔

”بس.....! خاموش ہو جاؤ.....! اور میری ایک بات مانو.....! کسی اچھے سایہ کا لو جسٹ سے اپنا

علاج کرو ورنہ بہت جلد تم پاگل ہو جاؤ گے۔“

”میں پاگل ہو چکا ہوں، تمہاری محبت میں.....!“ وہ فوراً بولا۔

”میر بھی جاؤ گے تب بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

○ ○ ○

چاندنی نے جس دن سے بے بے کے منہ سے یہ سنا تھا کہ حاکم علی نے جاگیر کی خاطر اس سے

شادی کی ہے تب سے وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ البتہ اس کے انداز اور حرکتیں بدل گئی تھیں۔ اپنی سن مانی

کرنے لگی تھی۔ پہلے ہر کام بے بے سے پوچھ کے کرتی تھی۔ زنب کے گھر جانا ہوتا تب تو باقاعدہ خوشامد

گھر کے ان سے اجازت لیتی تھی لیکن اب صرف بتا کر گویا احسان کرتی۔

”میں زنب کے گھر جا رہی ہوں.....!“ کہہ کر بے بے کے جواب کا انتظار کئے بغیر چل پڑی،

بے بے دیکھتی رہ جاتیں۔ ایک بار انہوں نے سمجھانے اور احساس دلانے کی کوشش کی کہ

نور یہ بھانجے کی خوشخبری سنتے ہی ساری مصروفیات چھوڑ کر بھاگی آئی تھی لیکن آگے سب اس سے
شکایت تھی کہ پورا مہینہ اس نے شکل نہیں دکھائی تھی۔ داوی، امی پھر کزنز ایک ایک کے سامنے وہ صفائیاں
پیش کر رہی تھی۔

”کیا کروں.....! سعدیہ کی شادی ہے، اُسی کی تیاری میں لگی ہوئی ہوں۔“
”اور اس کے بعد اسلام آباد روانہ ہو جاؤ گی تو پھر سالوں میں شکل دکھاؤ گی.....!“ رونا خاصا
ٹالاں تھی۔

”یا اللہ.....! تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے اسلام آباد سات سمندر پار ہو۔ ویسے اب تو سات سمندر پار
سے بھی لوگ آ جاتے ہیں۔“ اُس نے چنگی بجا کر کہا۔
”محبت میں بھاگے آتے ہیں.....!“ نعمان بے اختیار کہہ گیا۔
”میں بھی محبت میں بھاگی آؤں گی، شرط محبت سے بلاؤ گے تو.....!“ وہ نعمان کی طرف گھوم کر بولی
پھر ایک دم جھنجلا گئی۔

”بہت ہی فضول ہو تم لوگ.....! پہلے مجھے اپنے بھانجے کو تو دیکھنے دو، کیسا ہے.....؟“
”ماشاء اللہ.....! بہت پیارا ہے.....!“
”مجھ پر کیا ہوگا.....!“ وہ کہہ کر ہنسی۔

”ہاں.....! سب یہی کہہ رہے ہیں۔“ رونا نے کہا تو وہ چیخیں۔
”واقعی.....! چلو جلدی چلو.....!“ اُس نے ردا کا ہاتھ پکڑا پھر دونوں بھاگتی ہوئی بڑے پاپا کے
بچے میں آئیں، انہیں سلام کر کے جویریہ کے کمرے میں آتے ہی وہ بے ساختہ بولی۔
”تھینک یو جوجی.....! تم نے مجھے خالہ بنا دیا.....!“
”اور تم کب مجھے یہ اعزاز بخش رہی ہو.....؟“ جویریہ نے مسکرا کر پوچھا تو وہ جھینپ کر بچے پر
جھک گئی۔ پھر اُسے بازوؤں میں بھر کر پوچھنے لگی۔

”ہائے.....! اللہ نہ کرے جو تو لاوارث ہو.....!“ زینب نے اس کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر گویا
اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔

”اور کیسے ہوتے ہیں لاوارث.....! نہ میرے ماں باپ ہیں نہ کوئی بہن بھائی.....! کس کے پاس
جاؤں.....؟ اس گھر سے تو مجھے نفرت ہو گئی ہے، میرے ماں باپ ہوتے تو ان کے پاس چلی جاتی۔“ اس
کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

”نہرو چاندنی.....! میری بہن نہرو.....!“ زینب کا اپنا دل بھرا رہا تھا۔
”تیرے ماں باپ نہیں ہیں ان کا گھر تو ہے..... تو کچھ دونوں کے لیے وہاں چلی جاؤ جتنے کے
ساتھ.....!“
”ہاں.....! یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے، میں اپنے گھر چلی جاؤں گی.....!“ چاندنی رونا بھول کر سوچ
میں پڑ گئی۔

ooo

”دیکھنا تم.....! کتنا ہلاک کریں گے ہم تمہاری شادی میں اور ہاں.....! ابھی تو تم سب کو پہری مند کی شادی میں آتا ہے، تم بھی سن لو جو جی.....! چھوٹے بچے کا بہانا نہیں چلے گا، اسے بھی لے کر آنا.....!“ وہ مریم کو مناتے ہوئے جو یہ سب سے مخاطب ہوئی پھر بچے کو پیار کر کے ردا کے ساتھ واپس آئی تو کچھ دیر وادی کے پاس بیٹھی پھر اوپر آگئی۔ امی کے ساتھ نعمان بیٹھا جانے کیا حساب کتاب کر رہا تھا اُس نے وال کلاک پر نظر ڈالی، پھر امی کے پاس بیٹھ کر اُن کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے بولی۔

”اچھا امی.....! اب میں چلوں گی.....!“

”ہیں.....! ابھی سے.....!“ امی نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

”پھر آ جاؤں گی ناں.....!“ وہ بجا جت سے بولی۔

”پھر بھی ضرور آؤ.....! لیکن ابھی جانے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے تمہاری پسند کا کھانا تیار کیا ہے

کھا کر جانا.....!“ امی نے اُس سے کہہ کر نعمان سے مخاطب ہو گئیں۔

”ٹھیک ہے بیٹا.....! پھر تم یہ سب کر لو گے.....!“

”جی بچی جان.....! میں صبح آفس جاتے ہوئے یہ کام کرتا جاؤں گا۔“ نعمان نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

”کیا کام ہے؟“

”تمہارے مطلب کا نہیں ہے.....!“ نعمان نے فوراً الفاظ اٹھا کر جیب میں ڈال لیا تو وہ اس کی

اس حرکت پر تپ کر بولی۔

”مت بتاؤ.....! میں امی سے معلوم کر لوں گی۔“

”پھر اپنی ٹیکس جمع کرنا ہے.....!“ امی بتا کر اٹھ گئیں۔

”اس میں چھپانے والی کیا بات تھی؟“ اس نے نعمان کو ٹوکا تو وہ مسکرا کر بولا۔

”تم بہت جلدی غصے میں آ جاتی ہو، اب تمہیں سدھر جانا چاہیے کیونکہ ماشاء اللہ.....!“ میاں“ والی

ہو گئی ہو۔“

”تو کیا ہوا.....! عادتیں تو روز ہی بدلتی ہیں۔“ اس نے لا پر وای سے کندھے اچکائے۔

”بدلتا چاہا تو سب بدل جاتا ہے.....! خیر.....! یہ بتاؤ.....! ہمایوں کیسے ہیں؟“ وہ خود ہی

بات بدل گیا۔

”فرسٹ کلاس.....!“ ہمایوں کے نام سے ہی اُس کے چہرے پر رنگ اتر آتے تھے۔

”کب آ رہے ہیں؟“

”سعدیہ کی شادی پر شاید ایک دو روز پہلے آ جائیں یا پھر شادی والے روز ہی آئیں گے کیونکہ نئی

جاب ہے۔“

”نام رکھ لیا اس کا.....؟“

”ہاں.....! بڑے پاپا نے عبدالرحمن رکھا ہے۔“

”ماشاء اللہ.....! بہت پیارا نام ہے اور شکر ہے یہ بھی پیارا ہے ورنہ اسے اٹھاتے ہوئے مجھے بہت

کوفت ہوتی اور منافقت الگ کرنی پڑتی۔“ وہ بچے کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا.....!“ جو یہ سب نے ٹوکا جبکہ ردا بفس رہی تھی۔

”بھئی.....! جھوٹی تعریف منافقت ہی تو ہوتی ہے اور شکر ہے اللہ نے منافقت سے بچا لیا، ہے

ناں عبدالرحمن.....!“ وہ وضاحت کر کے بچے سے بولنے لگی۔ تب ہی مریم اندر آئی اور اسے دیکھتے ہی

بولی۔

”خیر سے فرصت مل گئی تمہیں.....!“

”کہاں.....! اتنے کام چھوڑ کر آئی ہوں صرف اس کی خاطر.....!“ اُس نے بچے کے گال پر پیار

کیا۔

”ہاں.....! سنا ہے تمہاری مندی کی شادی ہے.....؟“

”اُمی کی تیار یوں میں مصروف ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ شادی کے بعد فرصت سے آؤں

گی کیونکہ اس کے بعد تو ہمیں اسلام آباد چلے جانا ہے۔“

”چلو.....! تمہاری دُور جانے کی آرزو پوری ہوگی۔“ مریم نے ہنس کر جتایا تو اُس نے مسکرانے پر

اکتفا کیا پھر بچے کو اُس کی جگہ پر لٹا کر پرس میں سے پیسے نکالے اور بچے کے قریب رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”جو جی.....! میں جلدی میں اس کے لیے کچھ لائیں سکی۔“

”ارے تو اس کی بھی کیا ضرورت ہے.....! تم آ گئیں یہی بہت ہے.....!“ جو یہ سب نے اُسے پیسے

واپس کرنا چاہے لیکن وہ اُس کا ہاتھ دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اچھا.....! میں چلتی ہوں.....!“

”ارے واہ.....! ایسے کیسے چلتی ہوں؟“ بیٹھو آرام سے، کھانا کھا کر جانا.....!“ مریم نے اُسے

دوبارہ بٹھانا چاہا لیکن وہ اُس کے ہاتھ تھام کر فٹ سے بولی۔

”نہیں مریم.....! پلیز.....! ابھی مجھے بہت کام ہیں اور پھر میں کوئی مہمان تو ہوا ہی ہوں، میرا اپنا

گھر ہے پھر آ جاؤں گی.....!“

”پھر تو تم اسلام آباد چلی جاؤ گی.....!“

”تو کیا ہوا.....! آتی جاتی رہوں گی اور تمہاری شادی پر تو ایویشنل مہینہ بھر آ کر رہوں گی۔“ اُس

نے کہتے ہوئے شرارت سے مریم کے بازو میں جھکی کاٹی۔

”میں رہنے دو.....!“ مریم نے منہ پھلایا۔

اُس نے پہلے گہری سانس کھینچ کر خود کو کسی انتہائی بندش سے آزاد کیا پھر سکون سے گویا ہوئی۔
”اگر تم سردار حاکم علی کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو آئی ایم سوری.....! مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے.....؟ میں نے پچھلے ایک ہفتے سے اُسے نہیں دیکھا۔“
”کیوں.....! کیا لڑائی ہو گئی ہے اُس سے.....؟“ نیازی کے معنی خیز انداز پر وہ جڑی ہو کر

بولی۔

”نہیں.....! میں کیوں لڑوں گی اُس سے.....؟ اور سنو.....! میری اُس سے دوستی ضرور ہے لیکن میں اُس کے روز و شب سے آگاہ نہیں رہتی۔“
”ارے.....! تم تو برامان تھیں۔“
”نہیں.....! اُس نے نفی میں سر ہلایا تب ہی سامنے سے حاکم علی آتا دکھائی دیا تو وہ اُس کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”دیکھو.....! وہ آ رہا ہے سردار.....!“
”بڑی عمر ہے.....! نیازی کہہ کر حاکم علی کے پاس چلا گیا اور وہ سیون آپ اٹھا کر خود کو انجان ظاہر کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد حاکم علی اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

”ہائے.....!“

”ہیلو.....! وہ اُسے دیکھ کر قصداً مسکرائی۔

”یہاں کیوں بیٹھی ہو.....؟ اندر چلو.....! حاکم نے کہا تو وہ آکٹا ہٹ سے بولی۔

”میں سردار.....! اندر بہت ٹھن ہے، تم جانا چاہو تو بے شک جاؤ.....! میں یہیں ٹھیک ہوں۔“
”میں بھی تمہارے ساتھ ٹھیک ہوں.....! وہ دو معنی انداز میں کہہ کر بیٹھ گیا پھر اُسے دیکھ کر ہنسا اور اُس کے ہنسنے سے ہی وہ مسک گئی لیکن بولی کچھ نہیں، گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
”سنو.....! قدرے توقف سے وہ اُسے متوجہ کر کے بولا۔

”میں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔“

”شہر سے باہر.....! کہاں.....؟ اپنے گاؤں.....؟“ وہ بے اختیار پوچھ گئی۔

”نہیں.....! ملک سے باہر.....! جرمنی جا رہا ہوں، چلو گی.....؟“ حاکم علی نے بتا کر پوچھا تو وہ

حیران ہوئی۔

”میں.....! میں تمہارے ساتھ کیسے جاسکتی ہوں.....؟“

”جیسے یہاں آتی ہو، جیسے میرے ساتھ گاؤں جانے کی بات کر رہی تھیں، ویسے ہی میرے ساتھ

جرمنی بھی چلی چلو.....! حاکم علی جتنا نہیں رہا تھا سیدھے سادے انداز میں بات کر رہا تھا جب ہی وہ بُرا

مانے بغیر بولی۔

”ہاں.....! چھٹی ملنا مشکل ہو گئی۔ بہر حال یہ اچھا ہوا کہ وہ وہاں سیٹ ہو گئے۔ تمہارے حق میں بھی یہی بہتر ہے اور ہاں.....! تمہاری زندگی شادی ہے، کوئی کام وغیرہ ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔“ نعمان نے بہت خلوص سے کہا۔

”کام تو بہت ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے سب بغیر دخول ہو رہے ہیں پھر بھی میں کسی بھی وقت تمہیں کسی بھی کام سے بلا سکتی ہوں۔“ اُس نے دوسری بات ہنس کر کہی۔

”موسٹ ویلکم.....! وہ اُس کے ہنسنے پر مسکرایا۔

”اچھا تو می.....! تم نے روپی کے بارے میں سوچا.....؟“ اُس نے اچانک یاد آنے پر پوچھا۔

”نہیں نور.....! وہ ایک دم بخود ہو کر کہنے لگا۔

”اور دیکھو.....! اس پر بحث مت کرنا، کیونکہ یہ میرا نہیں میرے والدین کا مسئلہ ہے۔ وہ جب جہاں چاہیں گے میری شادی کر دیں گے اور مجھے نہیں معلوم انہوں نے میرے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے.....؟ تم اس سلسلے میں چاہو تو میری امی سے بات کر سکتی ہو کیونکہ میں تمہاری خوشی بھی نہیں ٹال سکتا۔“
”تھینک یو.....! میں چچی جان سے بات کروں گی۔“ اُس نے کہہ کر نام دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

”یا اللہ.....! اتنی دیر ہو گئی، مجھے گھر بھی جانا ہے.....!“

”کیسے جاؤ گی.....؟“ نعمان نے اٹھ کر پوچھا۔

”جیسے آئی تھی، آئی مین.....! اپنی گاڑی سے اور اب تو میں بہت اچھی ڈرائیونگ کرتی ہوں، کبھی اسلام آباد پھر میں تمہیں سارا شہر گھماؤں گی۔“
”اچھی بات ہے.....! ضرور آؤں گا.....! وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور اُس نے امی کو پکارتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔

○○○

وہ کتنی دیر سے اپنے سامنے رکھی سیون آپ کی بوتل پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جس پر پہلے ننھے ننھے قطرے نمودار ہوئے پھر چکنی سطح پر پھیلنے لگے۔ غالباً اُس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا جب ہی اطراف کا ہوش نہیں تھا اور ساعتوں پر بھی جانے کس کے پہرے تھے کہ ملی جلی ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں بھی اُسے سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ اپنی ہی کسی دنیا میں گم تھی کہ اچانک اُس کی ٹیبل پر زور سے ہاتھ مار کر کوئی بولا۔

”ہیلو نیٹی.....! تمہارا سردار کہاں ہے.....؟“

”میرا سردار.....! وہ چونکی پھر افسردگی سے مسکرائی۔

”میں تمہارے سردار کے بارے میں پوچھ رہا ہوں یار.....! اب نیازی نے زور دے کر کہا تو

کی کوشش کرتا ہے۔ ایک دو بار من توڑ جواب دے دو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ وہ غصے میں کچھ بے ربط بول رہا تھا۔

”سوری.....! میں یہ نہیں کر سکتی.....؟“ وہ کن اکھیوں سے اُسے دیکھ کر بولی۔

”کیوں.....! کیوں نہیں کر سکتیں.....؟“ وہ مزید تیز ہو گیا۔

”بھئی.....! ہم سب کلب کے ممبر ہیں۔ میں اگر اُس کے ساتھ بد تمیزی کروں گی تو سب کو برا لگے

گیا۔“ وہ رساں سے بولی۔

”لگنے دو.....! جسے برا لگتا ہے لگنے دو.....! تم آئندہ اس سے بات نہیں کرو گی۔“

”اچھی دھونس ہے.....! میں نے تو کبھی تمہیں کسی سے بات کرنے کو منع نہیں کیا۔“ اُس کے ٹوکنے

پر وہ ہر لفظ پر زور دے کر بولا۔

”لیکن میں منع کروں گا، ہر فضول اور فلرت شخص سے تمہیں بات کرنے سے روکوں گا، سمجھیں

تم.....!“

”سمجھ گئی.....!“ اُس نے بظاہر خائف ہو کر کہا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی کیونکہ

سردار حاکم علی جانے انجانے میں کسی بھی طرح سہی اُسے اپنا مان دے رہا تھا۔

○ ○ ○

چاندنی نے بے بے اور بابا کی بھی نہیں مانی تھی اور بہت ضد کر کے بوجھنے کے ساتھ اپنے ماں

باپ کی حویلی آگئی تھی۔ چاروں اطراف سے باغوں میں گھری یہ حویلی برسوں سے ویران پڑی تھی البتہ

اس کی صحت میں کمی نہیں آئی تھی۔ ہر شے چمکتی اور قرینے سے رکھی ہوئی اس بات کا ثبوت تھی کہ سردار

کے تمام ملازم حق نمک ادا کر رہے تھے اور آج بھی اپنے مالگوں کو یاد رکھے ہوئے تھے۔ چاندنی کی آمد پر

سب نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ گھنٹوں وہ مزارعوں کی عورتوں کے درمیان گھری اُن سے اپنے ماں

باپ کی باتیں اور تعریفیں سنتی رہی۔ اُس کے بعد بوجھنے کے ساتھ اُس نے حویلی کا ایک ایک کمرہ بلکہ ہر

گوشہ دیکھ ڈالا۔ اُس کے احساسات بڑے عجیب سے ہو رہے تھے۔

”یہاں میری ماں بیٹھتی تھی.....!“

”یہاں ماں سوتی تھی.....!“

”یہاں میرا باپ بیٹھک لگا تھا.....!“

اُسے کچھ یاد نہیں تھا لیکن اب وہ تصور کر سکتی تھی، جب ہی ہر بات دل پر محسوس کر رہی تھی۔ پھر اُس

نے اپنے لیے وہی کمرہ منتخب کیا جسے اُس کی ماں نے اُس کے لیے سجایا تھا۔ الماری میں ابھی بھی اُس کے

بچپن کی گڑیا اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزیں موجود تھیں۔ وہ کتنی دیر اُس وقت کو سوچنے کی کوشش کرتی رہی

لیکن جب وہ بہت چھوٹی تھی جب ہی اُسے کچھ یاد نہیں آیا البتہ اُس کے دل سے ہوک اٹھ رہی تھی۔

”سوری سردار.....! میں نہیں جاسکتی۔ ویسے تم کس سلسلے میں جا رہے ہو.....؟“

”بزنس ٹور ہے.....! ایک ہفتے میں لوٹ آؤں گا۔“ حاکم علی نے بتایا تو وہ اُس کی دوسری بات پر

ہنسنے لگی بالکل اُسی کے انداز میں جیسے وہ کسی بات پر محفوظ ہو کر ہنستا تھا وہ بھی ہنسنی چلی گئی۔

”کیا ہوا.....؟“ حاکم علی کو اُس کا ہنسا سمجھ میں نہیں آیا۔

”کم آن یار.....! مجھے بھی تو بتاؤ.....!“

”مجھے تمہاری بات پر ہنسی آگئی، ایک ہفتے میں لوٹ آؤں گا۔“ وہ آنکھوں کے کناروں سے پانی

صاف کرتے ہوئے بتانے لگی۔

”تمہارا انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے کو بہلا رہے ہو.....! ویسے اس انداز سے تمہیں چاندنی سے بات

کرنی چاہیے۔ اُس بیجاری کو تو ڈانٹ کر رکھ دیتے ہو۔“

”سنو.....!“ وہ غالباً اُسے تنبیہ کرنے جا رہا تھا کہ نیازی کے آنے پر ہونٹ بھیجنے گیا۔

”اوہ نشی.....! تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟ اندر چلو.....! تمہاری بڑی واہ واہ ہو رہی ہے۔“ نیازی

سنے آتے ہی نشی کو مخاطب کر کے کہا۔

”ہیں.....! میں نے ایسا کون سا کارنامہ سرانجام دے دیا جو میری واہ واہ ہو رہی ہے.....؟“ نشی

نے حیران ہو کر پوچھا۔

”بھئی.....! کل جو تمہارا آرٹیکل چھپا تھا سب اُس پر تبصرہ کر رہے ہیں.....! چلو.....! تم بھی

سنو.....!“ نیازی نے بتا کر اُسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی حاکم علی بول پڑا۔

”کل کی بات کل کے ساتھ گئی.....! کیوں نشی.....!“

”ہوں.....!“ نشی نے محسوس کیا حاکم علی کو نیازی کا اُس کے ساتھ بے تکلفی سے بات کرنا اچھا

نہیں لگ رہا اور اس بات سے وہ اندر سے مسرور ہوئی۔

”کیا مطلب.....؟“ تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ لوگ تمہارے بارے میں کیا باتیں کر رہے

ہیں۔“ نیازی کا انداز اُس کے سامنے والا تھا۔

”کیوں نہیں.....! میں ابھی چل رہی ہوں۔“ نشی نے محض حاکم علی کے تاثرات دیکھنے کی خاطر کہا

اور وہ نیازی کا خیال کے بغیر بگڑ گیا۔

”کوئی ضرورت نہیں اندر جانے کی.....! میرے ساتھ چلو.....!“ وہ فوراً اکھڑا ہوا اور نشی کا ہاتھ

پکڑ کر اُسے کھینچتا ہوا گاڑی میں لا کر بٹھایا پھر اسپینڈ سے گاڑی آگے بڑھا دی تو وہ جو اس ساری کارروائی

کے دوران اندر ہی اندر محفوظ ہو رہی تھی بظاہر فحش سے بولی۔

”یہ کیا حرکت ہے سردار.....! انیازی کیا سوچے گا.....؟“

”جو مرضی سوچے.....! مجھے وہ بالکل پسند نہیں ہے.....! تمہارے ساتھ کیوں خواہ مخواہ فری ہونے

کب آئے گی.....! اچھا ہوا بی بی صیب.....! آپ آگئیں.....! میں آپ کی بہت خدمت کروں گی۔“
”اچھا.....! کیا خدمت کروں گی میری.....!“ اُس نے بے ساختہ ہنس کر پوچھا۔

”آپ کے سارے کام کروں گی.....! سر میں تیل لگاؤں گی.....! ٹانگیں دباؤں گی.....!“ لڑکی شوق سے بولے جا رہی تھی۔

”ناں ناں.....! مجھے ایسی خدمتیں نہیں کروائیں۔ میں کوئی بوڑھی تھوڑا ہی ہوگئی ہوں جو ٹانگیں دباؤں گی.....!“ وہ کہتی ہوئی چل پڑی۔

”تو بی بی صیب.....! جو آپ کہو گی وہی کروں گی.....!“ کندن اُس کے ساتھ چلے گئی تو وہ ناگواری سے بولی۔

”بہت گندی ہوتی.....! پہلے جا کر اپنا حلیہ ٹھیک کرو.....! نہادھو کر صاف کپڑے پہنو.....! پھر میرے پاس آنا.....! صاف کپڑے پہن کر نہیں.....؟“

”ہیں جی.....! پر اسے اتنے نہیں ہیں۔“ کندن کچھ خائف ہوگئی۔

”چلو.....! میں تمہیں اپنے کپڑے دیتی ہوں۔“

”ہائے بی بی صیب.....! میں آپ کے کپڑے پہنوں گی پھر تو میں آپ جیسی.....“ کندن نے ایک دم زبان دانتوں تلے دبا لی پھر کانوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگی۔

”تو یہ تو بہ.....! میں بھلا آپ جیسی کیسے ہو سکتی ہوں.....؟ آپ مالکن ہو میں نوکر.....!“
”تم بہت بولتی ہو.....!“ اُس نے سر جھٹک کر قدموں کی رفتار تیز کر دی پھر کندن کو اپنے دو تین سوٹ دے کر اسے صاف سترار بننے کی تاکید کر کے لابی میں آگئی اور بے بے کو فون کیا تو وہ اُس کی آواز سننے ہی کہنے لگی۔

”گھبرا گئی ہے ناں چاندنی.....! مجھے پتا تھا تو اُدھر نہیں رہ سکتی، بس واپس آ جا.....!“

”میں گھبرائی نہیں ہوں بے بے.....! میں نے آپ کو یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے۔ آپ میری بالکل نگر نہ کرو.....!“

”فکر کیسے نہ کروں.....! بروقت دھیان تیری طرف رہتا ہے۔“ بے بے کی آواز بھرا گئی۔

”بس بے بے.....! اب رونا نہ شروع کر دینا.....! نہیں.....! میں فون بند کر دوں گی۔“ اُس نے فوراً ٹوک دیا۔

”تو مجھے بہت تنگ کرنے لگی ہے چاندنی.....!“ بے بے جیسے بے بس ہو گئیں پھر کہنے لگیں۔
”اچھا سن.....! کل حاکمے کا فون آیا تھا، بتا رہا تھا کہیں باہر جا رہا ہے، دفتر کے کام سے۔ اب تو چلا بھی گیا ہوگا۔“

”پھر میں کیا کروں.....؟“ وہ بیزاری سے بولی۔

”کاش.....! اُس کے ماں باپ زندہ ہوتے وہ اُن ہی کے سائے میں پروان چڑھی ہوتی، پھر اُن ہی کی دُعاؤں میں رخصت ہوتی تو آج یوں نہ خود کو بے آسرا محسوس کرتی۔“

”میں شروع ہی سے بد نصیب ہوں اور منحوس بھی، نہ کسی کو خوشیاں دے سکی نہ میرے حصے میں کوئی خوشی آئی۔“ وہ دُکھ سے سوچتی ہوئی گلاس ونڈو کے قریب آکھڑی ہوئی۔ باہر وسیع لان سے آگے گھنے پتے

تار کی میں انتہائی خوف ناک لگ رہے تھے۔ اُس نے جھرجھری لے کر فوراً پردے برابر کر دیے۔ پھر بیڈ پر آ لیٹی اور سرائیڈ سے ریٹ واج اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ ابھی آٹھ ہی بجے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے بہت

رات بیت گئی ہو۔ اُس پاس آبادی نہ ہونے کے باعث میلوں تک سنانے کا رواج تھا جب ہی وہ ڈرنے لگی۔ بوا بچنے نے جانے کس کو نے میں ڈیرہ جمایا تھا اور جانے جاگ رہی تھی یا سوئی تھی، اُس کی ہمت ہی

نہیں ہوئی جا کر اُسے دیکھنے کی، نہ لائٹ آف کر سکی بس تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا پھر کروٹیں بدلتے بدلتے ابھی اُس پر غنوغی طاری ہوئی تھی کہ کہیں دُور سے ہوا کے دُش پر لہراتی ہوئی مدھری آواز اُس کی سماعتوں

سے یوں ٹکرائی کہ اُس نے بے اختیار منہ پر سے تکیہ ہٹا دیا اور سننے کی کوشش کرنے لگی۔
کوئی بہت بُر میں بانسری بجا رہا تھا۔

”کون ہے.....؟“ اُس کا دل سُروں کی لے پر دھڑکنے لگا۔ ساکت لیٹی چاروں طرف دیکھتے ہوئے اُس کی نظر میں گلاس ونڈو پر جا پھریں۔ آواز اسی طرف سے آرہی تھی، کبھی تیز، کبھی مدھم ہو جاتی، وہ

ساری ہمتیں یکجا کر کے بیڈ سے اُتر آئی اور ذرا سا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی لیکن اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آیا البتہ بانسری کی آواز ہنوز دھڑکنوں میں پھیل چلائی تھی۔ کوئی بہت پرانا گیت تھا۔

”آواز میں نہ دوں گا.....!“
”جانے کون روگی ہے.....!“ اُس نے آزر دگی سے سوچا پھر لائٹ آف کے لیٹ گئی۔

گو کہ رات وہ بہت دیر سے سوئی تھی پھر بھی صبح جلدی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے، کچھ حیران ہو کر اُدھر اُدھر دیکھا پھر ایک دم اُنھ کے پردے کھینچ دیے۔ ہلکے ہلکے

اُجالے میں باہر کا منظر خواب ناک لگ رہا تھا۔ گو کہ سردار ہاشم علی کی حویلی اس سے کہیں زیادہ وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی اور وہاں بھی ایسی ہی محسوس اُترتی تھیں پھر بھی اُسے یہ سب کچھ نیا اور اچھا لگ رہا تھا۔

شاید اس لیے کہ یہاں کے ماحول میں اُس کے ماں باپ کی خوشبو زچھی سی تھی اور شاید اندر کہیں ملکیت کا احساس بھی جاگا تھا۔ وہ دو پندرہ اوڑھ کر باہر نکل آئی اور شبنمی گھاس پر ننگے پاؤں چلتی ہوئی لان کے آخری

سرے تک آگئی۔ آگے باؤنڈری وال نہیں تھی بس ہلکی سی باڑھ اور اس سے آگے کھیتوں کا سلسلہ تھا جہاں وکاؤ کا کسان نظر آرہے تھے۔ وہ باڑھ کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی واپسی کے لیے پٹی تو ایک لڑکی بھاگتی ہوئی اُس کی طرف آرہی تھی۔ وہ کچھ بے دھیانی میں زک کر اُسے دیکھنے لگی۔

”بی بی صیب.....! مجھے آپ کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ روز ماں سے پوچھتی تھی کہ حویلی کی مالکن

جا کر کنڈن کو نیند سے اٹھا کر لے آئے گا۔

”نہیں! رہنے دو! البتہ کل سے اُسے ادھر بھیج دینا۔ وہ میرے ساتھ سوئے گی۔“
”بہت اچھا بی بی صیب! آپ کہو تو ابھی بھیج دوں!“ چوکیدار یہی سمجھا کہ وہ ڈور رہی ہے۔
”نہیں! سوئے سے مت اٹھاؤ!“ وہ کہہ کر اندر چلی آئی۔

پھر اگلی رات کنڈن بڑے شوق سے اپنا بستر لیے اُس کے پاس آئی اور نیچے کارپیت پر بستر بچھا دیا تو وہ جھنجھلا گئی۔

”یہ کیا ہے! اٹھاؤ اسے!“

”تو بی بی صیب! میں سوؤں گی کہاں!“ کنڈن حیران ہو کر پوچھنے لگی۔
”کہیں بھی سو جانا! ادھر بیڈ پر یا صوفے پر، نیچے گند پھیلا ہوا بچھے اچھا نہیں لگتا۔ جاؤ اُسے واپس رکھ آؤ!“ اُس نے کہا تو کنڈن چپ چاپ بستر پلیٹ کر چلی گئی پھر واپس آ کر پوچھنے لگی۔

”بی بی صیب! آپ کو اکیلے میں ڈر لگتا ہے؟“

”نہیں! اپنے گھر میں کیوں ڈر لگے گا؟ بس جب نیند نہیں آتی تو کسی سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے اس لیے میں نے تجھے یہاں بلایا ہے۔“

”پر بی بی صیب! مجھے تو بہت نیند آتی ہے۔“ کنڈن اُس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔

”تو سو جا! میں تجھے سونے سے منع تو نہیں کر رہی۔“ اُس نے بشکل اپنی بھجلاہٹ چھپائی۔

”پھر آپ باتیں کس سے کر لیں گی؟“

”کسی سے نہیں! تو سو آرام سے!“ وہ چڑھ گئی ساتھ ہی صوفے کی طرف اشارہ کیا تو کنڈن اُس کے غصے سے ڈر کر فوراً صوفے پر لیٹ گئی لیکن اُسے چھین نہیں آ رہا تھا۔ کبھی ادھر کر وٹ بدلتی، کبھی ادھر، کبھی سیدھی لیٹ جاتی۔ چاندنی نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے بار بار

کر وٹ بدلنے سے اُسے کوفت ہو رہی تھی۔ آخر نوک دیا۔

”کیا تکلیف ہے تمہیں؟“

”بی بی صیب! کنڈن فوراً اٹھ بیٹھی۔

”میں جی ادھر نہیں سو سکتی، نیچے سو جاؤں گی!“

”اچھا! ابھی ادھر میرے پاس آ کر بیٹھ!“ وہ اُس کی مجبوری سمجھ کر نرم پڑ گئی۔

”تاہم میں دباؤں آپ کی؟“ کنڈن اٹھ کر اُس کے پیروں کے پاس آ بیٹھی۔

”نہیں!“ وہ فوراً انگلیں سمیٹ کر بولی۔

”کچھ باتیں کر!“ مجھے یہاں کے بارے میں بتا! ادھر آس پاس کون کون رہتا ہے؟“

”ادھر تو سارے مزار عے ہیں جی! آپ کی جاگیر سے آگے دوسری آبادی ہے۔“ کنڈن نے

”اور ہاں! کہہ رہا تھا وہاں سے آ کر پھر کچھ دنوں کے لیے یہاں آئے گا۔“ بے بے اُس کی بات نظر انداز کر گئیں جس پر اب وہ چڑ کر بولی۔

”تو میں کیا کروں بے بے!“

”پتر! ایسے نہیں کہتے! میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ جاگے کے آنے سے پہلے تو

ادھر آ جانا!“ بے بے نے دھیرج سے ٹوک کر کہا۔

”کیوں! میں کیوں آ جاؤں!“ وہ چیخ کر بولی۔

”لے! وہ تیرا پوچھے گا تو؟“ بے بے نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”پہلے کبھی پوچھا ہے اُس نے میرا جواب پوچھے گا؟ اور اگر پوچھے بھی تو بتا دینا کہ میں یہاں

ہوں اپنے ماں باپ کے گھر اور اب یہیں رہوں گی۔“

”اچھا! جب تک تیرا دل چاہے رہ لے وہاں! پر غصہ نہ کیا کرو اور دیکھ! اپنا خیال

رکھنا!“ بے بے اب ڈار سے بول رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ سختی رہی پھر فون بند کر دیا۔

○○○

گہری نیند سے اچانک اُس کی آنکھ کھلی۔ شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی جب ہی زبان خشک اور حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ زیر و پاوری مدھم روشنی میں پہلے اُس نے اطراف کا جائزہ لیا پھر دل پر

ہاتھ رکھ کر گویا خود کو تسلی دی کہ خواب ہی تو تھا۔ پھر اٹھ کر لائٹ جلانے کی غرض سے سوچ بورد کی طرف

بڑھ رہی تھی کہ بانسری کی مدھم آواز پر چونک کر ڈک گئی۔ روزانہ رات کے اس پہر جانے کون سر چھیڑ رہا تھا۔

کل تو اُس کی بانسری کی آواز پر ہی آنکھ کھلی تھی اور اُس نے سوچا تھا کہ وہ صبح کنڈن سے پوچھنے کی لیکن صبح

اُسے یاد ہی نہیں رہا اور اب اُس کا دل چاہا اسی وقت کنڈن یا کسی کو بھی بلا کر پوچھے کہ یہ بانسری کون بجاتا

ہے اور اس وقت ہی کیوں۔

”آواز میں نہ دوں گا۔“ آج بھی وہی پہلے روز والا گیت تھا۔ وہ کچھ دیر سختی رہی پھر تجسس کے

ہاتھوں مجبور ہو کر کمرے سے نکلی اور ساری لائٹس آن کرتی ہوئی کوریڈور میں آکھڑی ہوئی۔ اب اُس کے

اندرونی ڈر خوف نہیں تھا کیونکہ ان چار دنوں میں اُس نے جان لیا تھا کہ یہاں سب اُس کے غلام ہیں اُس

کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہونے والے۔ ابھی بھی چوکیدار ڈور سے اُسے دیکھ کر بھلا گا آیا تھا۔

”بی بی صیب! کیا چاہیے؟“

”کچھ نہیں!“ اُس نے پہلے بے دھیانی میں جواب دیا پھر ایک دم احساس ہونے پر پوچھنے

لگی۔

”ہاں! وہ کنڈن کہاں ہے؟“

”سورہی ہے جی! اٹھاؤں!“ چوکیدار یوں الرٹ ہو گیا تھا جیسے اگر وہاں کہے گی تو فوراً

”تمہارا باپ بڑا ساحر ہے ولی..... اپنا نہیں تمہاری ماں کیسے اُس کے سحر سے نکل بھاگی۔ میں نے تو لاکھ کوشش کر لی۔“ وہ بچے کو اپنے پیٹ پر بٹھائے اُس کے دونوں ہاتھ مٹھیوں میں دباے بول رہی تھی۔

”عجیب شخص ہے، نہ اُس کا ساتھ خوشی دیتا ہے اور نہ اُس کے بنا کہیں دل لگتا ہے۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں اُسے شوٹ کر دوں۔ کیا خیال ہے.....! کر دوں شوٹ.....؟“ اُس نے بچے کے ہاتھ ہلائے وہ کھٹکھٹا کر ہنسنے لگا۔

”ارے.....!“ وہ بھی ہنس پڑی، پھر بچے کو سینے پر لٹا کر اُس کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر کہنے لگی۔

”تم اپنے باپ کی طرح مت ہونا.....! وہ بے ایمان اور ہر جاتی ہے۔ تمہیں اچھا انسان بننا ہے، میں بناؤں گی تمہیں اچھا انسان۔ ہر وہ خوبی جو میں سردار میں دیکھنا چاہتی ہوں وہ تمہاری ذات کا حصہ ہوگی۔“ وہ بولتے ہوئے اپنے ہی خیالوں میں گھوم رہی تھی۔ کتنی دیر بعد احسان ہوا کہ بچہ اُس کے سینے پر سو گیا جب بہت احتیاط سے اُسے بستر پر لٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پہلے موبائل اٹھا کر حاکم علی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، پھر گاڑی کی چابی لے کر باہر نکل آئی۔

سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ شام کے وقت یوں بھی لگتا ہے جیسے سارا شہر سفر میں ہو، کوئی گھر کی طرف بھاگ رہا ہوتا ہے اور کوئی گھر سے۔ وہ بنا سوچے سمجھے گھر سے نکل تو آئی تھی لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہاں جائے۔ بغیر کسی پلاننگ اور وقت کا خیال کے تو وہ صرف حاکم علی کے گھر ہی جاتی تھی اور وہ تھا نہیں جب ہی اپنے آپ پر جھنجھلاتے ہوئے اُس نے گاڑی راؤنڈ ہاؤس سے واپسی کے راستے پر ڈالی تھی کہ اچانک اُس کی گاڑی بند ہو گئی۔

”شوٹ.....!“ وہ مزید جھنجھلا گئی پھر بار بار اُٹارٹ کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر گاڑی سے اتر آئی اور یونٹ اٹھانے لگی تھی کہ ایک گاڑی اُس کے قریب آن رکی۔

”ایچی پرائیلم.....!“ وہ اُس کی طرف کے شیشے پر جھک کر پوچھ رہا تھا۔

”لیس.....!“ اُس کے اعتراف پر وہ فوراً اتر کر آ گیا اور اُس کی گاڑی چیک کرنے کے بعد مایوسی سے بولا۔

”سوری.....! اسے کسی ملکیت کی ضرورت ہے۔“

”اوہ.....!“ وہ ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔

”میں آپ کو ڈراپ کر سکتا ہوں.....! کہاں جانا ہے آپ کو.....؟“ اُس نے پوچھا تو اُس کی بھکتی ہوئی نظریں اُس پر آن ٹھہریں پھر غالباً اُس کا اعتبار کر کے وہ اپنی گاڑی لاک کر کے اُس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

”کہاں جائیں گی.....؟“ اُس نے پھر پوچھا۔

بتایا تو وہ چند لمحوں سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔

”اور وہ کون ہے جو رات میں بانسری بجاتا ہے.....؟“

”ہائے بی بی صیب.....! آپ نے سنی ہے بانسری کی آواز.....! کتنی سُر ملی ہے میرا تو ناپنے کا دل کرتا ہے۔“ کندن یک دم مشتاق ہو گئی۔

”میں یہ نہیں پوچھ رہی کہ تیرا کیا دل کرتا ہے.....؟ میں بانسری بجانے والے کا پوچھ رہی ہوں، کہاں رہتا ہے اور رات میں ہی کیوں بانسری بجاتا ہے دن میں کیوں نہیں.....؟“ بہت ضبط کے باوجود اُس کا انداز جھنجھوڑنے والا تھا۔

”چنانچہ بی بی صیب.....! میں یہ سب تو نہیں جانتی پر میں نے سنا ہے کہ دن میں وہ ادھر مزار پر بیٹھتا ہے۔“ کندن بڑی جلدی خائف ہو جاتی تھی۔

”مزار.....! کس کا مزار ہے.....؟“ اُس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

”سائیں شاہ کا.....! بڑے بچے ہوئے سائیں ہیں بی بی.....! ہر مراد پوری ہوتی ہے۔“

”اچھا.....! تو کبھی گئی ہے وہاں.....؟“ وہ پوری توجہ سے کندن کو دیکھنے لگی۔

”ہاں جی.....! بہت بار.....!“

”کیا مرادیں لے کر گئی تھی.....؟“ وہ بلا ارادہ پوچھ گئی اور کندن سمجھ نہ سکی۔

”کیا جی.....!“

”میرا مطلب ہے تمہاری کوئی مراد پوری ہوئی.....؟“

”ہاں جی.....! میرا اب بہت بیمار ہو گیا تھا، سب کہتے تھے بس اب تھوڑے دنوں کا مہمان ہے۔ میں نے سائیں شاہ کے مزار پر جا کے دُعا کی، منت مانی تو میرا اب تھوڑے دنوں میں بھلا چنگا ہو گیا، تب سے میں ہر جمعرات کو جاتی ہوں۔ آپ کی بھی کوئی مراد ہو بی بی صیب.....! تو سائیں شاہ کے مزار پر دھاگا

باندھ دو.....!“ کندن نے بتاتے ہوئے اُسے بھی مشورہ دے ڈالا۔

”میری مراد.....!“ اُس کی دھنی رو بہک گئی۔

”اب تو کوئی مراد نہیں ہے.....!“

”ہاں بی بی صیب.....! آپ کے پاس تو سب کچھ ہے۔“ کندن نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا۔

”سب کچھ.....؟“ اُس کے دل سے ہوک اُٹھی۔

○○○

حاکم علی جرمی گیا ہوا تھا تو ہمیشہ کی طرح نشی کو اُس کے بغیر سارا شہر ویران لگ رہا تھا۔ وہ انتہائی بیزار اور اکتائی ہوئی سی پھر رہی تھی۔ کسی کام میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ کتنی بار لکھنے بیٹھی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر بچے کے ساتھ خود کو بھلانے کی کوشش کرنے لگی۔

ہمایوں کو مسجد یہ کی مہندی والے روز پہنچتا تھا لیکن اسلام آباد میں طوفانی بارش کے باعث فلائس کے شیڈول پہنچ ہو گئے تھے جب ہی وہ نہیں آسکا جس پر نوریہ خاصی جھنجھلائی ہوئی تھی لیکن اپنی ساس کو تسلی دینے کے ساتھ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ

”اس میں ہمایوں کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بیچارے تو خود وہاں پریشان رہے ہیں۔“
”آج بھی آ رہا ہے کہ نہیں.....! اللہ کرے آج تو خیریت سے پہنچ جائے۔ مجھے پتا نہیں کیوں ہوں اٹھ رہے ہیں.....؟“ امی بہت فکر مند لگ رہی تھیں۔

”پہنچ جائیں گے انشاء اللہ.....! ہارات کے آنے سے پہلے پہنچ جائیں گے.....! آپ پریشان نہ ہوں.....!“ اس نے انہیں تسلی دی۔
”فون بھی آیا اس کا کہ نہیں.....؟“

”جی.....! ایر پورٹ جاتے ہوئے فون کیا تھا انہوں نے، آپ ایسا کریں اب تیاری شروع کر دیں، میرا مطلب ہے مہمانوں کے آنے سے پہلے آپ تیار ہو جائیں پھر آپ کو میرج ہال بھی جلدی پہنچنا ہے۔“ اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگیں۔
”سعد یہ پار چلی گئی.....؟“

”جی.....! ممانی جان اس کے ساتھ گئی ہیں۔“ اس نے بتاتے ہوئے وارڈ روپ سے ان کی ساڑھی نکال کر ان کے سامنے رکھی پھر انہیں جلدی تیار ہونے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

اسے اپنی تیاری کے لیے بھی خاصا وقت چاہیے تھا کیونکہ اس کی اکلوتی نند کی شادی تھی۔ پھر ہمایوں کا بھی اصرار تھا کہ اس کی تیاری میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ کل کتنی دیر تک وہ فون پر اس قسم کی باتیں کرتا رہا جن پر سوچ سوچ کر اسے ہنسی آرہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس کی خواہش کے مطابق خود کو سنوار رہی تھی۔ سیاہ شرابے پر بہت نفیس سلور کا کام تھا۔ اسی حساب سے اس نے میک اپ کیا پھر جیولری کا انتخاب کر رہی تھیں کہ اس کی ساس آکر بولیں۔

”تم ابھی تیار نہیں ہوئیں.....؟“
”میں تیار ہوں امی.....! لیکن میں ہمایوں کے ساتھ آؤں گی.....! آپ ماموں جی کے ساتھ چلی جائیں.....!“ وہ بولت سے بولی پھر انہیں سوچتے دیکھ کر کہنے لگی۔

”ہمایوں کو راجہ کی پہنچ چکے ہیں امی.....! اور یہاں کی ٹریفک کا تو آپ کو پتا ہی ہے، گھر پہنچنے میں انہیں آدھا پونا گھنٹہ لگ جائے گا پھر کچھ وقت تیاری میں.....! اور ادھر مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں اسی لیے میں کہہ رہی ہوں آپ ماموں جی کے ساتھ چلی جائیں.....!“ وہ ان کے قریب آکر بولی۔

”میں تو جا رہی ہوں پھر تم لوگ کیسے آؤ گے.....؟ گاڑی تو میں لے جا رہی ہوں۔“ امی خاصی جھنجھلا رہی تھیں۔

”کلفٹن روڈ.....! آپ کیا اسی طرف جا رہے تھے.....؟“ اس نے بتا کر پوچھا۔
”جی نہیں.....! اور اب پیلز.....! آپ یہ مت کہہ دیجئے گا کہ میری وجہ سے آپ کو زحمت اٹھانا پڑ رہی ہے۔“ اس نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔
”کیا کرتے ہیں آپ.....!“

”دن میں جاب، رات میں پڑھائی، پھر بھی نکما سمجھا جاتا ہوں۔“ وہ ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھ کر بول رہا تھا۔

”ارے.....! یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔“ وہ واقعی محظوظ ہوئی۔
”دلچسپ.....! میرے لیے تکلیف دہ.....!“ اس نے کہا تو وہ ایک دم اسے دیکھنے لگی۔

”سوری.....! میں نے شاید.....“
”نہیں نہیں.....! وہ فوراً بول پڑا۔

”مجھے آپ کی بات سے بھیس نہیں پہنچی۔ خیر.....! آپ بتائیں.....! آپ کیا کرتی ہیں.....؟“
”کبھی کبھی نہیں.....! کبھی بہت کچھ.....!“ اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

”وضاحت کریں گی.....؟“
”میں لکھاری ہوں اور موڈی بھی۔“ اس نے بتایا تو اب دیوہ میں اس نے پورے دھیان سے

اسے دیکھا پھر کہنے لگا۔
”میرا خیال ہے سارے لکھاری موڈی ہوتے ہیں۔ کبھی مینوں نہیں لکھتے اور کبھی مینوں لکھنے سے

فرصت نہیں ملتی۔“
”جکی بات ہے.....!“ اس نے تائید کی پھر سامنے اشارہ کر کے بولی۔

”وہاں سے رات پینڈ.....!“
”کہیں جاب بھی کرتی ہیں.....؟“ اس نے گاڑی موڑتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں.....! مجھے پابندیاں پسند نہیں ہیں۔“ اس کے جواب پر وہ خاموش ہو رہا پھر اس کے اشاروں پر چلتے ہوئے گاڑی اس کے گیٹ پر روک دی۔

”تھینک یو.....!“ وہ اترنے لگی پھر ایک دم اس کی طرف پلٹ کر بولی۔
”میں نئی ہوں اور آپ.....!“

”نعمان حسن.....!“
”تھینک یو دیری مچ نعمان حسن.....! آپ کو واقعی زحمت ہوئی۔“ وہ کہہ کر اتر گئی اور جب تک اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی، وہ وہیں کھڑی رہی۔

جب آسے ہوش آیا تو وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر تھی لیکن سمجھنے سے قاصر، کتنی دیر نظریں گھما گھما کر چاروں طرف دیکھتی رہی، کمرے میں کوئی نہیں تھا نہ کوئی اپنا نہ پرایا۔ وہ کس سے پوچھتی کہ وہ کہاں ہے۔ خود ہی سوچنے لگی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر پھر اُدھر دیکھنے لگی۔

”السلام علیکم.....!“ نعمان اندر آیا تھا۔

”کیسی طبیعت ہے.....؟“

”نومی.....!“ آس کا ذہن یکنخت بیدار ہو گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

”نومی.....! ہمایوں کہاں ہیں.....؟“

”ہیں..... نہیں ہیں.....!“ نعمان نے بہت مائل انداز میں بتایا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

”یہاں.....!“ اب اطراف میں دیکھتے ہوئے آس نے جانا کہ وہ ہاسپٹل میں ہے پھر بے قراری سے پوچھا۔

”ہمایوں ٹھیک تو ہیں ناں.....!“

”ہاں بابا.....! ٹھیک ہیں.....! تم ٹھیک نہیں ہو.....! آرام کرو.....!“ نعمان نے قریب آ کر آسے تسلی دی۔

”میں ٹھیک ہوں.....! تم ہمایوں کو بلاؤ.....! یا مجھے اُن کے پاس لے چلو.....!“ وہ اُٹھ بیٹھی لیکن

جب بیڈ سے اُترنا چاہا تو پیر میں ٹھیس اُٹھنے لگیں۔

”کیا کر رہی ہو.....! تمہارا پاؤں فرچر ہوا ہے اور.....!“ وہ خاموش ہو گیا۔

اور آس نے سہمی ہوئی نظروں سے نعمان کو دیکھا پھر آس کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔

”نومی.....! مجھے بتاؤ.....! کیا ہوا ہے.....؟ ہمایوں کے ساتھ کیا ہوا.....؟ کیا اُن کا ایکسیڈنٹ ہوا

ہے.....؟ دیکھو.....! مجھ سے کچھ مت چھپاؤ.....! میں نے خود آواز سن لی.....! آس وقت میں سیل پر اُن سے

بات کر رہی تھی جب دھماکا ہوا تھا۔“ نعمان نے آس کے دونوں ہاتھ تھام لئے لیکن کچھ بول نہیں سکا۔

”آپ ہماری فکر نہ کریں.....! میں نے ڈیڈی کو فون کر دیا ہے وہ گاڑی بھیج رہے ہیں۔“
”یہ سب ہمایوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ چار دن پہلے آ جاتا تو.....!“ امی بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں تو وہ سر جھٹک کر پچھڑی ٹنگ ٹنگ ٹنگ کے پاس آگئی اور کاٹچ کی سیاہ چوڑیوں کے ساتھ سلور کڑے سیٹ کرنے لگی تھی کہ آس کا موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر ہمایوں کا نام دیکھتے ہی آس نے فوراً موبائل اٹھا لیا۔
”کہاں ہیں آپ.....!“

”راستے میں.....! بس چندرہ منٹ میں پہنچنے والا ہوں، میرا سوٹ نکال دیا.....؟“
”سب کچھ نکال دیا ہے، سوٹ، ٹائی، رومال، جوتے موزے بس آپ جلدی آئیں.....!“ آس نے روانی سے بتا کر کہا۔

”آتور ہا ہوں.....! یہ بتاؤ.....! تم تیار ہو گئیں کیا پہنا ہے.....؟ آئی مین.....! کون سا کالر.....؟“
”چپ.....! نیکی میں بیڈ کرا لسی باتیں نہیں کرتے۔“ وہ ذرا سا ہنسی کے ساتھ ٹوک کر بولی۔
”آ کر دیکھ لیجئے گا.....!“

”اچھا سنو.....! چوڑیاں مت پہننا.....!“ ہمایوں نے کہا تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

”کیوں.....! آپ کو چوڑیاں پسند نہیں ہیں.....!“

”بہت پسند ہیں، کاٹچ کی رنگ برنگی چوڑیاں اور وہ میں خود تمہاری کلائیوں میں سجاؤں گا.....!“

ہمایوں کا لہجہ کسی خوبصورت قصور سے بھاری لگ رہا تھا۔

”دیر ہو جائے گی ہمایوں.....!“ آس نے کہا تب ہی زوردار دھماکے کی آواز آس کی سماعت سے

یوں ٹکرائی کہ آس کا پورا وجود ہل گیا۔

”ہمایوں.....!“ وہ پوری قوت سے چیخنی۔

”ہمایوں آپ ٹھیک تو ہیں ناں.....! ہمایوں.....! کہاں ہیں آپ.....!“

جواب میں صرف گاڑی کا ہارن سنائی دے رہا تھا۔

”ہمایوں.....!“ آس نے بار بار پکارا پھر موبائل پھینک کر چلاتی ہوئی کمرے سے نکلی۔

”کوئی ہے.....! کوئی ہے.....! امی.....! ڈیڈی.....! ہمایوں.....!“ وہ جواس کھورہی تھی بمشکل

ساری توانائیاں صرف کر کے گیٹ کی طرف بھاگی لیکن برآمدے کا اسٹیپ اُترتے ہوئے آس کا پاؤں

شرارے میں اُٹھ گیا اور اگلے پل وہ اونڈھے منہ فرش پر پڑی تھی۔

جلدی ٹھیک ہو جاؤ.....!"

"یہ..... یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے نومی.....!" وہ پھر رو پڑی۔

"مجھے خوشیاں داس کیوں نہیں آتیں.....؟ جب مطمئن ہونے لگتی ہوں کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جاتا

ہے، کیوں.....؟ کیا میرے نصیب میں مطمئن ہونا، خوش ہونا لکھا ہی نہیں گیا.....؟"

"ایسا مت کہو نور..... زندگی میں امتحان اور آزمائشیں آتی ہی ہیں، ان پر شکی نہیں ہونا چاہیے۔"

نعمان نے دھیرے سے سمجھایا۔

"امتحان اور آزمائشیں اچھے، نیک لوگوں پر آتی ہیں، مجھے تو لگتا ہے کسی گناہ کی سزا....." اُس کی

آواز ساتھ چھوڑ گئی۔

"پاگل مت بنو.....! کوئی گناہ نہیں ہوا تم سے.....! ایسا سوچنا بھی مت.....! اور خبردار.....! جو

مالیسی کی باتیں کہیں تو.....!"

"اچھا.....! تم مجھے ہمایوں کے پاس لے چلو.....! کسی بھی طرح.....! وہیل چیئر ہی لے آؤ.....!

پلیز نومی.....!" اُس نے اتنی عاجزی سے ہاتھ جوڑے کہ نعمان پریشان ہو گیا۔

"تم بہت عجیب کر دیتی ہو نور.....! لیکن یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمایوں آئی سی یو میں ہیں اور ڈاکٹر

وہاں چیئر نہیں لے جانے دیں گے۔"

"آئی سی یو.....!" اُس کا دل بند ہونے لگا۔

"کیا سیریس کنڈیشن ہے اُن کی.....؟"

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے.....!" نعمان نے جواب کی بجائے تسلی دی۔

"ہاں.....! ٹھیک ہوتا ہے انہیں.....! یہ میری کلائیاں دیکھ رہے ہو، میں نے چوڑیاں نہیں

پہنیں کیونکہ ہمایوں کہہ رہے تھے وہ خود آکر مجھے چوڑیاں پہنائیں گے۔ انہیں رنگ برنگی کاٹنی کی چوڑیاں

بہت پسند ہیں۔ اپنی کلائیاں دیکھتے ہوئے اُس کی آنکھیں پھر ڈھنڈلا گئیں۔ نعمان کو اُس پر بے پناہ ترس

آکر رہا تھا۔

○ ○ ○

سعد پاپک دن کی دہن، اپنی امی کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھیں جنہیں حادثے کی خبر نے بالکل توڑ

کر رکھ دیا تھا۔ کبھی زرارہ قطار روئے لگتیں کبھی جائے نماز پر بیٹھتیں تو گھنٹوں وہاں سے اٹھنے کا نام نہیں لیتی

تھیں۔ اس وقت سعد یہ نے انہیں زبردستی ٹیبلٹ دے کر سلا دیا، پھر سبیل کے پاس آکر بیٹھی تو رو

پڑی۔

"مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا سہیل.....! چنانچہ اس گھر کو کس کی نظر لگی ہے.....؟ ہر خوشی

کے موقع پر کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔"

"نومی.....!" وہ ٹوٹ گئی۔

"خدا کے لیے.....! کہہ دو کوئی سانحہ نہیں ہوا.....!"

"نہیں ہوا.....!" اُس کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کر کے وہ بہت ضبط سے کہنے لگا۔

"معمولی ایکسیڈنٹ تھا.....! ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے.....! تم اپنے آپ کو سنبھالو.....! تمہیں

اُن کی تیمارداری کرنی ہے۔ اگر تم اس طرح ہلکان ہو گئی تو....."

"نہیں.....! میں..... میں کہاں ہلکان ہو رہی ہوں.....؟" اُس نے فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں

رگڑ ڈالیں پھر منت سے بولی۔

"مجھے اُن کے پاس لے چلو نومی.....! میں جب تک انہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لوں گی....."

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو.....!" وہ ٹوک کر کہنے لگا۔

"ابھی تم چل نہیں سکتیں.....! اور پتہ ہے ہمایوں سے ہم نے یہی کہا ہے کہ تم سعدیہ کی شادی....."

"ہاں.....! سعدیہ کی شادی.....!" اُسے یک دم جھٹکا لگا تھا۔

"نومی.....! اکل سعدیہ کی شادی تھی.....! کیا ہوا.....؟"

"ہو گئی.....! سعدیہ کل رخصت ہو گئی.....! تم آرام سے بیٹھو.....! ریلیکس ہو جاؤ.....! پھر میں

تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا۔" نعمان نے آہستہ سے اُس کا کندھا دبا کر کہا۔

"پانی.....!" اُس نے جگ کی طرف اشارہ کیا پھر ٹیکے کے ساتھ کمر کا کر آرام سے بیٹھ گئی۔

نعمان نے گلاس میں پانی ڈال کر اُسے تھمایا تو وہ ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر گئی۔ پھر بے جبری سے

اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"سعدیہ رخصت ہو گئی.....؟"

"ہوں.....!" نعمان چیئر بیڈ کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا پھر بتانے لگا۔

"میں کل جب تمہارے گھر آیا تو تم بیچ میں بے ہوش پڑی تھیں۔ گھر میں اور کوئی نہیں تھا اور موقع

ایسا تھا کہ میں کسی کو اطلاع بھی نہیں دے سکتا تھا۔ البتہ میں نے ہمایوں کے موبائل پر انہیں فون کیا تھا لیکن

جواب موصول نہیں ہوا تب میں تمہیں گاڑی میں ڈال کر یہاں لے آیا تو....." وہ خاموش ہو گیا۔

"تو.....؟" اُس نے فوراً ٹوکا۔

"تو یہاں میں نے ہمایوں کو دیکھا۔ اسٹریچر پر انہیں ایمر جنسی میں لے جایا جا رہا تھا۔ میری سمجھ میں

کچھ نہ آیا کہ یہ سب کیا ہوا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیے.....؟ دوسرے سعدیہ کی شادی تھی، مہمان آرہے تھے،

دھرم دونوں اس حال میں۔ تب میں نے چچا جان کو فون کر کے بلا لیا۔ چچا جان پہلے ڈاکٹروں سے ملے

پھر مجھے یہاں چھوڑ کر سعدیہ کی شادی میں چلے گئے اور مجھے نہیں معلوم انہوں نے وہاں تم دونوں کی غیر

موجودگی کا کیا جواز پیش کیا اور تمہاری ساس کو کیسے مطمئن کیا۔ بہر حال سعدیہ رخصت ہو گئی، اب تم بھی

”چاندنی! وہ ہنس۔“

”تمہیں وہ اسٹوڈنٹ لڑکی بہت یاد رہ گئی۔“

”وہ ہے ہی یاد رہ جانے والی! تم پتا نہیں کیسے اُسے بھول جاتے ہو۔؟“

”خیر! یہ بتاؤ! کیسی ہے وہ۔؟“ نشی نے ہمیشہ کی طرح اُسے احساس دلانے کی سعی کر

کے پوچھا۔

”ٹھیک ہے۔“ اُس نے کسی ٹکڑے سے بچنے کی خاطر کبہ دیا پھر فوراً بات بدل گیا۔

”تم سناؤ! کیا کر رہی ہو آج کل! کوئی نئی کہانی شروع کی؟“

”ہاں! اور میری کہانی کا ہیرو پتا ہے کون ہے؟ تم۔؟“ نشی بتا کر ہنس رہی تھی، اُسے

کچھ عجیب سا محسوس ہوا لیکن ٹوکنے کی بجائے بے اختیار پوچھ گیا۔

”اور ہیرو کون ہے۔؟“

”تم بتاؤ! کسے ہونا چاہیے۔؟“ نشی نے اُٹا اس سے پوچھا۔

”نوریہ! صرف نوریہ! وہ زور دے کر بولا۔“

”صرف تو نہ ہو سردار! نشی ٹوک کر غائب کتنی لڑکیوں کے نام لینا چاہتی تھی لیکن وہ فوراً بول

پڑا۔“

”جسے میں نے دل سے مانا ہے وہ صرف نوریہ ہے! باقی آنے جانے والی لڑکیوں کو ہیرو دکن تو

نہیں کہا جاسکتا ناں۔“

”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو! لیکن چاندنی کا شمار تو آنے جانے والی لڑکیوں میں نہیں ہوتا۔“

”اوفو! یہ تم کیا فضول باتیں کرنے لگتی ہو۔؟“ وہ جھنجھلا گیا۔

”چلو چھوڑو! نہیں کرتی فضول باتیں! نشی نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تو وہ مزید جھنجھلا

گیا۔

”عجیب پاگل لڑکی ہے! پتا نہیں اُسے چاندنی سے کیا دلچسپی ہے۔؟ ہر بات میں

چاندنی! چاندنی! ناان سنس! ہونہہ! اُس کا موڈ آف ہو گیا۔

○○○

درمیانی تاریکوں کے چاند نے ماحول کو خواب ناک بنا دیا تھا۔ مزید درد میں ڈوبی بانسری کی لے

لگتا تھا سارے میں آگ لگا دے گی۔ وہ گھاس وال کے قریب کھڑی کبھی چاند کو دیکھتی، کبھی پیڑوں کے

جھنڈے اُسے یاد دہانی کی کوشش کرتی کہ شاید وہ روگی نظر آجائے جس نے اُس کی نیندیں اُڑا دی تھیں اور

عجیب بات تھی کہ اُسے اُس پر غصہ نہیں آتا تھا بلکہ اُس کا دل اُس کے درد پر تڑپتا تھا شاید اس لیے کہ وہ خود

چوٹ کھائے ہوئے تھی۔ جب ہی اُس کے درد کو اپنے دل پر محسوس کرتی تھی۔ اب بھی وہ بہت بے چین ہو

”روؤ مت! سب ٹھیک ہو جائے گا! تمہیں ہمت سے کام لینا ہے۔“ سہیل نے اُس کا

سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

”مجھ میں نہیں ہے ہمت! اور نہ مجھ سے امی کا رونا دیکھا جاتا ہے، میں کیا کروں۔؟ اُدھر

بھائی کے پاس بھی کوئی نہیں ہے۔“ اُس کے آنسو اتر سے پتے ہوئے سہیل کے سینے میں جذب ہو رہے

تھے۔

”ہیں۔! اہا یوں بھائی کے پاس نوریہ بھابی کے گھر والے ہیں۔“

”بھائی ٹھیک ہو جائیں گے ناں! ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟ مجھے بھی تو کچھ بتائیں! وہ

سہیل سے الگ ہو کر اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”بتائیں سہیل! ڈاکٹر نے کیا کہا ہے۔؟“

”ڈاکٹر پر امید ہیں لیکن کچھ وقت لگے گا اور دیکھو! تم اپنے آپ کو سنبھالو! کیونکہ امی کو تم

نے حوصلہ دینا ہے۔“ سہیل نے پھر اُسے نرمی سے سمجھایا۔

”ہاں! ابھی بھی تو ہیں، وہ کب ٹھیک ہوں گی۔؟“ اُس نے نوریہ کے بارے میں پوچھا۔

”اُن کے پیروں میں معمولی فریکچر ہے وہ انشاء اللہ! جلدی ٹھیک ہو جائیں گی، چلو! تم منہ

باتھ دھو کر کچھ کھانے کا انتظام کرو، میں جب تک شاور لے لوں! سہیل اُس کا ہاتھ بنا کر اُٹھ کھڑا

ہوا تو وہ بھی اُس کے ساتھ اُٹھ گئی اور پہلے امی کے کمرے میں جھانک کر انہیں دیکھا پھر کچن کا رخ کیا۔

○○○

سردار حاکم علی جرمی سے لوٹا تو چند گھنٹے کراچی میں رکا پھر گاؤں آگیا اور بے بے جو ہمیشہ اُس کی

آمد پر بہت خوش ہو جاتی تھیں! اب اُسے دیکھ کر کچھ خائف سی ہو گئی تھیں کہ کہیں وہ چاندنی کے یہاں سے

جانے پر ناراض نہ ہو۔ حالانکہ وہ کبھی خاص طور سے چاندنی کے بارے میں پوچھتا بھی نہیں تھا۔ ابھی بھی

اُس کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا۔ بس بے بے کا حال احوال پوچھا پھر اُن سے چائے کا کہہ کر اوپر

آگیا۔ جرمی میں وہ بے انتہا مصروف رہا تھا اور اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا تھا جب ہی اُس نے کراچی

میں کسی کو اپنی آمد کا نہیں بتایا تھا اور سیدھا یہاں آگیا تھا لیکن اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اُسے کم از کم نشی

کو ضرور اپنی آمد کی اطلاع دینی چاہیے تھی جسے وہ ایک ہفتے کا کہہ کر گیا تھا۔

”وہ انتظار کر رہی ہوگی! اُس نے سوچا پھر جیب سے موبائل نکال کر نشی کا نمبر پیش کر کے

کان سے لگا لیا تو ادھر سے نشی نے رسیو کرتے ہی پوچھا تھا۔

”ہائے سردار! کب آئے۔؟“

”آج ہی! لیکن تمہارے شہر میں نہیں ہوں، اپنے گاؤں میں ہوں۔“ اُس نے بتایا۔

”چاندنی کے پاس! نشی بے ساختہ بولی۔“

رکھنے کی مزید سعی کی۔

”ہم گیٹ سے نہیں بچھلی طرف سے جائیں گے، چل.....! نہیں تو میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی۔“
اُس نے کہا تو کندن نے اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”بی بی صیب.....! اس وقت نہ جاؤ.....! کل دن میں پہلے میں اُس کا پتا کر آؤں پھر آپ کو لے چلوں گی.....!“
”تو تو نہیں جائے گی.....؟ ٹھیک ہے.....! میں جا رہی ہوں.....!“ اُس نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

”بی بی صیب.....! اگر کسی نے دیکھ لیا تو.....“ کندن فوراً اُس کے ساتھ ہو کر بولی۔
”دیکھ لے.....! مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔“ اُس نے ہٹ دھرمی سے کہہ کر کندن کا ہاتھ پکڑا اور لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آئی۔ بچھلی طرف کا لان عبور کر کے پگڈنڈی کی طرف جاتے ہوئے اُس کے اپنے قدم ڈمگانے لگے، دل بھی سہا جاتا تھا اور کندن کے منہ سے تو مارے خوف کے عجیب و غریب آوازیں بھی نکل رہی تھیں، پھر بھی اُس نے واپسی کا نہیں سوچا اور آگے بڑھتی چلی گئی۔
”بی بی صیب.....! وہ دیکھو.....!“ کندن نے کپکپاتی آواز میں نہر کے کنارے بنی جھوپڑی کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں.....! وہ ہیں.....! وہ ہیں سے آواز آرہی ہے، وہ اسی جھوپڑی میں ہے، چلو.....!“ وہ یکدم پُر جوش ہو گئی اور کندن کو تھپتھپتی ہوئی تیز قدموں سے چلتی جھوپڑی کے قریب آ کر رک گئی۔ اُس کی سانس پھول گئی تھی، یہی حال کندن کا تھا۔
”تو یہاں تک.....! میں اندر جاتی ہوں.....!“ اُس نے آواز دہا کر کہا۔ کندن نے اثبات میں سر ہلادیا تو وہ اس کا کندھا تھپک کے دروازے کی طرف آگئی اور جھانک کر اندر دیکھتے ہی اُسے بھر جھری آ گئی۔

اسنے خوبصورت اور دردناک سر چھینر نے والا اپنے حلیے سے انتہائی بد صورت لگ رہا تھا۔ پیوند لگا بد رنگ کرنا غالباً جب سے اُس نے پہنا تھا تو پھر اتارنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔
”آف.....! کتنا گندا ہے اور بانسری کتنی اچھی بجا رہا ہے.....!“ اُس نے سوچا پھر ایک دم اُسے

پکار گئی۔
”اے.....!“ اُس کے ہونٹوں سے لگی بانسری یگانگت خاموش ہو گئی اور آنکھیں کھولتے ہی وہ تیر زرد ہو گیا۔

”کون ہوتا.....؟“ وہ اب سیدھی ہو کر دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔
”ت..... تم کون ہو.....؟“ چاندنی کو مات دیتا اُس کا سُسن اُسے مزید حیران کر گیا تھا۔

رہی تھی کہ کندن کی آواز پر اچھل پڑی۔

”بی بی صیب.....! آپ کو نیند نہیں آرہی.....؟“ کندن کی اچانک آنکھ کھلی تھی اور اسے کھڑے دیکھ کر تعجب سے پوچھ رہی تھی۔

”نہیں.....! تو کیوں اٹھ گئی.....؟“ اُس نے جواب کے ساتھ ٹوکا۔

”بس.....! آپ ہی آنکھ کھل گئی۔ آپ کے سر میں تیل لگا دوں بی بی صیب.....! پھر بڑی اچھی نیند آئے گی۔ میں تیل لے کر آتی ہوں۔“ کندن خود ہی بولتی ہوئی اُنھ کر چلی گئی اور کچھ ہی دیر میں تیل کی شیشی لئے واپس آئی تو وہ بھیل کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”اسے وہاں رکھ دے.....!“

”بی بی صیب.....! خالص سرسوں کا تیل ہے، آپ ایک بار.....“

”کندن.....!“ اُس نے دانت پیسے تو کندن نے فوراً تیل کی شیشی بھیل پر رکھ دی۔ پھر خائف نظروں سے اُسے دیکھنے لگی وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کندن کے قریب آ کر آہستہ آواز میں پوچھنے لگی۔

”میری ایک بات ماننے کی کندن.....!“

”ہر بات مانوں گی بی بی صیب.....! میں تو آپ کی نوکر ہوں، آپ جو کہو میری مجال ہے جو منج کروں.....!“ کندن عادت کے مطابق شروع ہو گئی۔

”بس.....! زیادہ نہ بولا کر.....!“ اُس نے کندن کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی، پھر کہنے لگی۔

”میں جو کہوں گی کسی کو بتانا مت.....! اچھی.....!“

”سمجھ گئی بی بی صیب.....! راز کی بات ہے، میں کبھی راز کی بات کسی کو نہیں بتاتی.....! کندن نے جوش سے کہا تو اُس نے چند لمحے رُک کر خود پر قابو پایا پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر ازداری سے بولی۔

”مجھے اُس بانسری والے کے پاس لے چل.....! ابھی.....!“

”ابھی.....؟“ کندن ڈر گئی۔

”نہ بی بی صیب.....! اتنی رات باہر اتنا اندھیرا.....!“

”کوئی اندھیرا نہیں ہے اور اگر ہو تب بھی مجھے ابھی جانا ہے۔“ وہ قطعیت سے بولی۔

”پر بی بی صیب.....! مجھے تو پتا بھی نہیں ہے وہ کدھر رہتا ہے.....؟“ کندن کی اس وقت باہر جانے کے خیال سے ہی جان لگی جا رہی تھی۔

”ڈھونڈ لیں گے.....! جدھر سے بانسری کی آواز آرہی ہے اُس طرف چلتے ہیں.....!“ اُس نے جیسے تیرے کر لیا تھا۔

”کیسے جائیں گے بی بی صیب.....! گیٹ پر لاپا چوکیداری پر بیٹھا ہے۔“ کندن نے اُسے باز

”ہاں بے بے..... کیا بات ہے؟“ اُس نے خاصی بیزارى سے پوچھا تھا۔
”چاندنی.....! حاکم آیا ہے۔“ بے بے نے فوراً بتایا تو وہ چڑ گئی۔

”پھر کیا کروں.....؟“

”پتر.....! میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا کہ حاکم کے آنے سے پہلے تو ادھر آ جانا۔ اب بتا.....!
میں اُس سے کیا کہوں.....؟“ بے بے کی عاجزی پر وہ مزید سلگ گئی۔

”کہہ دینا چاندنی مرگئی.....!“

”ہائے.....! اللہ نہ کرے.....!“

”اللہ کرے میں مر جاؤں.....!“ اُس نے کہہ کر ریسورٹ دیا، پھر بڑبڑاتی ہوئی ڈاکٹنگ ٹیبل پر
آ بیٹھی تو فوراً ہی ہوا بھٹنے نے ناشتے کی ٹرے اُس کے سامنے لارکھی اور بے صبری سے پوچھنے لگی۔

”کیا کہہ رہی تھی بے بے.....؟“

”کچھ نہیں.....! آپ جاؤ.....! اپنا کام کرو.....!“ وہ رکھائی سے کہہ کر ناشتہ کرنے لگی پھر یہاں
سے فارغ ہو کر دوبارہ کمرے میں جا رہی تھی کہ کندن بھاگی ہوئی اُس کے قریب آ کر بولی۔

”بی بی صیب.....! وہ آیا ہے.....!“

”کون؟ حاکم.....!“ بے بے کے فون کے باعث اُسے حاکم ہی کا خیال آیا تھا۔

”نہیں جی.....! وہ بانسری والا.....!“ کندن نے بتایا تو اُس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا

اور فوری طور پر کچھ نہیں بھی آیا۔

”کیا کہوں بی بی صیب.....! اُس سے.....؟“ کندن نے پوچھا تب وہ سنبھل کر بولی۔

”اُسے بیٹھک میں بٹھاؤ.....! میں آرہی ہوں.....!“

”اچھا جی.....!“ کندن چلی گئی اور وہ کمرے میں آ کر ٹیبلے لگی۔ مقصد محض اُسے انتظار کروانا تھا اور
کافی انتظار کروانے کے بعد جب وہ بیٹھک میں داخل ہوئی تو وہ اُس کی آہٹ سن کر ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

”السلام علیکم.....!“

”والیکم السلام.....!“ اُس نے سر تاپا اُسے دیکھا، قدرے بہتر حلیے میں تھا۔

”آپ نے بلایا تھا بی بی.....!“ وہ نظریں نہیں اٹھا رہا تھا۔

”ہاں.....! بیٹھو.....!“ اُس نے کہا تو وہ شکریہ کہہ کر بیٹھ گیا۔

”پڑھ لکھو.....؟“ وہ اُس کے شکریہ کہنے سے چوکی تھی۔

”جی.....! تھوڑا بہت پڑھا ہے۔“ وہ سر جھکائے بول رہا تھا۔

”پھر.....! میرا مطلب ہے کوئی کام دھندا بھی کرتے ہو.....؟“ وہ خود کو اس وقت بہت اُونچے

منصب پر محسوس کر رہی تھی۔

”میں چاندنی ہوں.....! اس ساری جاگیر کی مالک.....! بلکہ مالکن.....!“ مالکانہ احساس سے
اُس کی گردن اکڑ گئی تھی۔

”مالکن.....!“ وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔

”آپ.....! اس وقت یہاں.....؟“

”تمہاری بانسری نے میری نیندیں حرام کر دی ہیں۔“ اُس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

”معاف کر دیں بی بی.....! آئندہ نہیں بجاؤں گا.....!“

”کیوں.....! کیوں نہیں بجاؤ گے.....؟“ مدھم روشنی میں وہ اُس کی آنکھوں میں بس ایک پل کو
دیکھ سکی، فوراً نظریں پڑا کر پھر اُس کی طرف سے رخ بھی موڑ گئی۔

”آپ کی نیند جو خراب ہوتی ہے.....!“

”ہاں.....! نیند تو خراب ہوتی ہے پر دل کو بھاتی بھی بہت ہے.....!“ وہ کچھ بے دھیانی میں کہہ
گئی پھر اُس کی طرف پلٹ کر پوچھنے لگی۔

”تمہارا نام کیا ہے.....؟“

”مسافر.....!“ اُس نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

”مسافر.....! یہ تمہارا نام ہے.....؟“

”جی.....!“

”عجیب نام ہے.....! خیر.....! تم صبح میری حویلی آنا.....! لیکن اس طرح کندرے مندے مت
چلے آنا.....!“ اُس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

”کوئی کام ہے بی بی.....!“

”ہاں.....!“ وہ مختصر جواب دے کر پلٹ آئی۔

○ ○ ○

کافی دن چڑھ آیا تھا جب اُس کی آنکھ کھلی۔ اُس نے دیکھا کندن موجود نہیں تھی تب وہ منہ ہاتھ دھو
کر کمرے سے نکلی تو بوجھنے اُسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

”چاندنی.....! تیری بے بے بار بار فون کر رہی ہے..... تیرا پوچھتی ہے..... پہلے پتا کر کیا بات
ہے.....؟“

”اچھا.....! آپ ناشتہ بناؤ.....! میں بے بے سے بات کرتی ہوں۔“ وہ کہتی ہوئی لابی میں آ گئی اور
فون اٹھا کر بے بے کے نمبر ملائے تو ادھر وہ انتظار میں بیٹھی تھیں، فوراً ریسورٹ اٹھنے کے ساتھ اُن کی آواز

آئی تھی۔

”ہیلو.....!“

”آپ ڈاکٹر سے پوچھیں.....!“ نرس نے ڈاکٹر کے کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
”ڈاکٹر!“ وہ جھٹکے سے نرس کو چھوڑ کر تیزی سے ڈاکٹر کے کمرے میں آئی۔
”ڈاکٹر صاحب! میں سزا ہاؤں.....!“
”بیٹھ جائیں پلیز.....!“ ڈاکٹر نے نرس سے اُسے بیٹھنے کو کہا تو وہ بیٹھ گئی لیکن اُس کے انگ انگ سے بے صبری چھٹک رہی تھی۔
”ریلیکس بی بی! آپ کو بہت ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔“
”ڈاکٹر صاحب! مجھے بتائیں.....! ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے ناں.....!“ وہ پھر رو دینے کو ہو گئی تھی۔

”انشاء اللہ! ہم پوری کوشش کر رہے ہیں، باقی آپ دعا کریں۔ اس وقت انہیں دعاؤں کی ہی ضرورت ہے۔“ ڈاکٹر نے دھیرے دھیرے کہا۔ اُس کا دل دُکھنے لگا۔
”ڈاکٹر صاحب! انہیں ہوا کیا ہے.....؟ آئی مین.....! بظاہر تو کہیں چوٹ نہیں ہے۔“
”اندرونی چوٹیں ہیں، وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گی لیکن انہیں ہوش میں آنے کی ابھی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ کونے میں ہیں۔ زندگی سے اُن کا تعلق صرف سانسوں کا ہے، باقی سارے احساسات منجمد ہو چکے ہیں۔“ ڈاکٹر دھیرے دھیرے بتا رہا تھا اور وہ شاکہ مند ٹھہری تھی۔
”کوئی معجزہ ہی ہو سکتا ہے اور اکثر معجزے ہو جاتے ہیں کہ مریض اچانک ہوش میں آ جاتا ہے۔
”کبھی چند دنوں میں، کبھی چند مہینے اور کبھی طویل عرصے بعد! اگر زندگی ہو تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے،
”نرس زندگی شرط ہے آپ دعا کریں۔“
”یا اللہ!.....!“ اُس کے دل سے صدا ابھری جبکہ پورا وجود سن ہو چکا تھا۔

”دعاؤں میں بڑی طاقت ہے، تقدیریں بدل دیتی ہے۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔“ ڈاکٹر اُسے انتہائی خوفناک حقیقت سے آگاہ کر کے اب تسلی دے رہا تھا اور وہ کہاں کچھ سن رہی تھی اُسے تو اپنے وجود کا احساس بھی نہیں تھا۔ کتنی دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر نرس کی آواز پر ذرا سا چونکی تھی۔ نرس کئی مریض کے بارے میں ڈاکٹر کو بتا رہی تھی، وہ ٹیبل کا سہارا لے کر اٹھی اور بمشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ راہ داری میں ڈیڈی اُسے ہی تلاش کر رہے تھے دیکھتے ہی بھاگے آئے۔
”نور!.....! بیٹا!.....! کہاں چلی گئی تھیں آپ!.....!“
”ڈیڈی!.....!“ وہ اُن کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی لیکن بہت ضبط سے بولی۔

”میں ڈاکٹر سے ہمایوں کے بارے میں معلوم کر رہی تھی۔“
”اللہ بہتر کرنے والا ہے! آپ گھر چلو!.....!“ ڈیڈی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے

”مزدوری کرتا ہوں.....!“ وہ سیدھے سیدھے جواب دے رہا تھا۔
”اچھی بات ہے.....! اور یہ بانسری کہاں سے لکھی.....؟“ اُس نے اب اصل بات پوچھی۔
”کہیں سے نہیں.....! بس بجاتے بجاتے آ گئی۔“
”بجاتے بجاتے آ گئی.....؟“ وہ خود سے گویا ہوئی پھر اُس سے کہنے لگی۔
”خیر!.....! جیسے بھی آئی ہو، مجھے بھی سکھا دو!.....!“
”جی!.....!“ اُس نے حیران ہو کر نظریں اٹھائیں پھر نظریں جھکا کر بھول گیا کیونکہ جانے بیٹھی ہوئی وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں تھی، اُس کا مالکوتی حسن صرف ایک حاکم علی کو اڑکیٹ نہیں کرتا تھا، باقی سب تو ہوش کھو بیٹھتے تھے۔
”میں تمہیں پیسے دوں گی، مفت میں نہیں سیکھوں گی۔“ وہ اُس کے دیکھنے سے غائب ہو گئی تھی۔
”جی!.....! لیکن یہ بہت مشکل ہے!.....!“ وہ بمشکل اُس پر سے نظریں ہٹا کر بولا۔
”کیا مشکل ہے.....! بانسری بجا نایا مجھے سکھانا.....؟“ اُس نے یک دم تیز ہو کر پوچھا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”مجھے معاف کر دیں بی بی! میں آپ کو نہیں سکھا سکوں گا..... آپ کسی اور سے.....“
”نہیں!.....! میں تم سے سیکھوں گی!.....! کل سے کسی بھی وقت آ جانا!.....! سمجھ رہے ہوں ناں!.....!“
اُس نے ضد سے حکم صادر کیا۔
”جی!.....!“ وہ اپنی بے بسی پر جزبہ زور ہوا تھا۔

○ ○ ○

نور یہ دل تھا مے ہوئے آئی سی یو میں داخل ہوئی تھی۔ پھر ہمایوں کے بید کے قریب آ کر تو اُس کی سانسیں بھی رک گئی تھیں۔ کتنی دیر اُس کے چہرے پر نظریں جمائے ساکت کھڑی رہی پھر آہستہ سے اُس کے ہاتھ تھام کر پکارنے لگی۔
”ہمایوں!.....! ہوی!.....! ہوی!.....! آپ سن رہے ہیں ناں!.....! ہوی!.....! آنکھیں کھولیں!.....! ہوی!.....! پلیز!.....!“ اُس کی آواز بھرا گئی ساتھ ہی آنکھیں بھی چھٹک گئی تھیں۔
”بی بی!.....!“ قریب کھڑی نرس اُس کا بازو تھام کر بولی۔
”آپ باہر چلیں!.....!“

”نہیں!.....! مجھے ہمایوں سے بات کرنے دو!.....!“ اُس نے اپنا بازو پھرانے کی سعی کی۔
”یہ بات نہیں کر سکتے بی بی!.....! آپ باہر چلیں!.....! دوسرے پینڈنٹ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔“
نرس نے تقریباً کھینچتی ہوئی باہر لے آئی تب وہ اُس کے کندھے جھنجھوڑ کر پوچھنے لگی۔
”کیوں بات نہیں کر سکتے وہ!.....! کیا ہوا انہیں!.....! مجھے صاف صاف بتاؤ!.....!“

دیکھ رہی تھی۔ کتنی بار کندن سے پوچھا کہ وہ بانسری والا آیا کہ نہیں اور ہر بار کندن نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
”اگر آج وہ نہیں آیا تو پھر میں خود جاؤں گی۔“ اُس نے کہا تو کندن ہاتھ جوڑ کر منت سے بولی۔
”نہ بی بی صیب.....! آپ نہ جانا.....!“
”کیوں.....! کیوں نہ جاؤں.....! ضرور جاؤں گی اور تیری جان نکلتی ہے تو تو بیٹھی رہنا نہیں.....
میں اکیلی جاسکتی ہوں۔“ وہ تنک کر بولی۔
”آپ ناراض نہ ہو بی بی صیب.....! میں تو آپ کو.....“ کندن نے خائف ہو کر اسی قدر کہا تھا
کہ وہ اور تیز ہو کر بولی۔

”سنبھالنا چاہتی ہے مجھے.....! تو مجھے سمجھائے گی.....؟“
”نہ بی بی.....! میری کیا مجال ہے.....؟ میں تو نوکر ہوں آپ کی.....! آپ جو کہو گی.....“
”اچھا جانا.....! اپنا کام کر.....!“ وہ کندن کو جھڑک کر لان میں اتر آئی اور غصتے ہوئے بار بار گیٹ
کی طرف دیکھنے لگی۔ گیٹ سے آگے گئے بیڑوں میں چھپی روش ڈور تک سنسان پڑی تھی۔ اُس نے کتنی
بار رُک کر دیکھا پھر گیٹ کے قریب آگئی تو اُسے دیکھ کر چوکیدار کھڑا ہو گیا۔
”حکم بی بی صیب.....!“ وہ اُن سنی کر کے واپس پلٹ آئی اور کیری کے پاس کھڑے ملازم کو
چائے کا کہہ کر لان چیمیز پر آ بیٹھی۔ اب وہ خاصی جھنجھلا رہی تھی اور اُسے مسافر پر غصہ بھی آ رہا تھا۔
”دو ٹکے کا آدی.....! میری بات نال گیا، چھوڑو گی نہیں اُسے لیکن پہلے میں اس سے بانسری
بجھانی سیکھوں گی۔“ اُسے ضد ہو گئی تھی اور یہ بات بات پر ضد اُسے حاکم علی کے ہر جانی پن نے عطا کی
تھی۔

”بی بی.....! چاہ.....!“ ملازم کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُسے چائے کی طرف متوجہ کر کے چلا گیا۔
”چاہ.....!“ اُسے بے بے کا ”چاہ“ کہنا یاد آیا تو بے ساختہ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔
پھر کپ اٹھانے لگی تھی کہ گاڑی کے ہارن سے چونک کر ادھر دیکھنے لگی۔ حاکم علی کی ہجیر و گیٹ سے اندر
آ رہی تھی۔ وہ یہی سمجھی کہ سردار ہاشم علی ہوں گے لیکن جب حاکم علی کو اترتے دیکھا تو اُس کا دل بہم گیا۔
چاہا کہ اٹھ کر اندر چلی جائے لیکن ہمت ہی نہیں ہوئی نہ ہی اُس پر سے نظریں ہٹا سکی جو اس طرف آ رہا تھا
اور چند لمحوں بعد ہی اُس کے سر پر کھڑا تھا۔
”مجھے آج بے بے نے بتایا کہ تم یہاں آ گئی ہو، کیوں.....؟“ حاکم علی نے آخر میں کیوں پر زور دیا
تھا۔

”میری مرضی.....!“ جانے کیسے اُس کے ہونٹوں سے پھسل گیا، وہ خائف ہو گئی تھی۔
”مرضی.....! تمہاری بھی کوئی مرضی ہے.....؟“ حاکم علی حیران ہو کر ہنسا تھا پھر اُس کے سامنے
بیٹھ کر کہنے لگا۔

ساتھ لگا لیا۔
”لیکن ڈیڈی.....! یہاں ہمایوں کے پاس.....!“
”ہمایوں کے پاس ہم سب آتے جاتے رہیں گے، آپ تھک گئی ہو بیٹا.....! کچھ وقت آرام کرو
پھر آ جانا.....!“ ڈیڈی نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا پھر اُسے لئے ہوئے باہر آ گئے۔ وہ اُسے اپنے
ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن اُس نے اپنے گھر جانے پر اصرار کیا تو ڈیڈی مجبور ہو گئے۔ تقریباً بیس منٹ
بعد جب وہ ڈیڈی کے ساتھ اپنے گھر آئی تو اُسے دیکھتے ہی ہمایوں کی انی انتہائی غضب ناک ہو کر اُس پر
برسنے لگیں۔

”آگئی منخوس.....! ڈائن.....! میرے بیٹے کو اس حال میں پہنچا کر بھی تجھے چین نہیں آ رہا.....؟
اب کیا لینے آئی ہے یہاں.....! دفع ہو جا.....! اور خبردار.....! جو آئندہ اپنی منخوس شکل لے کر یہاں آئی
تو.....“ اُس نے پریشان ہو کر ڈیڈی کو دیکھا اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ بمشکل ضبط سے بولے۔
”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں.....؟“

”غلط نہیں کہہ رہی، جس دن سے یہ لڑکی میرے بیٹے کی زندگی میں آئی ہے اُس پر آفتیں ٹوٹ رہی
ہیں۔ واپس لے جائیں اسے.....! اس گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے
میں پہلے اسے طلاق دلاؤں گی۔“ اُس کی ساس صدے اور غصے سے حواسوں میں نہیں رہی تھیں۔
”چلو بیٹا.....!“ ڈیڈی مزید برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس سے چلنے کو کہا تو وہ فوراً اُن سے الگ
ہو گئی۔

”نہیں ڈیڈی.....! میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی.....!“
”کیسے نہیں جائے گی.....! میں دھکے دے کر.....“ اُس کی ساس اُس کی طرف بڑھی تھی کہ سعدیہ
بجھاگتی ہوئی آ گئی۔

”امی.....! یہ کیا کر رہی ہیں آپ.....!“
”پہلے اس منخوس کو نکالو.....! نہیں تو یہ تمہارے بھائی کی جان لے کر چھوڑے گی۔ دیکھا نہیں کس
جال کو پہنچ گیا وہ.....! سب اس کی وجہ سے.....“ اُس کی ساس کہہ کر پھر خود ہی رونے لگیں۔ سعدیہ انہیں
چپ کرانے میں لگ گئی۔

”ڈیڈی.....! آپ میری فکر نہیں کیجیے گا.....!“ اُس نے ڈیڈی کا بازو تھام کر دھیرے سے کہا، پھر
بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی کیونکہ وہ ڈیڈی کو بوجھل دل اور شکستہ قدموں سے جاتے ہوئے نہیں
دیکھ سکتی تھی۔

”تم جو نہیں آئے.....!“ اُس نے کہا، پھر پوچھنے لگی۔

”کیوں نہیں آئے؟“

”بچہ رہ گیا تھا، پھر بھی شام میں گیا تھا آپ کی طرف لیکن وہاں سردار صیب کو دیکھ کر باہری سے لوٹ آیا.....!“ اُس نے بتایا تو چاندنی کا دل اس خوف سے لرز اٹھا کہ کہیں حاکم علی نے تو اسے نہیں دیکھا۔ بمشکل سنبھل کر کہنا کچھ اور چاہتی تھی لیکن جس بات سے خائف ہوئی تھی وہی پوچھ گئی۔

”سردار صاحب نے بھی تمہیں دیکھا تھا؟“

”نہیں جی.....! میں دُور ہی سے انہیں دیکھ کر واپس آ گیا تھا۔“ اُس نے بتایا تو اب وہ سر جھٹک کر

بولی۔

”اچھا خیر.....! یہ بتاؤ.....! پھر کب آرہے ہو مجھے بانسری سکھانے؟“

”کل آ جاؤں گا جی.....!“

”کل.....! ٹھیک ہے.....! کل آ جاتا.....! لیکن ابھی میں یہیں بیٹھ کر سنوں گی۔“ وہ کہہ کر وہیں

ایک پتھر پر بیٹھ بھی گئی۔

”بی بی.....!“ وہ پریشان ہو گیا۔

”آپ خدا کے لیے اس وقت چلی جائیں.....! اگر کوئی اس وقت آ گیا تو.....“

”تو آ جائے.....! یہ میری جاگیر ہے اور یہاں کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا.....! چلو.....! تم

بانسری لاؤ.....!“ اُس نے غرور سے جتا کر حکم صادر کیا۔ وہ بے بس سا ہو کر بانسری لے کر بیٹھ گیا اور پھر

وہی فی صحن چھیڑ دی۔

”آواز میں ندوں گا.....!“ وہ مکمل طور پر خود کو بھلا کر اُس کے درمیں ڈوب گئی تھی۔

○ ○ ○

”نور یہ کے لیے لڑی آزمائش کے دن تھے، ادھر ہمایوں زندگی اور موت کے درمیان بالکل بے خبر

تھا اور ادھر گھر میں اُس کی امی نور یہ کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ پھر بھی وہ اُن کی سیوا میں لگی رہتی

کیونکہ وہ اُن کے احساسات سمجھتی تھی اور سوچتی کہ اگر اُن کی جگہ وہ ہوتی تو اُس کا رد عمل بھی ایسا ہی ہوتا۔

اس لیے اُن کی کڑوی کھلی باتیں خاموشی سے سن لیتی پھر انہیں تسلی دینے بیٹھ جاتی۔ شام میں سعد یہ اور

سنبھل آ جاتے تو وہ بھی امی کو سمجھاتے تھے لیکن اُن پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا، بس یہی کہتی جاتیں۔

”یہ منہوس ہے.....! ڈاؤن ہے.....! اسے نکالو یہاں سے.....!“

”ٹھیک تو کہتی ہیں امی.....!“ اُس وقت وہ بے پناہ آرزوگی میں گھری سوچ رہی تھی۔

”جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اگر میں یہاں سے چلی جاؤں تو شاید

اس گھر کی خوشیاں لوٹ آئیں۔ ہمایوں ٹھیک ہو جائیں.....! لیکن میں ہمایوں کو اس حال میں چھوڑ کر کیسے

”چلو.....! اچھا ہے.....! تمہیں اپنی مرضی چلانی آگئی لیکن ایک بات یاد رکھنا.....! مجھ سے کبھی

اپنے حق کا مطالبہ مت کرنا، سمجھیں.....!“ وہ سر جھٹک کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

”یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟“ حاکم علی نے قدرے زک کر پوچھا۔

”نہیں.....!“

”بے بے کے پاس کیا تکلیف تھی؟“ وہ خلاف عادت بہت آرام سے بات کر رہا تھا۔

”کوئی نہیں.....! بس.....! میرا دل چاہ رہا تھا یہاں اپنے ماں باپ کے گھر آنے کو، اس لئے

آگئی.....!“ وہ سر جھٹکے زک زک کر بولی تھی۔

”ہوں.....!“ اُس نے کوئی تہمرہ نہیں کیا۔ پھر ادھر ادھر تک دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”یہاں ڈرتو نہیں لگتا تمہیں.....!“

”نہیں.....! اپنے گھر میں ڈر کیسا؟“ اُس نے کہا تو حاکم علی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پہلے

سے کافی مختلف لگ رہی تھی۔ سہی ہوئی تو سچی لیکن بولنے کا انداز بدل گیا تھا۔

”آپ کے لیے چائے لاؤں.....!“ وہ اُسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہاں سے اٹھنے کا بہانا

ڈھونڈنے لگی۔

”نہیں.....! میں بس تمہیں دیکھنے آیا تھا کیونکہ بے بے تمہارے لیے بہت پریشان ہو رہی ہیں۔“

وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا، پھر جاتے جاتے زک کر پوچھنے لگا۔

”ویسے تم کتنے دن یہاں رہو گی؟“

”پتا نہیں.....!“ وہ جڑبڑ ہوئی۔

”خیر.....! جتنے دن بھی رہو لیکن کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جس میں رسوائی کا اندیشہ ہو، اندر

اسٹینڈ.....!“ وہ کہہ کر بلکہ اُسے تنبیہ کر کے چلا گیا۔

”رسوائی سے ڈرتے ہو حاکم علی.....! اور جو تم نے اتنی رسوائیاں پال رکھی ہیں.....!“ اُس کے

اندر تغیر بھر گیا تھا۔

اور پھر اُس رات وہ پھر کندن کا ہاتھ پکڑے نہر کنارے چلی آئی جہاں جھونپڑی کے اندر گہرا

سکوت تھا۔ جانے وہ کیا کر رہا تھا یا سو گیا تھا۔ اُس نے کندن کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا پھر دروازے کی

طرف آ کر باہری سے پکارا۔

”مسافر.....!“

”کون.....؟“ پہلے اُس کی آواز آئی پھر جیسے وہ پہچان کر بہت غلط میں اٹھ کر باہر آیا اور تعجب

سے زیادہ گہرا کر بولا۔

”آپ.....! آپ کیوں آئیں؟“

وفا داری کی نصیحت کی تھی اور میں محبت اور وفاداری اپنی آخری سانسوں تک نبھاؤں گی۔“ وہ عزم سے بول رہی تھی۔ نعمان اُسے دیکھتا رہ گیا۔

”اور میری ساس کا رویہ غیر فطری تو نہیں ہے نومی.....! ان کی جگہ اگر ہم خود کو رکھ کر سوچیں تو ہم بھی یہی کچھ کرتے۔ تم خود دیکھو.....! جب میری شادی طے ہوئی تھی تب بھی ہمایوں کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ پھر شادی کے بعد اُس حاکم علی کی وجہ سے ہم کتنے ٹینشن میں رہے۔ گوکہ ہمایوں نے کسی کو بتایا نہیں تھا پھر بھی اُن کی امی نے ضرور محسوس کیا ہوگا کہ وہ خوش نہیں ہیں اور ابھی بس چند دن خوشی کے آئے تھے اس کے بعد یہ نئی آفت.....! یہ سب کیا ہے.....؟ اے میری نحوست ہی کہا جائے گا ناں.....! کہ میں اس شخص کی زندگی میں صرف مصیبتیں لے کر آئی۔“ وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولے جا رہی تھی۔

”بس کرو نور.....! نعمان نے آخر ٹوک دیا۔

”تم اصل میں تنہائی کا شکار ہو.....!“

”ہاں.....! تنہائی تو ہے.....!“ وہ دھیرے سے بولی۔

”اسی لیے میں کہہ رہا ہوں میرے ساتھ چلو.....! مجھے چچا جان نے بھی یہی کہا تھا۔“

”نہیں نومی.....! ابھی نہیں.....!“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں.....!“

”نہیں.....! بس اب میں چلوں گا.....!“ وہ بھی اٹھ گیا۔

”اپنا خیال رکھنا.....!“

”تم ڈیڑی اور امی کو میری طرف سے اطمینان دلادینا.....! اور ہاں.....! جب ہمایوں کو گھر لانا

ہوگا تو میں تمہیں فون کروں گی، تم آ جانا.....!“

”اچھی بات ہے.....! خدا حافظ.....!“ وہ چلا گیا۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اُس نے باہر کی لائٹ جلائی پھر اپنے کمرے میں آکر

کھڑکیوں سے پردے سمیت رہی تھی کہ اُس کا موبائل بجنے لگا۔ وہ بہت مضحل ہو رہی تھی۔ موبائل

اٹھانے میں دیر لگی۔

”ہیلو.....!“

”کیسی ہونور.....!“ بوجھل آواز پر اُسے ہمایوں کا گمان ہوا تھا، وہ ایک دم بے قرار ہو گئی۔

”ہمایوں.....! ہمایوں.....! آپ.....!“

”میں ہمایوں نہیں ہوں.....!“ ادھر سے کہا گیا تو اب وہ ٹھٹھکی۔

”کون.....؟“

”سردار حاکم علی.....! کہاں گیا ہے تمہارا شوہر.....؟“ حاکم علی نے نام بتانے کے ساتھ ہی پوچھا۔

جاؤں.....؟“

”نہیں.....! جب تک ہمایوں ٹھیک نہیں ہو جاتے میں کہیں نہیں جاؤں گی.....!“

معاذ اور بیل کی آواز سے وہ چونک کر اٹھی اور جا کر گیٹ کھولا تو سانسے نعمان کھڑا تھا۔ اُس کے سنے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مسکرا بھی نہیں سکا۔

”کیسی ہو.....؟“

”لنڈر آؤ.....!“ وہ کہہ کر پلٹ آئی تو نعمان نے گیٹ بند کیا پھر اُس کے پیچھے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

”کیسے آئے.....؟“ وہ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بلا ارادہ پوچھ گئی۔

”تمہاری خیریت معلوم کرنے.....!“ نعمان نے کہا تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

”ٹھیک ہی ہوں.....! تم بتاؤ.....! گھر میں سب کیسے ہیں.....؟“

”تمہارے لیے سب پریشان ہیں، خصوصاً چچا جان.....! شاید تمہاری ساس کے رویے سے۔“

”حالانکہ میں نے ڈیڑی سے کہا بھی تھا کہ میری فکر نہ کریں.....!“ وہ نظریں چرا کر بولی تھی۔

”کیسے فکر نہ کریں.....! تمہاری ساس کو یہ تو سوچنا چاہیے کہ ہمایوں صرف اُن کا بیٹا ہی نہیں تمہارا

شوہر بھی ہے، جتنا درد انہیں ہے اتنا ہی تمہیں بھی، پھر وہ تمہیں کیوں الزام دے رہی ہیں.....؟“

”غلط تو نہیں دے رہیں، میں ہوں ہی منحوس.....!“ اچانک ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے اور وہ

رو پڑی۔

”ارے.....!“ نعمان اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے پاس آ بیٹھا۔

”روتی کیوں ہو.....؟ جب اپنی مرضی سے یہاں نہ کی ہو تو پھر الزام سنے کا حوصلہ بھی رکھو.....!“

نہیں تو پھر میرے ساتھ چلو.....!“

”نہیں.....! میں کہیں نہیں جاؤں گی.....!“ وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

”یہاں تمہارا کوئی بہتر سان حال نہیں ہے نور.....! وہاں سب کے ساتھ رہو گی تو.....“

”بس نومی.....! ایسی بات مت کرو.....! میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی، وہ خواہ مجھے کتنا ہی برا بھلا

کہیں، پھر وہ چار دن کی بات ہے ہمایوں کو ہم گھر لے آئیں گے۔“

”بیڑا کترنے کہا ہے.....؟“ وہ اُس کی آخری بات پر پوچھنے لگا۔

”ہاں.....! کیونکہ اب اُن کی زندگی کسی معجزے کی مرہون منت ہے اور معجزہ ضرور ہوگا نومی.....!“

میرا دل کہتا ہے ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے۔“ اُس کی آنکھوں میں اُمید کی کرن لہرائی تھی۔

”انشاء اللہ.....!“ نعمان نے آہستہ سے اُس کا ہاتھ تھپکا۔

”تم ڈیڑی سے کہنا میری فکر نہ کریں.....! خود انہوں نے مجھے رخصت کرتے ہوئے شوہر سے

”مائی گاؤ..... اتنا بھیا تک مذاق، شرم کرو..... تمہاری بیوی ہے وہ۔“ نشی نے منگلی سے ٹوکا۔
”ہا ہا ہا..... بیوی.....“ اس نے حسب عادت قہقہہ لگا یا پھر اُسے دیکھ کر زک کر بولا۔
”تم لڑکیاں بہت جذباتی ہوتی ہو.....!“

”میں اس پر بحث نہیں کروں گی۔“ وہ روٹھے انداز میں بولی۔
”اس وقت تو میں بھی کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔
”چلو..... کہیں باہر چلتے ہیں..... لیکن پہلے اپنا موڈ ٹھیک کرو.....!“
”تمہاری فضول باتوں سے ہی موڈ خراب ہوتا ہے۔“ نشی نے سر جھٹکا پھر پوچھنے لگی۔

”کہیں چلو گے.....؟“
”تم بتاؤ.....!“

”کسی مخصوص جگہ نہیں، لاگ ڈرائیو.....!“ وہ کہہ کر اُس کے ساتھ چل پڑی اور دونوں ابھی گاڑی تک آئے تھے کہ گیٹ سے نور یہ کوداغل ہوتے دیکھ کر نشی چونک کر بولی۔

”سردار..... انور یہ.....!“
”نور یہ.....!“ وہ سمجھا نہیں۔

”نور یہ آ رہی ہے.....!“ نشی نے بتاتے ہوئے نظروں سے اشارہ کیا تو اُس نے فوراً ادھر دیکھا۔
نور یہ خاصی وحشت زدہ سی چلی آ رہی تھی پھر قریب آ کر حاکم علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
خونخوار انداز میں پوچھنے لگی۔

”تم نے ہمایوں کے ساتھ کیا کیا.....؟“

”میں نے.....!“ حاکم علی نے اپنی طرف اشارہ کیا پھر نشی کو یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو، یہ کیا
کہہ رہی ہے۔

”ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو حاکم علی.....! اور اگر اپنے باپ کی اولاد ہو تو اپنے جرم کا
اعتراف کرو.....!“ نور یہ نے پوری قوت سے اس کا بازو سمجھنے کرا سے اپنی طرف موڑا۔
”میں بالکل نہیں سمجھ رہا تم کیا کہہ رہی ہو.....؟“ حاکم علی نے الجھ کر کہا۔

”جھوٹ مت بولو.....! تم سب سمجھ رہے ہو.....! تم نے ہمایوں کو مارنے کی کوشش کی ہے لیکن تم
یہ نہیں جانتے کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے.....! تم کبھی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں
ہو گے.....! سنا تم نے.....! تم کبھی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔“ وہ چیخ چیخ کر بولی ہوئی نقش کھا
سرگرمی تھی۔

”نور.....!“ حاکم علی نے فوراً بڑھ کر اُسے اپنے بازوؤں پر اٹھالیا۔

⊙ ⊙ ⊙

”تم..... تمہیں کیسے پتا کہ وہ کہیں گیا ہے.....؟“ اُس نے اپنے اندر اٹھتے جوار بھانے پر ہشکل
قابو پا کر پوچھا۔

”کیسے پتا.....!“ وہ ہنسا۔

”بھئی.....! ابھی تم نے سیل پر جس بے قراری سے ہمایوں، ہمایوں پکارا اُس سے ہی پتا چلتا ہے
کہ وہ کہیں گیا ہوا ہے۔“ اُس نے سختی سے ہونٹ سمجھنے لگے۔

”سنو فور.....! اگر وہ کہیں چلا گیا ہے تو جانے دو.....! اچھا ہے ناں.....! ہمارا راستہ صاف
ہو گیا۔“ حاکم علی نے اُسے پکار کر کہا۔

”تو حاکم علی.....! تم..... تم نے.....!“ وہ شاکند ہو کر اسی قدر کہہ سکی۔

”ہاں.....! کہو.....! میں سن رہا ہوں.....!“ حاکم علی نے ٹوکا۔

”میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ اُس نے دانت پیس کر کہنے کے ساتھ ہی سیل آف کر دیا۔

○ ○ ○

حاکم علی فریش ہو کر لاؤنج میں آیا تو آگے نشی موجود تھی۔ اُسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں بولی۔

”بڑے کھڑے کھڑے لگ رہے ہو.....! گاؤں کی آب و ہوا کا اثر ہے یا.....“

”تمہارا حسن نظر.....!“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اچھا.....!“ وہ ہنسی پھر آہ بھر کر کہنے لگی۔

”کاش سردار.....! تم ایسے نہ ہوتے یا پھر میں نے تم سے دوستی نہ کی ہوتی۔“

”کیا مطلب.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”چھوڑو مطلب کو.....! یہ بتاؤ.....! تمہارے گاؤں میں سب ٹھیک ہیں.....؟“ نشی نے بات

بدل دی۔

”سب ٹھیک ہیں.....! سوائے چاندنی کے.....!“ حاکم علی نے اُسے چھیننے کی غرض سے کہا

کیونکہ جانتا تھا کہ وہ چاندنی ہی کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہے۔

”ارے.....! اُسے کیا ہوا.....؟“ وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

”پاگل ہو گئی ہے.....!“ حاکم علی اندر رہی اندر محظوظ ہو کر بولا جبکہ نشی بے طرح پریشان ہو گئی تھی۔

”کیسے.....! کیسے سردار.....! کیا تمہاری وجہ سے.....؟“

”میری وجہ سے کیوں.....؟“

”تم نے اس پر بڑا ظلم کیا ہے.....! وہ اتنی نازک لڑکی ضرور تمہارے ہر جائی پن سے دلبرداشتہ ہو کر

وہنی تو ازل کھو بیٹھی ہوگی۔“ نشی افسوس سے بول رہی تھی۔

”اوشٹ یاد.....! میں مذاق کر رہا تھا۔“ وہ جھنجھلا کر بولا۔

”تو کیا ہوگا.....؟ زیادہ سے زیادہ میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جائے گا اور میں بھی وہیں پہنچ جاؤں گی جہاں اس نے میرے شوہر کو پہنچایا ہے۔“ اس نے سلگ کر حاکم علی کی طرف اشارہ کیا۔

”کہاں پہنچایا ہے اس نے تمہارے شوہر کو.....؟“ نشی نے فوراً پوچھا۔

”موت کے دہانے پر.....!“ اس کی آواز بھرا گئی۔

”دیکھو.....! تم، قتی مجھ سے بدگمان ہو رہی ہو.....! مجھے کچھ نہیں پتا ہمایوں کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

جب سے اس نے میری فرم چھوڑی ہے میں نے اسے دیکھا بھی نہیں، تم خواہو مجھے الزام دے رہی ہو۔“ حاکم علی بے چین ہو کر کہنے لگا۔

”اچھا.....! تم مجھے بتاؤ.....! ہمایوں کہاں ہے.....؟ میں اس کے لیے جو ہو سکے گا کروں گا۔“ حاکم علی نے کہاں تو وہ چیخ پڑی۔

”شٹ اپ.....! میں تم سے بھیک مانگنے نہیں آئی حاکم علی.....! میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ جو کچھ تم نے کیا اس کے لیے خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا.....! وہ تمہیں ایسی سزا دے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔“ وہ اپنی بات ختم کرتے ہی بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

”اوہ گاڈ.....!“ حاکم علی طویل سانس لے کر کہنے لگا۔

”یہ لڑکی اپنا ہالیدہ مجھ سے منسوب کرتی ہے اور میرا الیہ یہ ہے کہ میں اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہوں کیونکہ دل سے چاہتا ہوں اسے.....!“

”ہمیشہ چاہنے والے ہی خسارے میں رہتے ہیں۔“ نشی کہتے ہوئے صوفے پر ڈھکے گئی۔

”وائفی.....؟“

”ہاں سردار.....! لیکن میں یہ نہیں سمجھ پا رہی کہ وہ جسے چاہا جا رہا ہے، وہ کیوں.....؟“ نشی بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو کر سوچ میں پڑ گئی جبکہ اس کی نظریں حاکم علی پر جمی تھیں۔

”تم کچھ کہہ رہی تھیں.....!“ حاکم علی نے اپنی جگہ پہلو بدلا۔

”ایک بات بتاؤ سردار.....! کیا جیجی اس اس حادثے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے.....؟“ نشی نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا.....! کیا تم بھی مجھ پر شک کر رہی ہو.....؟“ وہ اچھل کر بولا پھر فوراً اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

”میں پچھلے چندہ دنوں سے یہاں تھا کب.....؟ پہلے جرمنی پھر گاؤں اور ابھی کل شام میں ہی تو آیا ہوں۔“ البتہ آتے ہی میں نے نوریہ کو فون کیا تھا۔ اس وقت تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔“

”تم جیجی کہہ رہے ہو.....؟“ نشی مٹھوک تھی۔

”مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے.....؟“ وہ کہہ کر سرگرمیٹ سلگانے لگا۔

نوریہ صوفے پر بے ہوش پڑی تھی اور قریب کھڑا حاکم علی ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا جبکہ نشی فاصلے پر بیٹھی اپنے طور پر سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب کچھ سمجھ نہ پائی تو اٹھ کر نوریہ کے قریب چلی آئی اور اس کا چہرہ ٹھیک کر کے پکارنے لگی۔

”نوریہ.....! نور.....! آنکھیں کھولو.....!“ پھر حاکم علی کو دیکھ کر بولی۔

”سردار.....! کسی ڈاکٹر کو بلاؤ.....!“

”نہیں.....! میرا خیال ہے اسے ہوش آرہا ہے۔“ حاکم علی کی نظریں نوریہ پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

”میں پانی لاتی ہوں.....!“ نشی بھاگ کر پانی لے آئی پھر ہاتھ میں لے کر نوریہ کے منہ پر چھینے مارے تو اس نے ہڑبڑا کر پہلے آنکھیں کھولیں پھر جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور تاجھنے والے انداز میں نشی کو دیکھنے لگی۔

”تم..... تم بے ہوش ہو گئی تھیں.....!“ نشی ٹپٹا کر یہی کہہ سکی۔

”مجھے یہاں کون لایا ہے.....؟“ نوریہ نے سپاٹ لیجے میں پوچھا تو نشی کی نظریں بے اختیار حاکم علی کی طرف اٹھ گئیں۔

”تم.....؟“ وہ حاکم علی کو دیکھ کر زخمی ناگن کی طرح پھونکاری۔

”تمہاری جرأت کیسے ہوئی اپنے گندے ہاتھوں سے مجھے چھونے کی.....؟“

”مجبوری تھی.....!“ وہ کہہ کر اس کے پاس سے ہٹ گیا مبادا وہ پہلے کی طرح پھر اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال دے۔

”مجبوری.....! ہونہ.....!“ وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑی تو نشی بھاگ کر اس کے سامنے آ گئی۔

”سنو.....! تم کیسے جاؤ گی.....؟ آئی مین.....! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے.....!“

صوفے پر لانے کے لیے جھکا تو وہ اتنی قریب تھی کہ اس کی سانسیں اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوئی تھیں اور اس ایک بل میں اس پر قیامت بیت گئی تھی گو کہ اس کے بعد وہ ہمیشہ کی طرح اسے برا بھلا کہہ کر چلی گئی تھی۔ پھر نشی سے کتنی دیر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا تھا لیکن جب سونے کے لیے اپنے کمرے میں داخل ہوا تو یکفلت اس ایک بل کی گرفت میں آ گیا اور تب سے اب تک وہ اس بل کی گرفت سے نہیں نکل پایا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ان کیف آگئیں لمحات کو کسی کے ساتھ شیئر کرے۔

”کسی کے ساتھ کیوں؟ اسی کے ساتھ کیوں نہیں؟“ اس نے سوچا پھر یہ خیال بھی نہیں کیا کہ اس وقت وہ کتنی اذیتوں سے گزر رہی ہے اور اسے فون کر ڈالا۔ دوسری طرف مسلسل تیل جاری تھی۔ پھر کتنی دیر بعد نوریہ کی مردہ سی آواز آئی۔

”ہیلو.....!“

”سوری نوریہ! میں نے اس وقت تمہیں ڈسٹرب کیا.....! تم سو تو نہیں رہی تھیں.....؟“ وہ یوں بول رہا تھا جیسے ہمیشہ اس سے بڑے اچھے دوستانہ مراسم رہے ہوں۔

”اب کیا کہنا ہے تمہیں.....!“ وہ جیسے تھک سی گئی۔

”تم سونگے ناں.....! اور صرف سننا ہی نہیں یقین بھی کرنا.....!“ اس نے بے صبری سے کہا۔

”میں یقین کروں یا نہ کروں.....! تم کہہ دو جو کہنا ہے.....! میں سن رہی ہوں.....!“ نوریہ کے

سچے میں حد درجہ غمراہ تھا۔

”شیور.....!“

”میں.....! ہاں.....! مجھے یہ کہنا ہے کہ مجھے اپنی سانسوں میں تمہاری خوشبو محسوس ہو رہی ہے.....! تم نہیں میرے آس پاس ہو.....! میں تمہیں چھو سکتا ہوں.....! میں نے تمہیں چھو لیا ہے نوریہ.....!“ وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ ادھر نوریہ نے ہونٹ جھنجھکے۔

”ہیلو نوریہ! تم سن رہی ہوناں.....!“ اس نے پکار کر پوچھا۔

”ہاں.....!“ نوریہ کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

”کچھ کہو گی نہیں.....! آئی مین.....! تم بھی اس وقت ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہوناں.....! وہی محسوس کر رہی ہو جو میں.....! انجانے میں ہم کتنے قریب ہو گئے تھے..... تم تو ہوش میں نہیں تھیں اور میں..... میں اب ہوش کھور ہا ہوں۔“

”کیا سچ اتنی محبت کرتے ہو مجھ سے.....؟“ نوریہ نے پوچھا تو وہ فوراً کہنے لگا۔

”اس سے بھی زیادہ.....! تمہاری سوچ سے بہت زیادہ.....!“

”پھر میرا دکھ کیوں نہیں سمجھتے.....؟“ نوریہ کے لہجے میں آپ ہی آپ عاجزی سٹ آئی۔

”بہر حال.....! اس لڑکی کے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا۔ اللہ رحم کرے اس پر.....!“ نشی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اچھا.....! میں چلتی ہوں.....!“

”کیوں.....؟ لاگت ڈرا نیو پر نہیں چلو گی.....!“ حاکم علی نے یاد دلایا۔

”نہیں سردار.....! دیر ہو گئی، بس اب گھر جاؤں گی کیونکہ ولی اب میرا انتظار کرتا ہے۔“ نوریہ کی باتوں سے اس کا دل بوجھل اور اچاٹ ہو گیا تھا۔

”کون ولی.....! اچھا.....! وہ تمہارا بچہ.....!“ حاکم علی ہنسا۔

”ہاں.....! میرا بچہ.....! ماشاء اللہ! بہت پیارا ہو گیا ہے۔ اب تو چلنے بھی لگا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کرتا ہے۔“ وہ بہت محبت سے بچے کے بارے میں بتانے لگی کہ حاکم علی نے نوک دیا۔

”کم آن یار.....! کیا دوسری پال لی ہے تم نے.....؟“

”دوسری.....! ہائے.....! نہیں سردار.....! وہ تو میری جان ہے۔“

”یہ جان تمہاری جان کو آ جائے گی.....! بے وقوف لڑکی.....! جب شادی کر دو گی تو اس کے بارے میں کیا کہو گی کہ کس کا ہے.....؟ اور کیا لوگ تمہارا یقین کر لیں گے.....؟“ حاکم علی نے اسے انتہائی غصہ

صورت حال کا احساس دلانا چاہا لیکن وہ اپرا دانی سے بولی۔

”نہ کرے کوئی یقین.....! مجھے کون سا شادی کرنی ہے.....؟“

”تو کیا ساری زندگی ایسے ہی.....!“

ہاں.....! ایسے ہی.....! فیصلہ میں نے بہت پہلے کر لیا تھا اور اسی لیے میں نے ولی کو گود لیا کہ اس کی پرورش میں وقت آسانی سے کٹ جائے گا۔ میں اسے پڑھاؤں گی، لکھاؤں گی، اچھا انسان بناؤں گی۔“ وہ آخر میں پرجوش ہو گئی۔

”پھر بھی وہ تمہارا نہیں ہوگا.....!“ حاکم علی نے تمسخر اڑایا۔

”وہ میرا ہوگا یا نہیں، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میرے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ میں اس کی ہوں۔“ وہ جانے کس خیال میں کھو کر بولی۔ حاکم علی نے چونک کر اسے دیکھا پھر اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

”نشی! کبھی کبھی تم دل کو چھو لیتی ہو.....!“ نشی نے سوچا پھر فوراً اسے خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

○ ○ ○

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی اور حاکم علی کو احساس تک نہیں تھا۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ ایک ہی جگہ بیٹھا ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ وہ نوریہ کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر پیچ سے لاؤنج تک لایا تھا پھر

وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

”تم چارہ ہے ہو.....؟“

”جی.....! آج مجھے مزدوری پر جانا ہے.....!“

”کیا مزدوری کرتے ہو اور کہاں جاتے ہو.....؟“ وہ کیونکہ بیٹھی ہوئی تھی اس لیے پوری گردن اٹھا کر اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔

”گودام چاتا ہوں بی بی.....! اور وہاں ٹرک پر بوریاں لا دینے کا کام کرتا ہوں۔“

”پھر.....! کتنے پیسے ملتے ہیں.....؟“ وہ باقاعدہ اس کا انٹرویو کرنے لگی۔

”گزارا ہو جاتا ہے بی بی.....!“

”کیا گزارا ہو جاتا ہے.....؟ نہ تمہارے پاس رہنے کو گھر نہ ڈھنگ کے کپڑے ہیں، بس دو وقت

دال روٹی ہی کھاتے ہو گے.....!“

”جی.....!“ وہ خاصا مطمئن تھا۔

”چہ.....! یہ بھی کوئی زندگی ہے.....! دو وقت کی دال روٹی جتنا کما کر آرام سے ہو جاتے ہو، کچھ

زیادہ کماؤ تاکہ اچھے اچھے کپڑے بنا سکو.....!“ چاندنی نے اپنی عمر سے بڑا بننے کی کوشش کی۔

”اچھے کپڑے پہنوں گا بی بی.....! تو پھر جھوپڑی میں رہنے کو دل نہیں چاہے گا، پھر میں اچھا گھر

کہاں سے لاؤں گا.....؟“ وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں بول رہا تھا۔

چاندنی لا جواب سی ہو کر بانسری کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

”ایک بات پوچھوں بی بی.....!“ قدرے رک کر مسافر نے کہا تو وہ پھر اسے دیکھنے لگی۔

”پوچھو.....!“

”وہ..... سردار صاحب آپ کے کون ہیں.....؟“

”اگر سردار حاکم علی کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو وہ میرا شوہر ہے۔“ چاندنی نے بڑے سرسری

انداز میں بتایا۔

”شوہر.....!“ وہ جانے کیوں بے تاب ہوا۔

”ہاں.....! صرف نام کا.....!“ وہ بے اختیار کہہ گئی۔

”کیا مطلب.....؟“ وہ وضاحت چاہتا تھا لیکن چاندنی ان سنی کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ٹھیک ہے.....! تم جاؤ.....! آج تمہیں بوریاں اٹھانی ہیں۔“

”جی شکریہ.....!“ وہ یکدم مدھم پڑ گیا۔

”کس بات کا.....؟“ چاندنی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”مجھے میری اوقات یاد دلانے کا.....! ویسے میں بھولا نہیں تھا، نہ کبھی بھولتا ہوں پھر بھی آپ نے

”تمہارا ڈکھ.....! نہیں.....! میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی ڈکھ نہیں ہو سکتا۔“ وہ کچھ اور ماننے لگا

تیار نہیں تھا۔

”سارے ڈکھ ہی تمہارے دیے ہوئے ہیں حاکم علی.....! تم سرکیوں نہیں جاتے.....؟“ وہ ہنوز

عاجز تھی۔

”میں سر جاؤں.....؟“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں.....! تم.....! تم سر جاؤ.....! مجھ پر یہ احسان کر دو حاکم علی.....! اگر نہیں کر سکتے تو پھر محبت کا

دعویٰ بھی مت کرو.....!“

”سنو.....! تمہیں اگر میری آزمائش مطلوب ہے تو میں تم پر یہ احسان ضرور کروں گا لیکن تمہیں

اپنانے کے بعد.....! یہ میرا وعدہ ہے.....!“ وہ کوئی کچا کھلاڑی نہیں تھا۔

”اور تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا، یہ میرا وعدہ ہے.....!“ نور یہ نہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اور حاکم علی کے سارے جذبات یککھٹ رنگ بدل گئے۔ وہ دوبارہ اسے فون کرنے کی بجائے اس

کے نام متج لکھنے لگا۔

”میں نے تمہیں چاہا یہ میرا تم پر احسان ہے۔“

تمہیں اپنی نظروں میں بسا کر پھر میں نے کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھا، ایک اور احسان۔

صرف تمہارا حق جان کر میں نے چاندنی کو اس حق سے محروم رکھا یہ بھی میرا احسان ہے اور کس کس

احسان کا ذکر کروں پہلے ان احسانوں کا بدلہ تو چکاؤ۔ پھر مزید کسی احسان کی بات کرنا۔“

اس نے سچ نور یہ کو Send کر دیا۔

○○○

وہ بانسری ہونٹوں سے لگا کر پھوٹک مارتی تو خاصی بے سری آواز نکلتی۔ آج چوتھے دن بھی یہی

حال تھا جس سے مسافر جھنجھلا گیا اور ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کے ہاتھ سے

بانسری لے کر اسے سمجھانے لگا کہ کس طرح بانسری پکڑنی ہے، کیسے سوراخوں پر انگلیاں بھانی ہیں، پھر

پھوٹک مارتے ہوئے انگلیوں کو کیسے حرکت دینی ہے۔ ساری انگلیاں ایک ساتھ نہیں اٹھائیں۔

”میں کیا کروں.....؟ مجھ سے ساری انگلیاں ایک ساتھ اٹھ جاتی ہیں۔“ چاندنی نے بے بسی سے

کہا۔

”اچھا چلیں.....! آپ ابھی اسے بجانے کی کوشش نہ کریں۔ پہلے صرف انگلیوں کی پریکٹس

کریں، اس طرح.....!“ وہ بانسری اس کے سامنے کر کے انگلیوں کی پریکٹس سمجھانے لگا۔ چاندنی کچھ دیر

بجھتی رہی پھر اس کے ہاتھ سے بانسری لے کر اسی طرح کرنے لگی۔

”ہاں.....! ابھی تین چاروں آپ یہی پریکٹس کریں.....!“ وہ اسے کام سے لگا کر اٹھ کھڑا ہوا تو

”اچھا کیا جو.....“

”بس.....!“ وہ اسے روک کر کہنے لگی۔

”میں نے تمہیں تمہارا کام یاد دلایا ہے، اوقات نہیں.....! مجھے تو خود اپنی اوقات معلوم نہیں ہے، تمہیں کیا یاد دلاؤں گی؟“

”بی بی.....! آپ تو اس پوری جاگیر کی مالکین ہیں اور سردار حاکم علی کی بیوی.....!“ مسافر کا انداز ایسا تھا جیسے اس سے بڑھ کر اوقات کیا ہوگی۔

”تو کیا ہوا.....؟“ اس میں کوئی غم کی بات تو نہیں ہے۔“ اس نے کہہ کر بانسری ہونٹوں سے لگائی تو اندر کی آہ بانسری کے راستے یوں خارج ہوئی کہ مسافر پکار اٹھا۔

”ہاں بی بی.....! ایسے.....! ایسے ہی دل سے آواز نکالیں۔“

”دل سے.....!“ وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”وہ آپ نے سنا نہیں.....! دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، دل میں درد ہو تو سچے سر نہکتے ہیں، پر آپ کا دل کیا جانے درد کیا ہوتا ہے.....؟“ وہ جانے کہاں کھو گیا۔

”تمہیں کیا پتا.....! تم تو ظاہر دیکھ رہے ہو.....! میں اس پوری جاگیر کی مالکین اور سردار حاکم علی کی بیوی، اس لحاظ سے شاید تم مجھے دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہے ہو اور تم کیا سب یہی سمجھتے ہیں۔“ چاندنی کے لیے میں تنہی سمت آئی۔

”آپ نہیں سمجھتیں.....؟“ وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

”نہیں.....!“ اس نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

”کیوں بی بی.....! یہ تو ناشکری ہوئی.....!“ اس نے کہا تو وہ آگے بڑھی۔

”اچھا.....! تم جاؤ.....! تمہارے کام کا حرج ہو رہا ہے۔“

”جی بی بی.....! پھر میں تین چار دن بعد آؤں گا.....!“ وہ کہتا ہوا چلا گیا۔

”میں خوش قسمت ہوں.....! ہونہ.....!“ اس نے تنہی سے سر جھٹکا پھر بانسری ہونٹوں سے لگائی اور بے سری آواز نکالتی ہوئی لاؤنج میں آئی تو جہاں بوا جھٹنے نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں وہیں کندن ہنسنے لگی۔

”تو کیوں ہنس رہی ہے.....؟“ اس نے کچھ غصے سے کندن کو ڈانٹا۔

”وہ بی بی صیب.....! میں..... مجھے بوا جھٹنے کو دیکھ کر ہنسی آرہی ہے۔“ کندن کے اشارے پر اس نے بوا جھٹنے کو دیکھا تو اسے بھی ہنسی آگئی۔ وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھیں۔

”بوا.....!“ وہ ان کے سر پر پتھر پھینک کر زور سے چیخی۔

”ک.....! کیا ہوا.....؟“ بوا جھٹنے مزید پریشان ہو گئیں۔

”آپ کو کیا ہوا ہے.....؟ کان کیوں بند کئے بیٹھی ہیں.....؟“ اس نے قصداً انجان بن کر پوچھا۔

”پتا نہیں کون بھیڑی آواز (بری آواز) میں چیخ رہا تھا۔“ بوا جھٹنے کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں تو اس نے بانسری ان کے کان کے قریب لے جا کر زور سے بجائی اور ان کی چیخ مارنے پر ہنستی چلی گئی۔

○○○

نشی نے رات ہی ایک کالم لکھا تھا اور اس وقت وہی دینے ایک اخبار کے دفتر جاری تھی کہ اس کی نظر نور یہ پر پڑی۔ وہ دائیں کروٹ کر لا خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی اور اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ نشی ایک پل میں کچھ سوچ کر اس کا تعاقب کرنے لگی۔ پھر ہاسٹل کے پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کی اور اس کے پیچھے پیچھے اندر چلی آئی۔ نور یہ سیدھی ڈاکٹر کے روم میں داخل ہو گئی تھی۔ نشی لابی میں رُک کر اس کا انتظار کرنے لگی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ کمرے سے نکلی تو بے حد آرزو تھی۔ وہ بہت تھکے تھکے انداز میں بیچ پر بیٹھ گئی جب نشی دھیرے دھیرے جتنی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی اور دھیمی آواز میں اسے متوجہ کیا۔

”ہیلو.....!“ نور یہ نے چونک کر اسے دیکھا اور پل میں پہچانتے ہی اس کی پیشانی پر ناگوارگی کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔

”آئی ایم سوری.....! مجھے دیکھ کر تمہیں تکلیف ہوئی لیکن تمہیں دیکھ کر میں رہ نہیں سکی، تمہارے پیچھے چلی آئی.....!“ نشی بہت ڈرتے ڈرتے بول رہی تھی کہ کہیں وہ پھٹ نہ پڑے جیسے حاکم علی کو دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتی تھی۔

”کیوں.....! میرے پیچھے کیوں آئیں.....؟“ نور یہ نے تنک کر پوچھا۔

”یہ جاننے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے.....؟ اور تمہارے شوہر کے ساتھ سردار نے کیا کیا ہے.....؟“ اس نے کہا تو نور یہ چیخ کر بولی۔

”یہ تم اپنے سردار سے پوچھو.....! اور تم اسے روکتی کیوں نہیں ہو ایسی گھناؤنی حرکتیں کرنے سے.....؟ یاد رکھو.....! اگر میرے ہمایوں کو کچھ ہوا تو میں اس کا جینا حرام کر دوں گی۔“

”تمہارے ہمایوں کو انشاء اللہ.....! کچھ نہیں ہوگا لیکن تم سردار پر غلط شبہ کر رہی ہو۔“ نشی نے اسے تسلی دے کر کہا۔

”تم اس کی صفائی دینے آئی ہو.....!“ نور یہ مزید سلگ گئی۔

”نہیں.....! میں سچ کہہ رہی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ سردار پچھلے پندرہ دنوں سے اس شہر میں نہیں تھا، وہ ملک سے باہر گیا ہوا تھا پھر وہ کیسے اس عرصے میں تمہیں یا تمہارے شوہر کو نقصان پہنچا سکتا تھا.....؟“ نشی نے دھیرے دھیرے اسے بتانے کی کوشش کی۔

”تم کچھ بھی کہو.....! میں تمہارا یقین نہیں کروں گی۔“ وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

”تو کسی اور سے پوچھ لو.....!“

”اتفاق سے میں بھی ایک لڑکی سے ملنے آئی تھی جس کا شوہرا یڈنٹ ہے۔“

”کون ہے آپ کی کزن یا دوست.....؟“ نعمان نے غالباً یونہی پوچھ لیا تھا، جواب میں اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی پھر آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

”پھر یقیناً آپ کو اپنی کہانی کے لیے کوئی کردار ملا ہوگا۔ بہت ظالم ہوتے ہیں آپ رائٹر لوگ.....! کسی کی جان پر مبنی ہوتی ہے اور آپ اپنی کہانی سوچ رہے ہوتے ہیں۔“ پھر کہنے لگا۔

”سوری.....! میری کزن انتظار کر رہی ہوگی، ہائے.....!“

”ہائے.....!“ وہ اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے دھڑکے سے بولی۔ پھر اپنی گاڑی میں بیٹھنے ہی موبائل نکال کر حاکم علی کے نمبر پر کال کر دی۔

”ہاں نشی.....! کہاں ہو.....؟“ ادھر سے حاکم علی نے ریسید کرتے ہی پوچھا۔

”بتتی دھوپ میں اور اس کے پاس کوئی سائبان بھی نہیں ہے۔“ اس نے آزدگی سے بتایا۔

”کم آن یار.....! چھوڑو یہ افسانوی باتیں.....! سیدھے سیدھے بتاؤ.....! کہاں ہو.....؟“ حاکم علی نے اس کی آزدگی محسوس ہی نہیں کی۔

”تم کہاں ہو.....؟“ اس نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے پوچھا۔

”ظاہر ہے.....! اس وقت آفس ہی میں ہوں گا اور تم کہاں گھومتی پھر رہی ہو.....؟“ وہ گاڑی کی آواز سن کر بولا۔

”میں نوریہ کے پاس آئی تھی.....!“ اس نے ایک دم کہہ کر حاکم علی کا اطمینان چھین لیا۔

”نوریہ.....! کیا مطلب.....! کہاں ہے نوریہ.....!“ حاکم علی کا بس نہیں چل رہا تھا فوراً اس کے پاس پہنچ جائے۔

”ہاسٹل.....! اپنے شوہر کے پاس.....! یار.....! اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ بیچاری لڑکی کتنی پریشان ہے، مجھے اس پر بہت ترس آرہا ہے۔“ وہ دکھ سے بول رہی تھی۔

”ترس بعد میں کھانا پہلے یہ بتاؤ.....! وہ کون سے ہاسٹل میں ہے.....؟“ حاکم علی نے ٹوک کر پوچھا تو وہ ہاتھ تپاتے تپاتے ٹوک گئی اور اُلٹا اس پر حیرت کرنے لگی۔

”تمہیں نہیں پتا.....! حیرت ہے.....!“

”حیرت کیوں.....؟“ حاکم علی کو اس وقت خود پر ضبط کرنے میں خاصی دقتوں کا سامنا تھا۔

”بھئی.....! تم جو اس سے بہت زیادہ آگاہ رہتے ہو تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے ہاسٹل میں ہے.....؟“ نشی نے دھیر سے بتایا۔

”فارگاڈ سیک نشی.....! میرے ضبط کا امتحان مت لو.....! مجھے بتاؤ.....! وہ کہاں ہے.....؟“ آخر وہ جھنجھلا گیا۔

”مجھے کیا ضرورت ہے کسی سے پوچھنے کی.....؟ میں خود جانتی ہوں کہ اس سارے شہر بلکہ ساری دنیا میں ایک وہی میرا دشمن ہے اور ایسا دشمن جسے میں جانتی تک نہیں اور وہ ہے کہ مجھے اپنا بنانے کے خواب دیکھتا ہے۔ یہ خواب تو اس کا کبھی خواب میں بھی پورا نہیں ہو سکتا۔“ آخر میں اس نے انتہائی نفرت سے سر جھٹکا۔

”تمہارے شوہر اب کیسے ہیں.....؟“ نشی نے قدرے رُک کر پوچھا۔

”خود ہی جا کر دیکھ لو.....! آئی سی یو میں ہیں۔“ اس کا جان چھڑانے والا انداز تھا۔ نشی کی ہمت ہی نہیں ہوئی مزید کچھ کہنے کی، چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی، پھر کچھ ہی دیر میں واپس آ کر اسی خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

”دیکھ آئیں.....!“ نوریہ کا چہرہ ہوا لہجہ اس کے دل میں تر از ہو گیا۔ آہستہ سے اثابت میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔

”میں سرداری دوست ہوں، پھر بھی دل سے کہہ رہی ہوں کہ اگر یہ حرکت سرداری ہے تو خدا اسے بھی معاف نہ کرے.....!“

اسی نے.....! اسی نے کیا ہے یہ سب.....!“ نوریہ تنفر کے ساتھ یقین سے بولی۔

نشی اب مزید کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اسے اپنی پوزیشن بھی عجیب سی لگ رہی تھی۔ اس نے چند لمحے یہ سوچنے میں گزارے کہ آیا اسے جانے کی اجازت ملنی چاہیے یا یونہی اٹھ کر چلی جائے۔ دونوں باتیں ہی مشکل لگ رہی تھیں۔ بار بار کن اکھیوں سے اسے دیکھتی پھر جیسے اپنے آپ سے ”میں چلتی ہوں“ کہتے ہوئی اٹھ کر چل پڑی۔ اسے یقین تھا پیچھے نوریہ اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھ رہی ہوگی پھر بھی اس کے قدم من من بھر کے ہورہے تھے۔ پھر باہر آتے ہی اس نے طویل سانس لی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ نعمان سامنے آ گیا۔

”ہیلو.....!“ ایک بل میں پہچان کر اس نے نعمان کو متوجہ کیا۔

”ہیلو.....!“ نعمان رُک کر پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

”میں نشی ہوں.....! آپ نے مجھے اپنی گاڑی میں گھر تک چھوڑا تھا۔“ نشی نے یاد دلایا تب وہ فوراً بولا۔

”اوہ کیس.....! سوری.....! میں فوراً پہچان نہیں سکا۔“

”آپ یہاں.....! خیریت.....؟“ وہ اس کی بات ان بنی کر گئی۔

”ہاں.....! میری کزن ہے یہاں، اس کے پاس آیا ہوں۔“ نعمان نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

”کیا ہوا آپ کی کزن کو.....؟“

”اس کا شوہرا یڈنٹ ہے، اور آپ.....؟“ نعمان نے بتا کر اس کی یہاں آمد کا مقصد پوچھا۔

ڈھٹائی۔

”ہومی! میں تھک رہی ہوں! اگر تم نے مجھے سہارا نہ دیا تو میں مرجاؤں گی!“

”سنو ہومی!“ اس نے دونوں ہاتھوں میں ہمایوں کا چہرہ تھام لیا۔

”تم میری اولین محبت ہو! خدا گواہ ہے اس دل میں تم سے پہلے کوئی تھانہ تمہارے بعد کوئی

ہوگا! میں اپنی ہر دھڑکن، اپنی ہر سانس تمہیں سونپتی ہوں! ایک بار! ایک بار آنکھیں کھول

دو!“

”اے اللہ! تو ہی سن لے!“ وہ گڑ گڑانے لگی تھی کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔ وہ یہی

کچھی امی ہوں گی جیسی فوراً اٹھ کر دروازہ کھولا لیکن آگے سعدیہ اور سبیل کھڑے تھے۔

”اے بھابی!“ سعدیہ نے اس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ دیکھ کر اسے گلے لگا لیا۔

”رو کیوں رہی ہیں؟ امی نے کچھ کہا ہے!“

”میں امی کی باتوں کا برا نہیں مانتی!“ وہ کہہ کر سعدیہ سے الگ ہوئی اور سبیل کو اندر آنے کا

اشارہ کیا۔

”السلام علیکم!“ سبیل نے اندر آ کر سلام کیا پھر ہمایوں کو دیکھنے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ

بے خبری کی خیند سورہا ہو۔

”مجھے لگتا ہے کسی دن بھائی اچانک آنکھیں کھول کر کہیں گے، دیکھو! میں نے تم سب کو کتنا

ٹھک کیا پھر خوب مذاق اڑائیں گے ہمارا!“ سعدیہ ہمایوں کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

”انشاء اللہ! تم لوگ بیٹھو! میں چائے لاتی ہوں!“ اس نے کہا تو سبیل نے روک دیا۔

”تمیں بھابی! ہم ابھی چائے پی کر آ رہے ہیں، آپ تکلف نہ کریں اور یہ آپ رو کیوں رہی

ہیں؟ رونے سے مسئلے اور مشکلیں حل نہیں ہوتیں، ہمت سے کام لیں!“ آپ تو ماشاء اللہ! بہت

بہادر ہیں۔ پتا ہے میں سعدیہ کو آپ کی مثالیں دیتا ہوں۔ آپ کی جگہ اُگر یہ ہوتی تو۔“

”اللہ نہ کرے!“ وہ فوراً بول پڑی۔

”اللہ اسے ہر آزمائش سے محفوظ رکھے!“

”آپ کی آزمائش بھی بس تھوڑے دنوں کی ہے۔ انشاء اللہ! بھائی جلدی ٹھیک ہو جائیں

گئے، پتا ہے میں نے بہت فتنیں مان رکھی ہیں!“ سعدیہ نے اس کے ہاتھ تھام کر کہا پھر کافی دیر وہ اور سبیل

اس کی ہمت بندھاتے رہے جس سے وہ کافی حد تک بہل گئی تھی۔ پھر شام میں امی اور ڈیڈی آ گئے۔ غالباً

نعمان نے انہیں ہمایوں کے گھر آنے کا بتایا تھا۔ بہر حال اس وقت وہ بہت حوصلے سے کھڑی تھی جس سے

امی کو کچھ اطمینان ہوا لیکن ڈیڈی مطمئن نہیں تھے۔ کتنی دیر ہمایوں کو دیکھتے رہے پھر اسے پاس بٹھا کر کہنے

لگے۔

”سوری سردار! میں نہیں بتا سکتی!“ وہ اب اس کی حالت سے محفوظ ہوئی۔

”کیوں! کیوں نہیں بتا سکتیں؟“

”مجھے نوریہ نے منع کیا ہے!“ نشی نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔

”اور تم نے اس کی بات مان لی! بہت خوب! اتنی سی دیر میں تمہاری وفاداریاں اس کے

ساتھ ہو گئیں۔ خیر! مجھے برا نہیں لگا کیونکہ وہ بھی تو میری ہی ہے نا!“ حاکم علی کی ہٹ دھرمی پر

وہ بری طرح سلگ گئی۔

”اچھا! اٹھیک ہے سردار! پھر بات کریں گے!“

”شام میں گھر آؤ گی ناں!“

”دیکھو!“ اس نے سبیل آف کر دیا۔

○○○

نوریہ نے اپنے کمرے میں بی سیٹنگ کر لی اور نعمان کے ساتھ ہمایوں کو گھر لے آئی کیونکہ ہاسٹل

اور گھر کے درمیان وہ خود گھن چکر بن گئی تھی۔ ہاسٹل میں ہوتی تو امی کی فکر اور گھر میں ہوتی تو ہمایوں کی

طرف دھیان رہتا۔ اس لیے اب یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ ایک ساتھ دونوں کی دیکھ بھال کر سکے گی۔

گوکہ امی کا رویہ ابھی بھی اس کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا۔ اسے دیکھتے ہی منہ موڑ لیتیں اور وہ دلبرداشتہ

ہونے کے باوجود ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی۔ وقت پر کھانا، چائے اور پہلے کی طرح ان کے کپڑے

پریش کر کے الماری میں رکھتی۔ باقی اوپر کے کام، جھاڑ پونجھ کے لیے ماسی تھی جبکہ کچن اسے ہی دیکھنا ہوتا

تھا۔ بہر حال اس وقت وہ نعمان کو زخمت کر کے امی کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

”لے آئیں زندہ لاش کو!“ صرف اس لیے لائی ہوئی کہ میں اسے دیکھ کر کڑھتی رہوں!

کیوں مجھے اتنی بڑی آزمائش میں ڈال رہی ہو تم! میں نہیں دیکھ سکتی اسے! لے جاؤ! اسے

جہاں سے لائی ہو! اور مجھے میرا ہنسا کھیلنا ہمایوں لا دو!“

”آپ ڈعا کریں!“ آنسو روکنے کی کوشش میں اس کی آواز مشکل سے نکلی تھی۔

”تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے! اور ناں! میں تم سے پوچھ کر ڈعا کروں گی!“

ای کے لیے حقارت تھی۔

”پھر آپ مایوس کیوں ہوتی ہیں؟ اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھیں!“

”بھروسہ ہے مجھے! اس کی رحمت پر پورا بھروسہ ہے لیکن تمہاری نخوت سے ڈرتی ہوں۔“

”میں چلی جاؤں گی! ہمایوں ٹھیک ہو جائیں پھر میں چلی جاؤں گی!“ سارے آنسو

روانی سے چھلک گئے۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور آنکھیں رگڑ رگڑ کر ہمایوں کو دیکھتے ہوئے

اس کا دل چاہا ہے پوری قوت سے جھنجھوڑ ڈالے اور اس ارادے سے بیڈ کے قریب آئی بھی پھر ایک دم

گہری سانس کھینچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”چلو..... اب ہم اس کے لیے دعا کی کر سکتے ہیں۔“

”بیٹا..... ارمیت.....! اللہ بہتر کرنے والا ہے.....! اور دیکھو.....! کوئی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا اور خود کو اکیلا مت سمجھنا، ہم آتے رہیں گے۔“ امی نے اسے ڈھیروں تسلیاں دیں پھر اس کی پیشانی پر چوم کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”آئی ایم سوری ڈیڈی.....! میں آپ کی بات نہیں مان رہی۔“ اس نے کہا تو ڈیڈی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

”خوش رہو بیٹا.....! خدا تمہاری مدد کرے.....!“

○ ○ ○

چاندنی پر بانسری سیکنے کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ یوں بھی اسے اور تو کوئی کام ہوتا نہیں تھا بس سارا دن بیٹھی بانسری بجانے کی کوشش کرتی۔ کسی کسی وقت آواز ”نے“ سے نکل جاتی تو وہ بہت خوش ہوتی اور پھر اسی طرح ”نے“ نکالنے میں سارا دن لگی رہتی۔ اس وقت وہ آم کے گھٹے پیڑ تلے اس کے منے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ دو پہر بھی ڈھلی نہیں تھی اور کھلی جگہ ہونے کے باعث دھوپ زیادہ تھی یعنی جہاں جہاں پیڑ تھے وہاں کچھ سایہ تھا، باقی دھوپ ہی دھوپ، اور وہ تو شروع سے ایسی ہی تھی۔ یعنی دو پہر میں جہاں بے بے کی آنکھ لگتی وہ کمرے کے ٹھنڈے ماحول سے نکل کر بارہ دری میں جا بیٹھتی۔ چنانچہ تنہائی اور بونے عالم میں سے کیا کشش نظر آتی تھی، وہ بہر حال اس کی عادی تھی۔ جب ہی بہت آرام سے بیٹھی بانسری کے سوراخوں پر انگلیوں کی پریکٹس کر رہی تھی کہ گاڑی کے ہارن پر چونک کر اصرار دیکھنے لگی۔ چونک کر اصرار کھول رہا تھا پھر گاڑی اندر آ گئی اور اس میں سے ظفر کو اترتے دیکھ کر ایک بل کو اس کا دل خوفزدہ انداز میں لرزاتا تھا لیکن فوراً ہی وہ خود پر قابو پا کر انجان بن گئی۔

”اے چاندنی.....!“ ظفر نے اس کی طرف آتے ہوئے اسے پکارا تو وہ ناگواری سے اسے دیکھنے لگی۔

”اتنی دھوپ میں کیوں بیٹھی ہے؟“ ظفر نے قریب آ کر کہا۔

”میں تجھے دھوپ میں بیٹھی نظر آ رہی ہوں.....!“ اس نے بیڑی کی چھانوں کی طرف اشارہ کیا۔

”آس پاس تو دھوپ ہے، چل اندر چل.....!“ ظفر نے کہا تو وہ یکسر ان بنی کر کے پوچھنے لگی۔

”تو یہاں کیوں آیا ہے؟“

”تجھے دیکھنے.....!“ وہ اس پر نظریں جما کر بولا۔

”دیکھ لیا.....! اب جا.....!“ اس نے حد درجہ بے مروتی کا مظاہرہ کیا۔

”ہیں.....! ایسے کیسے چلا جاؤں.....؟ اتنی دُور سے آیا ہوں.....! کوئی خاطر مدارت کر.....!“

”بیٹا.....! ابھی آپ اتنی بڑی نہیں ہوئیں کہ ایک پورے گھر کی ذمہ داری تمہارے کاندھوں پر اٹھا سکو۔ گو کہ افراد زیادہ نہیں ہیں پھر بھی یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلو.....!“

”ہوں.....! ہمایوں کو اس حال میں چھوڑ کر.....؟“ اس کا دل ڈکھ سے بھر گیا۔

”تو کیا ساری زندگی آپ اس شخص کے ساتھ رہ سکتی ہو جو نہ دیکھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے.....!“ ڈیڈی جانے کیسے اتنی بے رحمی کا مظاہرہ کر گئے تھے۔ اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہا لیکن وہ بہت ضبط سے بولی۔

”ساری زندگی کیوں.....؟ میرا دل کہتا ہے ہمایوں بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گے.....!“

”اور میرا دل کہتا ہے.....“ ڈیڈی اس کے برعکس کہنے جا رہے تھے کہ ایک دم ہونٹ بھینچ گئے۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔

”بیٹا.....! میں بھی اپنے دل سے مجبور ہوں.....! آپ میری بیٹی ہو.....! میں آپ کو حالات کے رحم و کرم پر تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔“

”بس.....! آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہونی چاہئیں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے.....!“ وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

”صرف دعائیں کام نہیں آتیں، انسان کو عملی طور پر بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ ڈیڈی غالباً ہمایوں کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو چکے تھے۔

”تو ڈیڈی.....! میں نے ابھی کیا ہی کیا ہے؟ آج ہی تو ہمایوں گھر آئے ہیں، اب میں ان کے پاس رہوں گی تو اپنے طور پر انہیں بیدار کرنے کی کوشش کروں گی۔ ہو سکتا ہے میری کسی بات سے ان کی کوئی حس جاگ اُٹھے.....!“

”چنانچہ.....!“ ڈیڈی نے یوں سر ہلایا جیسے انہیں اس کی بات سے اتفاق نہ ہو۔

ڈیڈی.....! پلیز.....! میری ہمت نہ توڑیں، میں اتنی کمزور نہیں ہوں کہ پہلے مرحلے پر ہی ہار مان کر ہار اقرار اختیار کر لوں.....! میرے اندر امید زندہ ہے اور میں اپنی آخری سانسوں تک اس امید کا دامن تھامے رکھوں گی۔ آپ مجھے مجبور نہ کریں.....!“ آخر میں وہ رو پڑی۔

”بیٹا.....! میں آپ کو مجبور نہیں کر رہا حقیقت سمجھا رہا ہوں.....!“ ڈیڈی اس کے رونے سے نرم پڑ گئے تھے۔

”اور حقیقت یہ ہے کہ ہمایوں زندہ ہیں۔“ اس نے اب اپنے آنسو نہیں پونچھے، وہ روتی چلی گئی تھی۔ امی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا پھر ڈیڈی سے کہنے لگیں۔

”آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ ایک تو پہلے ہی پریشان ہے مزید آپ.....“ ڈیڈی

”وہ بی بی صیب.....! بانسری والا آیا ہے.....!“ کنڈن نے بتایا تو وہ میں کیا کروں، کہتے کہتے رہ گئی اور دروازہ کھول کر پوچھنے لگی۔

”ظفر چلا گیا.....؟ وہ جو گاڑی پر آیا تھا.....؟“

”ہاں جی.....! چلا گیا.....! کون تھا بی بی.....!“

”وہ بے بے کی طرف سے آیا تھا۔ چل تو مسافر کو بیٹھک میں بٹھا.....! میں آتی ہوں.....!“ وہ کہہ کر واش روم میں چلی گئی۔ منہ پر خندے پانی کی چھینٹے مارے پھر بانسری اٹھا کر کمرے سے نکل آئی اور پہلے لابی میں رک کر بے بے کو فون ملایا۔ ادھر سے ان کی آواز سننے ہی پوچھنے لگی۔

”بے بے.....! ظفر کو آپ نے ادھر بھیجا تھا.....؟“

”نہیں.....!“ بے بے نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ وہ شروع ہو گئی۔

”اس کو سمجھا کے رکھ بے بے.....! اگر آئندہ ادھر آیا تو میں اس کی ٹانگیں تڑوا دوں گی.....!“

بد ذات کہیں کا.....!“

”چاندنی پتر.....! میری بات سن.....! دھیے.....! تیرا دہاں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے، تو ادھر میرے پاس آ جا.....!“ بے بے نے پکار کر کہا۔

”نہیں آتا مجھے.....! آپ ایسے نہ خواہ خواہ میری منگیں کیا کرو.....! مجھے اچھا نہیں لگتا.....! منگیں کرنی ہیں تو اپنے حاکم کی کرو.....!“ اس کا انداز ضدی اور روٹھا ہوا تھا۔

”میں تو دونوں کی کرتی ہوں اور تم دونوں کو ہی مجھ پر رحم نہیں آتا.....!“ بے بے کی آواز بھر گئی۔

”اچھا بس.....! اب روٹا شروع کر دو.....! اللہ حافظ.....!“ اس نے فون رکھ دیا پھر بیٹھک میں داخل ہوتے ہی ٹھک کر رک گئی۔ اگر کنڈن یہ نہ بتاتی کہ بانسری والا آیا ہے تو وہ ہرگز نہیں پہچان سکتی تھی

کیونکہ اس کا حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ کنڈنوں تک جھولتے بال ترشہ کر سلیقے سے جمائے گئے تھے۔ واڑھی مونچھ صاف ہو جانے سے چہرے کے نقوش بھی واضح ہو گئے تھے اور بدن پر وہ پھیلا بدرنگ لباس بھی

نہیں تھا، اس کی جگہ صاف ستھری شلوار قمیص میں وہ خاصا مہذب لگ رہا تھا۔

”سلام بی بی.....!“ اس نے سلام کیا تب وہ چونک کر بولی۔

”تم..... مسافر.....! تم تو پہچانے ہی نہیں جا رہے.....!“

”میں نے آپ کی بات مان لی بی بی.....! تھوڑے زیادہ پیسے کا کر یہ کپڑے بنوائے اور.....“ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے بالوں پر ہاتھ بھیرا۔

”اچھا کیا.....!“ اس نے کہہ کر بانسری اس کی طرف بڑھا دی۔

”آپ نے پر یکس کی تھی.....؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”ہاں.....! سارا دن یہی تو کرتی ہوں، لیکن میری آواز میں درد نہیں آتا، کیسے آئے گا.....!“ وہ

ایسے میں ٹٹنے والا نہیں ہوں.....! ابھی دو چار دن ادھر ہی رہوں گا۔“

”کیا.....!“ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”خبردار.....! جو ادھر رہنے کی بات کی.....!“

”کیوں.....! ڈرتی ہے.....!“ وہ مکروہ ہنسی ہنسا۔

”میں نہیں ڈرتی کسی سے.....! ایک آواز دوں گی سارے نوکر بھاگے آئیں گے اور میرے ایک اشارے پر تجھے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔“ اس نے اکر کر کہا۔

”ارے.....! تو تو کچی جاگیر دارنی ہو گئی ہے۔ زیر دست.....! ابھی زیر دست.....!“ وہ غاصے

عامیانہ انداز میں سراہنے لگا۔

”بس.....! زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے، کام بتا.....! کس کام سے آیا ہے.....؟“ اس نے جیسے انداز میں نوک کر کہا۔

”بتایا تو ہے تجھے دیکھنے.....!“ وہ اب بھی باز نہیں آیا۔

”پر میں تجھے نہیں دیکھنا چاہتی۔ اپنی بھیڑی شکل لے کے دفع ہو جا یہاں سے.....! نہیں تو بلاتی ہوں چوکیدار کو.....!“ وہ ذرا لحاظ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

”اے اے.....! تمیز سے.....! ایک تو میں بے بے کے کہنے پر تیری خیر خیریت لینے آیا اور تو ہے کہ حراج ہی نہیں ملتے.....! ناں.....! آخر تو اتنا اکر تتی کس بات پر ہے.....؟ کوئی پوچھتا تو ہے نہیں

تجھے.....!“ ظفر کا اشارہ حاکم علی کی طرف تھا، وہ سمجھ کر بری طرح سلگ گئی۔

”مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے.....! کوئی پوچھے نہ پوچھے، سمجھا.....! اور میں کون سا کسی کے لیے مری جا رہی ہوں.....؟ بڑے آرام سے ہوں میں، جا کر بتا دینا بے بے کو.....!“ وہ اپنی بات ختم کر کے بھاگتی

ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور دروازہ لاک کر کے بیڈ پر ڈھلے گئی۔

”کوئی پوچھتا تو ہے نہیں تجھے.....!“ ظفر نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی جس کی تپش اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ کبھی کروٹیں بدلتی، کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ دل چاہہ رہا تھا جا کر ظفر کا سر توڑ دے،

لیکن اس کا کیا قصور تھا، قصور وار تو وہ تھا جس کی وجہ سے اسے یہ سننے کو ملا تھا۔

”حاکم علی.....!“ وہ زہر خند سے بڑبڑانے لگی۔

”میں نفرت کرتی ہوں تجھ سے.....! مجھے تیری کوئی پرواہ نہیں، پھر بھی میں تجھ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گی۔“

”بی بی صیب.....!“ دروازے پر دستک کے ساتھ کنڈن نے پکارا تو وہ جو غصے سے کھول رہی تھی

پہنچی۔

”کیا ہے.....؟“

اور اگر یہاں علاج ممکن نہ ہوا تو میں اسے باہر لے جاؤں گا۔ دیکھو ناں.....! وہ مجھ پر شک کر رہی ہے اس طرح شاید میری طرف سے اس کا دل صاف ہو جائے۔“ حاکم علی نے بات ہی ایسی کی تھی کہ نشی سوچ میں پڑ گئی۔

”مگر کم از کم تم میرا اختیار کرؤ نشی.....! میں پورے خلوص سے کہہ رہا ہوں، میں ہمایوں کو علاج کے لیے باہر لے جاؤں گا۔“ حاکم علی نے زور دے کر کہا۔

”مجھے تم پر اعتبار ہے سردار.....! لیکن جس طرح وہ لڑکی تمہیں دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتی ہے تو کہیں ہاسپٹل میں کوئی بنگار نہ ہو جائے۔“ نشی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

”نہیں.....! ایسا کچھ نہیں ہوگا.....! میں نور یہ کے سامنے نہیں جاؤں گا.....! ہم صرف ڈاکٹر سے ملیں گے۔“ حاکم علی نے اسے اطمینان دلایا۔

”ٹھیک ہے.....! چلیں گے.....! نشی نے کہا تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

”چلیں گے نہیں.....! ابھی چلو.....!“ اس کے ساتھ ہی نشی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھا دیا، پھر گاڑی میں بیٹھ کر نشی نے ہاسپٹل کا نام بتایا تو وہ پندرہ منٹ میں ہی وہاں پہنچ گیا جس پر نشی حیران تو ہوئی لیکن کچھ کہنا نہیں، بس کن اکھیوں سے اس کی تجلّت اور بے قراری دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت تیز چل رہا تھا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے راستے میں آئی ہر شے کو ٹھوکر مارنا ہوا ہمایوں کے سر پر جاکھڑا ہوگا۔

”سردار.....!“ نشی نے اس کی تیز رفتاری سے خائف ہو کر ایک دم اس کا بازو تھام لیا۔

”میرا خیال ہے پہلے ہمیں ریسپشن پر معلوم کرنا چاہئے کہ ہمایوں کس ڈاکٹر کے زیر علاج ہیں۔“

”ہاں.....! ریسپشن.....!“ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”آؤ.....!“ نشی اس کا بازو تھامے ہوئے ریسپشن پر آگئی اور ریسپشنسٹ کو متوجہ کرتے ہوئے

بولی۔

”ایکسپریوزی.....! مجھے مسٹر ہمایوں چغتائی کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔“

”مسٹر ہمایوں ڈسچارج کر دیے گئے ہیں۔“ ریسپشنسٹ نے فائل دیکھ کر بتایا۔

”وہ ٹھیک ہو گئے.....!“ نشی نے بے اختیار خوشی کا اظہار کیا تھا۔

”نومینڈم.....! ان کی ٹریٹ منٹ اب گھر ہوگی۔“

”اوہ.....!“ وہ مایوس ہو کر حاکم کو دیکھنے لگی تو جانے کیوں وہ ہونٹ بھیج گیا۔

”اب کیا کریں.....! ڈاکٹر سے ملو گے.....!“

”ابھی نہیں.....!“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تو نشی تیز قدموں سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے

لگی۔

”سردار.....! میں ہمایوں سے نہیں اس کے ڈاکٹر سے ملنا تھا اور ڈاکٹر ہی ہمیں صحیح رپورٹ دے

کہہ کر سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

”آپ نے کبھی محبت کی ہے بی بی.....!“ وہ سر جھکائے پوچھ رہا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا تو کچھ انتظار کے بعد خود ہی کہنے لگا۔

”میں بھی کیسا پاگل ہوں.....! ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے.....؟“

”کیوں.....! میری عمر میں محبت نہیں ہوتی.....؟“ وہ بے اختیار کہہ گئی۔

”ہوتی ہے.....!“ وہ بتائیں اعتراف کر رہا تھا یا پوچھ رہا تھا۔

”ہاں.....! ہوتی ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ محبت بہت درد بہت دکھ دیتی ہے.....! میں نے جھیلے ہیں یہ دکھ.....! ابھی بھی جھیل رہی ہوں۔“

”آپ.....!“ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

”ہاں.....! ابھی میری عمر ہی کیا ہے.....؟ جتنی میری عمر ہے اس سے زیادہ دکھ میری جھولی میں

آن کرے ہیں، بغیر مانگے.....! میں تو ابھی سکھ کا مطلب بھی نہیں جانتی تھی کہ دکھ کل گئے.....! اچھا ہے ناں.....! سب کو سمجھنے لگی ہوں.....! جب تک خوش تھی ہنستی کھیلتی تھی تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا تھا کون کیسا

ہے.....! دکھ نے سارے راز کھول دیے۔“ وہ جانے کس خیال میں کھوکھو بولے جا رہی تھی۔

”بی بی.....!“ مسافر کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے، بس پکار کر رہ گیا۔

”ہاں.....! کیا ہوا.....؟“ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”آ.....! آپ بیٹھیں.....! میں آپ کو یہ سکھاتا ہوں۔“ وہ کچھ رک کر بولا۔

چاندنی نے اپنے پیچھے صوفے پر نظر ڈالی پھر وہیں بیٹھ گئی تو مسافر نے قریب آ کر اس کے پیروں کے پاس گھٹنے ٹیک دیے اور پہلے بائیںری اس کی آنکھوں کے سامنے کر کے اس پر انگلیاں بھماکیں پھر اپنے ہونٹوں سے لگا کر بجانے لگا۔ چاندنی غور سے اسے دیکھ رہی تھی اور سینے کے اندر دل کسی اتھاہ میں اتر رہا تھا۔

○ ○ ○

حاکم علی نے نشی سے ہر طرح سے پوچھ پچھا کر نور کا شوہر کون سے ہاسپٹل میں ہے، لیکن نشی نے بتا

کے نہیں دیا جس سے وہ اندر ہی اندر بہت جھنجھلا یا اور تلملایا ہوا ابھی تھا لیکن اس پر غاہ نہیں کر رہا تھا۔ اظہار

یوں جیسے یہ جاننا اس کے لیے ضروری نہیں ہے، پھر بھی گھوم پھر کر بات وہیں لے آتا تھا۔

”میں صرف اس لیے پوچھ رہا ہوں نشی.....! کہ میں نور یہ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ حاکم علی نے پھر

کسی بات کے دوران اچانک کہا تو نشی سمجھنے کے باوجود انجان بن گئی۔

”کس کی مدد کرنا چاہتے ہو.....؟“

”نور یہ کی.....! ہم دونوں ساتھ ہاسپٹل چلتے ہیں، ڈاکٹر سے ہمایوں کی رپورٹ معلوم کریں گے

”بی بی!.....“ ماسی نے کام سے فارغ ہو کر اسے پکارا تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

”ایک بات کہوں بی بی!..... آپ لوگ تو مانتے نہیں ہو پر ہمارا بڑا اعتماد ہے بیروں، فقیروں پر۔ ان کی دُعائیں بڑی جلدی رنگ لاتی ہیں۔“ ماسی ڈرتے ڈرتے بول رہی تھی کہ کہیں وہ ڈانٹ نہ دے، لیکن وہ گم سم انداز میں دیکھ کر جاری تھی۔

”آپ ایک بار میرے ساتھ چلو بی بی!..... ہمارے گاؤں میں مرشد سائیں ہیں، بڑے پچھے ہوئے ہیں، آپ ان سے اپنے میاں کے لیے دُعا کرا لو!..... اُدیکھنا ان کی دُعا سے کیسے بھلے چنگے ہو جائیں گے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں بی بی!..... آپ چلو گی ناں!..... جب آپ کہو گی میں آپ کو لے چلوں گی۔“

”میں..... میں کیسے جاسکتی ہوں.....؟“ وہ بے بسی سے بولی۔

”جانا تو بڑے گالی بی بی!..... اپنے میاں کی صحت اور زندگی کے لیے، یہ کوئی مشکل تو نہیں ہے۔“ ماسی کی بات اس کے دل کو لگی تھی۔ ہاں بھرتا چاہتی تھی کہ ڈور تیل کی آواز پر اس کا دھیان اوڑھ کر منتقل ہو گیا۔

”جاؤ!..... اُدیکھو کون ہے!.....“

”سعدیہ بی بی آئی ہوں گی۔“ ماسی کہتی ہوئی چلی گئی تو وہ پھر تسبیح پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد امی کے پکارنے کی آواز آئی تو وہ حیران ہوئی کیونکہ جب سے یہ حادثہ ہوا تھا امی اسے مخاطب نہیں کرتی تھیں اس لیے حیرت کے ساتھ پریشان بھی ہوئی اور فوراً کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آتے ہی نہ صرف خشکی بلکہ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

سائے صوفے پر امی کے ساتھ حاکم علی بیٹھا تھا۔

⊖ ⊖ ⊖

”سکتا ہے۔“

”ہاں!..... میں کل صبح ڈاکٹر سے ساری رپورٹس لے لوں گا۔“ وہ گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے بولا۔

”ابھی کیوں نہیں!.....“ نشی کو اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

”ابھی اس لیے نہیں کہ پہلے مجھے نوریہ سے بات کرنی چاہیے کیونکہ اس کی اجازت سے ہی میں ہمایوں کو کہیں لے جاسکتا ہوں، آئی سمجھ!.....“ اس کے جھنجھلا نے پریشی نے ذرا سے کندھے اُچکائے پھر دوسری طرف سے آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”نوریہ کو مجھ پر بھروسہ کرنا پڑے گا!.....“ وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے خود ہی بولنے لگا۔

”اس کے سوا نوریہ کے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں ہمایوں اکیلا ہے، کوئی بھائی وغیرہ نہیں ہے اور نہ باپ۔ نوریہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی۔ اسے مجھ پر بھروسہ کرنا پڑے گا، ہے ناں!.....“ آخر میں اس نے تائید کے لیے نشی کو دیکھا تو وہ صاف گوئی سے بولی۔

”سوری سردار!..... میرا نہیں خیال کہ وہ تمہاری مدد قبول کرے گی!.....“

”کرنی پڑے گی اسے!..... اور وہ نہیں تو ہمایوں کی والدہ!.....“ ہمایوں کی والدہ کہہ کر وہ خود ہی چونکا تھا پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں چپکنے لگی۔

○ ○ ○

اس نے جاہ نماز پلٹ کر رکھی پھر ہمایوں پر دم کر کے اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر دھیرے دھیرے بولنے لگی۔

”پتا ہے ہوئی!..... میں نے کیا سوچا ہے.....؟ جب آپ ٹھیک ہو جائیں گے تب میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی کیونکہ اب خود مجھے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ اس گھر پر، آپ پر ساری آفتیں میری وجہ سے ٹوٹ رہی ہیں اور یہ غلط بھی نہیں ہے۔ اگر میری جگہ کوئی اور لڑکی آپ کی بیوی ہوتی تو آپ کتنے سکون سے رہ رہے ہوتے۔ کیونکہ حاکم علی کی دشمنی آپ سے نہیں مجھ سے ہے۔ میں اسے دھڑکارتی آئی ہوں اور اب وہ میرا سکھ چھین لینا چاہتا ہے اور میری وجہ سے آپ.....“ اس کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں بھی آنسو بھر گئے تھے جنہیں وہ دوپٹے کے پلو میں جذب کر رہی تھی کہ کام کرنے والی ماسی آ کر چوچنے لگی۔

”بی بی!..... اصفائی کروں.....؟“

”ہاں!.....“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تسبیح لے کر صوفے پر جا بیٹھی۔ ماسی آرام سے ڈسٹنگ کرنے لگی۔ بار بار اسے بھی دیکھ لیتی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے اور امی طرح تسبیح کے دانے انگلیوں سے پھسل رہے تھے۔

”آپ بھی چلیں آئی.....!“ حاکم علی نے اٹھتے ہوئے امی سے کہا۔
”نہیں بیٹا.....! مجھ میں ہمت نہیں ہے، میں اپنے جوان جہان بیٹے کو بے بسی کی حالت میں نہیں
دیکھ سکتی۔ اللہ مجھے موت بھی نہیں دیتا۔“ امی رونے لگیں۔
”ارے آئی.....!“ حاکم علی فوراً ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔
”حوصلہ رکھیں.....! کچھ نہیں ہوگا ہمایوں کو.....! اب میں آگیا ہوں ناں.....! ہمایوں کو اچھے سے
اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا اور اگر یہاں ممکن نہیں ہو تو میں اسے علاج کے لئے باہر لے جاؤں گا۔“
”آف.....! یہ مکار شخص.....!“ نوریہ کا بس نہیں چل رہا تھا اسے بالوں سے گھسیٹ لے۔
”آپ اگر مجھے پہلے مطلع کر دیتیں تو اب تک ہمایوں ٹھیک بھی ہو چکا ہوتا۔ خیر.....! ابھی بھی آپ
فکر نہ کریں، وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ امی کے ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑا ہوا، پھر اسے دیکھنے لگا تو وہ منہ
”انشاء اللہ.....!“ آپ دیکھنے لگا۔ ”وہ ان کے ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑا ہوا، پھر اسے دیکھنے لگا تو وہ منہ
موڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ چند لمحوں ہی میں وہ اس کے پیچھے آ گیا اور بجائے ہمایوں کو دیکھنے کے اس
پر نظر میں جما کر کھڑا ہو گیا۔ خاصا فاتحانہ انداز تھا۔ وہ اندر ہی اندر کھوتی رہی، بولی کچھ نہیں، جب وہ خود ہی
جتا کر کہنے لگا۔
”ماں لو کہ سردار حاکم علی کوئی معمولی آدمی نہیں جو تمہارے بیڑہ دم تک آ سکتا ہے وہ سوچو کیا نہیں کر
سکتا.....؟“
”کچھ بھی کر لو.....! خدا نہیں بن سکتے.....!“ وہ بہت ضبط سے بولی۔
”خیر خدا یاد آنے لگا تمہیں.....! ہاں.....! اب تم سوائے اللہ اللہ کے اور کر بھی کیا سکتی
ہو.....؟“ حاکم علی نے اس پر ترس کھایا۔
”تم ہمایوں کو دیکھنے آئے ہو.....!“ اسے خود پر قابو رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔
”ہمایوں کو تو بہانا تھا، خیر.....! دیکھ لیتا ہوں.....!“ وہ کندھے اچکا کر بیڈ کے قریب جا کھڑا ہوا
اور کچھ دیر ہمایوں کو دیکھنے کے بعد اسے متوجہ کر کے کہنے لگا۔
”سنو.....! میں نے پہلے بھی ایسا ایک کیس دیکھا ہے، وہ ایک عورت تھی اور اسے دو سال بعد ہوش
آ یا تھا اس کے بعد وہ بالکل نارمل نہیں تھی، میرا مطلب ہے.....!“
”ہاں.....! اب تم جاسکتے ہو.....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔
”اچھا.....!“ وہ ذرا سا ہنسا۔
”چلا جاتا ہوں.....! کل پھر آ جاؤں گا اور اب تو آتا جا تا رہوں گا۔“
”حاکم علی.....!“ اس نے دانت پیسے۔

”السلام علیکم.....!“ حاکم علی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور خاصے مہذب انداز میں سلام کیا۔
”میرے خدا.....!“ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی
تھی تب امی کی کراخت آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔
”وہاں کیوں کھڑی ہو.....؟ یہاں آؤ.....!“ اس نے بمشکل خود کو گھسیٹنا اور دو قدم آگے بڑھ کر
رک گئی۔
”یہ سردار حاکم علی ہیں، ہمایوں کے پاس.....! بیٹا.....! تم کھڑے کیوں ہو.....؟ ٹیٹھوٹا.....!“
امی حاکم علی کا تعارف کراتے ہوئے پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔
”جی شکریہ.....!“ وہ بیٹھ کر اس کے بارے میں پوچھنے لگا۔
”یہ ہمایوں کی سزیاں.....؟“
”ہاں.....! یہی ہے اس کی بیوی.....!“ امی نے انتہائی نخوت سے کہا اور وہ اپنی بے بسی پر اندر ہی
اندر ماتم کرنے لگی۔
”بہت افسوس ہوا ہمایوں کے ایکسٹرنٹ کا سن کر.....! مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے۔“ وہ اسے دیکھ کر
کہنے لگا۔
”میرے شیخ نے مجھے بتایا ورنہ میں تو سمجھیں ہمایوں چغتائی کو بھول ہی گیا تھا، اب کیسے
ہیں.....؟“
”وہ اگر بولنے کے قابل ہوتی تب بھی جواب دینے سے گریز کرتی کیونکہ اس شخص کے سامنے وہ
مصلحت بھی لحاظ و مروت نہیں برت سکتی تھی۔
”کیا میں انہیں دیکھ سکتا ہوں.....؟“ وہ پوچھ کر فوراً ہمایوں کی امی کو دیکھنے لگا۔
”کیوں نہیں بیٹا.....! جاؤ دیکھو.....! نوریہ.....! انہیں ہمایوں کے پاس لے جاؤ.....!“ امی نے
اسے جھکنا انداز میں مخاطب کیا۔

گرفت کرتے ہوئے وہ پھر اسی بچ پر سو جتی چلی گئی۔

○ ○ ○

چاندنی کو اب بانسری سے زیادہ بانسری والے کی جھٹو تھی جو دھیرے دھیرے اس کے جذباتوں کو چھیڑ رہا تھا اس کے احساسات کو نئی زندگی دے رہا تھا۔ بظاہر گریز کرتا ہوا نظر آتا لیکن جاتے جاتے کوئی ایسی بات کہہ جاتا یا اسے بانسری تھمانے کے بہانے ہی اس کے ہاتھوں کو یوں چھو جاتا کہ وہ پھر اس کے لمس کو محسوس کرتی رہ جاتی۔ مزید اس کے دیکھنے کا انداز بھی بدل گیا کہ وہ تنہائی میں بھی اسے سوچنے لگی تھی۔ اگر کسی دن اسے آنے میں دیر ہو جاتی تو وہ بے قرار ہو جاتی، بار بار کنڈن کو گیٹ کی طرف دوڑاتی اور اب تو وہ خود بد آمدے میں آکھڑی ہوئی تھی اور کتنی دیر کچے کچے راستوں پر نظریں دوڑاتی رہی۔ پھر مایوس ہو کر اندر آئی تو ایک دم احساس ہوا کہ وہ یہ کیا کر رہی ہے۔ اندر سے کسی نے لٹاڑنے کی کوشش کی۔

”تو صرف چاندنی نہیں ہے.....! حاکم علی کی بیوی ہے.....!“

”تو یہ احساس حاکم کو کیوں نہیں ہوتا کہ وہ میرا شوہر ہے.....؟“ وہ اندر کی آواز پر بگڑنے لگی۔

”وہ مجھے مانتا نہیں اور میں اس کے نام کی مالا جیتی رہوں.....! کیوں.....؟“

”بہی تیرا نصیب ہے.....!“

”نا..... نہیں.....! میں نہیں مانتی ایسے نصیب کو.....! میرا نصیب حاکم علی کے ساتھ جوڑا گیا تھا، پھر اس کے حصے میں آزادی اور میرے حصے میں اسیری کیوں.....؟ وہ جو چاہے کرتا پھرے اور میں خود پر سارے دروازے بند کروں.....! نہیں.....! بند دروازوں کے اندر اب میرا دم گھٹنے لگا ہے، مجھے زندگی کی ہوا چاہئے، میں انسان ہوں، جتنی جاگتی انسان، روٹی کپڑے کے علاوہ بھی مجھے بہت کچھ چاہیے اور حاکم تو بار بار کہہ چکا ہے کہ کبھی مجھ پر اپنا حق مت جتانا، پھر..... پھر کس پر جتاؤں.....؟“ وہ آزدگی میں گھر کر دو دینے کو گھٹی تھی تب ہی مسافر آ گیا اور اسے پہلے سے بیٹھک کر دروازے ہی میں رک کر پوچھنے لگا۔

”میں آ جاؤں بی بی.....!“

”تم.....!“ وہ بے اختیار اس کی طرف پلٹی۔

”آج اتنی دیر کر دی ہے.....! میں کب سے انتظار کر رہی ہوں.....!“

”بہی تو میں چاہتا تھا، تمہارے اندر انتظار کی جوت جلا کر تمہیں بے قرار کر دوں۔“ مسافر نے اس کی بے اختیار محسوس کرتے ہوئے سوچا، بولا کچھ نہیں بلکہ یوں سر جھکا لیا جیسے دیر سے آنے پر نادم ہو۔

”اب وہاں کیوں کھڑے ہو.....؟ اندر آؤ.....!“ اس نے کہا تو وہ دلہیز پار کے آگے آیا پھر اس کے ہاتھ سے بانسری لے کر کہنے لگا۔

”آپ ناراض نہ ہوں بی بی.....! کچھ کام پڑ گیا تھا، آئندہ دیر نہیں ہوگی۔“

”اچھی بات ہے.....! اور سنو.....! یہ تم مجھے بی بی مت کہا کرو.....! اچھا نہیں لگتا.....!“ وہ اپنے

”اوہوں.....! تم مجھے روک نہیں سکتیں، کیونکہ تمہاری ساس نے مجھ پر اعتماد کر لیا ہے، بڑی اچھی خاتون ہیں تمہاری ساس.....! اچھاری رو رہی تھیں تو مجھے بہت تکلیف ہو رہی تھی اور تکلیف تو مجھے تمہاری حالت دیکھ کر بھی ہو رہی ہے، کتنی مایوس اور ٹوٹی ہوئی لگ رہی ہو.....! تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے نور.....! ایسے تو بڑی جلدی ہمت بار جاؤ گی۔“ وہ بہت نرمی سے اس سے ہمدردی جتا رہا تھا اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس کے سامنے بری طرح بکھر جاتی لیکن اب اسے خود پر ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر بھی آنکھوں کے پیمانے لمبریز ہو گئے۔

”نہیں نور.....! تم مت رونا.....! مجھے تمہارے رونے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔“ وہ بے تاب سے اس کے قریب آیا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا کہ وہ بھاگ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

اور اس رات وہ ایک پل کو نہیں سو سکی۔ مسلسل ٹھٹکی اور سوچتی رہی کہ اس نئی صورت حال کا سامنا کیسے کرے؟ حاکم علی کی اصلیت وہ اور ہمایوں جانتے تھے یا پھر نعمان، اور کسی کو معلوم نہیں تھا نہ وہ بتا سکتی تھی۔

جبکہ ہمایوں کی امی کو وہ ششے میں اتار گیا تھا۔ شام میں سارا وقت وہ اس کے گن بگاتی رہی تھیں۔ یہاں تک کہا کہ اللہ نے ان کی مدد کو فرشتہ بھیجا ہے اور وہ فرشتہ اس کا رہا سہا سکون بھی بچھین گیا تھا۔

”کیا کروں.....؟ یہاں تو میں اس پر بیچ چلا بھی نہیں سکتی نہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال سکتی ہوں۔ امی بھی تو ایسے وقت میں مجھ سے متغیر ہو گئی ہیں، ان سے کچھ کہوں گی تو وہ میرا عقیدہ نہیں کریں گی۔ پھر کس سے کہوں.....؟ کون ہے جو حاکم علی کو یہاں آنے سے روک سکے.....؟“ اس کا ذہن بری طرح دھنسنے لگا اور ہمایوں کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑا۔

”ہوی.....! تم ہی اٹھ جاؤ.....! خدا کے لئے.....! دیکھو.....! میں بالکل اکیلی ہو گئی ہوں.....! اٹھو ہوی.....!“ وہ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو پڑی۔ اچانک اسے اپنے ہاتھوں میں ہمایوں کا ہاتھ لرزتا ہوا محسوس ہوا تو وہ پاگل سی ہو گئی۔ کبھی اس کا ہاتھ دیکھتی کبھی چہرہ پھر جھنجھوڑنے لگی۔

”ہمایوں.....! ہمایوں.....! اٹھو.....! انہیں تو میں چلی جاؤں گی.....! میں امی ڈیڈی کے پاس چلی جاؤں گی.....! میں ان حالات میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ سنا تم نے.....! سن رہے ہوں.....!“ اور وہ سن رہا ہوتا تو ایک پل میں آنکھیں نہ کھول دیتا، وہ تو اس کی ہر پکار سے بے خبر تھا۔

”بہت برے ہو تم.....!“ وہ مایوس ہو کر اس کے پاس سے اٹھ گئی پھر ٹھٹکتے ہوئے اٹھنے لگی۔

”کیا کروں.....؟ نو می کو بتاؤں.....! نہیں.....! وہ اپنی منطقیں جھاڑنا شروع ہو جائے گا اور آخر میں یہی کہے گا تم یہاں آ جاؤ.....! اور میں کیسے ہمایوں کو حاکم علی کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں.....! نہیں.....! یہ میں نہیں کر سکتی.....! البتہ.....“ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ایک نئی سوچ جس پر

”مجھے معاف کر دو.....!“ اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ چاندنی نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر جیسے خواب میں چلتی ہوئی بیٹھک سے نکل کر راہ داری میں آ گئی۔ اس کا دل بہت احتیاط سے انگڑائی لے رہا تھا کہ کہیں کسی کو خبر نہ ہو۔ آنکھوں میں وہ رستہ بس گیا تھا جس پر چلنے کی آرزو تھی۔

”میں کب تک اپنی آرزوؤں کا گلا گھونٹی رہوں اور کیوں گھونٹوں.....؟ وہ خالم تو کبھی میرا نہیں ہوگا، میں لاکھ جتن کراؤں اس کے دل کو نہیں چھو سکتی، پھر اس کے پاس دل ہے کہاں، سننے میں پتھر جڑا ہے اور میں پتھر سے سر ٹکرانے کے لیے تو پیدا نہیں ہوئی۔“ وہ نئے راستے پر قدم رکھنے کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی۔



وہ چائے بنانے کے دوران خود کو حاکم علی کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتی رہی جو لاؤنج میں ہمایوں کی امی کے پاس بیٹھا تھا۔ یہ حقیقتاے حد مشکل مرحلہ تھا لیکن اسے طے کرنا تھا اور صرف اسی پر تو بس نہیں تھا، جانے ایسے کتنے مراحل اس کے منتظر تھے۔ وہ سوچ سکتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اسے بہت زیادہ صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ خود کو یہی یاد رکھاتی ہوئی وہ چائے کی ٹرے اٹھا کر لاؤنج میں آئی تو حاکم علی اسے دیکھ اٹھ کھڑا ہوا۔

”السلام علیکم.....!“

”وسلیم السلام.....! کیسے ہیں آپ.....؟“ اس نے حاکم علی کی طرف دیکھنے سے قصداً گریز کیا۔ ”میں ٹھیک ہوں.....! اور یہ آپ نے چائے کا کیا تکلف کیا.....؟ میں تو ہمایوں کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔“ حاکم علی نے کہا تو وہ ابھی بھی ٹرے پر نظریں مرکوز رکھ کر بولی۔

”آپ بیٹھیں.....! پلیز.....!“

”تھینک یو.....!“ وہ بیٹھا تو امی سے کہنے لگا۔

”میں نے لندن میں ڈاکٹر ز سے بات کی ہے، آپ مجھے ہمایوں کی رپورٹس دے دیں تو میں انہیں بھجوا دوں پھر میں خود ہمایوں کو لندن لے جاؤں گا یا ڈاکٹر زیس میں آ جائیں گے۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا.....! لیکن.....!“ امی اخراجات کا سوچ کر خاموش ہو گئیں۔

”یہ سب میری ذمہ داری ہے آئی.....! آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔“ وہ فوراً سمجھ کر کہنے لگا۔

”ہمایوں نے پانچ سال میری فرم میں جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے لیے میں اس کا احسان مند ہوں اور یہ سب میں اس کا احسان اتارنے کے لیے نہیں کروں گا، بس یوں سمجھئے کہ مجھے اس سے دلی لگاؤ ہے۔“

”خوش رہو بیٹا.....!“ امی آبدیدہ ہو گئیں تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کے پاس جا بیٹھا اور ان

آپ میں اُلجھ رہی تھی۔

”پھر کیا کہوں جی.....!“ مسافر نے اس کم عمر لڑکی کو نظر بھر کر دیکھا جو بناوت کا علم اٹھائے کھڑی تھی۔

”میرا نام چاندنی ہے.....! تم مجھے میرے نام سے پکارا کرو۔“ وہ کہہ کر پھر توجہ پیش کرنے لگی۔

”آخر تم میرے استاد ہو اور استاد جی جی کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے.....!“

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن میں..... میرا مطلب ہے میری حیثیت مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں آپ کو نام سے پکاروں۔“ وہ اس کی طرف بڑھنا بھی چاہتا تھا اور خائف بھی تھا۔

”میں جو دے رہی ہوں اجازت.....!“ وہ فوراً بولی۔

”جی.....! میں کوشش کروں گا.....!“ وہ کہہ کر زیر لب دہرانے لگا۔

”چاندنی.....! چاندنی.....!“

”ارے.....! تم تو جیسے سبق یاد کرنے لگے۔“ اس کی نفرتی منی نے جلتے جگ بجا دیئے۔

”بہت خوبصورت نام ہے، بالکل تمہاری طرح، تمہاری ہر ادا پر سوٹ کرتا ہے، تمہاری آواز تمہاری منی جیسے تھال پر چاندنی برس رہی ہو، تم سچ سچ چاندنی ہو.....!“ وہ اس کی ہنسی کے جل ترنگ میں کھو گیا۔

”مسافر.....!“ اس نے گھبرا کر پکارا۔

”ہاں.....!“ وہ چونکا ضرور لیکن شپٹایا نہیں بلکہ اسے دیکھ گیا تو وہ رخ موڑ کر بولی۔

”تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہے ہو.....!“

”کچھ غلط تو نہیں کہا، پھر بھی اگر تمہیں برا لگا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے سر جھکا لیا۔

”اپنی تعریف کسے بڑی لگتی ہے، پر تم کچھ زیادہ کہہ گئے ہو.....!“ وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

”زیادہ تو نہیں.....! میں نے تو صرف تمہارے نام کو سراہا ہے، تمہاری تعریف کے لیے تو میرے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں۔ کاش کہ میں شاعر ہوتا، پورا دیوان لکھ ڈالتا تم پر لیکن شاید پھر بھی میں تمہاری مکمل تعریف نہ لکھ پاتا، تم کا سنات کا حسن ہو، اگر تمہیں ہنسا دیا جائے تو شاید سب کچھ ویران ہو جائے۔“ وہ بولتا چلا جا رہا تھا اور وہ حیران کھڑی تھی۔

”میرا نام مسافر ہے اور میری زندگی مسافرت میں کٹ رہی تھی۔ جانے کیا جتو تھی، کس کی تلاش تھی میں سمجھ نہیں پاتا تھا پھر جس روز تمہیں دیکھا مجھے اپنی جتو کا سراغ مل گیا۔ مجھے لگا جیسے میں ہمیشہ سے تمہاری تلاش میں تھا لیکن یہ اچھا نہیں ہوا، میں تلاش ہی میں رہتا تو اچھا تھا، تمہیں دیکھ کر تو ساری امیدیں دم توڑ گئی ہیں، تم کہاں میں کہاں، پانا تو دور کی بات تمہیں دیکھتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں اور دیکھے بنا رہے بھی نہیں سکتا۔ میں کیا کروں.....؟ میں کیا کروں.....؟“ اس کی بے بسی ظاہر ہو رہی تھی۔

چاندنی ہنوز گم سم کھڑی تھی تب وہ قریب آ کر دھیرے سے بولا۔

”چاندنی بی بی! اچھی ہے! بہت اچھی ہے! اپنے بڑے سردار صاحب نے ہی پالا ہے۔ اس کے ماں باپ تو جب وہ چھوٹی سی تھی چل بے!“

”ہاں! بتایا تھا سردار نے۔“ اس نے کہتے ہوئے گلاس وال سے باہر نظر ڈالی۔ چوکیدار گیت کھول رہا تھا پھر حاکم علی کی گاڑی اندر آتے دیکھ کر وہ فضل دین سے بولی۔

”سردار آ رہا ہے! تم جاؤ! اپنا کام کرو!“

”آپ کے لیے اور چائے لاؤں!“ فضل دین نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں بس!“ وہ گلاس وال سے حاکم علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ابھی فضل دین نے بتایا تھا کہ آج کل وہ بہت خوش نظر آتا ہے تو وہ اس کے چہرے پر نئی خوشی تلاش کرنے لگی کہ چند لمحوں بعد ہی وہ اندر آ گیا۔

”آہنشی! کیسی ہو؟“ حاکم علی نے ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر خوش کا اظہار کیا۔

”کیا بات ہے؟ بڑے خوش نظر آ رہے ہو!“ وہ بلا ارادہ ہی کہہ گئی۔

ارے واو! تم تو ایک نظر میں پہچان لیتی ہو، کیا جادو ہے تمہارے پاس!“ حاکم علی صوفے پر ڈھکے کراہے دیکھنے لگا۔

”اس کا مطلب ہے تم واقعی خوش ہو!“

”بہت! بہت! بہت زیادہ!“ حاکم علی نے صوفے کی بیک پر دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر اعتراف کیا پھر کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے میری بے پناہ خوشی کا سبب تم جان سکتی ہو!“

”سوری! چہرے سے خوشی اور ناخوشی کا اندازہ تو لگایا جاسکتا ہے وجہ نہیں بتائی جاسکتی، تم بتاؤ!“

”نشی کے اشتیاق ظاہر کرنے پر حاکم علی نے مزید تجسس پھیلا دیا۔

”میں بتاؤں!“ تم یقین نہیں کرو گی!“ اچھا ایسا کرو پہلے تم کچھ سوچو!“ آئی مین!

قیاس کرو۔“

”نہیں! میں کچھ قیاس نہیں کر رہی بس تم بتاؤ الو!“

”تو سنو! میں ابھی نوریہ سے مل کر آ رہا ہوں بلکہ روزانہ اس سے ملنے جاتا ہوں۔“ حاکم علی کے چہرے پر چمکتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔

”کہاں؟“ نشی اگر کوشش کرتی تب بھی اس کی خوشی پر خوشی کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اس کے برعکس اندر سے کچھ سہم سی گئی تھی۔

”اس کے گھر!“ وہ اب سیدھا ہو بیٹھا پھر تفصیل سے بتانے لگا۔

”میں ہمایوں کو دیکھنے گیا تھا، اس کی والدہ سے ملا اور انہیں یقین دلایا کہ میں ہمایوں کا علاج

”اوہ!“ حاکم علی کے اندر شادیانے بجنے لگے، جیسے مدتوں سے وہ یہی تو سننا چاہتا تھا۔

”تم جاؤ!“ کہیں میں رسوا نہ ہو جاؤں!“ رسوائی کے خدشے میں کیا کیا چھپا ہوتا ہے یہ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا، جب ہی قربان جا رہا تھا۔

○○○

نشی حیران تھی کہ حاکم علی آخر کن کاموں میں مصروف ہے کہ اسے فون بھی نہیں کر رہا اور نہ اس کا فون انٹینڈ کر رہا تھا۔ آج دن میں اس نے کتنی بار زرائی کیا تھا پھر شام سے کچھ پہلے خود ہی اس کے گھر چلی آئی لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ اس نے وہیں سے اس کے آفس فون کیا تو معلوم ہوا وہ وہاں سے بھی نکل چکا ہے تب وہ اس کے انتظار میں وہیں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد فضل دین چائے لے کر آیا تو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

”سردار اسی شہر میں ہے ناں! کہیں باہر تو نہیں گیا ہوا!“

”نہیں بی بی! صاحب ادھر ہی ہیں۔“

”کب تک آ جاتا ہے آفس سے؟“ اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”کبھی جلدی کبھی دیر سے، کوئی ایک وقت نہیں ہے، ادھر تین چار دن سے بڑے سردار صاحب بھی شکایت کر رہے ہیں کہ صاحب انہیں فون نہیں کر رہے، پر بی بی! میں آپ کو بتاؤں!“ آج کل سردار صاحب بہت خوش نظر آتے ہیں، پتا نہیں کیا چکر ہے؟“ فضل دین تفصیل سے بتانے لگا ہوا گیا اور وہ جو چائے کا کپ ہونوں کی طرف لے جا رہی تھی تو اس کا ہاتھ درمیان ہی میں رک گیا۔

”بی بی! آپ کو بھی نہیں پتا ہے چکر کا؟“ فضل دین نے اس پر حیرت ظاہر کی۔

”مجھے!“ وہ چونکی۔

”میری بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی سردار سے!“

”ابھی آپ ان سے مل کر جائیے گا!“

”ہاں!“ میں انتظار کر لیتی ہوں!“ اس نے اب سنبھل کر سرسری انداز اختیار کیا، پھر چائے کاسپ لے کر پوچھنے لگی۔

”تم گاؤں نہیں جاتے؟“

”جاتا ہوں بی بی!“ جب سردار صاحب ملک سے باہر جاتے ہیں تب میں گاؤں کا چکر لگا آتا ہوں۔ بس اپنی مٹی کی محبت سمجھتی ہے ورنہ کوئی رشتہ دار تو ہے نہیں، ماں باپ مر کھپ گئے، شادی کی نہیں، جو بال بچوں کے لیے ہر مہینے جانا پڑتا، اس لیے کبھی کبھی ہی جاتا ہوں۔“ فضل دین غالباً باتیں کرنے کے موڈ میں تھا جب ہی کارپٹ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

”چاندنی کیسی ہے؟“ اس نے گاؤں کا ذکر چاندنی کا پوچھنے کے لیے ہی چھیڑا تھا۔

جائے گی۔“ وہ جتنا سرشار تھا، نئی اسی قدر پریشان ہو رہی تھی۔

○ ○ ○

نعمان دادی کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا اور اسے وہ وقت یاد رہا تھا جب ایسے موقع پر نور یہ فوراً آن موجود ہوتی اور کسی نہ کسی بہانے اسے وہاں سے اٹھا دیتی تھی۔ پھر خود دادی سے لاؤ کر کے لگتی، نئی کلنڈر لٹی ہوا کرتی تھی وہ، اور اب کتنے مصائب میں گھر گئی۔“ وہ اسے سوچتے ہوئے آرزوہ ہو رہا تھا۔ دادی نے نتیجہ رکھ کر اس کے چہرے پر پھونک ماری پھر پوچھنے لگیں۔

”کیا بات ہے.....؟ پریشان ہو.....!“

”نہیں دادی.....! بس نور یہ کا خیال آ رہا تھا۔ اس ہفتے میں اس کے پاس جا ہی نہیں سکا۔ کیا سوچتی ہوگی کہ ہم سب اس کی طرف سے بے نیاز ہو گئے ہیں.....؟“ وہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔

”ناں بیٹا.....! میں تو ہر وقت اس کے لیے دعا کرتی ہوں۔ بیچاری بچی پر کسی آزمائشیں آن پڑی ہیں، اللہ اس کا سہاگ سلامت رکھے، ابھی تو اس کے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ تم کیوں نہیں گئے اس کے پاس.....؟“ دادی نے نور یہ کو یاد کر کے پوچھا۔

”بس دادی.....! آفس میں ہی اتنی دیر ہو جاتی ہے، پھر رات میں جانا اچھا نہیں لگتا۔“ اس نے کہا تو دادی آہ بھر کر بولیں۔

”ہاں.....! اس کی ساس نے بھی تو نظریں پھیر لی ہیں۔ شیراز نے بتایا تھا مجھے، کیچہ پھٹ کے رہ گیا۔ بتاؤ بھلا.....! ایک تو بیچاری میاں کی وجہ سے پریشان ہے اوپر سے ساس کی باتیں، اور ہاں.....! اس کی ایک نند بھی تو تھی جس کی شادی ہوئی تھی، وہ کیسی ہے نور یہ کے ساتھ.....؟“

”ٹھیک ہے.....! وہ اور اس کا میاں دونوں اچھے ہیں، خیال رکھتے ہیں نور یہ کا.....!“ اس نے بتایا تو دادی کچھ مطمئن ہوئیں۔

”چلو شکر ہے.....! کوئی تو دلجوئی کرنے والا ہے.....!“

”لیکن دادی.....! وہ ہر وقت تو ساتھ نہیں رہتے، ایک آدھ گھنٹے کے لیے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔“ وہ اس وقت نور یہ کی تنہائی اور پریشانی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

”ہر وقت کون ساتھ دے سکتا ہے بیٹا.....! سب کی اپنی مجبوریاں ہیں، اب تم اپنی پھوپھو کو ہی دیکھو بس خوشی ملی میں ہی آتی ہے یا پھر عید بقرعید پر۔ اب تو شکر ہے گھر گھر ٹیلی فون لگ گئے ہیں، آواز تو سن ہی لیتے ہیں، خیر خیر یہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔“ دادی کو اپنی بیٹی کی یاد ستانے لگی تھی۔

”ہاں.....! میں نے فون بھی نہیں کیا اسے.....!“ اس نے سوچتے ہوئے ٹائم دیکھا، رات کے دس بج رہے تھے تب وہ دادی کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور موبائل اٹھا کر نور یہ کے نمبر پر کال کر دی۔

کراؤں گا اور اس کی والدہ کو تو چھوڑ دو، نور یہ نے بھی میرا اعتبار کر لیا ہے.....!“

”تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے.....؟ واقعی ہمایوں کا علاج کراؤ گے یا.....؟“ نئی نے ڈوبتے دل سے پوچھا تھا۔

”کراؤں گا.....! اس کا علاج بھی کراؤں گا۔“ وہ اب بے نیازی سے بولا جیسے اسے علاج وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس کا اصل مقصد تو نور یہ تک رسائی حاصل کرنا تھا۔

”سردار.....! تمہیں نور یہ کو دھوکا نہیں دینا چاہیے.....!“ نئی نے اس کی بے نیازی پر ٹوکا تھا۔

”میں..... میں کیسے اسے دھوکا دے سکتا ہوں.....؟ تم جانتی ہو وہ میرے لیے کیا ہے.....؟ اس کی خاطر ہی تو میں نے ہمایوں کے علاج کی ذمہ داری قبول کی ہے اور ابھی میں ہمایوں کی فائل ڈاکٹر ابراہیم کو دے کر آ رہا ہوں، ڈاکٹر ابراہیم دو تین روز میں لندن جانے والے ہیں۔ وہاں وہ بہترین ڈاکٹر کے ساتھ ہمایوں کا کیس ڈسکس کریں گے پھر اگر انہوں نے کہا تو میں خود ہمایوں کو لندن لے جاؤں گا اور یہ سب میں کس کے لیے کر رہا ہوں.....؟ نور یہ کے لیے.....! اور تم کہہ رہی ہو میں اسے دھوکہ نہ دوں.....!“ وہ ناراض ہو گیا تھا۔

”سوری سردار.....! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ نئی کچھ خائف سی ہو گئی۔

”میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب تم نور یہ کے لیے اتنا کچھ کر رہے ہو تو اپنے دل پر بھی قابو رکھو.....! وہ کسی کی امانت اور عزت ہے، تم اس کے لیے غلط انداز سے مت سوچو.....!“

”غلط یا صحیح.....! میں یہ سب نہیں جانتا نئی.....! میرے دل میں اس کے لیے جو جذبات ہیں وہ کسی صورت نہیں بدل سکتے۔ میں اسے حاصل کرنا چاہتا تھا اور ابھی بھی یہی تمنا ہے، میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا.....! اور دیکھنا.....! ضرور پوری ہوگی، کیونکہ میں جانتا ہوں ہمایوں کا علاج کہیں نہیں ہے، وہ بس کچھ عرصے کا مہمان ہے۔“ حاکم علی کا لہجہ پڑ یقین تھا۔

”تو پھر.....! تم یہ سب کیوں کر رہے ہو.....؟ ڈاکٹر ابراہیم.....! لندن.....!“ نئی الجھ گئی۔

”نور یہ کے دل میں جگہ بنانے کے لیے اور جگہ بن گئی ہے نئی.....! آج اس نے مجھ سے ڈھیروں باتیں کیں یہ بھی کہا کہ وہ ہمایوں کی بیماری سے تھک گئی ہے اور اس گھر سے اس کا دل اُچاٹ ہو گیا ہے۔ اچھا ہے ناں.....! ہمایوں کے بعد وہ زیادہ عرصہ اس کا سوگ نہیں مناتی رہے گی۔“ حاکم علی کی بے رحمی پر نئی کا دل کانپ گیا۔

”بس کرو سردار.....! چنانچہ اللہ کو کیا منظور ہے.....!“

”اللہ کو ہی منظور ہے کہ نور یہ میری ہو جائے جب ہی تو اس کے دل میں میرے لیے گداز پیدا ہو گیا ہے۔ سنو.....! تم تو جانتی ہو ناں.....! میں نور یہ کے لیے کتنا ترپا ہوں.....! کیا کیا جتن نہیں کئے اسے منانے کے.....! اور دیکھو.....! بلا آخر میری محبت، میری تڑپ رنگ لے آئی۔ اب بہت جلدی وہ میری ہو

”نواب شاہ سے آگے..... سرداروں کا گاؤں.....!“ وہ سوچتے ہوئے بولی۔

”ہاں.....! کوئی مشکل راستہ نہیں ہے، آرام سے پہنچ جاؤ گی، نہیں تو مجھے ساتھ لے چلنا.....!“ ماسی نے کہا تو چونک کر بولی۔

”ٹھیک ہے ماسی.....! میں پروگرام بناتی ہوں پھر اگر تمہیں ساتھ لے جانا ہوا تو میں تمہیں بتا دوں گی اور سنو.....! ہم ریل گاڑی یا بس سے نہیں بلکہ اپنی گاڑی سے جائیں گے۔“

”پھر تو ایک ہی دن میں ہو کر آ جاؤ گی بی بی.....! اور دیکھنا.....! ساری زندگی دُعائیں دو گی مجھے.....“ ماسی نے کہا تو اس نے مسکراتے پر اکتفا کیا پھر اسے بھیج کر اندر آ گئی اور سنجیدگی سے سوچنے لگی۔

یہ نہیں تھا کہ وہ بزرگوں اور ولیوں کو مانتی نہیں تھی، اسے یقین تھا کہ آج بھی کچھ ایسے نیک لوگ موجود ہیں جب ہی تو یہ دنیا قائم ہے لیکن وہ ان لوگوں سے ڈرتی تھی جنہوں نے پیری مریدی کو کاروبار بنا رکھا تھا اور زیادہ ایسے ہی لوگ تھے جن کے جگہ جگہ اشتہار بھی لگے تھے اور ایسے اشتہاری لوگوں کے پاس جانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اب ماسی نے جو بتایا تھا تو وہ یہ سوچ رہی تھی کہ ہو سکتا ہے وہ واقعی کوئی نیک بزرگ ہوں اور ان کی دُعائے ہمایوں جلدی ٹھیک ہو جائیں۔

”میں جاؤں گی.....! انوی سے کہوں گی وہ لے جائے گا.....!“ آخر اس نے فیصلہ کر لیا اور اسی وقت نعمان کو فون کرنے جاری تھی کہ حاکم علی آ گیا جسے دیکھ کر وہ زبردستی مسکرائی اور اسے لاؤنج میں چھوڑ کر امی کو بلا لائی۔

السلام علیکم آئی.....! کیسی طبیعت ہے آپ کی.....؟“ حاکم علی نے فوراً بوڑھ کرائی کو کندھوں سے تھام لیا پھر انہیں بٹھا کر کہنے لگا۔

”میں ابھی ڈاکٹر کے پاس سے آ رہا ہوں۔ ڈاکٹر اب رات ہمایوں کی فائل لے کر لندن جا رہے ہیں اور اس سے پہلے وہ نوریہ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”مجھ سے.....!“ وہ اندر سے ہلکی۔

”ہاں.....! ان کا کہنا ہے کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے بارے میں زیادہ بتا سکتی ہے اور میرا خیال ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، کیوں آئی.....!“ حاکم علی نے اپنا خیال ظاہر کر کے فوراً امی سے تائید چاہی۔

”ہاں.....! تم چلی جاؤ.....!“ امی نے اسے دیکھ کر کہا۔

”کہاں ہوتے ہیں ڈاکٹر اب رات.....؟“ اس نے حاکم علی سے پوچھا۔

”مگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کو لے چلتا ہوں.....!“ حاکم علی امی کے سامنے بہت محتاط گفتگو کرتا تھا۔ اس سے پہلے امی بول پڑیں۔

”اعتراض کی کیا بات ہے بیٹا.....! سب کچھ تم ہی کر رہے ہو اور یہ تمہاری مہربانی ہے.....! جاؤ نوریہ.....!“

”ہاں نوری.....! کیسے ہو.....؟“ ادھر نوریہ نے اس کا نام دیکھ کر کہا تو وہ دل گرنگی سے بولا۔

”بہت برا.....! تم یہی سوچ رہی ہو گی ناں.....! کتنے دنوں سے تمہارے پاس آیا نہ فون کیا۔“

”ہاں.....! لیکن میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی.....! میرا یقین کرنا نوری.....! مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں.....! ویسے آج دن میں جویریہ اور عباد بھائی آئے تھے اور امی تو خیر روزانہ فون کرتی ہیں۔“ وہ سیدھے سادے انداز میں بتا رہی تھی۔

”ہمایوں کیسے ہیں.....؟“ اس نے رُک کر پوچھا۔

”ویسے ہی ہیں.....! لیکن میں مایوس نہیں ہوں.....! مجھے یقین ہے ہمایوں ضرور ٹھیک ہو جائیں گے.....!“ وہ ہمایوں کے ٹھیک ہونے پر ضرور زور دیتی تھی۔

”انشاء اللہ.....! اور میرے لائق کوئی خدمت.....؟“

”ابھی تو نہیں.....! لیکن یہ طے ہے کہ جب بھی ضرورت پڑی تمہیں ہی کہوں گی.....!“ اس کے حق جتانے پر وہ ذرا سا مسکرایا۔

”اچھی بات ہے، اپنا خیال رکھنا.....!“ پھر سیل آف کر کے بھی وہ دیر تک اسے ہی سوچتا رہا تھا۔

○○○

کام والی ماسی اپنا کام ختم کر کے جانے لگی تو روزانہ کی طرح نوریہ گیٹ بند کرنے کے ارادے سے اس کے پیچھے باہر آ گئی تو ماسی اس سے کہنے لگی۔

”بی بی.....! تم مرشد سائیں کے پاس کیوں نہیں جاتیں.....؟ اپنے میاں کی خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتیں.....؟“

”ہاں.....! وہ تم نے بتایا تھا، میں سوچ رہی ہوں۔“ اس کا انداز نا لٹنے والا تھا۔

”سوچنے میں وقت نہ گواؤ بی بی.....! اتنے دنوں سے ڈاکٹر کا علاج کر رہی ہو، کوئی فرق نہیں پڑا تمہارے میاں کو، مرشد سائیں ایک ہی بار میں ٹھیک کر دیں گے۔ کوئی پیسے نہیں لیتے، بس دُعا کرتے ہیں، بڑا اثر ہے ان کی دُعائیں، دیکھنا.....! دو دن میں اٹھ کر بیٹھ جائے گا تمہارا میاں.....!“ ماسی کا بس نہیں چل رہا تھا اسے ابھی سمجھ کر لے جائے۔

”اچھا.....! کہاں رہتے ہیں وہ.....؟“ اسے دو دن میں ٹھیک ہونے والی بات میں کشش نظر آتی تھی۔

”نواب شاہ سے کچھ آگے..... سرداروں کے گاؤں میں.....!“ ماسی نے بتایا تو وہ ذرا سا ہنسی۔

”میں وہاں کیسے جا سکتی ہوں.....؟“

”بس سے یا ریل گاڑی سے.....! کوئی اتنی دُور تو نہیں ہے، لوگ تو علاج کے لیے سات سمندر پار بھی جاتے ہیں تمہارا کوئی بھائی وائی نہیں ہے، اس کے ساتھ چلی جاؤ.....!“ ماسی بولے جا رہی تھی۔

خاموش ہوا تو وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

”ہوں.....!“ وہ گہرا سانس لے کر پھر گویا ہوا۔

”میں تمہیں پوری سچائی اور ایمانداری سے بتا رہا ہوں فوراً.....! کہ میرے دل میں تمہارے لیے جو احساسات جاگے تھے اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کے لیے ایسا محسوس نہیں کیا تھا اور میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ تم میری اولین محبت ہو اور میں اپنی اولین محبت سے کسی قیمت پر دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا جب ہی تمہاری شادی کے بعد بھی میں نے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میری محبت ضرور ایک دن تمہارے دل تک رسائی حاصل کر لے گی۔“ آخر میں وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یوں مسکرایا جیسے کہ رہا ہو، میرا یقین غلط تو نہیں تھا ناں، اور وہ اس وقت انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی جب ہی مصلحت مسکرا کر اس کے یقین پر مہر ثبت کی تھی۔

○○○

”آ جا تجھ کو پکار میں میرے گیت.....!“

میں تو سنا ہوں تیری جاہ میں.....!“

آ جا تجھ کو پکاریں.....!“

دور سے آتی بانسری کی آواز چاندنی کے دل کو چھو رہی تھی اور اب تو یہ یقین بھی تھا کہ یہ دھن اسی کے لیے چھیڑی گئی ہے۔ وہ اسے ہی پکار رہا ہے جیسے اس کی پکار میں تڑپ رہی تھی ویسے ہی وہ بھی تڑپ رہی تھی، کبھی گلاس وال کے ساتھ لگ کر دُور اندھیرے میں اسے دیکھنے کی کوشش کرتی، کبھی سوئی ہوئی کندن کے سر پر آکھڑی ہوتی۔ دل چاہ رہا تھا اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دے اور مسافر کے پاس چلنے کو کہے لیکن کندن اتنی گہری نیند میں تھی کہ اٹھانے پر صرف جھٹ کر سکتی تھی، کہیں جانے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ جبکہ اس کا دل چل چل کر اس راستے پر چلنے کی ترغیب دے رہا تھا جہاں کانٹے ہی کانٹے تھے لیکن اب اسے کانٹوں کی پرواہ کب تھی۔ وہ کندن کو سوتا چھوڑ کر باہر نکل آئی اور تاروں کی مدھم روشنی میں مسافر کی جھونپڑی کی طرف چل پڑی۔ اس ساحر نے جانے کیا جادو کر دیا تھا کہ وہ سارے دُرخوف سے آزاد ہو گئی تھی اور یوں قدم اٹھا رہی تھی جیسے برسوں سے اس راستے پر چلتی چلی آرہی ہو۔ پھر جھونپڑی کے قریب رُک کر پہلے کی طرح اپنی سانسیں ہموار کیں اس کے بعد احتیاط سے پکارا۔

”مسافر.....!“ وہ بانسری بجانے میں گن گئی تھی اس کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔

”تجھ کو پکاریں میرے گیت.....!“

”مسافر.....!“ اس نے پھر پکارا اور جواب نہ پا کر جھونپڑی کے اندر آگئی تو پہلے تو کچھ نظر ہی نہیں آیا، آٹھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی پھر بانسری کی آواز پر دھیان رکھ کر ہاتھ بڑھایا اور ایک دم بانسری چھین لی۔

”جی.....! میں چیخ کر کے آتی ہوں.....!“ وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور جب ڈریس چیخ کر کے واپس آئی تو حاکم علی نے فوراً می سے اجازت لی، پھر اسے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اس کے پیچھے باہر نکل آئی، بظاہر بہت پرسکون لیکن اندر سے بے حد خائف کہ جانے اس شخص کی نیت کیا ہے اور اسے یہ جاننے کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ گاڑی مین روڈ پر لاتے ہی حاکم علی کہنے لگا۔

”سنو.....! برا مت ماننا.....! میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جا رہا۔“

”پھر.....!“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”بس تھوڑی سی آؤ ٹنک.....! تاکہ تم فریش ہو جاؤ.....! بیمار ماحول میں تم خود بیمار لگنے لگی ہو اور یہ ٹنک نہیں ہے.....! تمہیں ابھی بہت ہمت کی ضرورت ہے۔“ وہ محتاط انداز میں رُک رُک کر بول رہا تھا پھر دیر میں اس پر نظر ڈال کر پوچھنے لگا۔

”تمہیں برا تو نہیں لگا.....!“

”نہیں.....!“ وہ اپنی بے بسی پر ہنس کر حاکم علی نے چونک کر دیکھا تو وہ مزید ہنس کر کہنے لگی۔

”مان گئی تمہیں حاکم علی.....! تم واقعی حیرت انگیز شخص ہو، سپر مین، پتا ہے.....! آج میرا سبکی دل

چاہ رہا تھا کہ کچھ دیر کو ہی سہی میں اس بیمار ماحول سے دُور نکل جاؤں.....!“

”اور دیکھو.....! تمہارے دل کی بات جان کر میں چلا آیا.....!“ حاکم علی نے خوش ہو کر مزید اپنی

اہمیت جتائی۔

”میں پہلے ہی اعتراف کر چکی ہوں کہ میں تمہیں مان گئی.....! مزید کیا منوانا چاہتے ہو.....؟“ اس

نے قدرے شوشی دکھائی تو حاکم علی کھسیا کر پوچھنے لگا۔

”یہ بتاؤ.....! کہاں چلیں.....؟“

”سی ویو.....! اسنڈر کی ہوائیں میرا راستہ دیکھتی ہوں گی۔“ وہ کہہ کر خود ہی محظوظ ہوئی تھی۔

”صرف راستہ ہی نہیں دیکھتیں ہر ایک سے تمہارا پتا بھی پوچھتی ہیں۔ مجھے بھی کئی بار روک کر پوچھا

کہ اس لڑکی کو کب لے کر آؤ گے جس کے لیے تم ہماری طرح پاگل پھرتے ہو۔“ حاکم علی نے اس کی بات

گرفت میں لے کر کہا۔

”تمہارا پاگل پن کبھی میری سمجھ میں نہیں آیا حاکم علی.....! کیونکہ میں کوئی اتنی حسین و جمیل تو نہیں

ہوں.....!“ وہ یکدم بخنجر ہو گئی تھی۔

”میری زندگی میں حسین و جمیل لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک آئی اور چلی گئی، میں

نے پرواہ نہیں کی کیونکہ کسی نے میرے دل کو نہیں چھوا تھا۔ دل کو چھونے والی تم ہو نور.....! تمہارے لیے

میرا دل سودائی ہوا ایسا کہ مجھے خود پر اختیار نہیں رہا، پھر میں جتنا تمہاری طرف بڑھتا تم اسی قدر دُور بھاگ

رہی تھیں جس سے میرا جنون بڑھتا گیا، تمہیں پانے کا جنون.....!“ حاکم علی سگریٹ سلگانے کے لیے

واپسی میں مسافر اُس کے ساتھ تھا۔ دونوں بچہ خاموش سر جھکائے چل رہے تھے۔ چاندنی کی چال غیر متوازن تھی، پیر کھتی کہیں تھی پڑ کہیں رہے تھے۔ کتنی بار اُس کا پیر کسی پتھر پر یوں پڑا کہ وہ گرتے گرتے بچی اور ایسے میں مسافر نے اُسے رک کر دیکھا ضرور لیکن تھا یا نہیں اور اُس نے بھی سہارے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ شاید اندر سے دونوں ہی خائف تھے۔

”چاندنی.....!“ کتنا راستہ طے کرنے کے بعد مسافر نے اسے ڈرتے ڈرتے پکارا۔
”ہوں.....!“ خاموشی میں چاندنی کی ہلکی سی ”ہوں“ بھی واضح سنائی دی تھی۔
”تمہیں میرے پاس نہیں آنا چاہئے تھا۔“ مسافر نے یوں کہا جیسے کچھ اچھا نہیں ہوا۔

”ہوں.....!“ وہ غم سم تھی۔

”چاندنی.....!“ مسافر نے رک کر ایک دم اُسے کندھوں سے تھام لیا۔
”تم بہت اچھی.....! بہت معصوم ہو.....! میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا، مجھے معاف کر دو.....! میں اب تمہارے سامنے نہیں آؤں گا، یہاں سے دُور چلا جاؤں گا، بہت دُور.....!“
”نہیں مسافر.....!“ چاندنی تڑپ کر اُس کے سینے سے لگ گئی۔

”تم..... تم نہیں جانا.....!“

”مجھے جانا ہوگا.....!“

”کیوں.....! کیوں جانا ہوگا.....؟ مجھے چھوڑ کر جاؤ گے.....؟ اپنی چاندنی کو.....“ وہ رونے لگی۔
”چاندنی.....!“ مسافر نے اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

”تم میری چاندنی ہو.....! سچ کچ میری ہو.....!“

”ہاں.....! میں تمہاری ہوں.....! تم اگر مجھے چھوڑ کر گئے تو میں مرجاؤں گی۔“ وہ ہار گئی تھی۔
”اور سردار حاکم.....! اسے پتا چل گیا تو.....!“ مسافر نے اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
”اس کا نام منت لو.....! وہ میرا کچھ نہیں ہے، میں جیوں یا مردوں اُسے پرواہ نہیں.....! پھر میں

”کون.....!“ مسافر بڑبڑا گیا۔

”چاندنی.....!“ وہ ہنسی تو جیسے نثر کی گھنٹیاں بجے لگیں۔

”تم.....!“ وہ بے حد حیران ہوا۔

”تم.....! کیسے آئیں.....؟“

”جیسے پہلے آئی تھی.....!“ وہ نیچے بیٹھی تو آپ ہی آپ ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیا۔

”کوئی اور بھی ہے تمہارے ساتھ.....؟“ مسافر نے اُلٹھ کر پوچھا۔

”نہیں.....! آج میں اکیلی ہی آئی ہوں.....!“ وہ خوش ہوئی جیسے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

”دُور نہیں لگا.....؟“ مسافر کی آواز آپ ہی آپ دھیمی ہو گئی تھی۔

”نہیں.....! بس دل زرد مزہ سے دھڑک رہا تھا.....! ابھی بھی دیکھو.....!“ اس نے ایک دم مسافر

کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ دیا تو دھڑکنوں میں آگ سی دھک اٹھی۔

”یہاں، وہاں دونوں طرف۔“

اور تاروں بھری رات میں دودل ہم آہنگ ہو کر اس سے آگے کی منزلیں طے کرتے ہوئے دُنیاؤ مافیا سے بے خبر ہو چکے تھے اور وہی نہیں ساری دُنیا بے خبر تھی۔ کسی نے نہیں دیکھا کہ سردار حاکم علی کی عزت، غیرت، حمیت اس تاریک جھوپڑی میں بکھر رہی تھی۔ شاید وقت انصاف کرنے جا رہا تھا۔

☺ ☺ ☺

چاندنی کے اندر بس پہلے مرحلے پر ہی یہ احساس جاگ تھا کہ وہ حاکم علی کی منکوحہ ہے اور پہلے مرحلے پر ہی اس نے سختی سے اس احساس کو دبایا تھا کہ جب حاکم علی کو اس کی پرواہ نہیں ہے تو وہ کیوں اس کا خیال کرے اور اب زندگی کے نئے رخ سے آشنا ہو کر تو وہ بالکل ہی فراموش کر بیٹھی تھی۔ کوئی ڈر کوئی خوف نہیں بس ہر پہل مسافر کا خیال، ہونے جاتے، اٹھتے بیٹھتے اسے ہی سوچتی رہتی۔ اس کی باتیں، اس کی نظروں کے پیغام، اس کے ہاتھوں کا لمس، اس کی تنہائیوں کو بھی مہکا گیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے کھٹکلا کر ہنس پڑتی، عجیب دیوانگی کا عالم تھا۔ اس وقت وہ لان میں پھولوں سے باتیں کر رہی تھی جب کندن اس کے پاس آ کر بولی۔

”بی بی صیب..... ایک بات کہوں.....!“
”کہو.....!“ وہ سرخ گلاب پر جھگی ہوئی تھی۔

”وہ جی.....! میرا ابا کہہ رہا تھا کہ وہ بانسری والا روز روز کیوں آتا ہے.....؟“ کندن نے کہا تو وہ ایک دم سیدھی ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔

”کیوں.....! تیرے ابا کو اس کے آنے سے کیا تکلیف ہوتی ہے.....؟“

”نہیں جی.....! میرے ابا کو تکلیف نہیں ہوتی، وہ کہہ رہا تھا اس پاس کے لوگ باتیں کرتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ وہ کیوں آتا ہے.....؟ اور فشی جی تو کہہ رہے تھے بڑے سردار صاحب کو خبر کریں گے۔“ کندن کی آخری بات پر وہ ہنسی پھر ایک دم غصے میں آ گئی۔

”فشی کی اتنی جرات.....! میری شکایت کرے گا بڑے سردار سے.....؟ میں اُسے اپنی جاگیر سے نکلا دوں گی اور سن.....! اپنے ابا سے بھی کہہ دے، میری نوہ میں نہ بیٹھا کرے اور تو کیا بتا نہیں سکتی کہ وہ مجھے بانسری سکھانے آتا ہے.....؟“

”بتایا ہے بی بی صیب.....! میں نے ابا کو بتایا ہے.....!“ کندن سہم گئی تھی۔

”اور یہ بھی بتا دے میں اپنی مرضی کی آپ مالک ہوں، اپنی جاگیر میں کچھ بھی کروں کسی کو کچھ پوچھنے کا حق نہیں، بڑے سردار کو بھی نہیں، اور وہ فشی کا بچہ.....! اُسے تو میں نہیں چھوڑوں گی، جا.....! اپنے باپ سے کہہ ابھی فشی کو بلالائے.....!“ وہ بری طرح کھول رہی تھی۔

”بی بی صیب.....! آپ غصہ نہ کرو.....!“ کندن نے ڈرتے ڈرتے کہا تو وہ دانت تیز کر بولی۔

”میں نے تجھ سے جو کہا ہے وہ کر.....!“

”جی.....!“ کندن بھاگ گئی۔

”فشی سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو.....؟ اس کی تو میں.....“ وہ تمل کر فشی کو گلیاں دینے لگی پھر اچانک احساس ہوا کہ وہ کیا کر رہی ہے، اس طرح تو سب لوگ اس کے خلاف ہو جائیں گے۔ پھر وہ یہاں کیسے رہ سکے گی اور اگر سردار ہاشم علی تک بات پہنچ گئی تو وہ اُسے زبردستی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

کیوں اُس کی پرواہ کروں.....؟“ چاندنی کا انداز روٹھے بچے جیسا تھا۔

”پھر بھی چاندنی.....! وہ تمہارا شوہر ہے اور کوئی معمولی آدمی بھی نہیں ہے۔“ مسافر خود خائف تھا۔

”میں بھی معمولی نہیں ہوں.....!“ چاندنی نے فوراً گردن اگڑائی۔

”میں تمہاری نہیں اپنی بات کر رہا ہوں۔ سردار حاکم تو مجھے بچ چورا ہے پر انا لڑکا دے گا۔ اُس کے سامنے بھلا میری حیثیت ہی کیا ہے.....؟“ مسافر نے اُسے حقیقت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے کو تیار نہیں تھی، منہ موڑ کر چل پڑی تو وہ اُس کے پیچھے آ گیا۔

”چاندنی.....! ناراض ہو گئی کیا.....؟“

”ایسی باتیں کرو گے تو جاؤ.....! نہیں ملوں گی تم سے.....!“ وہ اور تیز چلنے لگی۔

”پنگی ہے تو.....! تجھے دیکھے بغیر بھلا میں رہ سکتا ہوں.....؟“ مسافر نے اُس کا راستہ روک کر ہاتھ جوڑ دیئے۔

”چل معاف کر دے.....! آئندہ ایسی باتیں نہیں کروں گا، بلکہ یہ کہوں گا کہ کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ

سکتا، سردار حاکم بھی نہیں.....!“

”ہاں.....! یہ کی ناں مردوں والی بات.....!“ چاندنی نے سر ہاتھ پر ہنس پڑا۔

”اچھا بس اب تم جاؤ.....! کہیں چوکیدار چکر لگا تا ہوا ادھر نہ آ جائے.....!“ وہ اُسے دھکیل کر بولی۔

”پھر کب آؤ گی.....؟“ مسافر نے بے قراری سے پوچھا۔

”جب تم بلاؤ گے.....!“ وہ کہہ کر تیزی سے ہٹتی اور گھنے بیڑوں کے جھنڈ سے گزرتی ہوئی اندر آ گئی اور پہلے بوا جھتے کو سوتے ہوئے دیکھا پھر اپنے کمرے میں آ کر کندن کو دیکھنے لگی۔

کندن آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ اُسے کچھ شبہ ہوا تو قریب آ کر دیکھی آواز میں پکارا۔

”کندن.....!“

”بی بی صیب.....!“ کندن فوراً اٹھ بیٹھی۔

”آپ کہاں چلی گئی تھیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔“

”ڈرنے کی کیا بات ہے.....! میرے کمرے میں ہے تو اور یہاں کیا اس پوری جاگیر میں کوئی چور ڈاکو نہیں آ سکتا۔“ وہ کہتی ہوئی اپنے بیڈ پر جا بیٹھی۔

”پر بی بی.....! آپ گئی کہاں تھیں؟“ کندن نے دوبارہ پوچھا۔

”کہیں نہیں.....! یہاں کمرے میں دل گھبرا رہا تھا، پچھلے برآمدے میں جا کر ٹہلنے لگی۔ میں نے

تجھے اٹھایا بھی تھا، تیری نیند کچی تھی۔ خیر.....! اب سو جا.....! مجھے بھی نیند آرہی ہے۔“ اُس نے انگڑائی لے کر تکیہ سیدھا کیا اور کندن کو لائٹ آف کرنے کا کہہ کر لیٹ گئی۔

گئی۔

”اچھا تو وہ تجھے بانسری سکھانے آتا ہے۔“ فشی جی پڑ سوچ انداز میں بولے۔
”ہاں فشی جی۔۔۔۔۔! بھاری غریب آدمی ہے، بتا رہا تھا کہیں جھونپڑی میں رہتا ہے، پر بانسری بہت اچھی بجاتا ہے۔ میں جب سیکھ جاؤں گی تو اُس سے بھی اچھی بجانے لگوں گی، ہے ناں فشی جی۔۔۔۔۔!“ وہ بہت چالاک ہوئی تھی اور فشی جی بچپنا سمجھ کر مسکرا دیئے تھے۔

○○○

تمام عمر میں ہر صبح کی اذان کے بعد
اک امتحان سے گزرا اک امتحان کے بعد
خدا کرے کہ کہیں اور گردشِ تقدیر
کسی کا گھر نہ اُجاڑے مرے مکان کے بعد
دھرا ہی کیا ہے پھرے پاس نذر کرنے کو
ترے حضور مری جان! مری جان کے بعد

”میرے ہمایوں۔۔۔۔۔!“

تقدیر بھی میرے ساتھ کیسے کیسے مذاق کر رہی ہے کہ اب تمہیں مخاطب کرنے کے لئے مجھے قلم کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ یاد ہے جب اولین شبِ تم نے حاکم علی کا نام لے کر مجھ سے منہ موڑا تھا تو میں نے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہا تھا۔ یہ میری ضد تھی کہ جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں، میرا کوئی قصور ہی نہیں تو میں صفائی کیوں پیش کروں اور قصور وار تو اب بھی میں نہیں ہوں لیکن حالات مجھے جس موڑ پر لے آئے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ میں پہلے سے تمہیں آگاہ کر دوں ورنہ بعد میں شاید تم میرا یقین نہ کرو۔

تو ایسا ہے ہمایوں۔۔۔۔۔! کہ۔۔۔۔۔“

وہ تان اسٹاپ لکھتی چلی گئی، جانے کیا کچھ لکھ ڈالا۔ پھر وہ پیپر ہمایوں کی ڈاکومنٹس والی فائل میں رکھ کر خود کو اطمینان دلایا۔ اس کے بعد اپنی تندہ سے یہ کوئی نہ کیا تو وہ چھوٹے ہی پوچھنے لگی۔

”خیریت بھائی۔۔۔۔۔! بھائی کیسے ہیں۔۔۔۔۔؟“

”ویسے ہی ہیں۔۔۔۔۔! میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ تم ایک دو دن کے لئے یہاں آ جاؤ۔۔۔۔۔!“ اُس نے جواب کے ساتھ کہا۔

”خیریت۔۔۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔۔۔! میں اصل میں اپنی امی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ تم یہاں رہ جاؤ گی تو پھر میں بھی وہاں دو دن رہ سکوں گی۔ سب لوگ میری طرف سے بہت پریشان ہیں، سعد یہ۔۔۔۔۔! تم سمجھ سکتی ہو۔۔۔۔۔!“ اُس کی آواز میں عاجزی سمٹ آئی۔

”نہیں۔۔۔۔۔! میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہیں رہنا ہے اور یہاں رہنے کے لئے ان سب لوگوں کو اپنا بتائے رکھنا ہے۔“ وہ ایک مسافر سے بار کرکڑ پر رہی تھی۔ پھر جب لندن نے آکر فشی جی کے آنے کا بتایا تو وہ انہیں بیٹھک میں بٹھانے کا کہہ کر سوچ میں پڑ گئی کہ وہ فشی جی سے کیسے اور کیا بات کرے گی۔ حقیقتاً اب وہ اندر سے خائف ہو گئی تھی۔ اپنے آپ میں اُٹھتی ہوئی بیٹھک میں آئی تو فشی جی کو دیکھ کر مزید پریشان ہو گئی کہ اس پارلش بزرگ کے سامنے جھوٹ بولنا بھی آسان نہیں تھا۔
”السلام علیکم۔۔۔۔۔!“ وہ بیشکل سلام کر پائی۔

”جیتتی رہ۔۔۔۔۔! خوش رہ۔۔۔۔۔!“ فشی جی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر اپنے ساتھ بٹھا کر پوچھنے لگے۔

”ادھر اپنے ماں باپ کے گھر میں خوش تو ہے ناں تو۔۔۔۔۔!“
”جی۔۔۔۔۔!“

”بوسے مردار صاحب پوچھتے رہتے ہیں مجھ سے کہ اپنی چاندنی کو کوئی تنگی، کوئی پریشانی تو نہیں ہے اور میں روز سوچتا ہوں آکر تیری خیر خبر لوں۔۔۔۔۔! پر حساب کتاب سے فرصت نہیں ملتی۔ ابھی چوکیدار بلانے آیا تو مجھے فکر ہوئی کہ پتا نہیں کیا بات ہے۔۔۔۔۔؟ تو بتا۔۔۔۔۔! کیوں بلایا ہے۔۔۔۔۔؟“ فشی جی نے اپنی بات کہہ کر پوچھا تو وہ شیشا کر انہیں دیکھنے لگی۔

”بتا پتر۔۔۔۔۔! کوئی پریشانی ہے۔۔۔۔۔؟“ فشی جی نے پھر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”نہیں فشی جی۔۔۔۔۔! پریشانی تو کوئی نہیں ہے بس ابھی تک آپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آج میں نے سوچا آپ سے بھی مل لوں۔“ وہ ڈک ڈک کر بول رہی تھی۔
”اچھا اچھا۔۔۔۔۔!“ فشی جی خوش ہو گئے، پھر کہنے لگے۔

”میرا بھی بڑا دل چاہتا تھا اپنے مالکوں کی بیٹی سے مل آؤں، پر کام پھر بڑھا چلا، اب اتنا چلا بھی نہیں جاتا۔“

”میں معافی چاہتی ہوں فشی جی۔۔۔۔۔! مجھے خود آپ کے پاس آنا چاہئے تھا۔“ وہ نادم ہوئی۔
”ہاں ہاں۔۔۔۔۔! جب حیرا دل چاہے آ جانا۔۔۔۔۔! بلکہ آیا جایا کر، اکیلی گھبراتی ہوگی۔“ فشی جی نے کہا تو وہ سوچ کر اصل بات کی طرف آ گئی۔

”پہلے بہت گھبراتی تھی فشی جی۔۔۔۔۔! پر خب سے بانسری سیکھنے لگی ہوں تو اس میں دل لگ گیا ہے۔“

”تجھے بانسری بجانے کا شوق ہے۔۔۔۔۔!“ فشی جی نے دلچسپی سے اُسے دیکھا۔

”بہت۔۔۔۔۔! بہت شوق ہے۔۔۔۔۔! سارا دن پریکش کرتی ہوں، شام میں وہ بانسری والا آکر مجھے سکھا جاتا ہے۔ اب تو میں تھوڑی تھوڑی بجایا بھی لیتی ہوں۔“ وہ قصداً بچوں کی طرح خوش ہو کر شوق سے بتانے

”جہاں ہم سکون سے ڈھیروں باتیں کر سکیں.....!“ وہ کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی جہاں ہمیشہ والی افراتفری تھی۔ ٹریفک کا شور، بھاگتے دوڑتے لوگ جو ہمیشہ اُسے وحشت زدہ لگتے اور اب یوں لگ رہا تھا جیسے ہر شخص خوش اور مطمئن ہے، بس ایک وہی ہے جس کا دل خوشی اور اطمینان سے خالی ہے۔
”کتنی اکیلی ہو گئی ہوں میں.....!“ وہ خود تری کا شکار ہونے لگی تھی لیکن پھر فوراً خود کو سرزنش کر کے سیدھی ہوٹنچی اور کن اکھیوں سے حاکم علی کو دیکھا۔ کسی خوبصورت خیال کا عکس اُس کے چہرے پر جھللا رہا تھا۔

”اگر میرے ہاتھ میں خنجر دے کر کسی ایک شخص کو قتل کرنے کو کہا جائے تو میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں گی اور خنجر اس شخص کے سینے میں اتار دوں گی۔ پھر اُسے تڑپتا ہوا بھی ضرور دیکھوں گی۔“ اُس نے سوچا پھر گاڑی رککنے پر فوراً نیچے اتر آئی اور حاکم علی کا انتظار کئے بغیر چل پڑی۔
حاکم علی گاڑی لاک کر کے تیز قدموں سے اُس کے پاس آیا لیکن وہ قصداً انجان بنی رہی، پھر ریسٹورنٹ کے خوبصورت ماحول میں بیٹھتے ہی اُس نے خوشی کا اظہار کیا۔

”اچھا لگ رہا ہے.....!“

”جھٹک گاڑ.....!“ انہیں اچھا لگا ورنہ میں ڈر رہا تھا کہیں تم یہاں آتے ہی مجھے گالیاں نہ دے گئے گلو.....!“ حاکم علی نے اطمینان سے ہو کر کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

”اس خوبصورت ماحول میں گالیاں کچھ عجیب سی نہیں لگیں گی.....!“

”ہوں.....!“ حاکم علی نے ہسٹرا کراٹھات میں سر ہلایا تب ہی اُس کا موبائل بجنے لگا تو مینو کارڈ اُس کے سامنے رکھ کر جیب سے موبائل نکالا اور آن کر کے کان سے لگا لیا۔

”ہیلو.....!“

”کہاں ہو سردار.....!“ دوسری طرف نشی تھی۔

”دنیا کے سب سے حسین گوشے میں.....!“ حاکم علی نے کہا تو نور یہ کا سارا دھیان اُس کی طرف منتقل ہو گیا۔

”اکثر یہاں آتے ہوئے میرے دل میں یہ خواہش شدید ہوتی تھی کہ کاش.....! وہ میرے ساتھ ہوتی اور اب وہی میرے ساتھ ہے تو سوچو.....! میرے دل کا کیا عالم ہوگا.....؟“ پھر دوسری طرف کی بات سن کر کہنے لگا۔

”ہاں.....! ایسا ہی لگ رہا ہے اور مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ جب ہم یہاں سے نکلیں گے تو تارے آسمان پر نہیں ہمارے راستوں میں جگمگا رہے ہوں گے۔“

”اوکے.....! پھر بتاؤں گا.....!“ حاکم علی سیل آف کر کے اُسے دیکھنے لگا۔

”وہ مینو کارڈ پر نشان لگا رہی تھی، پھر کارڈ ویٹر کو تھا کہ اُس کی طرف متوجہ ہوئی تو سرسری انداز میں

”جی بھابی.....! میں سمجھتی ہوں۔ میں آجاؤں گی لیکن آج نہیں کل۔ آج گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے.....! اکل آ جانا.....!“ اُس نے کہہ کر فون رکھ دیا پھر ای کے پاس آ کر انہیں بتانے لگی کہ کل سعد یہ رہنے آئے گی تو وہ دودن کے لئے اپنی امی کے گھر جائے گی۔ اس پر امی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تو وہ جڑبڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

”میں چلی جاؤں ناں امی.....!“

”تمہاری مرضی.....!“ امی کا جواب اُس کے لئے غیر متوقع نہیں تھا پھر بھی اُسے دکھ ہوا۔ واپس پلٹنے لگی تھی کہ امی پکار کر بولیں۔

”سنو.....! صبح سردار حاکم کا فون آیا تھا۔ بتا رہا تھا آج ڈاکٹروں کی میٹنگ ہے ہمایوں کے سلسلے میں، تمہیں بھی جانا ہے، حاکم آتا ہوگا اُس کے ساتھ چلی جانا.....!“

”جی.....!“ وہ اُن کے کمرے سے نکل آئی اور اپنے صلیے پر نظر ڈالی۔ صبح ہی کپڑے بدلے تھے اس لئے مزید تیاری کا نہیں سوچا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر زکا بہانا ہے۔

”کیسے کیسے لوگ ہیں.....؟ پتا نہیں کیسے دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کا سوچ لیتے ہیں.....؟ اُن کا ضمیر بھی ملامت نہیں کرتا..... ضمیر ہوتا کہاں ہے اُن کے پاس.....؟ بے ضمیر ہوتے ہیں اور خدا بھی ایسے لوگوں کی رشتی دراز کئے جاتا ہے، پتا نہیں کب پکڑ ہوگی.....؟“ وہ حاکم علی کے آنے تک یہی سب سوچتی رہی۔ جب ہی اُسے دیکھ کر مروغا بھی نہیں مسکراسکی۔ حاکم علی خود ہی امی کے کمرے میں چلا گیا اور انہیں جانے کا بتا کر واپس آیا تو وہ بوجھل قدموں سے اُس کے ساتھ چل پڑی۔

”کیا بات ہے.....! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟“ حاکم علی نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔

”ہاں.....! بس.....!“ وہ دل گرفتہ سی اسی قدر کہہ سکی۔

”کم آن یار.....! ایسے اُداس اور مایوس مت نظر آؤ.....! مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہیں ہنستا کھٹکھٹاتا دیکھنا چاہتا ہوں اور اب تو تم میرے ساتھ ہو، تمہیں کسی بات کی پروا نہیں ہونی چاہئے۔“

”کیا کروں.....! چاہتی تو میں بھی یہی ہوں کہ ہنسوں، کھٹکھٹاؤں، خوش رہوں لیکن میری ساس کو یہ گوارا نہیں ہے، جب ہی ایسی باتیں کرتی ہیں کہ میں پریشان ہو جاتی ہوں۔“ وہ اب سنبھل کر بولی۔

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کسی بات کی پروا مت کرو.....!“ حاکم علی نے پھر کہا۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو تم.....! مجھے واقعی کسی کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ خواہ خواہ بلکان پریشان ہوتی ہوں، بس اب نہیں ہوں گی۔“ وہ اُس کی تائید میں کہہ رہی تھی۔

”گڈ.....! اب بتاؤ.....! کہاں چلیں.....؟“ حاکم علی نے خوش ہو کر پوچھا۔

موسم میں چاندنی بڑی بے قرار پھر رہی تھی کیونکہ صبح ہی بے بے کا فون آیا تھا اور انہوں نے نوب کی شادی کا بتا کر اُسے آنے کو کہا تھا۔ وہ بھی نوب کی شادی میں ضرور جانا چاہتی تھی کیونکہ ایک وہی تو اُس کی سہیلی تھی، اُس کے دکھ سکھ کی ساتھی، اُس کی ہمارا، اُسے ضرور جانا تھا لیکن اس سے پہلے وہ مسافر سے ملنا چاہتی تھی تاکہ اُسے بتا سکے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے بڑی حویلی جا رہی ہے۔ بے بے سے اُس نے کہہ دیا تھا کہ وہ شام تک پہنچ جائے گی اور اس کے لئے اُسے دو پہر کا کھانا کھاتے ہی نکلتا تھا اس لئے سخت سردی کے باوجود وہ کندن کو ساتھ لے کر نکل پڑی۔ اُس پر بھی ظاہر کیا کہ وہ یوں ہی سردی کا مزہ لینے کی غرض سے نکلے لگی ہے۔

”بی بی صیب.....! میں نے تو سنا ہے بڑے لوگ سردی میں کمرے سے باہر بھی نہیں نکلتے، بیہر کے آگے بیٹھے رہتے ہیں پر آپ.....“ کندن کو اُس پر حیرت ہو رہی تھی جو سیاہ شال ایک کندھے پر ڈالے بڑے آرام سے چل رہی تھی۔

”تم نے ٹھیک سنا ہے.....! پر مجھے نہ گرمیوں میں اسی اچھا لگتا ہے نہ سردیوں میں بیہر، بے بے بھی مجھ پر بگڑتی تھی کہ میں اتنی سردی میں باہر کیوں نکلتی ہوں۔“ چاندنی نے راستے پر دھیان رکھ کر کہا۔

”وہاں آپ کس کے ساتھ جاتی ہو.....؟“ کندن نے پوچھا۔

”وہاں میری سہیلی ہے نوب.....! میں اُسی کی شادی میں جا رہی ہوں۔“ اُس نے بتایا تو کندن کہنے لگی۔

”آپ چلی جاؤ گی بی بی صیب.....! تو میرا دل نہیں لگے گا۔“

”ارے.....! میں کوئی ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہی، جلدی آ جاؤں گی اور اگر تیرا دل چاہ رہا ہے تو تو بھی میرے ساتھ چل، چار پانچ دن میں واپس آ جائیں گے۔“ اُس نے کندن کا دل رکھتے ہوئے کہا۔

”دل تو چاہ رہا ہے بی بی صیب.....! پر اماں روٹی دوٹی نہیں پکا سکتی، مجھے ہی پکانی ہوتی ہے۔“

کندن اپنی مجبوری پر کڑھ کر بولی۔

”چل.....! چار پانچ دن کی تو بات ہے، پھر میں آ جاؤں گی۔“ اُس نے کہا، پھر مسافر کی جھونپڑی دیکھ کر انجان بن کر بولی۔

”ارے.....! یہ ہم کہاں آ گئے.....؟“

”یہ تو بانسری والے کی جھونپڑی آ گئی بی بی.....! واپس چلیں.....!“ کندن رک گئی۔

”ہاں.....! لیکن ٹھہر.....! میں مسافر کو بتاؤں کہ میں بڑی حویلی جا رہی ہوں نہیں تو وہ چکر لگاتا رہے گا۔“ وہ کہہ کر تیز قدموں سے جھونپڑی کے دروازے کی طرف آئی تو مسافر وہیں کھڑا تھا۔ اُسے دیکھ کر حیران ہوا۔

”چاندنی.....! تم اس وقت.....؟“

پوچھنے لگی۔

”کس کا فون تھا.....؟“

”ایک دوست کا.....!“ حاکم علی نے بتایا تو اُس نے مزید نہیں کرید اور یوں ہی پہلے اطراف کا جائزہ لیا پھر اُسے دیکھ کر بولی۔

”میں کل اپنے پیرنس کے گھر جا رہی ہوں.....!“

”ہمیشہ کے لئے.....؟“ حاکم علی نے فوراً کہا تو وہ بمشکل اپنی ناگواری چھپا سکی۔

”نہیں.....! ابھی تو بس دو تین دنوں کے لئے جاؤں گی.....!“

”اور ہمیشہ کے لئے جانے کا کب سوچا ہے.....؟“ حاکم علی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”جب ہمایوں ٹھیک ہو جائیں گے.....!“ اُسے خود پر بہت ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔

”ہمایوں کے ٹھیک ہونے کا انتظار کیوں.....؟“ حاکم علی کی حیرت بجا تھی۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ لوگ مجھے ظالم، بے رحم کہیں کہ میاں کی بیماری میں اُس کا ساتھ چھوڑ گئی۔“ اُس کی توجہ سن کر حاکم علی جھجکا گیا۔

”لوگوں کو تو موقع چاہئے ہوتا ہے باتیں بنانے کا، تمہیں پرواہ نہیں کرنی چاہئے اور پھر کون سا تمہیں

ہمایوں کی تیارواری کرنے پر کوئی تھمڈل جائے گا.....؟“

”بات صرف لوگوں کی نہیں سردار.....! میرے اپنے ضمیر کی بھی ہے، میں ضمیر کی ملامت نہیں سہ

سکوں گی۔“ وہ بے بس نظر آنے لگی۔

”چلو.....! امانتا ہوں لیکن ہمایوں کے ٹھیک ہونے کے بعد اُسے چھوڑنے کا کیا جواز ہے تمہارے

پاس.....!“ حاکم علی شاکی ہو رہا تھا۔

”یہ میرا پنا فیصلہ ہے اور یہ میں نے اپنی نہیں ہمایوں کی بہتری سوچ کر کیا ہے کیونکہ جب سے اُس

نے مجھ سے شادی کی ہے تب سے اُس پر پریشانیاں میری وجہ سے آرہی ہیں۔ اُس کی امی اگر یہ بات کہی

ہیں تو ٹھیک ہی کہتی ہیں، میں نے خود بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے، اس لئے میرا اُس کی زندگی سے نکل جانا

ہی اچھا ہے۔ شاید ہم دونوں کے لئے یہی بہتر ہے۔“ وہ جو بہت دل گرفتہ ہو کر یہ باتیں سوچتی تھی، وہ

حاکم علی کے سامنے بھی بیان کر دیں۔

”ہوں.....! ہمایوں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن تمہارے لئے واقعی یہی بہتر

ہے۔“ حاکم علی اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا دیا تو وہ نظریں جھکا گئی۔

○ ○ ○

سردی اپنے عروج پر تھی اور ایسے میں بادل بھی گھر گھر کر آرہے تھے، کسی کسی وقت سورج بادلوں کی

اوٹ سے جھانک کر گویا دن ہونے کا احساس دلاتا تو وہ تو یوں لگ رہا تھا جیسے شام گہری ہو گئی ہو اور ایسے

نشی شاید یہ جاننے آئی تھی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ حاکم علی نے اُلٹا اُس سے پوچھا۔

”تمہارے چہرے تمہاری مسکراہٹ سے تو یہی لگ رہا ہے لیکن.....! نشی کچھ سوچے گی۔

”لیکن کیا.....! اے.....! بات پوری کرو.....! حاکم علی نے اُس کے سامنے چٹکی بھائی۔

”رہنے دہ سردار.....! تم جیت کے نشے میں سرشار ہو، میں کچھ کہوں گی تو برا مان جاؤ گے.....!“

نشی نے کہہ کر بات بدلنی چاہی لیکن حاکم علی نے ٹوک دیا۔

”تم وہی بات کرو.....! کیا کہہ رہی تھیں؟“

”میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری جیت تو ظاہر ہو رہی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ نور یہ باری ہے کہ

نہیں.....؟“ نشی نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

”نور یہ باری ہے نشی.....! اور اُسے ہارنا ہی تھا، میری محبت میرے جذبول کی شدتوں نے آخر اُس

پتھر کو موم کر دیا ہے۔“ حاکم علی جوش سے بولا۔

”پتھر تو واقعی تم جیت گئے.....! اب یہ مت کہہ دینا سردار.....! کہ یہ جیت تمہارا حق تھی۔“ نشی اندر

سے بھج گئی۔

”بابا.....! حاکم علی نے بڑے دنوں بعد مخصوص قہقہہ لگایا پھر اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھنے

لگا۔

”کیا تم میرے جیتنے سے خوش نہیں ہو.....؟“

”کیوں خوش نہیں ہوں.....؟ بلکہ میں تو تم سے ٹریٹ کا مطالبہ کرنے والی ہوں۔“ نشی نے سنہیل

کر کمر جوش دکھائی۔

”ضرور ضرور.....! میں تمہیں زبردست ٹریٹ دوں گا لیکن اس کے لئے تمہیں زیادہ نہیں، دو تین

دن انتظار کرنا پڑے گا۔“ حاکم علی نے کہہ کر اپنی ریٹ واپس پر تائم دیکھا۔

”کیوں.....! ابھی کہیں جا رہے ہو کیا.....؟“ نشی نے اُس کے تائم دیکھنے پر پوچھا۔

”ہاں.....! اپنے گاؤں جا رہا ہوں۔ اصل میں نور یہ بھی دو تین دنوں کے لئے اپنے پیرنٹس کے

پاس جا رہی ہے۔ ان دنوں میں اُس سے ملاقات تو ہوگی نہیں پھر میں یہاں رہ کر کیا کروں گا.....؟ حاکم

علی کی توجہ سن کر نشی حیران رہ گئی۔

”تو تم صرف اس لئے جا رہے ہو کہ نور یہ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی.....؟“

”تم شاید جیس ہو رہی ہو.....! حاکم علی کی مسکراہٹ دل جلانے والی تھی۔

”میں جیس نہیں ہو رہی سردار.....! تمہاری خود غرضی پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا ہے یعنی ایک ٹڑکی

کی خاطر تم نے باقی سارے رشتے ٹاپوں کو صرف فارمیٹی کی مد میں رکھ چھوڑا ہے، شٹ.....! نشی بری

”ہاں.....! میں بہت جلدی میں آئی ہوں، تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ میں دوپہر میں یہاں سے جا

رہی ہوں۔“ اُس نے جلدی سے بتایا تو مسافر پریشان ہو گیا۔

”کہاں جا رہی ہو.....؟ کیوں جا رہی ہو.....؟“

”سبکی کی شادی میں جا رہی ہوں.....! وہ ادھر بڑی حویلی کے پاس رہتی ہے، میری بچپن کی سہیلی

ہے، نہیں جاؤں گی تو ناراض ہو جائے گی۔“

”آؤ گی کب.....؟“ مسافر نے فوراً پوچھا۔

”چار پانچ دن میں آ جاؤں گی.....! اُس نے بتایا۔

”چار پانچ دن.....؟“ وہ یوں بولا جیسے اُس نے مینے سال کہا ہو۔

”اتنے دن میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گا.....؟“

”مجھو یہ مسافر.....!“

”اچھا دیکھو.....! پانچ دن سے زیادہ نہیں.....! بلکہ پانچویں دن تمہیں یہیں ہونا چاہئے، میں تو

پاگل ہو جاؤں گا۔“

”اللہ نہ کرے.....! اُس نے مسافر کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”چاندنی.....! وہ اُس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا۔

”میں اب ایک پل بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، سوچتا ہوں میرا کیا ہوگا.....؟ اگر کسی دن سردار

حاکم تمہیں اپنے ساتھ شہر لے گیا تو میری تو دنیا ویران ہو جائے گی۔“

”نہیں مسافر.....! اب مجھے میری مرضی کے بغیر کوئی کہیں نہیں لے جاسکتا، سمجھے تم.....! چاندنی

نے اُس کا کار کھینچا۔

”سمجھ گیا.....! تم بڑی جی دار ہو گئی ہو.....! وہ مسکرایا۔

”تمہارے پیار میں.....! وہ ہنسی پھرا سے دھکیل کر بھاگتی ہوئی کندن کے پاس آئی۔

○○○

حاکم علی فیکر کو کچھ ضروری ہدایات دے رہا تھا کہ اچانک نشی آ گئی۔ وہ اُس کے آفس بہت کم آتی

تھی، کبھی جب بہت ضروری بات یا کام ہوتا۔ حاکم علی اُسے دیکھ کر ٹھٹھا پھر فیکر کو بھیج کر باقاعدہ اُس کی

طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگا۔

”غیریت.....! تم یہاں کیسے.....؟“

”تمہیں دیکھنے آئی ہوں.....! شام میں تو تم ملتے نہیں.....! نشی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ حاکم علی

دکشی سے مسکرایا۔

”جیتناؤ سردار.....! کیا واقعی تم نے نور یہ کو جیت لیا ہے.....! آئی مین.....! اُس کا دل.....!“

سے لپٹ گئی۔

”میں صدمے..... میں قربان.....! آنکھیں ترس گئیں تمہیں دیکھنے کو، کیسی ہو.....؟ تمہارا
میاں کیسا ہے.....؟“ دادی اُسے پیار کرنے کے ساتھ بولے چلی گئیں پھر اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو
آبدیدہ ہو گئیں۔

”اتنی ہی عمر میں کیسے کیسے ڈکھ بھیل رہی ہو.....؟ وہ بھی اکیلے.....!“

”اکیلے کیوں دادی.....! آپ سب کی دعائیں میرے ساتھ ہیں، آپ روئیں نہیں.....! مجھے
دیکھیں.....! میں نے تو ہمت نہیں ہاری.....! ہمایوں اچھے ہو جائیں گے پھر انشاء اللہ.....! سب ٹھیک ہو
جائے گا۔“ وہ اُن دادی کو تسلی دینے لگی۔

”انشاء اللہ.....! میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں، اللہ تمہاری مشکل کے دن کاٹے، تم سکھی رہو۔“
دادی نے پھر اُس کی پیشانی چومی۔

”آپ کی دعائیں ضرور رنگ لائیں گی دادی.....!“ وہ دادی کی گود میں سر رکھ کر بیٹ گئی۔
کچھ دیر میں سب کو اُس کے آنے کی خبر ہو گئی تو سب ہی بھاگے چلے آئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ
کسی دُور دیس سے مددوں بعد لوٹی ہو۔ گوکہ تقریباً روزانہ ہی فون پر بات ہوتی تھی پھر بھی سب یہی ظاہر کر
رہے تھے جیسے طویل عرصے بعد اُس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُس کا حال احوال، پھر ہمایوں کی خیریت، وہ
سب کو اپنی طرف سے اطمینان دلاتی رہی۔ ہمایوں کے بارے میں اُس کا یقین ٹوٹا نہیں تھا۔
”ہمایوں انشاء اللہ.....! بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گے.....!“ وہ بار بار یہی کہتی رہی۔

پھر سارا دن وہ ادھر سے ادھر چکراتی رہی۔ کبھی امی کے پاس، کبھی دادی، کبھی جویریہ کے پاس
بھاگتی، یوں کافی حد تک وہ بہل گئی تھی۔ سب سے مل کر، باتیں کر کے دل بھی ہلکا ہو گیا تھا ورنہ اتنے عرصے
سے وہ اپنے آپ سے یا پھر بے خبر ہمایوں سے باتیں کر رہی تھی تو اُس کا دل مزید بوجھل ہو جاتا تھا اور یوں
لگتا تھا جیسے زندگی میں کچھ رہا ہی نہیں یا اس مقام سے آگے کچھ نہیں ہے۔ بس ایک خیال ہمایوں ٹھیک ہو
جائیں، اس سے ہٹ کر وہ کچھ اور سوچتی ہی نہیں تھی۔ اب دل اور ذہن بوجھ سے آزاد ہوئے تھے تو وہ اور
بھی بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر رات میں اُس نے امی ڈیڈی کے ساتھ ڈھیروں باتیں کیں، اس کے بعد
نعمان کے پاس چلی آئی۔

”کیا ہوا.....؟ نیند نہیں آ رہی.....؟“ نعمان نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

”میں اتنی جلدی کہاں سوتی ہوں.....؟ اور تم بھی ابھی نیند کا بہانا مت کرنا.....! مجھے تم سے بہت
ضروری بات بلکہ ضروری کام ہے۔“ وہ کہتے ہوئے جیسے کچھ نہ کہتا تھا۔

”ہاں کب.....! کیا کام ہے.....؟“ نعمان ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”کام کوئی بہت مشکل نہیں ہے پھر بھی تم جت کرو گے اس لئے پہلے وعدہ کرو کہ.....“ اُس کی بات

طرح سلگ گئی۔

”کم آن یار.....! تم جانتی تو ہو وہ میرے لئے کتنی اہم ہے اور جب سے اُس کا ساتھ ملا ہے تب
سے میں کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتا۔ پتا ہے آج صبح آنکھ کھلتے ہی پہلا خیال یہی آیا کہ میں تین دن اُسے نہیں
دیکھ سکوں گا۔ کیسے گزریں گے یہ تین دن.....؟ تب میں نے یہاں سے جانے کا سوچ لیا۔“ وہ نشی کی
ملاست پر ہنسنے لگا۔

”تم یہی کر سکتے ہو.....! کیونکہ تمہارے اندر حقائق تسلیم کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔“ نشی
ہنوز خفا تھی۔

”مجھ میں یہ صلاحیت ہے یا نہیں.....! مجھے اس کی پروا نہیں ہے کیونکہ میں حالات کو اپنی مرضی
کے مطابق ڈھال لیتا ہوں اور یہ صلاحیت ہر کسی میں نہیں ہوتی، یہ تو تم بھی تسلیم کرو گی۔“ وہ پھر اُس کی
آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

”ہاں.....! میں تسلیم کرتی ہوں کہ تم حالات کو اپنے تابع کرنے میں جائز ناجائز کا فرق بھلا دیتے
ہو۔“ نشی نے تاسف کا اظہار کیا۔

”کیا ناجائز کیا ہے میں نے.....؟ جتا.....!“ حاکم علی غصے میں آ گیا۔

”بس سردار.....! میں تم سے لڑنے نہیں آئی.....! اپنے ہرٹل کے تم خود سے دار ہو، یہ میری غلطی
ہے کہ میں جذباتی ہو کر تم سے الجھ جاتی ہوں، آئی ایم سوری.....! آئندہ میں تمہارے کسی معاملے میں دخل
نہیں دوں گی۔“ نشی نے ہاتھ اٹھا کر اُسے ٹوکتے ہوئے کہا، پھر کھڑی ہوئی تھی کہ حاکم علی بول پڑا۔
”تم ابھی نہیں جاؤ گی.....!“

”کیوں.....؟“ نشی کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں ابھر آئیں۔

”اس وقت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں جو کہہ رہا ہوں، کیونکہ ابھی تم میرا مان نہیں رکھو گی۔ اس لئے
ریکوسٹ کرتا ہوں، بیٹھ جاؤ.....! چائے آ رہی ہے، میرے ساتھ ایک کپ چائے پی لو.....!“ حاکم علی
نے بہت دھیر ج سے کہا۔ نشی نے یوں کندھے اچکائے جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو۔
”پلیز.....!“ حاکم علی نے اصرار کیا۔

”تمہارا مقصد کیا ہے.....؟“ نشی نے بیٹھ کر پوچھا۔

”تمہیں منانا.....! ناراض ہو کر جاؤ گی تو میں کتنی فیل کرتا رہوں گا، کیونکہ تم واحد لڑکی، بلکہ واحد
ہستی ہو جس کی ناراضگی میں انور ڈھنک نہیں کر سکتا۔“ حاکم علی کہہ کر سرگرت سلگنے لگا۔ نشی گہری سانس کھینچ کر
رہ گئی۔

○○○

”اسلام علیکم دادی.....!“ نور یہ سیدھی دادی کے کمرے میں آئی، پہلے سلام کیا پھر بھاگ کر اُن

کہا۔

”کس وقت؟“

”صبح ناشتے کے بعد لکھیں گے تو پھر امید ہے شام تک واپس بھی ہو جائے گی اور جو کسی کو پتا نہ چلے والی بات ہے تو اس کے لئے تم نے کیا سوچا ہے؟ میرا مطلب ہے کیا کہہ کر گھر سے نکلیں گے؟“

نعمان نے پروگرام بنا کر پوچھا۔

”وہی.....! اکیڑ کا بہانا.....!“ وہ بے اختیار کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائی۔

”اکیڑ کا بہانا.....!“ نعمان نہ سمجھنے والے انداز میں اُسے دیکھنے لگا۔

”ایک تو میں تم سے کوئی بات چھپا نہیں سکتی.....!“ وہ جھنجھلا گئی۔

”کیا چھپانا چاہتی ہو؟“ نعمان اب ٹھٹکا۔ وہ بے بس ہو گئی۔

”کیا بتاؤں نومی.....! میں بہت مشکل میں پھنس گئی ہوں، اپنے ہی گھر میں میرا کوئی اختیار نہیں کہ میں سردار حاکم علی کو وہاں آنے سے روک سکوں، وہ روز اندھڑے سے آتا ہے۔ میری ساس کو اُس نے منہ می کر لیا ہے، یہ کہہ کر کہ وہ ہمایوں کا علاج کروائے گا اور اس سلسلے میں اُس نے میری ساس سے یہ کہا کہ ڈاکٹر زکی سینگ میں میرا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس بہانے وہ دو تین بار مجھے اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ میں منع بھی نہیں کر سکتی۔ میری ساس خود مجھے اُس کے ساتھ جانے کو کہتی ہیں کیونکہ وہ اُس کی اصلیت نہیں جانتیں اور ایسے حالات میں میں انہیں بتا بھی نہیں سکتی۔ وہ یہی کہیں گی کہ میں ہمایوں کا علاج نہیں چاہتی، پہلے ہی وہ مجھ سے متفر ہیں، کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔“ وہ بہت بیچارگی سے بول رہی تھی۔

نعمان سناتے میں آ گیا۔

○○○

رات نور یہ کہے جانے کے بعد نعمان نے سونے کی بہت کوشش کی لیکن ذہنی انتشار نے سونے نہیں دیا۔ حقیقتاً نور یہی باتیں سن کر وہ بے طرح پریشان ہو گیا تھا کہ سردار حاکم علی نہ صرف اُس کے گھر آئے گا ہے بلکہ اُسے اپنے ساتھ باہر بھی لے گیا تھا اور نور یہی کی پوزیشن وہ سمجھ رہا تھا۔ اس معاملے میں وہ واقعی بے بس تھی اور ایسے حالات میں اُس کا وہاں رہنا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ یہ بات اُس نے نور یہ کو بھاننے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اُس کی وہی ضد کہ ہمایوں کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے بعد وہ اُس کے سامنے تو خاموش ہو گیا تھا لیکن پھر رات بھر نہیں سو سکا۔ مسلسل یہی سوچتا رہا تھا کہ نور یہ کو حاکم علی سے کیسے نجات دلائے۔ ابھی آفس میں بھی اُس کا دھیان اس ایک بات میں الجھا ہوا تھا جب ہی وہ کوئی کام نہیں کر پار ہا تھا۔ کبھی کوئی فائل اٹھاتا کبھی کوئی آخر سب چھوڑ کر آفس سے نکل آیا۔

اُس کا ذہن بری طرح تنج رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر وہ اپنی کپٹیاں دبائے لگا، تب ہی اچانک اُسے سمیل کا خیال آیا۔ نور یہ کی تندہ یہ کا شوہر سمیل، جس سے ہاتھ مل میں اُس کی کئی بار ملاقات ہوئی

ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بول پڑا۔

”اوہو.....! تم کام بتاؤ.....!“

”مجھے شہر سے باہر جانا ہے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلنا چاہئے.....!“ اُس نے فوراً کہہ کر نعمان پر نظریں جما دیں۔

”شہر سے باہر.....! کہاں؟“ نعمان الجھ گیا تھا۔

”یہ مت پوچھو.....! بلکہ کوئی سوال مت کرو.....! بس اتنا بتا دو مجھے لے چلو گے یا میں کوئی اور انتظام کروں.....!“ وہ بہت پڑا سر اڑا کر رہی تھی، نعمان کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر دھیرے سے کہنے لگا۔

”دیکھو نور.....! یہ طریقہ غلط ہے تم اگر رازداری برتنا چاہ رہی ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، لیکن میرے علم میں ضرور ہونا چاہئے کہ تم کہاں اور کس مقصد سے جا رہی ہو، تاکہ اس دوران خدا نخواستہ کوئی گڑبڑ ہو تو میں سنبھال سکوں ورنہ دوسری صورت میں تم سوچو میں کیا کہوں گا کہ نور یہ نے کہا اور میں اس کے ساتھ چلا آیا، کتنی عجیب سی لگتی ہے یہ بات.....!“ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا جب ہی وہ جزیب ہوئے تھے۔

”کیا سوچ رہی ہو.....؟ کیا پہلے کبھی میں نے تمہارے اعتبار کو نہیں پہنچائی ہے جواب تم اعتبار کرتے ہوئے ڈر رہی ہو.....؟“ نعمان نے ٹوکا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

”یہ بات نہیں ہے نومی.....! مجھے تمہاری حجت سے جھنجھلاہٹ ہوتی ہے، خواہ مخواہ پچھر دینا شروع کر دو گے۔“

”میں ایسا کچھ نہیں کروں گا.....! تم اصل بات بتاؤ.....!“ نعمان نے اُسے یقین دلایا تب وہ ہتھیرا ڈال کر کہنے لگی۔

”مجھے نواب شاہ سے کچھ آگے جانا ہے، وہاں گاؤں میں ایک بزرگ ہیں اور میں ہمایوں کے لئے ان کے پاس جانا چاہتی ہوں۔“

”تمہیں اُن بزرگ کے بارے میں کس نے بتایا.....؟“ نعمان نے پوچھا۔

”کسی نے بھی بتایا ہو، تم چلو گے یا نہیں؟“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

”سوری.....! غلطی ہو گئی.....! میں بھول گیا تھا کہ مجھے کوئی سوال نہیں کرنا۔“ نعمان نے فوراً معذرت کر کے اُس کا موڈ ٹھیک کیا پھر پوچھنے لگا۔

”کب چلنا ہے.....؟“

”میرے پاس یہی دو دن ہیں.....! اس کے بعد تو میں گھر چلی جاؤں گی۔“ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے ان ہی دو دنوں میں جو کرنا ہے کرو۔

”نکل نہیں.....! پرسوں اتوار ہے، ٹھیک ہے.....! پرسوں چلیں گے۔“ نعمان نے سوچتے ہوئے

تھی اور کافی اچھی بات چیت رہی تھی۔

”مجھے سہیل کے سامنے یہ مسئلہ رکھنا چاہئے۔ اُس گھر کے کسی ایک فرد کے علم میں ضرور یہ بات ہوئی چاہئے کہ حاکم علی کتنا خطرناک آدمی ہے اور ہمایوں کا دشمن بھی۔“ اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے سہیل کو بتانے کے لئے تمام باتیں ذہن میں ترتیب دیں پھر اسی وقت اُس کے آفس جانے کا سوچ کر گاڑی اشارت کی لیکن بار بار کی کوشش کے باوجود گاڑی اشارت ہو کے نہیں دی۔ وہ بھٹکایا ضرور لیکن اپنا ارادہ ہٹاؤی نہیں کیا اور روڈ پر آ کر کشتہ جیسی دیکھنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہی اُس کے قریب ٹی کی گاڑی آن رکی تھی۔ ”ہیلو.....!“ ٹی نے اُس کی طرف کا گلاس گرا کر اُسے مخاطب کیا تو وہ بے دھیانی میں اُسے دیکھنے لگا۔

”یہاں آپ کو کنوئیں نہیں ملے گی۔ آئیے..... میں ڈراپ کر دوں.....!“ ٹی نے اب اُس کی طرف کا دروازہ کھول کر کہا۔

”آپ.....! السلام علیکم.....!“ وہ اب پہچان کر بولا۔

”وعلیکم السلام.....!“ ٹی نے جواب کے ساتھ اُسے بیٹھے کا اشارہ کیا، وہ مردوتا بیٹھ گیا۔

”کہاں جائیں گے.....؟“ ٹی نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”چند میٹروڈ.....! لیکن آپ اگر کسی اور طرف جاری ہیں تو مجھے آشاپ پر اتار دیجئے وہاں سے کنوئیں آرام سے مل جائے گی۔“ وہ خود کو اُن کمفرٹبل محسوس کر رہا تھا۔

”اتفاق سے میں اُسی طرف جاری ہوں.....!“ ٹی نے ویو مر میں اُس پر نظر ڈالی، وہ خاصا بے چین لگ رہا تھا، آنکھیں بھی سرخی مائل ہو رہی تھیں۔

”آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں.....؟“ ٹی نے اب گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

”نہیں.....! بس سر میں درد سا ہے.....!“ وہ یہی کہہ سکتا تھا۔

”درد سا ہے.....!“ ٹی ملاحظہ ہوئی پھر اچانک یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

”اور ہاں.....! وہ آپ کی کزن کی ہے؟ وہ جو ہاسٹل میں تھی، وہ یا اُس کا شوہر.....؟“

”اُس کا شوہر ابھی ٹھیک نہیں ہوا.....!“ وہ جواب دینے پر مجبور تھا۔

”تو کیا ابھی تک ہاسٹل میں ہے.....؟“ ٹی کو موضوع مل گیا تھا۔

”نہیں.....! گھر شفٹ ہو گیا ہے، اب گھر پر ہی ٹریٹ منٹ ہو رہی ہے، دُعا کریں.....!“ اُس نے کہا تو ٹی دُعا کے ساتھ پوچھنے لگی۔

”اللہ بہتر کرے گا.....! ہوا کیا ہے اُسے؟ خدا نخواستہ کوئی خطرناک بیماری تو نہیں ہے.....؟“

”نہیں.....! ایکسڈنٹ ہوا تھا پھر وہ ہوش میں ہی نہیں آیا، کو سے میں چلا گیا، ابھی تک اُسی حالت میں ہے۔“ نعمان افسوس سے بتا رہا تھا، ٹی ایک دم پریشان ہو گئی۔

”ک..... کیا نام ہے اُس کا.....؟“

”ہمایوں.....!“ نعمان نے نام بتاتے ہوئے اُسے دیکھا وہ جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر بھی اُس کے ہونٹوں سے پھسل گیا۔

”ہمایوں.....!“

”آپ جانتی ہیں اُسے.....! یعنی ہمایوں کو.....؟“ نعمان نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

”ہاں.....! نہیں.....!“ وہ بوکھلائی پھر خواہ مخواہ وضاحت کرنے لگی۔

”میرا مطلب ہے میں بھی ایک ہمایوں کو جانتی ہوں، اس لئے میرا دھیان اُس کی طرف چلا گیا تھا۔“

”وہ کہاں ہوتا ہے.....؟“ نعمان نے بلا ارادہ پوچھ لیا۔

”جانتی نہیں.....! بہت عرصے سے اُس سے ملاقات نہیں ہوئی، ویسے بھی ہماری کوئی خاص دوستی نہیں تھی بس ہم ایک ہی فرم میں جاب کرتے تھے۔“ ٹی اب سنبھل کر بول رہی تھی، پھر بھی غلطی کر گئی۔ اس پر نعمان نے ٹوکا تھا۔

”آپ نے تو کہا تھا کہ آپ پابندی برداشت نہیں کر سکتیں، اس لئے جاب نہیں کرتیں.....!“

”ہاں.....! پھر بھی میں نے ایک تجربہ کیا تھا، بہت تھوڑے عرصے کے لئے.....!“ ٹی کہہ کر بات بدل گئی۔

”آپ کی یادداشت میری سمجھ میں نہیں آئی.....! کہاں تو مجھے پہچاننے نہیں ہیں اور کہاں میری کبھی بات بھی یاد ہے.....!“

”نہ پہچاننے والی بات ٹھیک نہیں ہے.....! بس یہ اتفاق ہے کہ جتنی بار آپ سامنے آئیں میں اپنے ہی کسی خیال میں تھا۔“ وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

”اچھا.....!“ وہ ذرا سانس لی پھر معنی خیز انداز میں پوچھنے لگی۔

”ابھی جب میں نے آپ کے پاس گاڑی روکی تھی، آپ کس کے خیالوں میں تھے.....؟“

”وہ کیونکہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا اس لئے اُس کی معنی خیزی محسوس نہیں کی اور سادہ انداز میں بتانے لگا۔

”میں اپنی اسی کزن کو سوچ رہا تھا۔ آئی مین.....! ہمایوں کی مسز نور یہ.....! وہ میری کزن تو ہے لیکن اس سے زیادہ ہم اچھے دوست ہیں اور میں اپنی اس دوست کے لئے پریشان ہوں، سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیا کروں کہ اُس کا شوہر فوراً ٹھیک ہو جائے.....؟“

”وہ بچاری تو بہت پریشان ہوگی.....؟“ ٹی اندر سے گھٹی فیل کرنے لگی تھی۔

”ظاہر ہے.....! بس.....! یہاں سائیڈ میں روک دیں.....!“ وہ مطلوبہ جگہ دیکھ کر ادھر متوجہ ہو گیا

”یہ حاکم کب آیا.....؟ کیوں آیا ہے.....؟ کہیں بابا اور بے بے نے تو نہیں بلایا اسے، تاکہ مجھے یہاں رہنے پر زور دے سکے۔“ چاندنی اب بھی سوچ سکتی تھی۔ دل کو دھڑکا سا لگ گیا تھا۔

”نہیں.....! میں یہاں نہیں رہوں گی۔ حاکم کے کہنے سے بھی نہیں، رعب جھانے یا پیار جتانے، مجھے اس کی بات نہیں مانتی اور یہ میرا ہے کون جو مجھے روکے گا.....؟ کوئی نہیں روک سکتا مجھے.....! میں واپس جاؤں گی۔“ وہ سوچتی ہوئی دوسرے کمرے میں آگئی اور کپڑے بدلے بغیر سو گئی۔

صبح بہت دیر سے اس کی آنکھ کھلی تھی اور اٹھتے ہی حاکم علی کا خیال آیا تھا جس سے وہ اندیشوں میں گھبر گئی اور کچھ ڈرتے ڈرتے آکر اپنے کمرے میں جھانکا، حاکم علی موجود نہیں تھا تب اس نے جلدی سے اپنے کپڑے اٹھائے اور تفریا بھاگتی ہوئی نیچے آگئی۔

”اٹھ گئی.....! بس ابھی شیراں کو بھیجنے والی تھی، بڑی دیر تک سوئی۔“ بے بے نے اسے دیکھ کر کہا۔

”رات سوئی بھی تو دوسرے تھی، حاکم کب آیا.....؟“ اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

”میں زنب کے گھر سے آئی تو آگے آیا بیٹھا تھا۔ ابھی تیرے بابا کے ساتھ زمینوں پر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا بہنوں سے بھی مل کر آئے گا۔ شکر ہے اسے بہنوں کا خیال تو آیا۔ بچاری اس کی شکل دیکھنے کو ترستی ہیں۔“ بے بے اور ان کا گولا لپیٹتے ہوئے بولے چلی جا رہی تھیں۔

”تو نے رات کپڑے نہیں بدلے.....؟“ بے بے نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں.....! ایسے ہی سو گئی تھی، اب بدل رہی ہوں.....!“ وہ کہہ کر واش روم میں چلی گئی اور چھینچ کر کے نکلی تو کہنے لگی۔

”بے بے.....! میں ناشتہ کر کے زنب کے پاس جاؤں گی.....!“

ہاں.....! پہلے ناشتہ کر لے.....! دیکھ شیراں نے بنالیا ہوگا اور اس سے کہنا حاکم کے لئے گا جڑکا حلوہ بنا دے شوق سے کھاتا ہے، تو بھی تو شوق سے کھاتی ہے۔“ بے بے کی بات اس نے نہیں سنی کیونکہ اسے چکر رہا تھا۔ بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر جھٹکا تو بڑے زور کی ابکائی آئی، وہ فوراً واش روم بھاگی۔

تھا۔ نشی نے گاڑی روک دی۔

”تھینک یو.....!“ وہ اُسے دیکھ کر اخلافا مسکرایا پھر اترنے لگا تھا کہ نشی بول پڑی۔

”اگر آپ تھینک یو کے ساتھ ہی بوجھی کہہ دیں تو مجھے خوشی ہوگی.....!“

”اوکے.....! سی یو.....!“ وہ جلدی سے کہہ کر اتر آیا اور پھر تیز قدموں سے اس جیپبر کی طرف بڑھنے لگا جہاں سیبل کا آفس تھا۔

○○○

چاندنی کی سچ دھج دیکھنے والی تھی۔ وہ زنب کی مایوں میں جانے کے لئے بہت شوق سے تیار ہوئی تھی۔ بے بے بار بار اُس کی بلائیں لے رہی تھیں اور اُسے خوش دیکھ کر تو بے بے کو بہت اطمینان ہو گیا تھا ورنہ وہ بڑی خائف تھیں، جس طرح فون پر وہ اُن سے اکھڑے اکھڑے لہجے میں بات کیا کرتی تھی، اُس سے وہ بھی سمجھ رہی تھیں کہ وہ ناراض ناراض سی آئے گی لیکن اس کے برعکس وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔ سارا دن چپکٹی رہی اور اب تیار ہو کر بھی خوش ہو رہی تھی۔

”بے بے.....! میں کیسی لگ رہی ہوں.....؟“

”اللہ بری نظر سے پچائے.....! تو تو شہزادی ہے چاندنی.....!“ بے بے نے پھر اُس کی بلائیں

لیں۔

”اچھا تو اب چلیں.....! زنب انتظار کر رہی ہوگی۔“

”ہاں ہاں.....! چل.....!“ بے بے فوراً اُس کے ساتھ چل پڑیں۔

دن میں بھی وہ زنب کے پاس آئی تھی اور اب مایوں کی رسم کے بعد بھی وہ زنب کے پاس سے اٹھنے کو تیار نہیں تھی۔ بے بے کہہ کہہ کر تھک گئیں لیکن وہ شس سے کس نہ ہوئی۔

”آپ جاؤ بے بے.....! شیراں کو بھیج دینا پھر میں اُس کے ساتھ آ جاؤں گی۔“ اُس نے کہا،

زنب نے بھی اُس کی تائید کی تو ناچار بے بے چلی گئیں۔

لڑکیاں ڈھولک پیٹ پیٹ کر گار رہی تھیں اور وہ زنب کے ساتھ سر جوڑے بیٹھی تھی۔ کتنی رات ہو گئی

جب زنب کی اماں نے آکر گانا بجانا بند کرنے کو کہا تب وہ اٹھی تھی۔ شیراں کے ساتھ گھر آئی تو بے بے سوسو

چکی تھیں۔

اُس نے وہیں بیٹھ کر زیور اتارے، پھر کپڑے بدلنے کی غرض سے اوپر آگئی اور جیسے ہی اپنے

کمرے کا دروازہ کھولا اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے بیڈ پر حاکم علی سو رہا تھا۔

⊖ ⊖ ⊖

چاندنی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے اندر کسی گناہ کا احساس نہیں تھا۔ بس یہ خوف کہ کسی کو چاند
چل جائے۔

”پتر.....!“ بے بے نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

”تو ڈرنا.....! میری دھی.....! حاکم تجھے کچھ نہیں کہے گا، میں سمجھاؤں گی اسے۔“

”ناں.....! ناں بے بے.....! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، حاکم سے بات نہ کرنا۔ نہیں
تو میں زہر کھاؤں گی۔“ اس نے ہاتھ جوڑ کر آخر میں دھمکی دی۔

”ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے چاندنی.....!“ بے بے عاجز ہو گئیں۔

”آپ سمجھ جو نہیں رہیں.....! آپ کو تو بس خوشی منانے کا شوق ہے، جاؤ.....! مناؤ خوشی.....!
جب میرا جنازہ اٹھے گا تب بھی آپ خوشی مناتی رہنا۔“ وہ رونے لگی۔

”بائے رہا.....! میں کیا کروں.....؟ کیسا ظالم ہے حاکم.....! کتنا ڈرا دیا میری دھی کو.....! نہ
رو چاندنی.....! نہ رو پتر.....! میں نہیں بتاؤں گی اس کو۔“ بے بے اسے ہانپوں میں بھر کر تلی دے لگیں۔

”بس.....! چپ کر جا.....! اس حالت میں رو تے نہیں.....!“

”پہلے آپ قسم کھاؤ.....! کسی کو نہیں بتاؤں گی.....!“ وہ بچکوں کے درمیان بولی۔

”نہیں بتاؤں گی.....! پر دیکھ تو حاکم کے ڈر سے کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کرنا بیٹھنا.....! اللہ نے
کرم کیا ہے، جاگیر کا وارث آنے والا ہے، تو احتیاط کرنا، سمجھ رہی ہے ناں.....!“ بے بے اسے تاکیدیں
کرتے لگیں۔

”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بے بے.....!“ وہ واقعی ڈر رہی تھی۔

”کوئی ڈرنے کی بات نہیں ہے پتر.....! میں ہوں ناں تیرے ساتھ.....! پھر حاکم کون سا یہاں
رہتا ہے۔ دو چار دن رہ کر چلا جائے گا پھر مہینوں بعد آتا ہے۔ اسے نہیں پتا چلے گا اور تو زیادہ وہم نہ کر۔“

بے بے نے اپنی تھیلیوں سے اس کے آنسو صاف کئے پھر ناشتہ لانے کا کہہ کر چلی گئیں۔

چاندنی کے لیے لامتناہی سوچوں کے ڈر کھل گئے تھے ورنہ اس سے پہلے اسے خیال بھی نہیں آیا تھا
کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

○○○

نوریہ نے فون کر کے سعدیہ سے ہمایوں اور اس کی امی کی خیر خیریت معلوم کی، اس کے بعد کھانا لگا
کر امی کو پکارنے لگی۔

”امی.....! آ جائیں.....! پہلے کھانا کھالیں.....!“

”تم نے روٹی بھی بنائی.....! میں نے کہا تو تھا کہ میں.....!“ امی بولتی ہوئی آ رہی تھیں۔

”اوہو.....! اب دو روٹیاں ڈالنے کے لیے میں آپ کو پکارتی، چلیں بیٹھ جائیں.....!“ اس نے

”چاندنی.....!“ بے بے پریشان ہو گئیں۔ فوراً گھٹنوں سے اون اُتار کر ایک طرف پھینکی اور
چاندنی کے پیچھے آ کر اس کی پیٹھ سے ہلاتے ہوئے ان کی پریشانی خوشی میں بدل گئی۔ اپنے ہاتھوں سے اسے
کلی کرانی، اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے
بولیں۔

”پریشان نہ ہو پتر.....! خوشخبری ہے.....!“

”خوشخبری.....؟“ چاندنی پریشان ہو گئی۔

”کیا کہہ رہی ہو بے بے.....! کیسی خوشخبری.....؟“

”پگلی.....! تیری گود بھرنے والی ہے۔ بچہ.....! بچہ.....! میں ابھی لڈو بانٹتی ہوں۔“ بے بے خوشی
سے بوکھلا رہی تھیں، چاندنی کانپ گئی۔

”بچہ.....؟“

”ہاں پتر.....! اور یہ حاکم کہاں چلا گیا.....؟ میں ابھی بلواتی ہوں اسے اور تیرے بابا کو.....! تو
آرام سے بیٹھ.....! میں تیرے لیے ناشتہ ادھر ہی لے کر آتی ہوں۔“ بے بے اسے بٹھا کر جانے لگیں کہ
اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بے بے.....! میری بات سنو.....!“

”ہاں.....! بول پتر.....! کیا کھائے گی، کیا پیئے گی.....؟“ بے بے اس وقت بھی سمجھ سکتی تھیں۔

”کھانے پینے کی بات نہیں ہے بے بے.....! اب بیٹھو تو.....“ اس نے بے بے کا ہاتھ کھینچ کر
زمین پر بٹھایا تب وہ کچھ ٹھکیں۔

”کیا بات ہے دھی.....!“

”آپ اپنی خوشی دہالو بے بے.....! ابھی کسی کو نہیں بتانا۔ حاکم علی کو پتا چلے گا تو وہ مجھے جان سے
مار دے گا۔“ چاندنی سہم کر بولی۔

”جان سے مار دے گا.....! کیوں.....؟“ بے بے ڈر گئیں۔

”کیونکہ.....! کیونکہ حاکم کو بچے اچھے نہیں لگتے۔ رات بھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو بچہ پیدا کرے
گی تو بچے کے ساتھ تجھے بھی جان سے مار ڈالوں گا۔“ وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

”اس لیے میں نے اسے نہیں بتایا.....! آپ بھی نہ بتاناں بے بے.....! وہ بڑا ظالم ہے.....! مار
ڈالے گا مجھے.....!“

”کیوں مار ڈالے گا.....؟ کوئی گناہ کیا ہے تو نے.....؟ اور بچے تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں، میں تو
کب سے دعائیں مانگ رہی ہوں، اللہ نے میری سنی.....! شکر ہے مولا.....!“ بے بے دامن پھیلا کر
شکر کرتے لگیں۔

نہیں تو ناخوش بھی نہیں ہوں، آپ خواہ مخواہ میرے لیے مت کڑھا کریں۔ وہاں بھی یہی روٹین ہے جو آپ کے گھر کی ہے، میں سارا وقت روتی نہیں رہتی جو یہاں آپ پریشان ہوں۔“ اس کی ساری توانائیاں اپنی آواز کو نائل رکھنے میں صرف ہو رہی تھیں کیونکہ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

”اچھا.....! چلو کھانا کھاؤ.....!“ امی اندر ہی اندر پچھتاہیں کہ اس وقت کیوں یہ ذکر پھیر دیا۔

”میں کھا رہی ہوں.....!“ اس نے خاموشی سے دو تین نوالے کھائے پھر کہنے لگی۔

”آپ میری زیادہ فکر نہ کیا کریں امی.....! میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور یہ میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ مجھے کسی نے ایک بزرگ کے بارے میں بتایا ہے تو اب میں نے ان کے پاس جانے کا سوچا ہے۔“

”کس نے بتایا ہے.....؟“ امی اسے حیران ہو کے دیکھنے لگیں۔

”اس بات کو پچھوڑیں.....! یہ بتائیں.....! آپ دعاؤں پر تو یقین رکھتی ہیں ناں.....!“ اس نے اٹنا سوال اٹھایا۔

”کیوں نہیں.....! دعا میں تو تقدیریں بدل دیتی ہیں لیکن شاید اب ہمارے دل مردہ ہو گئے ہیں جب ہی ہماری دعاؤں میں اثر نہیں رہا۔“ امی نے آخر میں مایوسی کا اظہار کیا۔

”لیکن امی.....! جن کے دل یاد الہی سے منور ہوں ان کی دعا میں ضرور قبول ہوتی ہیں اور ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ میں ایسے ہی ایک نیک بزرگ کے پاس جا رہی ہوں، کل صبح نومی کے ساتھ جاؤں گی۔ میں نے آپ کو بتانا ضروری سمجھا لیکن آپ ابھی کسی سے ذکر مت کیجیے گا.....!“ اس نے امی کو قائل کرنے کی سعی کرتے ہوئے اپنے جانے کا بتایا۔

”وہ تو ٹھیک ہے.....! لیکن تم ان نیک بزرگ کے بارے میں بھی تو بتاؤ.....! کہاں رہتے ہیں اور تم انہیں کیسے جانتی ہو.....؟“ امی اسے جانے سے روک نہیں سکتی تھیں لیکن اپنی تسلی بھی کرنا چاہتی تھیں۔

”ابھی میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔ ہاں.....! جب ان سے مل کر آؤں گی تب تفصیل سے ایک بات آپ کو بتاؤں گی، آپ پریشان نہ ہوں یوں بھی میں نومی کے ساتھ جاؤں گی۔“ وہ خود مطمئنان سے تھی۔

”اور جو تمہارے ڈیڑی پوچھیں گے، کیونکہ کل چھٹی کا دن ہے، تمہارے ڈیڑی گھر پر ہی ہوں گے۔“ امی فکر مند ہو گئیں۔

”ڈیڑی کو میں خود بتا کر جاؤں گی کہ میں نومی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔“ وہ خود سارا پلان کر چکی تھی اس لیے آرام سے ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔ امی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔

”جہیں گیا کچھ کرنا پڑ رہا ہے، اللہ تمہاری مدد کرے.....! تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو.....!“

”آمین.....!“ وہ مسکرائی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

امی کے لیے جبر کھینچی۔ امی بیٹھ گئیں پھر کہنے لگیں۔

”دو چار دن کے لیے آئی ہو، کام سے لگ گئیں، آرام کر لیتیں.....!“

”یہ میری عمر آرام کرنے کی نہیں ہے اور آرام طلبی تو مجھے پسند ہی نہیں ہے، آپ کو بتا تو ہے.....!“

اس نے اپنی پلیٹ میں سالن نکال کر پھر امی کو دیکھا۔

”سب پتا ہے.....! اور یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اب تم مہمان آئی ہو، پھر اپنے گھر میں سارے کام تو کرتی ہی ہو، مزید ہمایوں کی بیمار داری اور تھکا دیتی ہوگی۔“ امی سیدھے سادے انداز میں بول رہی تھیں پھر جانے کس خیال کے تحت پوچھنے لگیں۔

”بیٹا.....! تم نے کیا سوچا ہے.....؟“

”کس بارے میں.....؟“ وہ بالکل نہیں سمجھتی تھی۔

”کب تک ہمایوں کی بیماری سے لڑو گی.....؟ پتا نہیں اسے ہوش آتا بھی ہے یا نہیں.....! اگر ڈاکٹر پچاس فیصد امید دلاتے تب بھی کوئی بات تھی، یہاں تو بالکل اندھیر ہے۔“ امی نے دھیرے دھیرے کہا

جب ہی وہ ضبط سے سن رہی تھی اور اسی ضبط سے بولی۔

”بالکل اندھیر نہیں ہے امی.....! ابھی تک ہم صرف ڈاکٹروں کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ ہو میو پیٹھک، حکمت اور روحانیت کی طرف تو ہم آئے ہی نہیں، مجھے یہ سب آزمانے دیجئے، اس کے بعد بھی اگر نتیجہ صفر رہا، تب میں ضرور کچھ سوچوں گی۔“

”بیٹا.....! ہو میو پیٹھک اور حکمت میں معمولی بیماری کا علاج اتنا لمبا ہوتا ہے پھر یہ تو.....“

”یہ کوئی بیماری نہیں ہے.....!“ وہ فوراً بولی۔

”میں کی کوئی حس کام نہیں کر رہی اور تم کہتی ہو یہ کوئی بیماری نہیں ہے.....!“ امی اٹھ کر بولیں۔

”تو کیا چاہتی ہیں آپ.....! انہیں چھوڑ کر آ جاؤں.....؟ ایک بات بتائیں امی.....!“

خدا نخواستہ.....! خدا نخواستہ اگر یہ حادثہ عباد بھائی کے ساتھ ہوا ہوتا تو کیا آپ جو یہ سے بھی یہی کہتیں.....! نہیں.....! آپ نہ ڈیڑی.....! کہنا تو دور کی بات، سوچتے ہوئے بھی ڈرتے کیونکہ عباد بھائی اپنے ہیں اور ہمایوں غیر.....! لیکن وہ غیر آپ کے لیے ہوں گے میرے لیے نہیں.....!“ اس کا دل بھرا آیا۔ آواز بھی بھرا گئی تھی۔

”یہ بات نہیں ہے بیٹا.....! تم سمجھتی کیوں نہیں.....؟ آخر میں تمہاری ماں ہوں، سارا وقت تمہارے لیے کڑھتی رہتی ہوں، پہلے تمہارے ڈیڑی کہتے تھے تو مجھے برا لگتا تھا لیکن اب مجھے بھی یہی بہتر لگتا ہے تمہارے لیے.....!“ امی کی اپنی آواز زندگی ہوئی تھی۔

”ٹھیک ہے.....! آپ اور ڈیڑی بھی میری بہتری سوچتے ہیں لیکن میں نے کب آپ سے شکایت کی.....؟ کب کہا کہ میں ہمایوں کی بے خبری سے یا اس گھر سے تنگ ہوں.....؟ میں اگر وہاں خوش

بزرگ کا آستانہ ہے، کیا خیال ہے؟ میں پہلے جا کر دیکھ آؤں.....“
”نہیں! میں بھی چلتی ہوں۔“ وہ کہہ کر فوراً اتر گئی اور دو پند پھیلا کر سر پر اوڑھا، پھر نعمان کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں احاطے میں داخل ہوئے تو وہاں کافی لوگ بیٹھے تھے جن میں عورتیں بھی تھیں۔ نوریہ کی نظریں ان سب میں نورانی چہرہ تلاش کرنے لگیں۔

”تم وہاں عورتوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ.....!“ نعمان نے کہا۔ وہ چونکی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔
”نہیں نومی.....! اس طرح تو باری کے انتظار میں ہمیں یہیں شام ہو جائے گی، سیدھا مرشد کے پاس چلو.....! وہ شاید حجرے میں ہیں، آؤ.....!“ نعمان حجرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بھی تقلید کی اور جیسے ہی دروازے تک پہنچے ایک آدمی نے ان کا راستہ روک لیا۔
”ابھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے باؤ.....!“

”آنے دے کریم بخش.....! آنے دے.....! مہمان دُور سے آئے ہیں.....!“ اندر سے مرشد سائیں کی آواز آئی تھی۔ نوریہ نے حیران ہو کر نعمان کو دیکھا تو اس نے آنکھوں سے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

”السلام علیکم.....!“ دونوں نے ادب سے سلام کیا۔
”وعلیکم السلام.....!“ مرشد سائیں نے جواب دینے کے ساتھ ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نعمان دوڑا تو بیٹھ گیا جبکہ نوریہ کی کچھ میں نہیں آیا بس غم سمی مرشد سائیں کو دیکھ کر جا رہی تھی۔
”کیا نام ہے تیرا.....!“ مرشد سائیں نے نوریہ سے پوچھا، ان کے چہرے پر بہت نرم مسکراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

”نور..... نوریہ.....!“ وہ بے حد مرعوب تھی۔
”ہاں تو نوریہ پتر.....! یہاں آ کر بیٹھ.....!“ مرشد سائیں نے چٹائی کی طرف اشارہ کیا تو وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہیں جا بیٹھی اور کن اکھیوں سے نعمان کو دیکھا، وہ بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔
”کیا پریشانی ہے.....؟“ مرشد سائیں نے نوریہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو جانے کیا ہوا، اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو کر قطرہ قطرہ اس کی گود میں گرنے لگے۔
”روٹی کیوں ہے؟“ تجھے تو اللہ نے بڑی ہمت دی ہے، اللہ اپنے ہمت والے بندوں کو آزماتا ہے، آزمائش میں روتے نہیں ہیں۔“ مرشد سائیں بہت نرم لہجے میں بول رہے تھے۔ نوریہ نے پلکیں اٹھائیں تو آنسو خساروں پر لکیریں بناتے چلے گئے۔

”نہ پتر.....! رونا.....! اللہ پر بھروسہ رکھ.....!“ مرشد سائیں نے اس کا سر تھپک کر حوصلہ دیا۔
نوریہ بولنا چاہتی تھی لیکن حلق میں آنسوؤں کا گولہ اکٹھا گیا تھا۔ وہ نعمان کو دیکھنے لگی۔
”اس کا شوہر بیمار ہے.....!“ نعمان اس کے دیکھنے سے سمجھ کر بتانے لگا۔

”تم نے کھانا تو ٹھیک سے کھایا نہیں.....!“ امی نے اس کی پلیٹ میں سالن اور آدھی روٹی کی طرف اشارہ کیا۔

”بس.....! کھالیا امی.....! اور اب میں جویریہ کے پاس جا رہی ہوں۔“ وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

○○○

نوریہ نے ڈیڈی کو یہی بتایا تھا کہ وہ نعمان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہے پھر وہاں سے وہ اپنے گھر چلی جائے گی کیونکہ واپسی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ شام بھی ہو سکتی تھی اور ایسی صورت میں پیچھے سب پریشان ہوتے کہ وہ ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ پھر بار بار سیل پر فون کیا جاتا اس لیے اس نے واپسی میں اپنے گھر جانے کا کہہ کر امی، ڈیڈی کو انتظار سے بچالیا تھا جبکہ نعمان کچھ خائف تھا کہ کیونکہ اسے اپنے پاپا کے سامنے سارا دن غائب رہنے کا جواز پیش کرنا تھا۔ بہر حال دونوں ناشتے کے فوراً بعد نکل آئے تھے اور تقریباً بارہ بجے نواب شاہ پہنچ کر نعمان نے گاڑی روک دی۔
”کیا ہوا.....؟“ نوریہ اپنی سوچوں میں تھی، گاڑی رکنے پر چونک کر نعمان کو دیکھنے لگی۔

”نواب شاہ آ گیا.....! اب بتاؤ.....! کہاں جاتا ہے.....؟“ نعمان نے پوچھا تو اس نے پہلے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

”دیکھو.....! مجھے کچھ پتا نہیں.....! بس اتنا معلوم ہے کہ سرداروں کے گاؤں جاتا ہے اور وہاں مرشد سائیں کے پاس، تم نیچے اتر کر کسی سے پوچھ لو اور اگر یہ کام تمہیں مشکل لگ رہا ہے تو میں.....“
”بس بس.....! بیٹھی رہو آرام سے.....!“ نعمان اسے ٹوک کر اتر گیا۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔ دو تین آدمیوں سے بات کر کے وہ واپس آیا تو فوراً پوچھا۔
”معلوم ہو گیا.....؟“

”ہوں.....! زیادہ دُور نہیں ہے.....! دس منٹ میں پہنچ جائیں گے۔“ نعمان نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بتایا، پھر کہنے لگا۔

”دیکھو.....! زیادہ دیر مت رکتا، واپس بھی جاتا ہے، شام سے پہلے پہنچ جائیں تو اچھا ہے۔“
”انشاء اللہ.....! شام سے پہلے پہنچ جائیں گے۔“ وہ کہہ کر آس پاس لوہا تے کھیت دیکھنے لگی۔
گاڑی پگڈنڈی پر پچھو لے کھاتی ہوئی چل رہی تھی۔
”خوبصورت گاؤں ہے، شاداب، پرسکون، ہے ناں نومی.....! کتنا اچھا لگ رہا ہے۔“ وہ خوش ہو رہی تھی۔

”ہوں.....!“ نعمان کا سارا دھیان راستے پر تھا پھر مطلوبہ جگہ گاڑی روک کر اس نے پہلے اطراف کا جائزہ لیا اس کے بعد اسے مخاطب کر کے بولا۔

”نور.....! میرا خیال ہے ہم ٹھیک جگہ پہنچ گئے ہیں۔ وہ سامنے جو احاطہ نظر آ رہا ہے شاید وہی ان

”تمہیں کیا ہوا ہے؟“ حاکم علی نے بلا ارادہ ہی چاندنی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں.....! کچھ نہیں ہوا سے.....! سردی ہے ناں.....!“ بے بے فوراً بولیں۔

”ہاں.....! سردی تو ہے، بیڑا آن کر لیں.....!“ وہ اب بے بے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”چاندنی کو اچھا نہیں لگتا بیڑا، ٹھنڈی رہتی ہے پر بیڑا نہیں چلانے دیتی۔“ بے بے کے لہجے میں

چاندنی کے لیے پیار تھا۔ حاکم علی جھنجھلا گیا۔

”اسے اگر سردی میں مرنے کا شوق ہے تو اوپر چلی جائے، آپ اپنا کمرہ گرم رکھا کریں۔“ حاکم

علی نے کہہ کر بیڑا آن کر دیا۔ چاندنی نے کوئی توجہ نہیں دی، یوں بھی وہ اس کے دل سے اتر چکا تھا۔

”اچھا تو تو ابھی رہے گا ناں.....؟“ بے بے نے حاکم علی کا دھیان بٹانے کی غرض سے پوچھا۔

”نہیں بے بے.....! بس تھوڑی دیر میں نکل رہا ہوں۔“ وہ تین دن میں بیڑا ہو گیا تھا۔

”تیرا یہاں دل کیوں نہیں لگتا حاکم.....! کیا تو ساری زندگی ادھر ہی رہے گا، بال بچوں کے

بغیر.....؟“ بے بے نے عاجز ہو کر کہا۔ چاندنی ہنس کر انہیں دیکھنے لگی۔

”ہاں.....! بچے بھی آجائیں گے بے بے.....! بس آپ دعا کریں۔“ حاکم علی کی نظروں میں

چشم سے نوریہ آن سائی تھی۔

”کیا دعا کروں.....! چاندنی مٹی تو تھی تیرے پاس.....! پھر تو اسے واپس کیوں چھوڑ گیا.....؟“

بے بے کی سمجھ سکتی تھیں۔

”لوہو.....! بے بے.....! میں اس کی بات نہیں کر رہا۔ مجھے اس جیسے غنوار بال بچے نہیں چاہئیں،

میں عنقریب وہیں شہر میں شادی کروں گا، آپ اس کے لیے دعا کریں۔“ وہ جھلا گیا۔

”ہائے حاکم.....! یہ تو کیا بات کر رہا ہے.....؟ وہ بھی چاندنی کے سامنے، کبھی چوٹ پڑتی ہوگی

اس کے دل پر، ناں پتر.....! تو اس یتیم پر یہ ظلم نہ کر، اللہ بھی ناراض ہوگا۔“ بے بے کے اپنے دل پر چوٹ

پڑی تھی تو دکھ سے بولیں۔

”اللہ کیوں ناراض ہوگا.....! چار شا دیاں کر سکتا ہوں۔“ وہ اطمینان سے بولا، پھر چاندنی کو دیکھ کر

پوچھنے لگا۔

”کیوں چاندنی.....! میں دوسری شادی کر سکتا ہوں ناں.....!“ چاندنی کا دل چاہا کہ دے میری

بلا سے دوسری، تیسری، چوتھی سب کر لو، لیکن اس نے ہونٹ بھیج کر منہ موڑ لیا۔

”کیوں دل جلاتا ہے اس کا.....؟ چل اٹھ یہاں سے.....!“ بے بے نے بگڑ کر حاکم کو جانے کا

کہا۔

”واہ بے بے.....! آج تو آپ خود مجھے جانے کو کہہ رہی ہیں۔“ حاکم علی ہنسنے لگا۔

”میں کمرے سے جانے کو کہہ رہی ہوں، چل اوپر جا.....!“ بے بے نے اس کے کندھے پر ہاتھ

”بالکل بستر پر پڑا ہے.....! بہت علاج کرایا، اب ڈاکٹر کہتے ہیں اسے دوا سے زیادہ دعا کی

ضرورت ہے، ہم اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔“

”اللہ رحم کرے گا.....!“ مرشد سائیں نے اسی قدر کہا اور صبح ہاتھ میں لے کر جیسے مراقبہ میں چلے

گئے۔

نوریہ اور نعمان کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے کبھی نہیں دیکھنے لگتے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ

دھیرے دھیرے مل رہے تھے۔ کتنی دیر بعد مرشد سائیں نے آنکھیں کھولیں اور قریب رکھی پانی کی بوتل

میں پھونک مار کر نوریہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

”یہ پانی پلا دینا.....! اور ہاتھ میں لے کر پورے بدن پر چھیننے ڈال دینا.....!“

”وہ اس سے ٹھیک ہو جائیں گے ناں.....!“ نوریہ نے بڑی آس سے پوچھا۔

”اللہ شفا دینے والا ہے.....! اس پانی پر یقین نہ رکھ، اللہ پر یقین رکھ، وہی مشکل میں ڈالتا ہے اور

وہی نکالتا ہے، بندے کا کوئی اختیار نہیں، جا.....! تجھے دور جانا ہے۔“ مرشد سائیں نے کہا، وہ کچھ حیران

ہوئی پھر اٹھ کر پوچھنے لگی۔

”مجھے پھر بھی آنا ہے.....؟“

مرشد سائیں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صبح میں مصروف ہو گئے تو وہ سلام کر کے نعمان کے ساتھ

باہر نکل آئی۔ سردیوں کی دھوپ بدن کو اچھی لگ رہی تھی۔

”میرا دل چاہ رہا ہے نومی.....! یہاں سے پیدل واپس چلیں۔“ وہ گاڑی کے پاس رک کر بولی۔

”پتا ہے.....! تم بڑی ہمت والی ہو، جاسکتی ہو پیدل، لیکن میں نہیں چل سکتا۔“ نعمان نے مسکرا کر

اس کی ہمت کو جتا یا پھر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

”تم تو خیر ہمیشہ سے کم ہمت ہو.....!“ نوریہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ نعمان نے کندھے اچکا کر

گاڑی آگے بڑھادی۔

”سنو.....!“ کافی دیر بعد وہ نعمان کو متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

”کیسے لگے تمہیں مرشد سائیں.....!“

”سچ بتاؤں.....! زندہ دلی ہیں۔ میرا وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اگر تم ساتھ نہ ہوتیں تو

شاید میں کچھ دن ہمیں رُک جاتا۔ خیر.....! میں پھر آؤں گا، بار بار آؤں گا۔“ نعمان عقیدت کا اظہار کر رہا

تھا اور وہ مرشد سائیں کی دی ہوئی بوتل کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کے ہاتھ آب حیات آ گیا ہو۔

○ ○ ○

حاکم علی بے بے کو پکارتا ہوا کمرے میں آیا تو پہلے نظر چاندنی پر پڑی جو لحاف میں دبکی بیٹھی تھی اور

جانے سردی سے یا بخار سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

حافظ کہہ کر ہار نکل گیا تو بے بے اس کے پیچھے دروازے تک جا کر پھر پلٹ آئیں۔
”سن لیں بے بے! حاکم کی باتیں! چاندنی کو اپنی بات سچ ثابت کرنے کا موقع مل گیا۔

”اسے گنوار بال بچے نہیں چاہیں اور آپ بھی میری پرواہ نہ کرو! کوئی ضرورت نہیں اس کی خوشامد کرنے کی، وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو کرے بلکہ میری طرف سے چار کرے۔ میں بھی یہاں نہیں رہوں گی۔“

”نہ چاندنی! تو نہ غصہ کر، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔“ بے بے اسے چکارنے لگیں۔
”بس! آپ اپنے دل کو بہلاتی رہو، میں نہیں بھلنے والی، میں شہر میں اپنی آنکھوں سے اس کے کروت و دیکھ کر آئی ہوں۔ وہ کبھی نہیں سدھرے گا۔ اگر کسی شہر والی نے سدھا دیا تب بھی اس کے دل میں میرے بچے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ چاندنی بہت تلخ ہو رہی تھی۔

”کیوں نہیں ہوگی! بچہ ہو جائے تو دیکھنا آپ ہی بھاگا آئے گا اور پھر جانے کا نام بھی نہیں لے گا۔“ بے بے نے پھر بہلانے کی کوشش کی جس سے وہ مزید سلگ گئی۔
”خدا کے واسطے بے بے! مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو! بوا بھنتے سے کھوتیاری کر کے میں واپس جاؤں گی۔“

”واپس کہاں جائے گی؟ طبیعت اچھی نہیں ہے تیری! وہاں کون دیکھ بھال کرے گا!؟ ناں چاندنی! اب میں تجھے اپنے سے ڈر نہیں کروں گی۔“ بے بے اسے اپنی بانہوں میں لپٹا چاہا، لیکن وہ پرے ہٹ گئی۔
”میرے ساتھ زبردستی نہ کرو بے بے! یہاں میرا دم ٹھٹھا ہے، میں بس اپنے گھر جاؤں گی۔“
”خدا نہ کر پتھر! اجمیعت سنبھل جائے پھر بے شک چلی جانا۔“ بے بے کی منت پر وہ خاموش ہو رہی تھی۔

○○○

نور نے چیخ کی مدد سے مرشد سائیں کا دیا ہوا پانی ہمایوں کے منہ میں ڈالا پھر ہاتھ میں لے کر اس کے پورے بدن پر چھڑکا۔ آخر میں گیلا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیرتے ہوئے اسے پکارنے لگی۔
”ہمایوں! ہمایوں! دیکھو! میں تمہارے لیے کیا کیا کر رہی ہوں! کیا تم میری خاطر آنکھیں نہیں کھول سکتے!؟ کیوں اتنے بے حس ہو گئے ہو!؟ میری آواز ہی سن لو! ہمایوں! پلیز! وہ بہت عاجزی سے بول رہی تھی تب ہی دروازے پر پیسے دستک ہوئی پھر حاکم علی اندر آ کر بولا۔
”ہیلو! نور!؟“ نور نے پلکیں جھپک کر آنسو چھپائے پھر اٹھ کر بولی۔

مار کر کہا۔

”اوپر کہاں!؟ اللہ میاں کے پاس!؟“ وہ جانے کس موڑ میں تھا۔
”ہائے رہا!؟ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے!؟ کیوں ایسی بری باتیں منہ سے نکال رہا ہے!؟ اللہ تجھے زندگی بخشے، میں مر جاؤں!؟“ بے بے رونے لگیں۔
”اوہو بے بے! آپ تو مذاق میں بھی رونے لگتی ہیں، میں نہیں جا رہا اوپر، بہت لمبا چلوں گا! اس نے بے بے کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر اپنے ساتھ لگایا پھر لاڈ سے پوچھنے لگا۔
”آپ میری شادی میں تو آئیں گی ناں!؟“
”چل ہٹ!؟“ بے بے اس کے بازو جھٹک کر الگ ہو گئیں۔
”مجھے یہ مذاق اچھا نہیں لگتا!؟“

”یہ مذاق نہیں ہے بے بے! مذاق تو یہ ہے!؟“ اس نے چاندنی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا لہجہ اچانک بدل گیا تھا، کچھ کرخت، پھر ناراضگی سے کہنے لگا۔
”میرا اس کا کیا جوڑ تھا!؟ کسی لحاظ سے بھی یہ میرے قابل نہیں تھی، نہ میں اس کے لیے اپنا اثیش، اپنی سوسائٹی چھوڑ کر بیٹھ سکتا ہوں اور نہ اسے اپنے ساتھ چلا سکتا ہوں، لیکن آپ یہ باتیں نہیں سمجھیں گی۔“
”ہاں!؟ میں کیوں سمجھوں گی!؟ نری جاہل جو ہوں۔“ بے بے نے آہ بھری۔
”چل چاندنی! تو ہی ادھر سے اٹھ جا! دوسرے کمرے میں جا بیٹھ!؟“ بے بے نے چاندنی سے کہا۔

”اسے کیوں تکلیف دیتی ہیں!؟ میں ہی جا رہا ہوں۔“ حاکم علی اٹھ کھڑا ہوا۔
”کہاں جا رہا ہے!؟“ بے بے نے فوراً پوچھا۔
”شہر جا رہا ہوں اور بہت جلدی آپ کو بلاؤں گا!؟ ضرور آئے گا بے بے!؟“ حاکم علی نے اصرار سے کہا۔

”کیسے آؤں گی!؟ میں تو گڈی (کار) میں نہیں بیٹھ سکتی، مجھے چکر آتے ہیں۔“ بے بے نے معذوری ظاہر کی۔
”پھر تو آپ کے لیے پہلی کار کا انتظام کرنا پڑے گا، نوپرا ایلیم!؟“ حاکم علی نے کندھے اچکاے پھر بے بے کے گھٹنے چھو کر بولا۔

”اچھا!؟ میں چلتا ہوں!؟“
”پھر کب آئے گا!؟“ بے بے نے عادتاً پوچھا تھا۔
”اب تو آپ آئیں گی میری شادی پر!؟“ وہ مسکرایا اور بے بے کے گھونے پر جلدی سے خدا

جائے گا۔ پھر تم اس کی زندگی سے نکل جاؤ گی ناں.....؟“ حاکم علی نے اس کی کبھی بات دہرائی۔
”ہاں.....! میں نے یہی سوچا ہے۔“ وہ سننے کی کوشش میں رک رک کر بولی۔
”بالکل ٹھیک سوچا ہے.....! اس کے بعد ہماری زندگی شروع ہوگی اور دیکھنا وہ زندگی کتنی
خوبصورت ہوگی۔ دکھ، درد، پریشانیوں کبھی بھولے سے بھی تمہارے قریب نہیں آئیں گی۔ تم بھول جاؤ
گی کائناتوں کی چھین تہہ را دامن صرف پھولوں سے بھرے گا۔“ وہ حسین تصور میں کھو کر بولے جا رہا تھا۔
”تم مجھے خواب دکھا رہے ہو.....!“ نوریہ کے ہونٹوں پر ذرا سی ہنسی چلی تھی۔
”خواب.....! یہ صرف خواب نہیں ہیں نور.....! تعبیر ان سے کہیں زیادہ حسین ہے۔ چلو ایک ہلکی
سے جھلک تمہیں ابھی دکھا دوں.....!“ حاکم علی نے کہتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بے اختیار
ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔
”نہیں سردار.....! ابھی میں کہیں نہیں جاسکتی۔“

”کیوں.....؟“

”بس.....! وہ ابھی میرے امی ڈیڈی آنے والے ہیں اور اب پلیز.....! تم جاؤ.....! ابھی تمہیں
ای ڈیڈی کے سامنے نہیں آنا چاہیے ورنہ مسئلہ ہو جائے گا۔“ اسے بروقت بہانا سوچ گیا تھا۔
”کوئی مسئلہ نہیں ہوگا.....! میرا خیال ہے مجھے ابھی ان سے مل لینا چاہیے۔ اچھا ہے ناں ابھی
ملاقات ہو جائے، بعد میں بہت سارے سوالوں سے بچ جائیں گے، یہ سردار کون ہے.....؟ کیا کرتا
ہے.....؟ تم اسے کیسے جانتی ہو وغیرہ وغیرہ۔“ وہ بہت مظلوظ ہو رہا تھا۔ نوریہ خفگی سے دیکھنے لگی۔
”اوکے.....! انا راضی مت ہو.....! چلتا ہوں کل پھر آؤں گا۔“ وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔
”میرے خدا.....!“ نوریہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیا پھر ہمایوں کے پاس جا بیٹھی۔

○○○

چاندنی نے کہا تھا کہ وہ چار پانچ دن میں لوٹ آئے گی لیکن آج دس دن ہو گئے تھے اسے گئے
ہوئے اور اس کی واپسی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ مسافر بے حد پریشان تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ
چاندنی کے بارے میں کس سے پوچھے، روزانہ حویلی کے گرد پھر لگاتا تھا اور رات میں بانسری پر بس ایک
ہی دھن بجاتا۔
”آ جا تجھ کو پکارے میرا پیار.....!“

”اسے اپنے پیار پر مجبور نہ تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بڑی حویلی والے بہت طاقتور ہیں۔ ان
کے سامنے چاندنی ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہے جو اس سے نہ صرف محبت کر رہی ہے بلکہ اس پر اپنا تعلق من
بھی کر رہی ہے اس کے باوجود حویلی والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور خود اس میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ
بڑی حویلی کی طرف جاتا۔ یوں بھی ان دنوں وہ اندیشوں میں گہرا ہوا تھا کہ کہیں کسی کو اس کے اور چاندنی

”کیسے ہو.....؟“

”تمہیں کیسا لگتا ہوں.....؟“ حاکم علی شان سے مسکرا رہا تھا۔

”امی سے ملے.....!“ نوریہ نے ان کی کر کے پوچھا۔

”ہاں.....! میں ان ہی کے پاس بیٹھا تھا۔ بیچاری بہت پریشان ہیں، قدرت بھی تو کوئی کرشمہ نہیں
دکھا رہی۔ آریا پار، جو بھی ہوتا ہے ہو جائے تاکہ اس وراثت کی کنیت سے تو نجات ملے۔“ حاکم علی روانی
سے بول گیا تھا۔ نوریہ کا دل چاہا کچھ کر کہے تم جو آس لگائے بیٹھے ہو وہ کبھی پوری نہیں ہوگی، لیکن بمشکل
ضبط سے بول پائی۔
”اللہ بہتر کرے گا.....!“

”اللہ تو بہتر ہی کرتا ہے، ہم نہیں سمجھتے یاد میں سمجھتے ہیں۔ خیر.....! تم بتاؤ.....! تمہارے گھر میں
سب کیسے ہیں.....؟ آئی مین.....! تمہارے پیرنس.....!“ حاکم علی نے اس کی آرزو کی پرکڑھتے ہوئے
موضوع بدلا۔

”ٹھیک ہیں.....! مجھے امی کی وجہ سے جلدی آتا پڑا کیونکہ سعدیہ بھی مزید نہیں رک سکتی تھی۔“ وہ
بولتی ہوئی وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی پھر ایک دم پلٹ کر پوچھنے لگی۔
”تم تو امی کے پاس آتے رہے ہو گے.....؟“
”نہیں.....! میں بھی اپنے پیرنس سے ملنے چلا گیا تھا۔“ حاکم علی نے کہا تو وہ یونہی پوچھ گئی۔

”تمہارے پیرنس کہاں رہتے ہیں.....؟“

”میرے قادر جاگیر دار ہیں، وہ اپنی جاگیر پر رہتے ہیں۔“ حاکم علی نے یوں بتایا جیسے وہ مرعوب ہو
گی لیکن اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی، تعجب سے پوچھنے لگی۔
”پھر تم یہاں کیسے آ گئے.....؟“

”کیسے آ گیا.....!“ وہ کچھ سوچ کر مسکرایا پھر کہنے لگا۔

”تمہارے لیے.....! کیونکہ میری قسمت میں تم سے ملنا لکھا تھا اس لیے میں یہاں آن بسا.....!“
”تم اسے قسمت کی خوبی کہتے ہو اور میں بد قسمتی.....!“ نوریہ نے سوچا لیکن اسے دیکھ کر یوں
مسکرائی جیسے اس کی تائید کی ہو، جب ہی وہ خوش ہو کر بولا۔

”میں نے اپنی مدد کو اشارتاً تمہارے بارے میں بتا دیا ہے۔“

”اچھا.....! کیا بتایا ہے.....؟“ نوریہ نے کوشش سے دلچسپی ظاہر کی تھی۔

”یہی کہ میں یہاں شادی کرنے والا ہوں۔“ وہ اس تصور سے ہی بے حد سرشار تھا۔ نوریہ سر تاپا لڑکی
جی۔ آنکھوں میں بھی خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔

”ارے تم پریشان کیوں ہو گئیں.....؟ میں اس وقت کی بات کر رہا ہوں جب ہمایوں ٹھیک ہو

”تم بھی بے وقوف ہو.....! بھئی.....! بے بے یہ سمجھ رہی ہیں کہ حاکم کا بچہ ہوگا، جب ہی خوشیاں منا رہی ہیں۔“

”اور جو وہ حاکم کو خوش خبری سنائیں گی.....!“ مسافر خائف ہو گیا تھا۔

”نہیں سنائیں گی بلکہ کسی کو نہیں بتائیں گی.....! میں نے قسم دی ہے بے لکڑا اور تمہیں نہیں پتا.....! بے بے بڑا پیار کرتی ہیں مجھ سے.....! میری ہر بات مانتی ہیں، جو میں کہوں گی وہی کریں گی۔ تم خواخوہ پریشان نہ ہو۔“ وہ بڑی سمجھ دار بن کر اسے تسلی دے رہی تھی۔ مسافر حیرت سے اسے دیکھ گیا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو.....؟“ چاندنی نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

”تم بہت نادان ہو چاندنی.....! مجھے ڈر لگنے لگا ہے تمہاری نادانی سے، مصیبت سے، بے وقوف لڑکی.....! یہ بات چھپی رہنے والی نہیں ہے، آج نہیں تو کل حاکم کو پتا چل ہی جائے گا۔ اس کے بعد سوچو کیا ہوگا.....؟“ مسافر نے تشویش بھرے لہجے میں اسے احساس دلانا چاہا۔

”کیوں سوچوں.....؟ جب مجھے پتا ہے کہ حاکم کو پتا نہیں چلے گا۔“ وہ لاپرواہی سے بولی۔
”اوہو چاندنی.....! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں.....؟ تم شاید اس وقت کچھ سننے سمجھنے کے موڈ میں نہیں ہو یا پھر مجھے تنگ کرنا چاہ رہی ہو۔“ مسافر عاجز ہو گیا تھا۔

”ہائے.....! یہ تم کیسے باتیں کر رہے ہو.....؟ میں کیوں تمہیں تنگ کروں گی.....؟ اچھا.....! اب بتاؤ.....! کیا سمجھانا ہے مجھے.....!“ وہ ٹیوب ویل کے چوہرے پر آرام سے بیٹھ گئی۔ مسافر نے اطراف میں دور تک نظریں دوڑائیں پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”تمہیں اپنی بے لکڑا بتاتے ہوئے ڈر نہیں لگا.....؟“

”لو.....! میں نے تھوڑی بتایا تھا بے لکڑا.....! وہ تو میری طبیعت خراب ہوئی تو بے بے نے مجھے بتایا کہ خوشخبری ہے، اچھا ہوا اس وقت حاکم اور باپائیں تھے ورنہ تو حاکم اس وقت مجھے جان سے مار دیتا۔“ چاندنی نے بتایا تو مسافر فوراً اس کی آخری بات پکڑ کر کہنے لگا۔

”یہی میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ حاکم کو پتا چلا تو وہ تمہارے ساتھ بہت برا کرے گا۔“

”پھر.....؟“ وہ اب نہ صرف سنجیدہ ہوئی بلکہ سوچ میں بھی پڑ گئی تھی۔

”پھر یہ کہ تمہیں بہت احتیاط کرنی ہے، اس عرصے میں کوشش کرنا کہ حاکم سے سامنا نہ ہو اور اپنی

بے لکڑا بھی سمجھائی دینا کہ وہ کسی کو نہ بتائے.....! سن رہی ہوں.....!“ آخر میں مسافر نے اس کا سر

ہلایا تو وہ چونک کر سرکرائی پھر چوہرے سے اتر کر بولی۔

”اچھا.....! اب میں چلتی ہوں، تم شام میں بانسری کھانے آ جانا.....!“

”ابھی بھی تمہیں بانسری سے دلچسپی ہے.....؟“ مسافر خوشی سے پوچھنے لگا۔

”تھوڑی تھوڑی بانسری، اب بانسری والا زیادہ اچھا لگتا ہے۔“ وہ کہہ کر ہنسی ہوئی اپنے راستے پر

کے بارے میں شب تو نہیں ہو گیا۔

”اگر بات بڑی حویلی والوں تک پہنچ گئی تو.....!“ اس وقت وہ یہی سوچتا ہوا پلکھندی پر چلا جا رہا

تھا کہ گاڑی کے بارن پر چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔

چاندنی شیشہ گرا کر اسے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

”چاندنی.....!“ وہ خوش ہو کر ہاتھ کے اشارے سے اسے بلانے لگا۔

کچھ دور جا کر گاڑی رُک گئی اور چاندنی نے اتر کر ڈرائیور سے جانے کو کہا۔ پھر جب گاڑی آگے

بڑھ گئی تب وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آ کر کہنے لگی۔

”مسافر.....! مجھ سے ناراض نہ ہونا.....! میں بیمار ہو گئی تھی جب ہی جلدی نہیں آ سکی، تم

ناراض تو نہیں ہونا.....!“

”نہیں چاندنی.....! میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا البتہ پریشان بہت تھا کہ پتا نہیں کیا معاملہ

ہے.....؟ کہیں بڑی حویلی والوں نے تمہارے یہاں آنے پر پابندی تو نہیں لگا دی.....؟“ مسافر نے اپنا

خندہ بیان کیا۔

”پابندی تو نہیں لگائی.....! پر ابھی بے بے آنے بھی نہیں دے رہی تھیں، کہہ رہی تھیں طبیعت

سنجیدہ جانے پھر جانا، لیکن میں خند کر کے آ گئی۔“ وہ پھلکی ہنسی ہنس کر بولی۔

”اچھا کیا.....! اب مت جانا.....! میرا اب تمہارے بغیر کہیں دل نہیں لگتا۔“ مسافر نے اس کا

ہاتھ تھام لیا تو وہ لپکا کر بولی۔

”میری طبیعت تو پوچھو.....!“

”طبیعت پوچھوں.....؟“ مسافر اس کے لپکانے سے ٹھنکا۔

”ہاں.....! پوچھو نا.....!“ وہ شرمیلی ہنسی ہونٹوں میں دبائے کھڑی تھی۔

”کیا ہوا تھا.....؟“ مسافر کا پورا وجود ساکت تھا، صرف ہونٹوں نے حرکت کی تھی۔

”ہوا تھا نہیں.....! ہونے والا ہے.....!“ وہ کہہ کر بھاگ پڑی۔ مسافر نے چند لمحے سوچا پھر

بھاگ کر اسے بازوؤں میں دیوچ لیا۔

”سچ بتا چاندنی.....! کیا واقعی ہونے والا ہے.....؟“

”ہوں.....!“ چاندنی کا چہرہ گنار ہو گیا۔ مسافر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر پیچھے ہٹ کر بولا۔

”لیکن چاندنی.....! یہ تو بڑی خطرناک بات ہے.....! کسی کو پتا نہیں چلا.....؟“

”بے بے کو پتا ہے اور وہ بہت خوش ہو رہی تھیں کہ حویلی کا وارث آنے والا ہے۔“ چاندنی اب

اترا کر بول رہی تھی۔

”حویلی کا وارث.....!“ مسافر الجھ کر دیکھنے لگا۔ تب وہ ہنس پڑی۔

پھر ایک دم تارل ہو گیا۔

”کیسا انازم.....؟“ نشی نے نا سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”یہی کہ شوہر کو ایسے عالم میں چھوڑ کر چلی گئی جبکہ اس کے گھر والے ابھی بھی اسے فورس کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس واپس چلی جائے لیکن وہ نہیں مان رہی۔“ حاکم علی اب اسے راز داری سے بتا رہا تھا، وہ ساری باتیں جو نوریہ نے کہی تھیں۔ آخر میں کہنے لگا۔

”وہ بے مجھے نہیں لگتا کہ ہمایوں ٹھیک ہو سکتا ہے، بس یوں سمجھو کچھ دن کا مہمان ہے، اس کے بعد نوریہ آزاد ہوگی اور وہ آزادوی بھی چند دن کی، اس کے بعد وہ تمہیں یہاں چلتی پھرتی نظر آئے گی۔“ حاکم علی ادھر ادھر یوں دیکھنے لگا جیسے یہاں وہاں ہر طرف اسے نوریہ نظر آ رہی ہو۔

”پتا نہیں سردار.....! مجھے تو یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔“ نشی جیسے کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی یا شاید اس کا ذہن کی بات کو تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔

”عجیب کچھ بھی نہیں ہے، تم بس میری باتوں پر یقین نہیں کر رہی۔“ حاکم علی ذرا سا ہنسنا پھر موبائل نکال کر اس کا آپٹیکر آن کر کے نوریہ کے نمبر پر پیش کر دیئے۔

”ہیلو.....! چند لمحوں بعد نوریہ کی آواز ابھری تو نشی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ حاکم علی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سننے کا اشارہ کیا۔

”کیسی ہو نوریہ.....!“

”اچھی ہوں.....! تم کیسے ہو.....؟“ نوریہ کی آواز سے نشی کو یوں لگا جیسے وہ بہت جھکی ہوئی ہو۔

”میں پھر وہی کہوں گا تمہیں کیسا لگتا ہوں.....؟ خیر.....! یہ بتاؤ.....! کیا کر رہی تھیں.....؟“ حاکم علی نے فوراً اپنی بات بدل کر پوچھا۔

”جانتاؤں.....! تمہیں سوچ رہی تھی۔“ نوریہ کی بات پر اس نے فاتحانہ نشی کو دیکھا تھا۔

”دیکھا.....! تم نے سوچا اور میں نے فون کر لیا.....!“

”ماتنی ہوں سردار.....! بلکہ میں تم سے اعتراف بھی کر چکی ہوں کہ تم حیرت انگیز شخص ہو۔“

”اور یہ حیرت انگیز شخص ابھی تمہارے پاس آ رہا ہے، اوکے.....!“ حاکم علی نے کہہ کر موبائل آف کر دیا۔ پھر نشی کو دیکھنے لگا۔ نشی حیران بیٹھی تھی۔

○○○

ہمایوں کو کچھ احساس نہیں تھا کہ وہ کب سے بے خبر پڑا ہے۔ اس وقت اس کا ذہن دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگا تھا تو وہ یہی سمجھا کہ رات میں سو یا تھا شاید گہری نیند، جب ہی اس کا وجود سن ہو رہا ہے۔ کچھ دیر اس نے خود کو ہلانے کی کوشش کی پھر آنکھیں کھولنا چاہتا تھا کہ سماعتوں سے سردار آواز نکلائے گی۔ جانے کون تھا جو کہہ رہا تھا۔

چل پڑی۔ مسافر کچھ دیر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اپنے راستے پر چل پڑا۔

○○○

نشی بہت خاموشی سے حاکم علی کے قصے سن رہی تھی جو وہ روزانہ نوریہ سے ملاقات کو بڑے رنگیں پیرائے میں بیان کر رہا تھا۔

”وہ اب میرا انتظار کرتی ہے نشی.....! اگر میں کچھ لیٹ ہو جاؤں تو وہ بے چین ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی بے چینی بہت مزہ دیتی ہے۔“ حاکم علی بڑے جذب سے بول رہا تھا، پھر چند ثانیے نشی کو دیکھتے رہنے کے بعد پوچھنے لگا۔

”کیا بات ہے.....! تم میری بات سن نہیں رہی یا خپلس ہو رہی ہو.....؟“

”خپلس کیوں ہوں گی.....؟ ایسا تو جب ہو جب میں نے تم سے توقعات وابستہ کر رکھی ہوں، تم کچھ بھی کرتے رہو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ نشی نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہا اور نہ حقیقتاً اسے برا لگا تھا۔

”واقعی.....!“ حاکم علی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”ہوں.....!“ نشی نے بے نیازی سے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

”وہ بے سردار.....! یہ ٹھیک ہے کہ تم نے نوریہ کے گھر تک رسائی حاصل کر لی ہے لیکن اس کے دل تک.....!“

”اس کے دل پر اب صرف میری حکمرانی ہے.....!“ حاکم علی فوراً بولا۔

”میں کیسے مان لوں.....؟“ نشی کا انداز اسے سلگانے والا تھا۔

”کیسے مان لوں کیا مطلب.....؟ کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے.....؟“ حاکم علی واقعی سگ کر بولا تھا۔

”میں یقین کر سکتی تھی اگر جو کسی نے مجھے یہ نہ بتایا ہوتا کہ نوریہ اپنے شوہر کے لیے بہت پریشان ہے۔“ نشی نے کہا تو وہ تجفرا بیزنا گواری سے پوچھنے لگا۔

”کس نے..... کس نے بتایا ہے.....؟“

”اس بات کو چھوڑو.....! یہ بتاؤ.....! کیا یہ سچ نہیں ہے.....؟ یہی سچ ہے سردار.....! کہ نوریہ اپنے تن میں کا ہوش بھلائے بیٹھی ہے، پھر وہ تم سے کیسے محبت کی ٹینگیں بڑھا سکتی ہے.....؟“ نشی نے بھی اس کے انداز میں کہا۔

”تمہیں اصل بات کا پتا نہیں ہے نشی.....! بلکہ کسی کو بھی حقیقت نہیں معلوم، صرف میں جانتا ہوں اور کیونکہ میں اپنی ہر بات تمہارے ساتھ شیئر کرتا ہوں تو یہ بھی تمہیں بتا رہا ہوں کہ نوریہ یہ سب دنیا دکھاوے کے لیے کر رہی ہے، کیونکہ وہ اپنے سر کوئی الزام نہیں لینا چاہتی۔“ وہ تیز آواز میں شروع ہوا تھا

ہمایوں کی پکار پر نوریہ چونک کر بیٹھی اور اُسے کھڑے دیکھ کر تو خوشی سے پاگل ہونے لگی اور اس
اچانک بے پناہ ملنے والی خوشی میں وہ یہ بھول گئی کہ کمرے میں حاکم علی کی موجودگی ہے اُس کی پوزیشن کتنی
خراب ہو گئی ہے، اُسے صرف ہمایوں کے ہوش میں آنے کا خیال تھا اور وہ پاگل ہو رہی تھی۔
”ہمایوں! ہمایوں! آپ اچھے ہو گئے! ای! ای! ای! جلدی آئیں!“
ہمایوں کو ہوش آ گیا۔ ”ہمایوں!“ فرط مسرت سے اُس کے آنسو بھی روانی سے چھٹک رہے تھے۔
”ہمایوں ایک منٹ اُسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اُس پر سے نظریں ہٹا کر جیسے ہی حاکم علی کو دیکھا وہ کہنے لگا۔
”تھینک گاڈ! مسٹر ہمایوں! آپ کو ہوش آ گیا! ہم سب کتنے پریشان تھے آپ کے
لئے۔“

”تم! ہمایوں کی رگوں میں خون کی گردش یکھت تیز ہو گئی تھی۔

”تم یہاں! میرے کمرے میں!“

”میں آپ کی عیادت کو آیا تھا، بلکہ آپ کے علاج کے لئے۔“

”ٹھٹ آپ!“ ہمایوں پوری قوت سے چیخا۔ حاکم علی پر تو کچھ اثر نہیں ہوا جبکہ نوریہ یکھت ہم
مخفی اور اُسے اب صورت حال کی نزاکت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

”ہوی! پلیز! آپ بیٹھ جائیں!“ نوریہ نے اُس کا بازو تھامنا چاہا لیکن وہ اُس کا
ہاتھ جھٹک کر پوچھنے لگا۔

”ہناؤ نور! اسے اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ یہ میرے کمرے تک چلا آیا!“

”میں سب بتا دوں گی ہوی! آپ پلیز! ریٹکس ہو جائیں!“ نوریہ کے لہجے میں
عاجزی سٹ آئی تھی پھر حاکم علی سے بولی۔

”تم جاؤ سردار! پلیز! تم جاؤ!“

”کہاں؟ آئی مین! تم بھی ساتھ چلو!“ حاکم علی نے ہمیشہ ہمایوں کے سامنے اُس

”نور! تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے! بس کرو! کب تک اس زندہ لاش کی خاطر اپنے
ارمانوں کا گلا گھونٹ رہو گی! مجھ سے اب تمہاری یہ اجازت ویران صورت نہیں دیکھی جاتی۔“
”بس! کچھ دن! پھر میں تمہیں ہستی کھٹکھٹاتی نظر آؤں گی۔“ نوریہ کی آواز پر ہمایوں کا
ذہن یک لخت پوری طرح بیدار ہو گیا۔ پھر بے اختیار آنکھیں کھولتے ہی نوریہ کے ساتھ حاکم علی کو دیکھ کر
اس کے پورے بدن میں جیسے شرارے بھر گئے تھے۔

”نوریہ! پکارنے کے ساتھ ہی ہمایوں ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔

○○○

”بیٹا! تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ یہ تمہاری بیوی ہے نوریہ.....! اور یہ حاکم علی تمہارے پاس! کیا تم اسے نہیں پہچان رہے؟“

”میں سب کو پہچان رہا ہوں! پہچان گیا ہوں سب کو! آپ پلیز! جائیں یہاں سے! انہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا! ہمایوں کی بے بسی پر امی تڑپ گئیں۔“

”اللہ نہ کرے! چلو! چلو بیٹا! باہر چلو!“

”میں..... میں ہمایوں کے پاس ہوں۔“ نوریہ نے ہمایوں کے پاس بیٹھنا چاہا تو وہ سختی سے بولا۔

”نہیں نور.....! تم بھی جاؤ!“

”ہاں! چلو نور! ابھی ہمایوں کو آرام کرنے دو! آئی! آپ بھی آئیں!“

حاکم علی نے بڑھ کراہی کو کندھوں سے تھام لیا اور اپنے ساتھ لگا کر کمرے سے نکل گیا۔

”ہمایوں! میری بات سنیں! نوریہ فوراً ہمایوں کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔“

”آپ جانتے ہیں حاکم علی کو..... آپ کی بے ہوشی سے فائدہ اٹھا کر اس نے امی کو.....“

”بس! ہمایوں اُسے روک کر بولا۔“

”مجھے کوئی کہانی مت سننا!“

”میں کہانی نہیں، حقیقت بیان کر رہی ہوں۔“ وہ زور دے کر بولی۔

”حقیقت میں خود جان لوں گا! ہمایوں اُس کی کھائی تھام کر اٹھا پھر زبردستی اُسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔“

”ہمایوں! ہمایوں! خدا کے لئے خود پر ظلم نہ کریں! وہ دروازہ پینے کے ساتھ جھج رہی تھی۔ ہمایوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے۔“

○ ○ ○

چاندنی جانے کس موڑ میں تھی، مسافر کا ہاتھ پکڑے اُونچے نیچے راستوں پر چلتی چلی جا رہی تھی۔ پھر ایک گھنے بیڑ کے پاس رُک کر بولی۔

”یہاں نہیں گے!“

”یہاں؟“ مسافر نے ادھر ادھر دیکھا، کچی سڑک پر ایک آدمی اپنے تیل ہانکتا ہوا لے جا رہا تھا، اس سے آگے کچھ جھونپڑیاں تھیں۔

”جھونپڑیاں! چاندنی آرام سے بیٹھ گئی۔“

”پاگل ہو! یہاں کسی نے دیکھ لیا تو جان سے مار دے گا۔“ مسافر نے اُس آدمی کی طرف اشارہ بھی کیا۔

”یہ ایسی ہی باتیں کی تھیں، ابھی بھی باز نہیں آیا۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ میں کہہ رہی ہوں جاؤ! چلے جاؤ یہاں سے! وہ جھج پڑی۔“

”تمہیں اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا! حاکم علی اپنی جگہ جم کر کھڑا تھا۔“

”ہمایوں! ہمایوں! یہ..... آپ جانتے ہیں اسے؟“ نوریہ غصے سے کانپتے ہوئے ہمایوں کا بازو جھنجھوڑنے لگی۔

”ہمایوں! آپ اس سے کہیں یہ یہاں سے چلا جائے! میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔“

”تعلق نہیں تو یہ یہاں تک کیسے آیا؟“ ہمایوں کے چہرے سے سرد لہجے نے نوریہ کی دُنگوں میں ابومحمد کر دیا تھا۔

”گم! اب آئی ہے ناں مسز ہمایوں آپ کو سمجھ! ہمیشہ مجھے جھٹلاتے رہے، جبکہ میں اول روز سے آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ نوریہ میری ہے۔“ حاکم علی نے ہمایوں کی بدگمانی کو مزید ہوا دی۔

”نہیں نہیں! ہمایوں! آپ اس کی باتوں میں مت آئیے! یہ بہت شاطر ہے۔“ وہ جھج جھج کر کہہ رہی تھی تب ہی ہمایوں کی امی آگئیں۔ وہ غالباً نماز پڑھ رہی تھیں، چیخوں کی آواز پر اب بوتھلائی ہوئی آئی تھیں لیکن آگے ہمایوں کو کھڑے دیکھ کر اُن پر بھی شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

”ہوی! میرے بچے!“

”امی!“ ہمایوں نوریہ کے ہاتھ جھٹک کر اُن کے سینے سے جا لگا۔

”امی! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آپ کہاں چلی گئی تھیں؟“

”مجھے کہاں جانا تھا بیٹا! تم ہی ہوش میں نہیں تھے۔ اللہ کا لاکھ شکر! میرے بیٹے کوئی زندگی ملی۔“ امی رونے لگی تھیں۔

”میں ہوش میں نہیں تھا؟“ ہمایوں اُلجھ کراہی کو دیکھنے لگا۔

”ارے بیٹا! تمہیں کچھ یاد نہیں، چار مہینے سے بستر پر پڑے ہو، کتنا علاج کرایا تمہارا اور یہ تمہارا پاس، اللہ خوش رکھے اسے، اس نے بڑی مدد کی ہماری! امی ہمایوں کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولے جا رہی تھیں اور اپنی تعریف پر حاکم علی مزید دونوں بازو سینے پر پلٹ کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے اب اسے کوئی یہاں سے نہیں نکال سکتا۔

”چار مہینے؟“ ہمایوں سر تھام کر بیٹھ گیا تو نوریہ نے تڑپ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ہمایوں! پلیز! آپ ابھی ذہن پر زور نہ دیں۔ آہستہ آہستہ آپ کو سب یاد آ جائے گا!“

”مجھے اکیلا چھوڑ دو! ہمایوں نے اب آہستہ سے اُس کا ہاتھ ہٹایا پھر امی سے کہنے لگا۔“

”امی! آپ سب کو یہاں سے لے جائیں! مجھے اکیلا چھوڑ دیں!“

”ایک بات بتاؤ.....! اگر کسی دن ہم ایسے بیٹھے ہوں، اوپر سے حاکم آجائے تو تم کیا کرو گے.....؟“ چاندنی کے اندر اچانک خدشات سر اُبھارنے لگے تھے۔ مسافر نے اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

”چاندنی.....! یہی باتیں تو میں تمہیں سمجھانا چاہتا تھا، لیکن تم متنی ہی نہیں تمہیں۔ اب تمہیں خود سمجھ آ رہی ہے تو بتاؤ.....! مجھے کیا کرنا چاہئے.....؟ فرض کرو.....! اگر ابھی حاکم یہاں آجائے.....!“

”نہیں مسافر.....!“ وہ ڈر گئی۔

”ارے.....! تم تو ایسے ڈر گئیں جیسے بچہ کچھ آگیا ہو.....!“ مسافر نے اُس کی کبھی ہوئی آنکھوں میں دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

”میں ہوں ناں تمہارے ساتھ.....!“

”تم کیا کرو گے.....؟“ چاندنی کی آواز میں بھی خوف شامل تھا۔

”تمہیں لے کر بھاگ جاؤں گا.....! بہت دُور.....!“ مسافر نے کہا تو وہ ایک دم اُسے دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بھاگ جاؤں گا.....؟ وہ بھاگنے کا موقع دے گا تب ناں.....! یہیں دفن کر دے گا ہم دونوں کو.....“

”بس بس.....! زیادہ اُسے چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، میں غریب ضرور ہوں لیکن میں نے چوڑیاں نہیں پہن رکھیں، آرام سے نہیں اُس کے ہاتھوں مر جاؤں گا، اُسے مار کر ہی مروں گا۔“ مسافر ایک دم جوش میں آ گیا تھا۔

”یہی کی تھی سر مردوں والی بات.....!“ چاندنی نے اُسے سراہا تو وہ مزید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”ایسی کی تھی سر کے رکھ دوں گا سب کی.....!“

”بس بس.....! زیادہ شوخیاں نہ مارو.....! مجھے پتا ہے کتنے دلیر ہو.....!“ وہ کہہ کر آگے چل پڑی تو مسافر نے فوراً اُس کی تھلید نہیں کی، کچھ دیر اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اٹھا۔



ہمایوں کو سب یاد آ رہا تھا کہ وہ سعدیہ کی شادی پر اسلام آباد سے آیا تھا اور عین شادی والے روز وہ کراچی پہنچا تھا پھر ایئر پورٹ سے گھر آتے ہوئے راستے میں اُس کا ایکسڈنٹ ہوا تھا تو اس کے بعد سے وہ اب ہوش میں آیا تھا۔ یوں لگا جیسے یہ ایک دو دن کی بات ہو لیکن چار مہینے ہو گئے تھے اور ان چار مہینوں میں جانے کیا کچھ ہو گیا تھا۔

”قابلاً سب نے یہی سمجھ لیا ہوگا کہ میں اب کبھی ہوش میں نہیں آؤں گا۔ اس حالت میں مر جاؤں گا، جب ہی میری طرف سے مایوس ہو کر نو رینہ نے بھی راہیں بدل لیں اور اُس شخص سے رابطہ بڑھالیا جو

”کوئی نہیں دیکھتا اور ادھر تو کوئی نہیں آتا، صرف میں آتی ہوں، وہ بھی اُس وقت جب میں اکیلی تھی، تم نہیں تھے۔“ چاندنی ذرا خائف نہیں ہوئی۔

”اچھا.....! تو تم یہاں کیوں آتی تھیں.....؟“ مسافر بچوں پر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

”بتائیں.....! شاید تمہیں ڈھونڈنے.....!“ چاندنی کی بات پر وہ ہنس پڑا۔

”تم میرا مذاق اڑا رہے ہو.....!“ وہ جانے کیوں سنجیدہ ہو گئی۔

”بالکل نہیں.....! مذاق کیوں اڑاؤں گا.....؟“ مسافر نے اُس کی سنجیدگی محسوس کرتے ہوئے مسکراہٹ ہونٹوں میں دہالی۔

”پھر تم بنے کیوں.....؟“

”تمہاری بات پر.....! بے وقوف لڑکی.....! تم مجھے یہاں ڈھونڈنے آتی تھی جبکہ میں تو ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا.....! وہ اُس کا ہاتھ تھام کر محبت سے بولا۔ چاندنی کی نظریں جھک گئیں۔

”مسافر.....! اب بتائیں کیوں مجھے تم سے حیا آتی ہے.....؟“

”مجھ سے نہیں آئے گی تو اور کس سے آئے گی.....؟ پتا ہے چاندنی.....! عورت کو حیا اُسی سے آتی ہے جس سے وہ بہت پیار کرتی ہے۔“ وہ اُس کی گھنیری پلکوں کو دیکھتے ہوئے کھوسا گیا تھا۔

”ہاں.....! میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں.....! پر مجھے ڈر بھی بہت لگتا ہے اور رات تو میں نے بڑا عجیب خواب دیکھا۔“ وہ آخر میں سر اُونچا کر کے اُسے دیکھنے لگی۔

”کیا دیکھا.....؟ میں مر گیا.....!“ مسافر نے کہا تو اُس نے ایک دم اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ہائے.....! اللہ نہ کرے.....! مریں تمہارے دشمن.....! جاؤ.....! میں نہیں تم سے بات کرتی۔“ وہ روٹھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ارے رے.....! میں مذاق کر رہا تھا۔ چلو.....! اب مذاق میں بھی ایسی بات نہیں ہوگی۔“

مسافر نے اُس کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

”اب بتاؤ.....! کیا خواب دیکھا.....؟“

وہ روٹی روٹھی سی زمین پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے میں لگی رہی۔

”چاندنی.....! بتاؤ ناں.....! نہیں تو میں جا رہا ہوں.....!“ مسافر نے اصرار کے ساتھ پھر جانے کی دھمکی دی تو وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔

”حاکم کو دیکھا تھا.....! بہت غصے میں آیا ہے، اُس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں، ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے مار ڈالے گا۔“

”کوئی نہیں مار سکتا تمہیں.....!“ مسافر نے قریب کھسک کر اُسے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

”مجھے کسی سے کوئی گلہ، کوئی شکایت نہیں۔ میں خود یہ تسلیم کرتی ہوں کہ آپ پر ساری مصائب میری وجہ سے ٹوٹیں، نہ میں آپ کی زندگی میں آتی نہ آپ ان حالوں کو پہنچتے اور اب میں نے خود سوچ لیا ہے کہ میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی کیونکہ حاکم علی کچھ بھی کر سکتا ہے۔“

”نور.....!“ ہمایوں نے اسے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

”تم نے یہ سوچا کیسے.....؟ میری زندگی سے نکلنا تھا تو پھر میری زندگی کے لئے مڑیں کیوں.....؟“

”میرا جانے دیا ہوتا مجھے.....!“

”نہیں ہمایوں.....! ایسی باتیں نہ کریں.....! میں تو دعا کرتی تھی اللہ آپ کو میری زندگی دے دے.....!“

”میری زندگی تو تم ہو نور.....!“ ہمایوں نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا تو اس کے سینے میں منہ چسپا کر اس نے سارے آنسو بہا ڈالے۔ پھر اچانک ایک خیال کے تحت اٹھی اور موبائل پر نمبر پیش کرنے لگی۔

”نور.....! اس وقت کسے فون کر رہی ہو.....؟ یار.....! اتنی رات ہو گئی، صبح بات کر لینا.....!“

ہمایوں یہی سمجھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اس کے ٹھیک ہونے کی خوشخبری سنانا چاہتی ہے لیکن جب وہ بولی تو ایک دم خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ چہا چہا کر کہہ رہی تھی۔

”سردار حاکم علی.....! اب تو تمہیں مان لینا چاہئے کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے.....!“

تم اپنی ایسی ساری گھناؤنی کوششوں میں ناکام ہو چکے ہو اور آئندہ کبھی ایسی کوشش کرنا بھی مت ورنہ.....!“

اس نے سیل آف کر کے ہمایوں کو دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔

اور اگلے دن ہمایوں کے گھر میں جشن کا سماں تھا۔



بے بے کو اب پہلے سے زیادہ چاندنی کی فکر رہنے لگی تھی، ہر وقت دھیان اس کی طرف رہتا کہ وہ تادان لڑکی کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے نئے آنے والے مہمان کو نقصان پہنچے۔ روزانہ فون پر اسے کھانے پینے کی تاکید اور چٹلے پھرنے میں احتیاط کرنے کی کوکھیں۔ ابھی بھی اس کے نمبر ملا رہی تھیں کہ سردار ہاشم علی حسب عادت تھنکھار کر اندر آ گئے۔ اُن کے آنے پر بے بے نے بلا ارادہ ریسیور واپس رکھ دیا۔

”کسے فون کر رہی تھی.....؟“ سردار ہاشم علی نے یونہی پوچھ لیا۔

”چاندنی کو.....! مجھے تو ہر وقت اس لڑکی کی فکر لگتی رہتی ہے، ایسی حالت میں ضد کر کے چلی گئی۔“

بے بے انجانے میں بول گئیں لیکن سردار ہاشم علی تو شاید اسی بات کے منتظر تھے، فوراً پوچھنے لگے۔

”کسی حالت میں.....! کوئی خوشخبری ہے کیا.....؟“

جہاں بدترین دشمن تھا۔ آخر وہ نور یہ کورجھانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ جانے دونوں نے مل کر کیا کیا پلان بنائے ہوں گے، وہ بھی میرے گھر میں بیٹھ کر۔“

”اوکاڈ.....! ذرا حیا نہ آئی تو نور.....! کم از کم میرے مرنے کا انتظار تو کر لیتی۔“ وہ انتہائی دل گرفتہ سا جانے کیا کچھ سوچے جا رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ دستک دوبارہ ہوئی تو اس نے پہلے ناٹم دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا اس وقت نور یہ ہوگی، اپنی صفائی پیش کرنا چاہے گی۔

”اوہہ.....! اب کیا صفائی پیش کرے گی.....؟“ اس نے تنحنی سے سوچا پھر اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ نور یہ ہاتھوں میں دودھ کا گلاس لئے کھڑی تھی۔

”مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہاری کوئی داستان سننا چاہتا ہوں۔“ وہ کہہ کر دروازہ بند کرنا چاہتا تھا کہ نور یہ فوراً اندر آ گئی۔

”مجھے کوئی داستان نہیں سنانی.....! اگر مجھے جھوٹی سچی داستانیں سنانے کا شوق ہوتا تو میں اپنی اوپلین شب کیوں گواتی.....؟ اس وقت بھی میں آپ کو کوئی داستان سنا سکتی تھی۔“ وہ دودھ کا گلاس نمبل پر رکھتے ہوئے ساٹ انداز میں بول رہی تھی پھر سیدھی کھڑی ہوئی تو ہمایوں کو دیکھ کر کہنے لگی۔

”مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے سمجھ نہیں سکے، میں اب بھی اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گی، آپ جو چاہیں سمجھیں لیکن خدا کے لئے ابھی آپ کچھ نہ سوچیں.....!“

”یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، تم تصور نہیں کر سکتیں کہ میں کتنی اذیت سے گزر رہا ہوں۔ میرا سر جانے کو دل چاہ رہا ہے، میں مریوں نہ گیا.....؟ میں مریوں نہ گیا.....؟“ ہمایوں دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیڈ پر ڈھے سا گیا۔

”ہمایوں.....!“ وہ تڑپ کر اس کے قریب آئی۔ خدا کے لئے ہمایوں.....! میری ریاضتیں مٹی میں نہ ملائیں۔ آپ کی زندگی کے لئے میں نے کتنی مٹیں مانیں.....! کیا کچھ نہیں کیا.....! سب لوگ مایوس ہو گئے ایک طرف میں نے اس کا دامن نہیں چھوڑا۔ مجھے یقین تھا آپ ضرور اچھے ہو جائیں گے۔“

”جب یہ یقین تھا تو پھر حاکم علی کی پذیرائی کیوں کی.....؟ اس سے ربط کیوں بڑھایا.....؟“

ہمایوں نے ایک دم اسے سمجھنے کراپے سامنے کر لیا۔

”مجبوری تھی.....! میں بے بس تھی.....! بے اختیار تھی کیونکہ اس نے امی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میں اگر اسے دھکے مار کر نکالتی تو امی یہی کہتیں کہ میں آپ کا علاج نہیں چاہتی یوں بھی وہ مجھ سے بدگمان ہو گئی تھیں، مجھے منہوں کہہ کر یہاں سے چلے جانے کو کہتیں اور میں نہیں گئی تو صرف آپ کی وجہ سے، میں اپنی صفائی پیش نہیں کر رہی ہمایوں.....! آپ کو حقیقت بتا رہی ہوں۔“ اور پھر وہ بتاتی چلی گئی۔ ہمایوں ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا، آخر میں وہ کہنے لگی۔

”یہ کیا کیا ہے بے آپ نے.....! بابا تو اب حاکم کو بتادیں گے اور وہ مجھے مارا لے گا۔“
 ”نا..... ناں دھینے.....! تو ڈرتاں.....! تیرے بابا سمجھالیں گے حاکم کو اور یہ تو خوشی کی بات ہے۔“
 دیکھنا حاکم بھی خوش ہو جائے گا۔“ بے آپ نے تسلی دینے لگیں لیکن ادھر سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ کئی
 دیر بعد بے آپ کو احساس ہوا تو ریسپور کو دیکھتی رہ گئیں۔

○ ○ ○

حاکم علی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اب ہمایوں کے ساتھ نوریہ کو بھی شوٹ کر دے۔ وہ لڑکی جسے اُس
 نے جنون کی حد تک چاہا، وہ اُسے فریب دے گئی تھی۔ یعنی پہلے یہ کہا کہ ہمایوں کے ٹھیک ہونے کے بعد وہ
 اُس کی زندگی سے نکل جائے گی اور اب اُسے دھمکا رہی تھی۔
 ”دھو کا.....! میرے ساتھ دھو کا.....!“ حاکم علی بری طرح تلملارہا تھا۔ نشی کا دل تو چاہا خوب قہقہے
 لگائے، بشکل اپنی خواہش دبا کر کہنے لگی۔

”سردار! تم اتنے آپ سے باہر کیوں ہو رہے ہو.....؟ اپنے آپ کو دیکھو.....! تم بھی تو اُسے دھو کا
 ہی دے رہے تھے۔“

”میں..... میں نے کیا دھو کا دیا ہے.....؟ محبت کرتا ہوں اُس سے اور علی الاطلاق اظہار کرتا ہوں،
 یہ دھو کا نہیں ہے.....!“ وہ ڈھٹائی سے بولا۔

”میں محبت کی بات نہیں کر رہی، ہمایوں کے معاملے میں تم نے اُسے دھو کا ہی دیا کہ ہمایوں کی
 رپورٹس تم نے لندن بھجوا دی ہیں اور وہاں سے ڈاکٹر زبلو اوگے۔ تم نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا بلکہ تم چاہتے ہی
 نہیں تھے کہ ہمایوں ٹھیک ہو۔“

”ہاں.....! میں نہیں چاہتا تھا، وہ مر جاتا تو زیادہ اچھا تھا۔ خیر.....! برا بھی نہیں ہوا۔ اب میں اُس
 کے سامنے نوریہ کو اٹھلاؤں گا اور وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔“ حاکم علی انتہائی سفاکی سے بول رہا تھا۔
 خدا کے لئے سردار.....! چھوڑ دے جذباتی پن.....! امت خود کو اتنا گراؤ.....! تم کوئی معمولی آدمی
 نہیں ہو، آدھا شہر تمہیں جانتا ہے۔ ایسی حرکتوں سے بتاؤ تمہاری کیا عزت رہ جائے گی.....؟“ نشی نے
 جھنجھاکر اُسے جھنجھوڑنے کی کوشش کی تو وہ قہقہے لگانے لگا پھر تسخرانہ انداز میں بولا۔

”یہاں عزت صرف پیسے کی ہے، پیسہ سارے عیبوں کو چھپا لیتا ہے اور میرے پاس پیسوں کی کمی
 نہیں ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔“

”انتہائی گھٹیا سوچ ہے تمہاری.....! اب تو مجھے تم سے گھن آنے لگی ہے۔“ نشی نے تاسف سے
 اُسے دیکھا۔

”کم آن نشی.....! تم ایسی باتیں کر کے سمجھتی ہو میں اپنے ارادوں سے باز آ جاؤں گا.....؟
 نہیں.....! میں کبھی پیچھے نہیں ہٹا اور نوریہ تو میری ضد بن چکی ہے۔ جب تک میں اُسے حاصل نہیں کر لیتا.....“

”ہیں.....!“ بے آپ نے چوکنے کے ساتھ بوکھلا گئیں۔ چاندنی کا رونا ہنسیں دینا یاد آیا۔
 ”جنا حاکم کی ماں.....! خوشی کی خبر ہے.....!“ سردار ہاشم علی نے اب اونچی آواز میں انہیں متوجہ کر
 کے پوچھا۔ بے آپ گھبرا گئیں۔

”ہاں.....! خوشی کی.....!“

”تو تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں کب سے اس انتظار میں ہوں۔“
 ”انتظار میں تو میں بھی تھی، بڑی خوشیاں منانا چاہتی تھی پر چاندنی نے منع کر دیا۔“ بے آپ بتاتے
 ہوئے خائف ہو رہی تھیں۔

”کیوں.....! کیوں منع کیا اُس نے.....؟ اُسے پتا نہیں ہے کہ حویلی کو وارث دے کر وہ کس
 مرتبے پر پہنچنے والی ہے، میں ابھی حاکم کو فون کرتا ہوں.....!“ سردار ہاشم علی فون کی طرف بڑھنے لگے کہ
 بے آپ سامنے آ گئیں۔

”نہیں حاکم کے ابا.....! ابھی کسی کو نہیں بتانا.....! حاکم کو بھی نہیں، وہ خوش نہیں ہوگا، ناراض ہوگا۔
 اسی کے ڈر سے تو چاندنی ادھر چلی گئی ہے۔ پتا نہیں کیا کیا دھمکیاں دیتا ہے چاندنی کو کہ بچہ پیدا کرے گی تو
 اُسے اور بچے کو بھی جان سے مار دے گا۔“

”یہ..... یہ حاکم کہتا ہے.....؟“ سردار ہاشم علی یک دم غضب ناک ہو گئے تھے۔
 ”تو ابھی چاندنی کے پاس جا.....! اور اسے ساتھ لے کر آ.....! میں دیکھتا ہوں حاکم کیا بگاڑ سکتا
 ہے اس کا.....؟“

”ایسے نہیں حاکم کے ابا.....! آرام سے.....!“ بے آپ ہنسیں کرنے لگیں۔
 ”اللہ نے خوشی دکھائی ہے.....! شور شرابا کیوں کرتے ہو.....؟ بچہ ہو جائے پھر حاکم کو اطلاع
 دے کر بلو الینا.....!“

”تیری تو مت ماری گئی ہے۔“ سردار ہاشم علی سر جھٹک کر کمرے سے نکل گئے تو بے آپ مزید
 پریشان ہو گئیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو پھر چاندنی کو فون کر ڈالا۔ ادھر سے چاندنی کی ٹھکنی ہوئی آواز آئی۔
 ”ہیلو.....! کون.....؟“

”بے آپ بول رہی ہوں، چاندنی پتر.....! میرے سے غلطی ہو گئی۔“ بے آپ کی آواز کانپ رہی
 تھی۔

”ہاں.....! اس عمر میں کیا غلطی ہو گئی.....؟“ چاندنی نے کھلکھلا کر پوچھا تھا۔
 ”وہ پتر.....! میں نے بڑے بابا کو بتا دیا ہے کہ تو ماں بننے والی ہے۔“ بے آپ بتاتے ہوئے
 رو رہی ہو گئی تھیں۔

”کیا.....؟“ چاندنی کی ساری شوخی یک آن زخمت ہو گئی۔

کا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔" اس کے لہجے کی مضبوطی پر ایک لمحہ کوشی کا دل کانپا تھا لیکن اگلے پل نخوت سے بولی۔

"تو پھر سمجھ لو کہ تمہاری قسمت میں چین سے بیٹھنا لکھا ہی نہیں گیا کیونکہ نور یہ کبھی تمہاری نہیں ہو سکتی۔"

"بابا!.....!" حاکم علی پھر قہقہہ لگا کر بولا۔

"تم جیلس ہو رہی ہو.....!"

"نہیں.....! مجھے تم پر رحم آرہا ہے حالانکہ تم قابل رحم ہو پھر بھی چاہتا ہوں کہ میں تمہارے لئے کچھ برا سوچنا نہیں چاہتی۔ میں نے ہمیشہ یہ چاہا کہ میں تمہیں سزا دیکھوں لیکن ہمیشہ تم مجھے پاتال میں نظر آئے اس کے باوجود میں تمہیں نظر انداز نہیں کر سکی، پتا نہیں کیوں.....؟" نشی آرزوہ نظر آنے لگی۔

"کیونکہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو.....!" حاکم علی نے اپنے تئیں اسے برٹ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ سہولت سے اعتراف کر کے کہنے لگی۔

"ہاں.....! میں تم سے محبت کرتی ہوں، میری محبت میں دھاندلی نہیں ہے، خود نہیں ہے، خود غرضی نہیں ہے جہاں یہ ساری باتیں ہوں وہاں محبت نہیں ہوتی سردار.....! لیکن تم یہ کہاں جھوٹے.....؟ تم نہیں سمجھ سکتے.....! کبھی نہیں.....!"

حاکم علی جانے کیوں خاموش ہو گیا تھا۔

"یاد ہے سردار.....! میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں تم پر کہانی لکھ رہی ہوں۔ تم نے کہا تھا اس کی ہیروئن نور یہ ہونی چاہئے۔ وہ کہانی ابھی تک اُدھوری پڑی ہے بلکہ اپنے اختتام کی منتظر ہے، کیا اختتام کروں اس کا.....؟" نشی نے اپنی سوالیہ نظریں اس پر جمادیں۔

"اوں ہوں.....!" حاکم علی پر سوچ انداز میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اس کہانی کا کوئی اختتام نہیں.....! یہ یونہی چلتی رہے گی صدیوں تک.....!"

"سردار.....!" نشی حیرت میں گھر گئی۔

"تم نہیں سمجھو گی.....! تم نہیں سمجھ سکتیں.....! ابھی نہیں.....!" اس کی بات اوتارتے ہوئے حاکم

علی کے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں کی چمک بھی ماند پڑ گئی تھی۔

"میں نہیں سمجھوں گی.....!" نشی کو اس کی بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"بہت غم ہے تمہیں خود پر.....! قلم تمہارے ہاتھ میں کیا آگیا جھوٹی ہوئی تمہاری مسمیٰ میں ہے،

جو تمہاری آنکھیں دیکھتی ہیں، جو تمہارا ذہن سوچتا ہے تم اُسی پر ایمان لے آتی ہو، کیوں.....؟ کیا بھی

تمہاری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں.....؟" وہ یقیناً بہت تلخ ہو گیا۔

"کھا سکتی ہیں.....! میری آنکھیں بھی دھوکا کھا سکتی ہیں۔" نشی کو خود اپنی آواز کہیں دُور سے آتی

گئی تھی۔

"پھر.....! پھر تم ہمیشہ مجھے الزام کیوں دیتی ہو.....؟ ہر بات میں مجھے ملال ثابت کر کے دیتی ہو۔"

کوشش کیوں.....؟ کیوں نشی.....! جب تمہیں اپنے دل پر اختیار نہیں تو مجھے بار بار دل کی لگا میں لکھا ہے۔

کیوں کہتی ہو.....؟" وہ پھر رہا تھا۔

"اس لئے کہ تمہارا دل جس کا تنہا ہے وہ کسی کی ہو چکی ہے، اپنی مرضی اپنی خوشی سے۔ ایسے میں

اس کے لئے تمہارا جنون کسی کام کا نہیں۔ میں اسی لئے تمہیں روکتی، تمہیں سمجھاتی ہوں لیکن تم سمجھنا چاہتے

ہی نہیں۔"

ہاں.....! انہیں سمجھنا چاہتا.....! کیونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی چیز کی تنہا کی ہو اور وہ

مجھے ملی نہ ہو.....!" وہ پھر ہٹ دھرمی برائے آ رہا تھا۔

"میں اب کچھ نہیں کہوں گی۔" نشی مایوس ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تب ہی حاکم علی کا موبائل بجنے لگا۔

"نور.....! نور یہ کافون ہوگا.....!" حاکم علی ٹیبل پر رکھے موبائل پر چھپنا، نشی اس کے پاگل پن پر

تاسف سے سر ہلاتے لگی۔

"ہیلو.....!" حاکم علی نے اسکرین پر نام وغیرہ دیکھے بغیر ہی موبائل کان سے لگایا۔ دوسری طرف

سردار ہاشم علی تھے۔

"جی بابا.....! سلام علیکم.....! میں ٹھیک ہوں.....! آپ کیسے ہیں.....؟" وہ سنبھل کر بول رہا

تھا۔

"اللہ کا کرم ہے حاکم.....! میں ٹھیک ہوں.....! بہت خوش ہوں.....! اور یہی خوشیاں منانے کی

تجاریاں کر رہا ہوں.....!" سردار ہاشم علی نے کہا تو وہ سمجھنا نہیں۔

"کیا مطلب.....؟"

"وہ ہیں بیٹھ کر مطلب نہ پوچھ حاکم.....! یہاں آ جا.....! بس.....! ابھی چل پڑ.....! کب تک پہنچ

جائے گا.....؟" سردار ہاشم علی نے اسے آنے کا کہہ کر پہنچنے کا پوچھا تو وہ الجھ گیا۔

"پہنچ جاؤں گا بابا.....! آخر پتا تو چلے بات کیا ہے.....؟"

"یہاں آ کر تجھے سب پتا چل جائے گا۔ بس تو جلدی آنے کی کر.....!" سردار ہاشم علی نے کہہ کر

سلسلہ منقطع کر دیا۔

"بابا بھی بس.....!" حاکم علی نے موبائل ٹیبل پر رکھا پھر نشی کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا.....؟"

"پتا نہیں.....! میں گاؤں جا رہا ہوں.....!" حاکم علی نے کندھے اُچکا کر کچھ بولی۔

"کب.....؟ ابھی.....!"

اُسے دیکھنے لگی۔

”مسافر.....! تمہیں پتا نہیں ہے کیا ہونے والا ہے.....؟“

”جانتا ہے.....! اور اسی دن کا تو مجھے انتظار تھا۔“ مسافر کے لہجے میں جانے کیا تھا، چاندنی ڈر گئی۔

”یہ.....؟ تم کیا کہہ رہے ہو مسافر.....!“ مسافر کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے

سائے بنھا کر کہنے لگا۔

”میرا نام مسافر نہیں شجاع ہے.....! شجاع گیلانی.....! اور میں کراچی سے آیا ہوں۔“

”اوں ہوں.....! کوئی سوال مت کرو.....! بس میری داستان سنو.....!“ چاندنی کے ہونٹ غائب

کچھ کہنے کو کھلے تھے لیکن مسافر نے اُس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی پھر کہنے لگا۔

”میں سردار حاکم علی کو بہت پہلے سے جانتا ہوں، ہماری دوستی بھی رسی ہے، لیکن نہیں.....! حاکم علی

کسی کا دوست نہیں ہے۔ صرف اپنا مطلب نکالنا جانتا ہے۔“

”میں بہر حال اُسے دوست سمجھتا تھا، برعکس میں بھی میں نے اُس کے ساتھ تعاون کیا تھا، اس کے

باوجود اُس نے میرا خیال نہیں کیا، مجھ سے میری محبت میری زندگی چھین لی۔ سونیا میری محبت تھی اور ہم

شادی کرنے والے تھے لیکن درمیان میں حاکم علی آ گیا اور اس نے سونیا کو اپنی طرف راغب کر لیا۔ اگر وہ

سونیا کے ساتھ سسٹر ہوتا اور اُس سے شادی کر لیتا تب تو میں اسے قسمت کا لکھا جان کر خود کو سمجھا سکتا تھا

لیکن اُس نے سونیا کو تباہ کر دیا، اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر چھوڑ دیا۔ وہ اتنی دلبر داشتہ ہوئی کہ یہ ملک ہی چھوڑ

گئی۔ میں نے اُسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں رکی۔ تب میں نے ٹھان لی کہ میں حاکم علی کو

زندہ نہیں چھوڑوں گا اور میں باقاعدہ پلان کر کے یہاں آ گیا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں حاکم علی کو اُس کی

جائگہ پر ہی ماروں گا لیکن یہاں تم مل گئیں اور جب تم نے بتایا کہ تم حاکم علی کی بیوی ہو تو میرا پلان بدل

گیا۔“

”نہیں.....! نہیں مسافر.....! نہیں.....!“ چاندنی ایک دم بھر گئی، اس کا گریبان پکڑ کر چیخنے لگی۔

”تم جھوٹ بولتے ہو.....! تم جھوٹے ہو.....!“

”میری بات سنو چاندنی.....!“ مسافر نے اُس کی دونوں کلاسیاں تھام کر، چیخ کر اُسے خاموش

کر لیا۔ پھر کہنے لگا۔

”بے شک میرا مقصد حاکم علی سے انتقام لینا تھا لیکن میں اُس کی طرح ظالم اور بے ضمیر نہیں ہوں،

میں چاہتا تھا خاموشی سے یہاں سے نکل جاتا لیکن میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا۔ یقین کرو.....! میں ہر روز

یہاں سے جانے کی تیاری کرتا ہوں لیکن تمہارا خیال کر کے رک جاتا ہوں۔ تم بہت معصوم ہو چاندنی.....!

اگر میں تمہیں چھوڑ کر چلا گیا تو کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ ساری زندگی میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا

رہے گا اور ضمیر کی ملامت میں نہیں سکتا۔ تم میرے ساتھ چلو.....! ہم شادی کر لیں گے.....!“

”نہیں.....! کل جاؤں گا.....!“

”اور آؤ گے کب.....؟“ نشی نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تھا، پھر بھی وہ اُسے ستانے کی غرض

سے بولا۔

”کبھی نہیں.....!“

”یہ تو خیر نہیں ہو سکتا.....!“

”کیوں.....! کیوں نہیں ہو سکتا.....؟ یہاں اب میرا کون ہے.....؟ نور یہ کوہا یوں مل گیا.....!

تمہیں مجھ سے شکایتیں بہت ہیں، بلکہ اب تو شاید تم مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہو، لیکن چھڑائیں سکو

گی.....! انور.....!“ وہ فنی میں سر ہلانے لگا۔

”بہت خوش فہمی ہے تمہیں.....! خیر.....! اب میں چلتی ہوں.....!“ نشی کہہ کر چل پڑی۔

”سنو.....!“ حاکم علی نے اُسے پکارا۔

”محبت میں دھاندلی نہ ہو تو مزہ نہیں آتا.....!“

”یہ تمہارا خیال ہے، خدا حافظ.....!“ نشی ہاتھ ہلا کر چلی گئی تو وہ جانے کیا سوچ کر مسکرایا۔

○○○

بھری دوپہر میں چاندنی بہت حواس باختہ مسافر کی ہونچڑی تک آئی۔ اُس کی رنگت اُڑی ہوئی پال

بکھرے ہوئے، جب ہی مسافر پریشان ہو گیا۔

”کیا ہوا چاندنی.....! تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو.....؟ کسی نے تمہیں یہاں آتے ہوئے دیکھ لیا

ہے کیا.....؟“

چاندنی فنی میں سر ہلانے لگی۔

”پھر کیا بات ہے.....؟ بتاؤ ناں.....!“ مسافر نے اُسے کاندھوں سے تھام لیا۔

”تم..... تم یہاں سے چلے جاؤ مسافر.....!“ وہ جیسے دل پر پھر رکھ کر بولی۔

”کیوں.....! کیوں چلا جاؤں.....؟ اور کہاں جاؤں.....؟“ مسافر تھکا ہوا تھا، لیکن اس پر

ظاہر نہیں کیا۔

”کہیں بھی.....! بس یہاں سے چلے جاؤ.....!“ چاندنی نے اب منٹ سے کہا۔

”تمہیں چھوڑ کر.....! نہیں چاندنی.....! تمہیں چھوڑ کر تو میں نہیں جاسکتا۔ ویسے بات کیا ہے.....!

مجھے اصل بات تو بتاؤ.....!“ مسافر ہنوز چل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

”کیا بتاؤں.....؟“

”وہ بے بے نے گزبہ کر دی ہے۔ بابا کو خوشخبری سنا دی اور اب تو سارے میں بات پھیل جانے

گی۔“ چاندنی رونے لگی۔ مسافر اُسے چپ کرانے کی بجائے چٹائی پر جا بیٹھا تو وہ ایک دم رونا بھول کر

تمہیں حاکم کے پلے نہ باندھتے۔ چلو اٹھو۔ انہیں تو مجھے زبردستی کرنی پڑے گی۔“ مسافر نے اس کی کلائی تھام کر اٹھادیا پھر اسے چادر اوڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔
”ڈرو مت۔۔۔ ایوں سمجھو اللہ نے مجھے تمہاری مدد کو بھیجا ہے۔! میں تمہیں ظالموں کے ہاتھوں سے نکال کر لے جا رہا ہوں اور تم کوئی گناہ نہیں کر رہی، تمہیں اپنی زندگی جینے کا حق ہے۔! کراچی پہنچے ہی میں پہلے تمہیں حاکم سے طلاق دلاؤں گا پھر ہم شادی کر لیں گے، ٹھیک۔!“
چاندنی اسے دیکھتی رہ گئی۔

○○○

حاکم کو اپنی جیب حویلی کے گیٹ پر ہی روکئی پڑی کیونکہ اندر جانے کا راستہ نہیں تھا۔ بے تحاشا لوگ جمع تھے اور اگر سردار ہاشم علی اسے فون نہ کر چکے ہوتے تو وہ اتنے مجمعے کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتا لیکن سردار ہاشم علی نے کیونکہ خوشیاں منانے کی بات کی تھی اور بڑے صحن کی طرف سے شادیانے بجنے کی آواز بھی آرہی تھی اس لئے وہ حیران ہوتا اور حویلی میں آنے والی خوشی قیاس کرتا ہوا جیب سے آؤ کر اندر آنے لگا تو اس کے کانوں میں مبارک سلامت کی آوازیں گونجنے لگیں۔

”لگتا ہے بابا پرائم فسترن بن گئے۔!“ وہ لوگوں کی مبارک باد کے جواب میں ہاتھ ہلاتا ہوا تیز قدموں سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ آیا اور پہلے بے بے کے کمرے میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کر بے بے بوکھلا گئیں۔

”تو آگیا حاکم۔!“

”ہاں بے بے۔! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔؟ کسی کی شادی ہے کیا۔؟“ اسے سلام کرنے کا موقع نہیں ملا تو بے بے کے گھٹنے چھو کر پوچھنے لگا۔

”ناں۔! اب کس کی شادی ہونی ہے یہاں۔؟ تو بیٹھ۔! تیرے بابا آ رہے ہیں۔!“
بے بے خواہ مخواہ بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگیں۔

”اوہو بے بے۔! کچھ بتائیں تو سہی۔! یہ شادیانے کس سلسلے میں بچ رہے ہیں۔؟“ اس نے جھنجھلا کر بے بے کو کندھوں سے تھام کر اپنی طرف موڑا تھا کہ اس وقت سردار ہاشم علی آ گئے۔

خیر سے آگیا حاکم۔! مبارک ہو۔!“

”مبارک۔! کس بات کی۔؟“ وہ بے بے کو چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔

”لے۔! تیری ماں نے نہیں بتایا تھے۔! تو باپ بننے والا ہے، باپ۔!“ سردار ہاشم علی نے بہت خوش ہو کر اپنے تئیں اسے بھی خوشخبری سنانے کے ساتھ دونوں بازو پھیلا دیئے کہ وہ خوش ہو کر ان کے سینے سے آگے لگے، لیکن وہ شاکہ ہو گیا تھا۔

”حاکم۔! سنا نہیں تو نے۔! تو باپ بننے والا ہے۔!“ سردار ہاشم علی کی گونج دار آواز اس

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔؟ میں حاکم کے نکاح میں ہوں۔“ چاندنی کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

”حاکم سے تمہیں میں نجات دلاؤں گا، یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ میرا اعتبار کرو چاندنی۔! میں تمہیں اس بھیڑیے کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس لئے نہیں کہ تم معصوم ہو، اس لئے کہ میں جج جج تم سے محبت کرتا ہوں۔ دل سے چاہنے لگا ہوں تمہیں اور اب میں اپنی محبت اپنی چاہت پر قربان تو ہو سکتا ہوں اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔“

”نہیں مسافر۔! تم بس چلے جاؤ یہاں سے۔! تمہیں نہیں پتا حاکم بڑا ظالم ہے۔! میں تمہیں بھی جاؤں وہ مجھے ڈھونڈ نکالے گا اور مجھے تو مرنا ہی ہے تم۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ مروں گا۔!“

”نہیں۔! تم اپنے شہر اپنے گھر جاؤ۔! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“ چاندنی اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ٹھیک ہے۔! میں بھی کہیں نہیں جا رہا۔! حاکم آئے تو اسے بتا دینا کہ اس کی عزت کا لیرا اس جھونپڑی میں اس کا انتظار کر رہا ہے۔“ مسافر آرام سے ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

”خدا کے لئے مسافر۔!“ چاندنی نے بیٹہ کر اس کے پیر پکڑ لئے تو وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔

”تمہیں مجھ پر، میری محبت پر بھروسہ نہیں ہے چاندنی۔! بس تم نے ایک ہی بات سوچ لی ہے کہ حاکم آئے گا تمہیں مار ڈالے گا۔! سنو۔! میں ایک بار بے خبری میں لٹ گیا۔! اب حاکم تو کیا اس کا باپ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، کبھی تم۔! میں یہاں مرنے کے لئے نہیں بیٹھا ہوں۔! حاکم کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤں گا اور دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے کیسے روکتا ہے۔؟“

”ہائے رہا۔!“ چاندنی دہل گئی تھی۔

”میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔! شہر میں حاکم جیسے کتنے میرے سامنے پانی بھرتے ہیں۔ میں چاہتا تو تو میں حاکم کا کام تمام کر دیتا لیکن یہ بزدلی ہوتی، میں اس کی جاگیر پر اسے اُلٹا لٹکاؤں گا۔“

مسافر کے لہجے میں اس وقت حاکم جیسی سفاکی تھی۔

”بس مسافر۔! بس کرو۔! میں ایسے ہی مر جاؤں گی۔!“ چاندنی پھر رونے لگی۔

بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔! اگر تم چاہتی ہو کہ یہاں خون خرابہ نہ ہو تو چلو میرے ساتھ۔! میں وعدہ کرتا ہوں کہ بے پناہ محبت کے ساتھ تمہیں ہر آسائش دوں گا، چلو۔!“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چاندنی پریشان ہو گئی۔

”وہ۔۔۔ بے بے۔! بابا۔!“

”وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں چاندنی۔! ان کے دل میں اگر ذرا سا بھی تمہارا خیال ہوتا تو وہ

”شش.....! کسی کو بتانا نہیں.....! اُس کی گود میں میرا بچہ کھیل رہا ہے اور میری گود میں..... چنا نہیں.....!“

”حاکم.....!“ سردار ہاشم علی دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر ڈھسے سے گئے جبکہ بے رور و کر کہہ رہی تھیں۔

”میں نے کہا تھا حاکم کے ابا.....! ابھی اسے نہ بتا.....! پر تو میری سستا کب ہے.....؟ جا.....! جا خوشیاں منا تو.....! حویلی کا وارث آنے والا ہے.....! پر میرے وارث کا کیا ہوگا.....؟ ماے رہا.....!“

بے بے وحاشا زین مار مار کر رور رہی تھیں اور صحن میں شادیانے بچ رہے تھے۔

○○○

ہمایوں کے غسل صحت پر نوریہ نے اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ گھر میں باقاعدہ تقریب تھی۔ سب اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔ رات گئے تک کافی بلا گلا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ مہمان زحمت ہونے لگے اور جب نعمان اُس سے اجازت لینے آیا تو وہ پوچھنے لگی۔

”نوری.....! کل تم فارغ ہو گے.....؟ آئی مین.....! کل سنڈے ہے.....! تمہیں اپنا کوئی کام نہ ہو تو.....“

”تو.....؟“ نعمان سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”تو ہم وہاں جانا چاہتے ہیں، مرشد سائیں کے پاس.....! لے چلو گے.....؟“ نوریہ نے انعام دعا بتا کر پوچھا تو وہ ہمایوں کو دیکھنے لگا۔

”بھئی.....! نور کا کہنا ہے کہ میں اُن کی دعا سے ٹھیک ہوا ہوں اور یہ ان کا شکر یہ ادا کرنا چاہتی ہیں۔“ ہمایوں نے مسکرا کر کہا۔

”نور کا کہنا غلط نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹر نے تو بالکل جواب دے دیا تھا۔ بہر حال آپ کو کون بوسرور جانا چاہئے۔“ نعمان نے نوریہ کی تائید کی۔

”تو پھر صبح تم آ جاؤ.....! ہم تمہارے ساتھ ہی چلیں گے.....!“ نوریہ نے فوراً کہا تو نعمان نے بغیر کسی پس و پیش کے حامی بھر لی۔

اور اگلے دن وہ اپنی مراد برآنے پر بہت ممنون سی ہمایوں کے ساتھ مرشد سائیں کے ساتھ چلی تھی۔

”یہ میرے شوہر ہیں.....! میں انہی کے لئے آپ کے پاس آئی تھی۔“

”اللہ نے تجھ پر کرم کیا ہے پتر.....! اس کا شکر ادا کر.....! جارت تجھے خوش رکھے

مرشد سائیں نے کزشتہ کی طرح مختصر بات کر کے جانے کو کہہ دیا تو اس نے پہلے ہمایوں کو دعا دی۔

نعمان کی طرف دیکھنا چاہتی تھی کہ نظریں کو نے میں بیٹھے اس شخص پر جا ٹھہریں جو اسے دیکھ کر اس رہا تھا۔

کی ہاتھوں پر ہتھوڑے برسائے لگی جبکہ آنکھوں کے سامنے ہر شے گول گول گھومنے لگی تھی۔ باہر دھول کی آواز بھی اچانک تیز ہو گئی تھی۔

”لے.....! اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا.....!“ سردار ہاشم علی نے بے بس سے ہنس کر کہا پھر قریب آ کر اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے لگے تھے کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ کر بولا۔

”نہیں.....! میں باپ نہیں ہوں.....! میں کسی کا باپ نہیں ہوں.....!“

”ہے نہیں.....! بن جائے گا.....! جلدی بن جائے گا.....! اللہ نے کرم کیا ہے.....! تیرے گھر

میں بچہ آنے والا ہے۔“ سردار ہاشم علی اُس کی کیفیت سے بے خبر اپنی بولے جا رہے تھے جبکہ بے بے کو اُس کی آنکھوں سے پستی وحشت سے خوف آنے لگا تھا۔ بمشکل بول پائیں۔

”حاکم کے ابا.....! پہلے اسے آرام کرنے دیں.....! سفر سے آیا ہے.....!“

”مت ماری گئی ہے تیری.....! کوئی اتنا لمبا سفر کر کے نہیں آیا.....! اور شیر جوان ہے، تھکے گا

کیوں.....؟ حاکم پتر.....! چل اپنے ہاتھوں سے خیرات بانٹ.....! لوگ تیرے انتظار میں کھڑے ہیں۔“ سردار ہاشم علی اُس کے بازو میں بازو ڈال کر چلنے لگے کہ وہ ایک دم انہیں دھکیل کر پیچ پڑا۔

”آپ لوگ پاگل ہو گئے ہیں.....! میرا کوئی بچہ نہیں ہے.....! میں کسی کا باپ نہیں ہوں.....! میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔“

”پتر.....! کیا ہو گیا ہے تجھے.....؟“ سردار ہاشم علی اب ٹھٹکے تھے۔

”تیری شادی نہیں ہوئی تو چاندنی کون ہے.....؟ بیوی ہے تیری.....! اور اب تیرے بچے کی ماں

بننے والی ہے.....!“

”چاندنی.....! ماں.....؟“ اُس کے سر پر جیسے آسمان آن گرا تھا۔ آنکھوں کے سامنے گول گول دائرے بننے لگے اور دائروں میں ایک لڑکی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

”میں تمہارے بچے کو پا لوں گی.....! تم کسی اور کا بچہ پالنا.....! یہی ہوگا.....! یہی ہوگا سردار.....!“

تمہاری گود میں کسی اور کا بچہ کھیلے گا۔“

”نہیں.....! نہیں.....!“ حاکم علی نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر آنکھیں بند کر لیں لیکن اُس کی

ہاتھوں میں مسلسل سونیا چیخ رہی تھی۔

”یہی ہوگا سردار.....! دیکھو.....! یہی ہوا ہے.....!“

”حاکم پتر.....! کیا ہو گیا ہے.....؟“ سردار ہاشم علی پریشان ہو گئے۔ اُس کی دونوں کلاٹیاں تھام کر چھوڑنے لگے تو وہ آنکھیں کھول کر کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا، پھر ہنسنے لگا۔

”تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا.....!“ سردار ہاشم علی نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔

”ڈر گئے.....!“ وہ اور زور سے ہنسنے لگا۔ پھر ایک دم ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا۔

”حاکم علی.....!“

ہوٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ اُس نے بے اختیار ہمایوں کا ہاتھ پکڑا تو مرشد ہمایوں کہنے لگے۔

”فرزند پتر.....! لگا ہے.....!“

”پگلا.....!“ ہمایوں اُس کی نظروں کے تقاب میں دیکھ کر چونکا۔

”سب اللہ کے کام ہیں.....! بندہ تو گنگوکار ہے.....!“ مرشد ہمایوں کہہ کر حاکم علی سے مخاطب ہوئے۔

”حاکم.....! کیوں ہنستا ہے.....؟ اللہ اللہ کر.....!“

”شش.....!“ حاکم علی نے ہونٹوں پر اٹکل رکھ لی۔

”کیا ہوا.....؟“ مرشد ہمایوں گردن موڑ کر حاکم علی کو دیکھنے لگے۔

”کسی کو بتانا نہیں.....! اُس کی گود میں میرا بچہ تھا اور میری گود میں.....“ چائیں.....!“ آخر غریبی حاکم علی کے چہرے پر عدد وچ منظریت اتر آئی تھی۔

”میرے خدا.....!“ نور یہی نظروں میں وہ حاکم علی آں ملایا جو کچھ ہاتھا۔

”نان لو کہ سردار حاکم علی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے جو تہہ بے تہہ روم تک آسکتا ہے وہ سوچو کیا نہیں کر سکتا.....؟“

”کچھ بھی کر لو.....! خدا نہیں بن سکتے.....!“ اُس نے بہت جلد سے کہا تھا اور ابھی بھی اُسے خود کو

ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔ بمشکل ہمایوں کا ہاتھ تھام کر اٹھی اور اُس کے بازو کا سہارا لئے ہوئے گاڑی تک آئی۔

”خدا کی لاشھی بے آواز ہے.....!“ ہمایوں نعمان سے کہہ رہا تھا۔

”بے شک.....!“ وہ سر اٹھا کر آسمان دیکھنے لگی۔ اُس کی نظروں میں تشکر کے ساتھ رحم کی اہیل بھی تھی۔ جانے کس کے لئے۔

دل بے قراری اور انوکھی میں جانے کیا اسرار ہے۔ کہیں غمہر تان نہیں، مڑکتا نہیں، مل جائے تو بھی نہ ملے تو بھی بے قراری رہتا ہے۔

○○○